

# انتخاب بخاری

مفتی شریح  
مدرسین اہل ہندو مالکی ائمہ مسند  
مدرسہ ترمذیہ حشریہ ۱۰۰  
مدرسہ اسلامیہ عثمانیہ  
مدرسہ اسلامیہ عثمانیہ  
۱۰۰

(ترجمہ و تشریح)

تفزیل احادیث

امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز رحمہ اللہ

جلد دوم

ادارہ اسلامیات ۱۰۰ مالکی روڈ کراچی

03002252 - 4777991 - 4777648

{ Telegram } >>> <https://t.me/pasbanehaq1>

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ و تفسیر کے مثل تشریح

رَحْمَةُ الْفَلَدِ رَحْمَةُ الْفَلَدِ رَحْمَةُ الْفَلَدِ

# انتخاب بخاری

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث  
امام بختاری قدس اللہ سرہ العزیز ۱۲۵۶ھ

نیرنگانی  
حکیم الانس کا شرف علی تھانوی

اردو ترمیم و تشریح  
حضرت لا ناظر احمد عثمانی

عربی شرح  
علامہ ابن ابی حجر مالکی اندلسی

نسخہ دوم

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصورات، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے  
استنباط پر وہ گراغایہ کتاب جو ہر دور میں علماء و مفتیان اور دیندار حضرات کی توجہ کا  
مستحقہ طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شہرت

ناشر

ادارۃ اسلامیات انارکلی لاہور



# فہرست

رحمۃ اللہ دوس (انتخاب بخاری) جلد دوم

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	تفصیل
۱۹	تراویح سنت ہے بدعت نہیں		(۴۴) حدیث، تحقیق الصلوات
۲۰	بسن و منہ منہ نقل ہر جانا		
۱۱	بہم عزت دنیا حاصل کرنا جائز ہے	۱۵	صحیح کل میں اس حدیث کا اتباع چاہیے
۲۱	عزت کا افتخار ہی افضل ہے	۱۶	تفسیر کے بعد مراد دیکھ لیجئے کہ ہر بدعت ہے
	(۴۵) حدیث جواز المشی فی العکاظ	۱۷	نہ میں کسی حدیث کا ملن نہ سنت
	شرق کا زیادہ ہر ماہ میں عبادت ہے	۱۸	محرم شری میں قوم کرمانی مشرعات نہیں
۱۱	سواہر علی گوشت سے انارہ کیا	۱۹	تیرہویں تو سب ہی سنت ہے
۲۲	کام سے پہلے اس کا اہتمام	۲۰	دلبری تمام احوال سے لطف ہے
۱۱	بدون جب کے کسی کو نہ مار دیا	۲۱	سُنی شیخ سنت، مہاجرت برہم سے ہے
۲۳	دلبری اور دلبری کا ثبوت	۲۲	غازی تحقیق اور تعویذ کی تحفہ
	(۴۶) قوفیہ ارکانات الصلوات		بسن شریفیاد کی ایک خطی
۲۴	مل کا بد بڑھ کر کہ عجمت ٹھیل کے پیلا ہے	۲۵	(۴۷) حدیث اصل صلوات اللہ علیہ
۲۴	سوال سے ٹھیل سنا ہے نا جب نہیں	۲۶	اہلبیہ میں اس کا بنام کرنا چاہیے
۲۴	مغفرت حال کی بند پر حکم نہ لگنا چاہیے	۲۷	بدعت کی مذمت
۲۸	عادت میں شغل شخص کو دیکھنا جائز ہے	۲۸	ایام محرم کی تنظیم کا طریقہ
۲۸	انہوں کے احوال کی گمشدگی نہ چاہیے	۲۹	تراویح کی اصل
			صلوات کامل کا حال



صفحہ	سفر	موضوع
۳۹	۳۹	حدیث کی کیفیت
۴۰	۴۰	قبولِ روایت کی قریب و دوری
۴۱	۴۱	قبولِ روایت کی قریب و دوری
۴۲	۴۲	حدیث کی قریب و دوری
۴۳	۴۳	حدیث کی قریب و دوری
۴۴	۴۴	حدیث کی قریب و دوری
۴۵	۴۵	حدیث کی قریب و دوری
۴۶	۴۶	حدیث کی قریب و دوری
۴۷	۴۷	حدیث کی قریب و دوری
۴۸	۴۸	حدیث کی قریب و دوری
۴۹	۴۹	حدیث کی قریب و دوری
۵۰	۵۰	حدیث کی قریب و دوری
۵۱	۵۱	حدیث کی قریب و دوری
۵۲	۵۲	حدیث کی قریب و دوری
۵۳	۵۳	حدیث کی قریب و دوری
۵۴	۵۴	حدیث کی قریب و دوری
۵۵	۵۵	حدیث کی قریب و دوری
۵۶	۵۶	حدیث کی قریب و دوری
۵۷	۵۷	حدیث کی قریب و دوری
۵۸	۵۸	حدیث کی قریب و دوری
۵۹	۵۹	حدیث کی قریب و دوری
۶۰	۶۰	حدیث کی قریب و دوری
۶۱	۶۱	حدیث کی قریب و دوری
۶۲	۶۲	حدیث کی قریب و دوری
۶۳	۶۳	حدیث کی قریب و دوری
۶۴	۶۴	حدیث کی قریب و دوری
۶۵	۶۵	حدیث کی قریب و دوری
۶۶	۶۶	حدیث کی قریب و دوری
۶۷	۶۷	حدیث کی قریب و دوری
۶۸	۶۸	حدیث کی قریب و دوری
۶۹	۶۹	حدیث کی قریب و دوری
۷۰	۷۰	حدیث کی قریب و دوری
۷۱	۷۱	حدیث کی قریب و دوری
۷۲	۷۲	حدیث کی قریب و دوری
۷۳	۷۳	حدیث کی قریب و دوری
۷۴	۷۴	حدیث کی قریب و دوری
۷۵	۷۵	حدیث کی قریب و دوری
۷۶	۷۶	حدیث کی قریب و دوری
۷۷	۷۷	حدیث کی قریب و دوری
۷۸	۷۸	حدیث کی قریب و دوری
۷۹	۷۹	حدیث کی قریب و دوری
۸۰	۸۰	حدیث کی قریب و دوری
۸۱	۸۱	حدیث کی قریب و دوری
۸۲	۸۲	حدیث کی قریب و دوری
۸۳	۸۳	حدیث کی قریب و دوری
۸۴	۸۴	حدیث کی قریب و دوری
۸۵	۸۵	حدیث کی قریب و دوری
۸۶	۸۶	حدیث کی قریب و دوری
۸۷	۸۷	حدیث کی قریب و دوری
۸۸	۸۸	حدیث کی قریب و دوری
۸۹	۸۹	حدیث کی قریب و دوری
۹۰	۹۰	حدیث کی قریب و دوری
۹۱	۹۱	حدیث کی قریب و دوری
۹۲	۹۲	حدیث کی قریب و دوری
۹۳	۹۳	حدیث کی قریب و دوری
۹۴	۹۴	حدیث کی قریب و دوری
۹۵	۹۵	حدیث کی قریب و دوری
۹۶	۹۶	حدیث کی قریب و دوری
۹۷	۹۷	حدیث کی قریب و دوری
۹۸	۹۸	حدیث کی قریب و دوری
۹۹	۹۹	حدیث کی قریب و دوری
۱۰۰	۱۰۰	حدیث کی قریب و دوری

صفحہ نمبر	توضیح	صفحہ نمبر	ترجمہ
۱۱۴	ہر ۱۰ میں شروع ہونے والا ہے	۱۱۴	(۱۱۴) حدیث
۱۱۵	حدیث ۱۱۴ کا تکرار اور اس میں	۱۱۵	جواز الدعاء علی الصلوات
۱۱۶	تجاویز انتہائی تشریح کی گئی ہے	۱۱۶	بدھوں کے نام کی کتاب پانچے کو یہ سرت ہو
۱۱۷	ان میں ازواج کا نام مطالب ہے	۱۱۷	وہاں میں اعلیٰ درجہ پر نظر
۱۱۸	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۱۸	وہاں کی کیفیت اور اس کے مدد ہاں
۱۱۹	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۱۹	سرت و بکر کی صورت پر وہ توجہ
۱۲۰	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۰	وہاں میں انتہائی عاجزی و سرکارت ہے
۱۲۱	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۱	فصل کو ہر سال میں نظر اور کج
۱۲۲	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۲	وہاں میں رفع العورت بالذکر بعد الصلوات
۱۲۳	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۳	نہاں کے بعد از حج کی توجہ
۱۲۴	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۴	ایک عمل میں چند توجہیں توجہ کرنا
۱۲۵	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۵	(۱۲۵) کلمہ داع و کلمہ منول میں توجہ
۱۲۶	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۶	گاہ کی ذمہ داری کن کن میں ہے
۱۲۷	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۷	ما توجہ کے دین کی حفاظت واجب ہے
۱۲۸	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۸	اعلیٰ و میال کے لیے اچھا خواہش کرنا
۱۲۹	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۲۹	ادب کی توجہ
۱۳۰	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۳۰	نہاں اور توجہ کی توجہ توجہ توجہ
۱۳۱	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۳۱	توجہ کی توجہ توجہ توجہ
۱۳۲	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۳۲	(۱۳۲) حدیث التبرید بالصلوات
۱۳۳	تو یہ اسے زیادہ موجب توجہ نہیں تو یہ توجہ	۱۳۳	اسباب توجہ کو توجہ کرنا چاہیے

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۱۶۳	ساکینہ کے لیے ایک سبق	۱۳۲	علاقے کی چار بار بار بار بار بار
۱۶۵	نرسنگ راجہ کے بعد سہیلی نہیں نہ چرنا	۱۳۵	سورہ انفیل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا رد
۱۶۶	علامہ زمانہ کی نکاحیت	۱۳۷	شیخ اور عالمین کی نگارشات
	(۵۶) حدیث، غزوہ بدر، غزوہ بدر	۱۳۸	گیا مسکے اپنے ماضی کو ہم متعلق کرنا
۱۶۶	غلامہ و امیر غزوہ خندق		(۵۷) حدیث، تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۶۷	نہایتی کلاسیک بڑا سبب امامت کا حکم ہے	۱۴۰	امام سے غلبہ کے بعد ان کی تحفظ
۱۶۸	شرعیات میں مقصود ہے کہ کیا یا مقصود نہیں	۱۴۱	غلامہ و امیر امامت کی حکمت
۱۶۹	سیاحی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۴۲	نہایتی جہاد میں لگانا ہونا کا رد
۱۷۰	ادب سیرت کے ناسخ	۱۴۳	نیفیع کی حکمت کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے
۱۷۱	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۴۵	مہینے کی قرآنی سے صوبہ پاؤں
۱۷۲	جہاد شیعہ میں کیا یا یا امریت	۱۴۶	ایک جہاد جہاد کا حکایت
۱۷۳	غلامہ و امیر جہاد میں بات ہے	۱۴۸	مردم امامت کو شیخ انسان ہوتا ہے
۱۷۴	امیر جہاد میں امامت میں ہے	۱۴۹	نہایت کے غلامہ و امیر کی نرسنگ
	(۵۸) حدیث، السنۃ یوم عید الفطر	۱۵۱	دعا کی کتابت
۱۸۲	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق		ادب جہاد و امیر امامت میں امامت
۱۸۳	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۵۲	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق
۱۸۴	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۵۳	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق
	(۵۹) حدیث، السنۃ یوم عید الفطر	۱۵۴	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق
۱۸۶	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۵۵	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق
۱۸۸	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق	۱۵۶	نہایتی جہاد و دیگر خیالات کے لیے ایک سبق

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
	عیدین یا نیکان میں روت بہا	۱۸۸	(۶۱۱) حدیث: اِنَّ قَسْفَكَ عَلِيكَ
	ایام شریف، روزگار، امتحان کے دن	۱۹۱	حقاً ولا عذاباً علیک حقاً
۲۲۳	یکایک شریف میں ہر مہینہ کی بات ہے ؟	۱۹۲	قیقہ کے تیرکے پر عام نہ لگو
۲۲۶	جس دور کا ہے، کیا نصیحت	۱۹۳	ذکر و ذکر، باتوں کے حوالے سے باخبر رہنا
۲۲۸	ہم وہ یہاں کی تھی، تو اسے تو یاد کرنا خود ہے	۱۹۵	عہد میں (امین کی خدمت
۲۳۱	احوالِ غیبت کے بے بہا عہدِ سرور ہیں	۱۹۶	اصل اور حقیقی فقر و غنا
۲۳۵	سہ ماہ کی شہریت		سہ ماہ کی شہریت
	۱۰۰ حدیث: جواز التفتل علی الرایۃ فی السفر		
	نہ نکل کی نصیحت	۱۹۸	(۶۱۲) حدیث: الاستقارۃ فی الامور
۲۳۷	نہ نکل کی بات میں کیوں ساتھ نہیں	۱۹۸	دل سے مستحکم اور اس کا ترجمہ
۲۳۹	عہد کی ہی دولت ساتھ نہیں	۱۹۸	ہر طرح احتیاج الی اللہ
۲۴۰	ذکرِ شرف عہد میں افضل	۲۰۱	استغفار سے عشقِ بندہ ہم امور
	سورت ذکر نور و لام ذکر کا فرقہ	۲۰۵	۱۰۰ حدیث: ما یلین قلبہ و منیرہ
	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ		
۲۴۱	نیابت کی علامات		۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۴۳	علمِ حقیقی کیسے اور اس کی تربیت	۲۱۱	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۴۴	آیاتِ الہیہ سے محبت	۲۱۱	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۴۴	ایمان و ایمان سے وقت اور عمر کا برکت	۲۱۲	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
	آفاقِ نام کا سماں میں ہے برکت کی دھج	۲۱۶	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۴۷	مال میں برکت ہونے کا سبب و اسباب	۲۱۶	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۴۸	غیر مال کے ساتھ کثرتِ مال	۲۱۹	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۵۱	بڑا نسخہ ہے	۲۲۱	۱۰۰ حدیث: اشراف الساعۃ
۲۵۲			

[illegible]



سوال نمبر	موضوع	سوال نمبر	تفصیل
۴۹۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۱	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۱	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۲	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۲	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۳	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۳	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۴	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۴	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۵	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۵	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۱۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۱۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث

صفحہ	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۴۸۱	۴۸۱	بڑوں کو نام لے کر پھینکا	(۱۵۵) خروج التجال و فتنہ
۴۸۲	۴۸۲	شعور کا بے ہمت کرنا غصہ شریف نہیں	
۴۸۳	۴۸۳	میں سب کا اعتماد یا اظہار	
۴۸۴	۴۸۴	سوز، کراہت، شبہ و سحر میں فرق	۵۰۰
۴۸۵	۴۸۵	قوی ایمان اور بدعت کا تحمل نہیں کر سکتا	۵۱۵
۴۸۶	۴۸۶	ہمدانی قوت ایمان کے سوا فتنہ ہے	۵۱۶
۴۸۷	۴۸۷	ایمان کا شہدہ برجز و رکن ہے حکمت پر نہیں	۵۱۸
۴۸۸	۴۸۸	دین کے ساتھ فتنہ معر نہیں	۵۲۰
۴۸۹	۴۸۹	تقدیر کا بیان	۵۲۳
۴۹۰	۴۹۰	(۱۵۶) حلیۃ ملک و الدین شمس الطال	
۴۹۱	۴۹۱	دینی کام میں کس کو نائب بنا دیا جائے	۵۲۱
۴۹۲	۴۹۲	میرے کام شروع کیا کی سے ختم کراؤ	۵۲۸
۴۹۳	۴۹۳	فتنہ الیہ کو بدل کرنا	۵۳۳
۴۹۴	۴۹۴	ماہل فتنہ	۵۳۵
۴۹۵	۴۹۵	بہر شخص اپنی حالت میں خود کرے	۵۳۵
۴۹۶	۴۹۶	سید عثمان کتب و سنت ہے بشرطیکہ	۵۳۶
۴۹۷	۴۹۷	تفسیر سبب مانع کے سوانح ہو	
۴۹۸	۴۹۸	(۱۵۷) استیعاب منکح الیہ تخطیہ تزوج	
۴۹۹	۴۹۹	انسان کو اسباب کام میں پہنچے	۵۴۰
۵۰۰	۵۰۰	سوال سے پہلے مسئلہ کو جاننا	۵۴۸
۵۰۱	۵۰۱	قرب دالے اعمال کو اختیار کرے	۵۴۹
۵۰۲	۵۰۲	بے ہمتی کی غیبت عامل کدھت سے	۵۵۲
۵۰۳	۵۰۳	عین الہ پر قدرت ہو وہی افضل ہے	۵۵۲
۵۰۴	۵۰۴	(۱۵۸) ہما حرم عبد الرسول علیہ السلام	
۵۰۵	۵۰۵	ہدیہ قبول کرنے میں غلوں پر نظر کرنا	
۵۰۶	۵۰۶	سیما دل کو فتنہ مقرر نہیں	
۵۰۷	۵۰۷	ہر کام اپنی صفت کے موافق چاہیے	
۵۰۸	۵۰۸	دین کا انجام زیادہ جوتا	



صفحہ نمبر	عنوان
۵۵۸	نکاح کی حفاظت
۵۵۹	۸۸۹ ہودیت، توفیق السجود
۵۱۰	باب ہاشم کے ختم کرنے میں حکمت
۶۰۵	مغفور اور ترک باب ہاشم
۶۰۶	کرامت کی دو قسمیں
۶۰۷	باقی اعتراضات کا جواب
۶۰۸	کب جہان آباد ہوتے ہیں نبی کی ضرورت
۵۵۹	۹۹۹ طہیحات بلایا والہ مختصر کا
۶۱۲	۴۰ وصیۃ النبی ﷺ
۶۱۳	۵۰۰ بزرگوں کو اس کی بات کے ساتھ نصیحت
۶۱۴	۵۰۰ وصیت اول و دوم کی تفسیر زیادہ کی
۶۱۵	۵۰۰ متعلقہ دنیا کو زیادہ مل کی ضرورت نہیں
۶۱۶	۵۰۰ انسان اپنے دوست کے لئے ہر شے ہے
۶۱۷	۵۰۰ زندگی کا لکھا آئینہ میں نہ باندھو
۶۱۸	۵۰۰ مودیا و کامرانت عبادت میں غفلت اور بے
۶۱۹	۵۰۰ اہل ترک عبت مائل ہوجانے پر نذر
۶۲۰	۹۹۹ (۹۹۹) النہج من التقوی
۶۲۱	۵۱۲ بسم اللہ رک کرنے کی صورت
۶۲۲	۵۱۲ میں شکار کا حکم ؟
۶۲۳	۹۹۹ (۹۹۹) النہج من التقوی
۶۲۴	۵۱۲ اسباب ہاشم میں مشغول ہونا

صفحہ	صفحہ	صفحہ	صفحہ
	(۱۰۰) حدیث ، مسند احمد		(۹۸) حدیث ، جز الثقل والاخر علیہما
	یشرب بائذ دخل الجنة	۹۳۸	بہارِ نبوی - پر سارہ دین
۹۴۱	۱۰۰۰ بیروں پر نظر آتا	۹۴۱	دنیائے خلد کوئی شخص ورک نہ
۹۴۲	محبت کا ایک رب	۹۴۱	بزرگوں کو اگر حق بات بتلاں ہمارے
۹۴۳	انہی ہر گنہگار پر	۹۴۱	عرب کی قوم سے جذبات ہیں بھون
۹۴۳	ہر روز غفلت والے کھاتے ہیں	۹۴۲	نویسے نوپادہ ریت کا ایک دم
	نویسے کئے جاکیں		(۹۹) لاجبی اللہ و لرمونہ
۹۴۳	{	۹۴۱	نہا سے کیا ہوا ہے ؟
	نویسے کئے جاکیں	۹۴۱	نویسے کئے جاکیں
۹۴۱	نویسے کئے جاکیں		

تفسیر حدیث ، فقہ ، تصوف ، سیرت ، تاریخ ،  
سوانح ، عملیات اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر  
مستند کتابوں سے حصول کے لیے ہمیشہ رجوع فرمائیں  
ادارہ اسلامیات ، ۱۹۰ - انارکلی لاہور

ۛۛ



باب پہل دہم

## حدیث

### تَخْفِيفَ الصَّلَاةِ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کبھی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکا نہ ہو۔  
نیا سے کامل ہو لیا یعنی وہ نماز آپ کے کرنے کی آواز سن لیتے تو نلکڑ کو کبھی کر دیتے مگر اس کے بعد پویشی میں نہ پڑھتے۔

توضیح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تکمیل کے ساتھ تخفیف فرماتے تھے اور یہ کہ آپ غیر محلی گماریت سے ہی نماز میں تخفیف کرتے تھے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵) درجہ کمال میں اکمل حالات کا اتباع کرنا چاہیے اور ادنیٰ درجہ

میں صرف صحت پر اکتفا نہ کیا جائے۔ حدیث میں (مضرت) صحابہ کے اجتہاد (اتباع) کی دلیل ہے کہ وہ درجہ کمال

میں تو اکمل حالات کا اتباع کرتے تھے اور درجہ صحت میں ادنیٰ پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ کچھ زیادتی کرتے تھے تاکہ درجہ کمزاریت سے کم نہ رہ جائے (اور عمل پر بلونہ ہو جائے) اور ادنیٰ درجہ میں کمزاریت کا حتمی یقینی طوع پر اس وقت تک نہیں جو کتاب تکس پر کچھ تنویری سہی زیادہ نہ کی جائے بشرطیکہ زیادہ شرعاً ممنوع نہ ہو جیسے وضو میں چادر و دھواں اور دھونا

منوٹ ہے یا وہ زیادت ایسی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی درجہ میں بھی ملنا ثابت نہ ہو (تو اس سے ہی پکا جائیگا) تاکہ بدعت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور بدعت کی مذمت حدیثوں میں جس قدر آئی ہے وہ معلوم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد

جو شے خلقی ہمارے اس امر میں یعنی دین میں ایسی بات ایسا اور کرے جو اس میں نہیں ہے تو دور دے

یہ آپ کا ارشاد ہے کہ بعد خدا فضائل پر بدعت گواہی ہے، اور اس جیسی ریت سی بدعتیں ہیں

اور اسی میں غداروں نمازوں کے بعد صرف دُعا کیلئے مجتمع ہونا بدعت کے بعد لوگوں کا دعا

کے لئے مجتمع ہونا بھی داخل ہے پس یہ عمل اور جو اس کے مشابہ ہوں سب بدعت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے کسی ثابت نہیں کہ انہوں نے عبادت یا ثواب جمع کرنا یا کسی اور اگر بہانہ کے عبادت کو حدیث کمال سے کم حد پر چاڑھا کیا جائے تو جائز نہ مگر افضل وہی ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد سلف صالح نے عبادت کی ہے۔

فہ صوفی نماز کو اس مقام سے سنی لینا چاہیے کیونکہ وہ بھڑکے بدعات میں مبتلا ہیں اور جب کہلایا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے تو کہتے ہیں اس میں کیا خرابی ہے جم تو نیک کام کرتے ہیں بڑا کام تو نہیں کرتے حواں کو سبب لینا چاہیے کہ نیک کام وہی ہے جس کا شریعت میں ثبوت ہو۔ دیکھو دعا کرنا نیک کام ہے لیکن نمازوں کے بعد مجتمع ہو کر دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے ثبوت نہیں پس اسی پر ان اعمال کو تیس کر لیا جائے جن کا کوئی نفع مانانے نیک اعمال سمجھ کر استیاء کیا ہے۔ مگر شریعت میں ان کا ثبوت نہیں، جیسے میں شائع

اور فاتحہ غزالی کے جملے وغیرہ اور قوال و سماع تو جس صورت سے آجکل جوتا ہے وہ تو طویل بدعت ہونے کے بہت سی قرینات و محکومات پر مشتمل ہے۔

فے بدعت وہ نیا کام ہے جس کا ثبوت خبریت میں نہ ہو اور اس کو دین یا ثواب سمجھ کر کیا جائے، اگر دین یا ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے تو بدعت نہیں۔ پس ریل اور تار اور موٹر اور بجائی جہاز اور قسم قسم کے لباس اور معلومات و مشروبات اور استعمال بدعت نہیں کیونکہ ان کو ثواب یا عبادت یا دین سمجھ کر استعمال نہیں کیا جاتا، اسلحا و کمرسہ ہیر اور خاص مقدار اور خاص طرز و وضع کی رعایت یا تسبیح و تہ میں رکنا بھی بدعت نہیں کیونکہ ان چیزوں کو ثواب سمجھ کر نہیں کیا جاتا بلکہ بطور علائق تہذیب کے اختیار کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھو۔

فے جمع ہو کر دعا کرنا جو بدعت ہے اس سے وہ اجتماع ملوا ہے جو بعض دعا کے لئے ہو پس نماز کے قراہندہ جو دعا کی جاتی ہے وہ بدعت نہیں کیونکہ اس میں دعا کے لئے اجتماع نہیں ہوتا بلکہ اجتماع تو نماز کے لئے ہوا تھا اسی حالت میں دعا بھی ہو گئی اور نماز کے بعد دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً ثابت ہے جیسا احادیث و حدیث میں بہت تفصیل کے ساتھ احادیث کی رو سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ پس نماز کے بعد سب لوگ حضورؐ کی دیر تک دعا کر لیں تو یہ صورت سنسک کے خلاف نہیں سنت کے خلاف یہ عقیدہ ہے کہ جماعت کی نماز نفع جو جانے کے بعد لوگ۔ نوافل و سنن میں مشغول ہو جائیں گے اور نوافل و سنن سے فراغت کے بعد صرف دعا کے لئے اجتماع جو جس کی آجکل دعا کے لئے نہیں کیا جاتا ہے اور جاوہر سوانح ہند میں اس کا بٹا التزام ہے سو یہ اجتماع جو بعض دعا کے لئے جوتا ہے خاص بدعت ہے۔

(۱۵۲) نماز میں کسی حادثہ کی طرف التفات کرنا خشوع کے

حدیث ہے معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے کئی حادثہ پیش آئے  
منافی نہیں تو اسکی طرف التفات کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کا بچہ کی آواز کو سنا اور اس کے سبب میں غور کرنا ایسی شے کی طرف انتہات متجاوزانہ سے خارج ہے مگر اس کا تعلق غلطیوں سے قیاس لئے اس کی طرف انتہات فرمایا گیا مگر یہ دراصل ضرور ہے کہ انتہات معمولی ہو یا جس سے نماز کے ارکان وغیرہ چھین کر نکل آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس حالت میں بھی سب سے کامل تر تھی مگر یہ انتہات آپ کو نماز سے مشغول کر دیتا تو آپ نماز کو کامل غور پر نہ ادا کر سکتے۔

”قوله الوجه اشامن فيه دليل على ان العكرة الى قوله ما انتا“

## (۱۵۲) حکم شرعی میں غور کرنا بھی منافی خشوع نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ منہوت کے وقت نماز کے اندہ یا کسی اور عبادت میں مشغول جتنے ہوئے حکم شرعی میں غور کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ عبادت کو باقی رکھ کر اس کے واجبات کو پورا کرتے ہوئے ایسا کرنا ممکن ہو۔ مطلب یہ کہ سرسری طور پر غور کرنا جس سے نماز کے ارکان و واجبات میں خلل نہ آنے پائے جائز ہے یہ نہیں کہ نماز میں جلیہ اور بجاہی کے اشکالات کو حل کرنے گئے ہاں کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کے رونے کی آواز سن کر نماز کو منقطع کر دیتے تھے حالانکہ عمل مشروع کرنے کے وقت تطویل کا ارادہ متاؤف از کو منقطع کرنا بھی ایک عمل ہے جو حکم میں غور کرنے کا نتیجہ تقابلیں یہاں چھ باتیں جمع ہو گئیں۔

(ایک تو) واقعہ کی طرف انتہات

(دوسرے) حکم شرعی میں غور کرنا

(تیسرے) وہ عمل کرنا جو نماز میں ممکن تھا (یعنی نماز کو منقطع کر دینا)

(چوتھے) حق غیبر (یعنی پیداوار اس کی ماں کے حق کی معایت)

(پانچویں) سد ذریعہ (کا اجتماع) یعنی جس چیز سے فتنہ کا احتمال بھی ہو سکو

یقین نہ ہو اس کی پہلے ہی سے روک تھام کیونکہ بچہ کے رونے سے اس کی ماں

کا پریشانی ہونا لازم نہیں لیکن بچہ کو پریشانی پیش نہ آئے مگر معقولہ وصل اللہ علیہ وسلم  
نہ احتمال سنت کا بھی لانا کہ تنہا یا کہ انتہا طاسی کو نقص ہے اور اسی کام کے لیے  
ہے جو اصول مشورہ میں سے بنی اصل ہے

چھتے قوی کو احکام میں نہایت تابع کر دینا جبکہ دونوں کسی کام میں ساتھ آتے  
ہیں۔ اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

سير وابير اضعتكم لپنے گزروں کی چال چلا کرو ۔

قوله الوجه التاسع فيه دليل على جواز النظر في حكم من اضعتكم

القول سير وابير اضعتكم

(۱۵۴) خیر میں تو سبھی سنت ہے اس میں است کے حال پر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ محنت و شفقت پر بھی ولایت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا  
ہے کہ بعض دفعہ تخفیف و اختصار پر عمل کیا تو ہر شیعہ سنت کرنے والا تو  
سنت کے اتباع کا پورا قصد لے گیا اور کمزور مسکین بھی اتباع سنت سے محروم  
نہ رہے گا وہ بھی کچھ حصے لے گا اور تطویل و اختصار کے درمیان بہت وسعت  
ہے اور خیر میں توسط (دریچہ اوسط اختیار کرنا) ہی سنت ہے ۔

قوله الوجه العاشر فيه دليل على محنته عليه السلام في امته الخ

قوله وتوسط في الخير التي هي السنة ۔

(۱۵۵) دلداری اور دلجوئی تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے

اس میں سو فیہ کی بھی دلیل ہے جو دلداری اور دلجوئی کے بہت قائل ہیں  
اور وہ ان کے نزدیک تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے ۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کی ماں کی اور خود ہر کی پریشانی کی رعایت فرمائی اور اس  
کے لئے غار کو منتر کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دلجوئی بھی عبادت ہے جس





ایسا جو وہ اپنے وقت کا نطب اور عالم وجود کا کابج ہوگا ادنیٰ اللہ کا فضل ہے وہ میں کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو بھی وہ دولت عطا فرمائیں جو ان کو اپنے احسان سے عطا فرماتا ہے۔

قوله اوجه الحادی عشر فیہ دلیل لاهل الصوفۃ السدین یقولون  
بجبر القلوب الی قواء من اللہ ینفعہ علیہا من بہ علیہا ومنہ  
الحمد للہ کہ صحابہ اکابر حضرت مولانا گیسو گوی قدس سرہ و حضرت مولانا خلیل احمد  
صحاب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حکیم الامت دام جہد ہم سب کے باوجود صوفی اور صاحب  
اولیٰ رفید ہونے کے بعد بچہ کمال متبع سنت تھے اور میں اور یہی ان کا وہ کمال ہے  
جسکی نظرد و سوری بھی نہیں مل سکتی اور اسی وجہ سے ناواقف لوگ یوں سمجھتے ہیں  
کہ یہ حضرات تو نہ علماء ہیں صوفی نہیں کیونکہ عوام کے نزدیک صوفی وہی ہے جو  
مطلوبہ اعمال ہو اور صوفی متبع سنت مطلوبہ اعمال نہیں ہوتا بلکہ غالب علی الاحوال  
ہوتا ہے وہ ہر حالت میں اتباع سنت سے ایک قدم ہٹا گوارہ نہیں کرتا۔ اسی لئے  
یہ حضرات اپنے دامن کے قلوب الارشاد اور ہڈی ہمارے

پر کھنے جاؤ شریعت پر کھنے سندان عشق ہر جہاں کے مانعہ جام و سندان باشت

من اللہ تعالیٰ ینفعہ علیہا من بہ علیہا ومنہ

نماز کی تخفیف کو نماز قوت  
فے نماز میں تخفیف اور تطویل کی تحقیق کو نہ کر کے ہوتی ہے  
اور کبھی تمام ارکان میں اختصار کرنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ یہ اختصار نہ ہو جس سے  
ارکان میں خلل واقع ہو جائے و نہ نماز ہی نہ ہوگی یا ناقص ہوگی اور حدیث میں تصریح ہے  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باوجود نہیث ہونے کے کامل و اکمل ہوتی تھی اس  
جو یہ بھی سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ  
عنہم کی تخفیف صرفہ کو آج کل کی تخفیف پر قیاس نہ کرنا چاہیے کیونکہ حضرات صحابہ اور  
سلف سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت شروع کرتے تو آدمی

بتیج تک جا کر واپس بھی ہو جاتا تھا اور آپ پہلی ہی رکعت میں جھکتے تھے، اور سیدی اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں بعض دفعہ سوئے بقیود رکعت میں پڑھتے تھے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورہ یوسف مفتخر عثمان رضی اللہ عنہ سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ وہ اکثر صبح کی نماز میں اس کو پڑھتے تھے اور مولانا امام مالکؒ میں ام الفضل بنت الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ والہدیٰ سنائی تو فرمایا بیٹا کہنے یہ سورت پڑھو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یا طراوی کیونکہ یہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفتخر کی نماز میں سنی تھی (اس کے بعد میں نے حضورؐ کی قرأت نہیں سنی) اس سے معلوم ہوا کہ مضر لفظ صاب کی علت نماز میں تطویل قرأت تھا اور یہی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کیونکہ صحابہ سے زیادہ متبع سنت کون ہو سکتا ہے مگر اس تطویل کو وہ تخفیف فرماتے ہیں کیونکہ حضرات صحابہؓ نماز میں عزیمت قرآن کے مانتے تھے ان کو تطویل قرأت گراں نہ تھی، البتہ اگر کوئی ماریض پیش آجائے مثلاً بچہ رونے لگتا اور کوئی مدائش پڑھیں، آجائے تو اس عادت مسترد کو چھوڑ کر قرأت میں تخفیف کر دی جاتی تھی۔ پس تخفیف ملوہ کا ماسل یہ ہوا کہ موقع الی وقت کے مناسب قرأت کی جائے۔ اگر حالت اطمینان اور سکون کی ہو تو قرأت طویل کی جائے اور اس میں بھی مقتدیوں کی حالت کی رعایت کی جائے کہ اتنی تطویل نہ ہو جو نمازیوں پر گراں گزے اور اگر حالت بے اطمینانی اور پریشانی کی ہو تو اس حالت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر کسی حالت میں بھی واجبات میں غلغلہ نہ ڈالا جائے۔ دین کے سب کاموں میں قاعدہ یہی ہے کہ ہر عمل کو درجہ کمال پر ادا کیا جائے۔ ادنیٰ درجہ پر بدن کسی خدو کے کفایت نہ کی جائے اور ادنیٰ درجہ پر کفایت کرنے میں بھی واجبات میں منسل نہ ڈالا جائے۔

مفتخر مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے وقت

میں عالم مانا جاتا اور مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں بعض اہم  
کے واجبات بھی پوری طرح ادا کرتا تھا۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنَ الْبُحْبُوحَاتِ

انسوس علم ہی شائع ہو گیا اور اس کی حقیقت بھی پامید ہو گئی  
عمل ہی برابر ہو گیا اور اس کی تکمیل ہی جاتی رہی اسی لئے مذہب  
علیہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو مکروہات میں اس بات سے مستحکم ہے کہ  
انہوں نے الفاظ شرعیہ کو ان معانی پر مہول کر لیا جو پہلے زمانہ میں  
معروف نہ تھے۔ چنانچہ آج کل ہم نماز میں تخفیف کرتے ہیں تو حد  
جواز ہی سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ہماری لمبی نماز ہی ادنیٰ درجہ سے زیادہ  
نہیں ہوتی تو جب اس میں کمی کی جائے گی تو لامحالہ جواز سے نکل جائیگا  
ہے۔ پس نماز کی تکمیل اور تخفیف کی مدد کو وہی سبب بکھاتا ہے جس کی  
نظر میں احادیث پر ہوا اور حضرات فقہاء رضی اللہ عنہم نے کتب فقہ میں  
اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے جس کا تباہ سنت کا شوق جو  
اس کو کتب فقہ واجبات و فروع و سنن و مستحبات ملوثہ معلوم کر  
لینا چاہیے تاکہ تخفیف کے وقت سنن و مستحبات میں اختصار کیا جاسکے  
واجبات و فروع میں خلل نہ ڈالا جائے۔

وهذا ما سألته عليه السلام رحمه الله في الوجه الاول

والسلام عليه السلام

فے یہاں سے اُن موفیوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ہر حالت میں اپنے  
معمول ہی پر رہے۔ جتنے ہی کسی حال میں اس کی ترک نہیں کرتے سفر  
میں بھی نماز لمبی کرتے ہیں خواہ قاصد چلنے والا ہو یا ریل چھوٹ والی  
ہو اور مقتدی وقت کی تسکلی سے پریشان ہوں مگر امام صاحب  
ہیں کہ طویل مفصل کو نہیں چھوڑ سکتے اور نماز کے بعد وظیفہ کو ہی

blogspot.com

نہرور پڑا کریں گے۔ ان کو سجدہ ایسا چاہیے کہ ایسا غلو شریعت میں  
نا پسندیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وفد سفر میں قتلِ اعمود  
ببرب الضلوع اور قتلِ اعمود ببرب الساس سے صبح کی نماز پڑھائی ہے  
حالانکہ صبح کی نماز میں آپ کی عادت تلوینِ قرأت کی تھی مگر آپ نے ہمیشہ  
موقع اور وقت کے مناسبت عمل کیا ہے جس سے کسی پر گرائی نہ ہو۔

خوب سمجھ لو۔

✍



## باب پہلے چہارم

### حدیث

### (اصل صلوۃ التزاور)

ذیہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے میں مسجد کے اندر ایک مجروح بنوایا جو غائبانہ طور پر کھڑا تھا جس میں اپنے چند زخموں میں نماز پڑھی تو آپ کی غائے کے ساتھ کچھ لوگوں نے صحابہ میں سے نماز پڑھا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ (نماز سے) بیٹھنے لگے (یعنی اس وقت نماز پڑھنا چھوڑ دیا، پھر آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے جو کہ تم کو کرتے دیکھا میں اس کو سمجھ گیا ہوں، اگر تم کو مسٹر ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، سولے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کر دیکھو کہ انسان کی غفلت نماز وہی ہے جو گھر میں ہو سولے بھگتوں (یعنی فرض نماز) کے۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ غفلت نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے اور غفلت یہ ہے شرح کہ غفلت نماز گھر میں پڑھے، اس پر ہندو جو مت کا ہے۔

(۱۵۶) اسباب دلجمی کا احتمال کرنا چاہیے مسجد میں مجروح بنایا

جائز ہے مگر مشروط یہ ہے کہ چھارت کے طوط پر نہ ہونا ایسی چیز سے بنا ہو جس کو بقار و دہم ہو اس کی وسیلہ حدیث کا یہ لفظ ہے کہ آپ نے مجروح بنوایا تھا کیونکہ جس طرح تیر کرنے میں مسجد کی تعمیر ہے اور مسجد وقف ہے اس کی تعمیر جائز

نہیں اور یہ یا کسی سے جبر نہ بنانے میں مسجد اپنے دلی پردہ کی اس میں تیز  
نہ ہو گا اور پڑا دھیس ڈالنے کی غلطی قائم ہے گی اور عبادت اچھی طرح ہوگی کیونکہ  
اس سے عبادت میں دل بھی زیادہ ہوگی (جو رزق عبادت ہے) اور اس پر یہ مٹی مسک  
مرتب ہوا کہ انسان کو وہاں سبب اختیار کرنا چاہیے من سے عبادت میں دل جمعی  
زیادہ ہو بشرطیکہ وہ اسباب بدعت (میں دھن) نہ ہوں ورنہ غنوت ہوں گے کیونکہ  
حدیث میں آیا ہے کہ اگر مل جلال قیامت کے دن صاحب بدعت سے فرمائیں گے  
اچھا اگر میں ان گناہوں کو بخش دوں جو میرے اور تیرے درمیان ہیں تو میں لوگوں کو  
تو نے گمراہ کیا ہے ان کے ساتھ کیا کروں ؟ یعنی ان کا حق کیونکر معاف کروں اور یہ  
گناہ کیسے بخش دوں کہ تو نے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے کہ یہ گناہ  
تو متحمل ہے جس کے ساتھ حق الہیاء متعلق ہے اور حق الہیاء اس وقت تک  
معاف نہیں ہوتا جب تک کہ مستحق معاف نہ کریں اور وہ اپنا حق کون چھوٹنے  
والا ہے۔۔۔ تو سب اس کی جان کو آبا نہیں گے کہ تو نے یہ گمراہ کیا)۔

قوله الوجه الاول جواز اتخاذ الحجۃ فی المسجد انی قوله فاعلمین  
اضللت حیف افعول بصر۔

فے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو جویہ کا عبور ہوا یا تھا یہ زمانہ  
اعتکاف بیتہ نمونہ کے لئے تھا، چنانچہ اب بھی اعتکاف کرنے والے کپڑا لٹا کر  
لپٹے لئے بچہ معمول کریتے ہیں مگر رحمت کی نماز کے وقت ان کپڑوں کو اٹھا دینا  
چاہیئے تاکہ رحمت میں تشنگی نہ ہو اور صفوف میں انقطاع نہ ہو۔

اس حدیث میں صوفیہ کی غلو سے نشین کا ثبوت ہے کہ وہ بھی دل جمعی  
کے لئے غلو اور پردہ کشی اُمتیہ کرتے ہیں۔

یہاں سے بدعت کا دہلی بھی معلوم ہوا کہ اس سے  
فے بدعت کی مذمت و تشریح، اشک انصاف نہیں بلکہ حق العباد  
کی بھی انصاف ہے اور حق العباد کا وبال بہت سخت ہے پس صوفیہ بقرہ میں

کو بہتر حاصل کرنا چاہیے اور سماج و عرس وغیرہ سے توبہ کرنا چاہیے کہ عوام ان کو عبادت اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور عوفیت نہ ماننا چاہئے قول و فعل سے ان بدعات کو دوا بخورنا چاہئے۔

وَقَنَا اللَّهُ وَاللَّهُمَّ لَا تَبَاخُ السَّيِّئَةُ فَلَا مَعَالَ وَالْاِقْتَوَال  
كَلَامُ الْغَنِيَّةِ مِنْهَا الْجَلِيَّةُ ۲۴ مین

(۱۵۷) ایامِ محترم کی تعظیم، طریقہ یہ ہے کہ ان میں عبادت زیادہ

کی جائے۔ اس میں رمضان کی انضیلت بھی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مہینوں میں سے اسی مہینہ کو اس عبادت کیساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ شریعت پر بھی معلوم ہوا کہ ایامِ محترمہ اور مکاتباتِ محترمہ کی تنظیم کا طریقہ یہ ہے کہ انواعِ عبادت کے ذریعہ ان کی عظمت ظاہر کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کی عظمت کو اسی طریقے ظاہر فرمایا ہے کہ اس میں عبادت کو بڑھا دیا۔

قوله في الوجه الخامس فيه دليل على انضوية رمضان الى قوله في الوجه السادس الا بزيادة في التعبدات

فہ حضرات صوفیہ کو رمضان کا اور میلادِ محترم کا جس قدر اشتیاق ہے ظاہر ہے اور وہ بھی ان کی تعظیم عبادت میں زیادت سے ہی کرتے ہیں عوام کی طرح جیسے اور جنوس وغیرہ سے نہیں کہتے جیسا آجکل ۱۲ ربیع الاول کو میلادِ منائی جاتی ہے کہ یہ سراسر بدعت ہے حضرات صوفیاس دن میں دو دو شریف کی کثرت کرتے ہیں جسے مدزہ بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث (۱۵۸) تراویح رمضان کی اصل تعظیم شعا تراویح سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جب آپ نے دیکھا کہ



اللہ تعالیٰ شانہ کو ان باتوں کی عظمت ظاہر کرنے کا جہاں ہے کہ جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں (بجگہ خداوندی) آپ کے پاس قرآن کا دور کرنے کو تشریف لاتے تھے رمضان کے مہاسی مہینہ میں وہ دور کے لئے نہ آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی اس کی تعظیم میں یہ زیادت کی کہ اس مہینہ میں ایک خاص نماز بڑھادی جو دوسٹر مہینوں میں نہیں بتھائی اور اس کا عہد امت پر ظاہر ہو کر دیا تاکہ وہ بھی آپ کی اتھہ کریں اسی کا نام تعظیم شانہ ہے جسے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَنْ يَعْلَمْ شَأْنَهُ فَهُوَ مُتَّقِيٌ الْعُتُوبِ

اور جو شانہ اللہ کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ سے (ناجی) ہوتی ہے اور جتنا تقویٰ دلوں میں ہوگا اسی قدر فضیلت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متقی نہیں ہو سکتا (پس آپ کی برابر شانہ اللہ کی تعظیم بھی کوئی نہیں کر سکتا) اور اس میں ایک موفیانہ اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ جو صاحب حال احکام کے اعتبار سے پی پختہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ

عارف کامل ہمیشہ محبتی میں رہتا ہے نیک اور شاہد میں ہی

رہتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادت قرآن کے وقت یہی حال تھا جب آپ رحمت کی آیت پر گزرتے اللہ تعالیٰ سے رحمت کا حوالہ کرتے اور جب عذاب کی آیت پر گزرتے رحمتیں عذاب پر عذاب کا ذکر کرتے تو پسند مانگتے اور جب اسی آیت پر گزرتے جو اللہ تعالیٰ کی صفت پر عادت کرتی ہے جیسے خالق ہونا قادر ہونا باعظمت ہونا تو اللہ کی پاکی بیان کرتے، فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس آیت پر گزرتے اسی حالت سے تنگ جاتے تھے جو اس آیت کے مخالف کلمات ہونا چاہئے اور وہی جواب دیتے جس کا ادب تھا تاکہ اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تعلیم دی ہے چنانچہ جب آپ نے اُن کے سامنے سورہ یحییٰ پڑھی اور وہ خاموش رہے تو آپ نے فرمایا تم وہ بات کیوں نہیں کہتے جو جنوں نے سہو

دین کو متفقہ ہوئے کسی مقلد، صحابہ نے عرض کیا، نبیوں نے کیا کیا تھا فرمایا جب میں  
 خیالی آلاؤں دیکھا تو کھنڈن پڑتا تھا کہ تم اشکی کس کس نعت کا کہہ کر  
 گئے، تو وہ کہتے تھے لا یؤحدہ منعایا رہنا کہ اے پروردگار ہم کسی نعت کا بھی  
 انکار نہیں کرتے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ تعلیم اور خوبیِ ارشاد کو  
 پیش نظر رکھو تو بارگاہِ نبوت کا ادب اچھی طرح سمجھا سکو گے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پورا  
 خفا اور جلال کے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں، مگر بندہ کو تو اس کی ضرورت ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ کا ادب پوری طرح سمجھائے کہ ایسا ان کی طاعت میں ہے اور ایمان کا نفع  
 بندہ بن کر پٹنے کا

قوله الوجهہ الہام یؤخذ منہ فضل سیدنا علیہ السلام فی قوله

فالوجه الرابع عشر مع غنائہ عبد الملک وجلالہ وانما قرئت بین  
 الوجهہ الہام والرابع عشر لکون الشافعی حریفا علی الاول عندی والله  
 تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۰ مترجم

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ تراویح کی نماز  
 نہ تراویح سنت، بدعت نہیں  
 رمضان میں باجماعت بدعت نہیں  
 بلکہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علماء اس کا ثبوت مل چکا ہے  
 پھر سنت سمجھنے میں کیا کام ہو سکتا ہے۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت  
 کو دیکھ کر نعمت اللہ علیہ (۲) یہ بدعت بہت اچھی ہے، فرمانا سو آپ نے  
 لغت کے استبار سے اس کو بدعت فرمایا ہے تاکہ شرعاً کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
 مشائخ بات جدید کہتی تھیں کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا تھا پہلے مختلف قاریوں  
 کے پیچھے ایک ایک جماعت اقتدار کرتی تھی۔ مرقی تراویح کی نماز باجماعت حضرت  
 عمر کے اس فعل سے پہلے ہی قائم تھی۔ پھر اس کو شرعاً بدعت کیونکہ کہا جاتا تھا ہے  
 البتہ یہ بیعت اور صورت دیکھنے میں جدید تھی کہ سب لوگ ایک مسجد میں ایک  
 ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھیں تو سنت کے مقابلے اس کو بدعت کہنا صحیح تھا۔

ہوایا کہ جب نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی یہ نماز مسجد میں کیوں پڑھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز تراویح کا مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتوں کے بعد تراویح کی جماعت کو اس لئے ترک فرمادیا کہ دوسری حدیث میں آچنے فرمایا ہے کہ مجھے انہی سے بے کر کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے چہرے میں کونسا نہ سکھائے۔ انہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آیا کہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افضل پر عمل کیا اور تراویح کی نماز باجماعت اختیار کی تاکہ مسجروں میں قائم رہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاں کو معلوم ہو چکا تھا اور اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جب کسی فعل سے کسی خاص ملک کے لئے منع کیا جائے تو امت کے مرتفع ہو جانے سے عافیت بھی ٹائل ہو جانے کی اور وہ فعل جائز ہو گا۔

وهذا مما يثبت عليه الشارح في التوجيه الثاني

حدیث سے یہ بھی معلوم

(۱۵۸) بعض دفعہ مفضل افضل ہو جاتا ہے ہوا کو بعض دفعہ مفضل

افضل اور کوئی کام اہل ہو جاتا ہے جب کوئی ملت اس کو مرتفع کر نیوای پائی جائے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتوں کے بعد اس وقت کی عبادت کو موقوف فرمادیا حالانکہ اس وقت کی عبادت افضل تھی مگر چون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کو موقوف کرنا تعلیم کے لئے تھا اور تشریع احکام بہت بڑی عبادت ہے تو اس ملت کے بلند جانے کی وجہ سے مفضل نافع اور اہل نماز ہو گیا۔

قوله التوجيه العاشر في دليل علامات المفضل قد يجمع فافضل

الی قولہ مرجع المفضل فافضل

خبر بعض دفعہ مشائخ طبرین بھی کسی خاص وجہ سے افضل پر عمل کرتے ہیں جس سے ناقصین کو ہم ہوتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو افضل پر عمل نہیں کرتے۔ مانا کہ اگر وہ اس ملت کو جان لیتے ہیں کہ وہی عز افضل کو اختیار کیا گیا تھا۔

تو معلوم ہو چکا کہ اس وقت وہی فعل تھا۔

لہذا کال و اتیاس از او میگر گرہ مانند۔ نوشق شیر و شیر

(۱۵۹) بقدر ضرورت دنیا حاصل کرنا جائز ہے ہوا کہ بقیہ نبوت دنیا حاصل کرنا جائز ہے اور وہ آخرت کے لئے سامان کوٹنے میں مبین مجاہد ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فصلوا ایھا الناس فی سبوتکم لعلکم تھتکون میں نماز پڑھو۔ اگر گھر بیٹا جائز ہے ہوتا تو خصوصاً سفر ملنے کو اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ گھروں کی غایت صحابہ کی طوف کرنا اس کو مستحق ہے کہ وہ صحابہ نے گھر بیٹا کر کے اللہ گھر بیٹا جائز ہے اور ان سے آخرت کے کاموں میں مدد ملتی ہے کیونکہ آدمی ان میں غلو کیساتھ دعاوت کرتا اور اپنے معبود سے مناجات کرتا ہے جس میں کئی تشریحات پریشانی خل نہیں جملہ دیکھ کر اپنے گھر کے برابر دوسرے جگہ کا عالمیون نہیں مل سکتا، اسی طرح اور جتنی غریب و نیازت بشر ہے (جیسے ذائق کسب و معاش و نکل و تیسق اگر وہ شریعت کے موافق ہیں اعلان سے مقصود طاعات میں حصہ لے کر اور یہ قصہ حلقہ ہر نفس نبائی دھن نہ ہو تو وہ سب ہی حقیقت میں آخرت گمراہ میں داخل ہیں

توبہ النہیہ الخامس عشریہ وسیل علی جواز اخذ مال و مبد منه من دنیا  
الحق قولہ فی الحقیقۃ کلاماً عنہ ع مرقدہ۔

اس میں اہل تقویٰ

(۱۶۰) حالت کا اختار ہی افضل و اکمل ہے کی جی وسیل ہے جو

فرطتے ہیں کہ حکمت کا اختار ہی اکمل و افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی افش نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے بجز فرض نماز کے اور فرض کے بعد نوافل کا زیادہ کرنا ایمان میں زیادتی کا سبب ہے جیسا نبی زید

و اللہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان اعمال کی زیادت سے زیادہ ہوتا ہے اور اعمال کی کمی

ہے، اتنی بڑا ہے۔ فرضِ اعمال ہی سے ایمان میں زیادتی ہوئی ہے اور ایمان کی زیادتی بہت بُری حالت ہے اور حلیٰ بشریٰ شعلہ و سہم نے فرمایا ہے کہ اس کا اخفاً افضل ہے تو جو تفسیر کرنے کی جتنی وہ درست ہوگی کہ حالات کا اخفاً ہی اکمل ہے، اور بعض بندہ گویا اشارہ ہے کہ اپنے دل کو اسرار کا اور اپنے مونی کا خزانہ بناؤ، شکایت کا خزانہ نہ بناؤ، یعنی اس کی تقدیر سے دل میں مگرانی اور شکوہ نہ لاؤ، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور ہم کو بھی وہ دولت عطا فرمائیں جس سے ہم پر فضل ہو جائے، اللہ کے سوا کوئی سب نہیں شان کے سوا کسی سے امید کی جاسکتی ہے وہی فضل فرمائیں گے تو کام پئے گا، ﴿قوله طه السام عسریہ وسئل لا اهل العرفۃ الا قوله لا رب سواہ ولا مرجع الا الیہ﴾

فہ اہلِ اشد فراموشی کے سوا اپنے تمام اعمال و احوال کے اخفاً کا اجتماعِ فرط ہے اور جن سے اخفاً ہوا ہے وہ یا غیبِ حق ہے جو آپ کی کسی معلومت سے ناکارن کا صفاً ان اعمال و احوال میں ان کا اتباع کریں یا اعلیٰ نعمۃ بیک خدائے کا امثال کہتے ہوئے تحدیثِ نعمت کے طود پر اظہار فرمایا ہے۔

صوفیہ قند یہ کہ اخفاً حال کا اس وجہ استقامت ہے کہ وہ تحیر و غفلت کے بجائے فکرِ غفلت اور ذکرِ تسبیح زیادہ کرتے ہیں جن کی اطلاع فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی اور پہلے گندہ چاک کے ذکرِ تسبیح کے مسائل سے انقل ہے اور ذکرِ اندر بہت بڑا عمل ہے۔

وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۱۲ مترجم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حدیث

### جواز المشی فی الصلۃ

ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (نماز میں) اس وقت پہنچے جب آپ رکوع میں تھے قباہوں نے صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ کھٹک کر صف میں جا ملے نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تم کو زیادہ شوق سے پھر سنا کرنا۔

شرح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں تھوڑا سا چلنا جائز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۱) شوق کا زیادہ ہونا معین عبادت، صلا اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اللہ عرصاً ولا تعد میں صحابی کہنے زیادہ حرص و شوق کی وجہ سے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو اعلیٰ عبادت کی طلب میں کوشش کا زیادہ شوق دے کیونکہ اگر وہ اسی جو نماز پڑھ لیتے جہاں نیت باندھی تھی تو نماز دست ہو جاتی مگر صرف اہل کا درجہ بہت بلند ہے اور اس میں بھی وہ مجبوری ہوئی ہے صلا اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہو، زیادہ افضل ہے تو صحابی نے تمام منوں سے افضل صفت اور اس میں بھی سب سے زیادہ افضل جگہ لی ہے چاہی اس سے یہ علی

مسند معلوم ہوا کہ ثوق لا زیادہ ہونا ہی عبادات پر برا ٹھیکہ کرتا ہے اور یہ سب

بے صوفیہ کی جو ذلت ہے

مروان طریق کو ہمت ہے ہی آمادہ کیا ہے ہیں کہ مردوں کو ہمت ہی

نے احوال پر آمادہ کیا ہے۔ بدن سنہ اور جماعہ قوت نے آمادہ نہیں کیا۔

قولہ التوحید الشافی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم زادک اللہ حرصا

ولا تقدانی قولہ انما جعلت الرجال الہم صلا لا سدان

فے اس حدیث کا اثر یہ ہے کہ اللہ کے پڑھنے میں ہیں جو ان کو اس لئے کہتے ہیں جس کا امانہ ان کے پاس بیٹھے ہر توبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۶۰) کلمات پہلے اس کا اہتمام کرو گے ارشاد لا تقد (پھر ایسا ذکرنا، کا مطلب یہ ہے کہ پھر نماز میں اتنی دیر نہ کرنا کہ نصف اول تک پہنچنے کے لئے نماز میں چلنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبیل عمل کے لئے مستحب یہ ہے کہ ہم شروع کرنے سے پہلے اس کا اہتمام کیا جائے مثل مشہور ہے قبل التری تراش السہار تیرا اندازی سے پہلے تیروں کے پر دھتے مانتے ہیں۔

قولہ لا تقدی لا تقد للتأخیر الی قولہ فی التوحید تراش

تراش السہار۔

حدیث میں یہ

(۱۶۳) بدون طلب کے بھی کسی کو دعا دینا جائز ہے بھی ہے کہ کسی کو

دعا دینا اگرچہ اس نے وہ خواست بھی نہ کی جو جائز ہے جو کہ وہ دعا کا اہل ہو کیونکہ

اس سے اس کام میں امانت ہو جس میں وہ مانگے ہوا ہے چنانچہ سیدنا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو دعا دی تاکہ انہوں نے درخواست نہ کرے

کی حق یہ دعا پہنچانے کے لئے ان کا غیور ملاحظہ فرماتے پھر آپ نے ان کو ایسا دعا

وہ بڑا سراسر خبیث و فحش کہ خدا تم کو نیک اعمال کا تیار و شوق ہے یہ نہیں دیکھا کہ خدا کا تم دوبارہ ایسا نہ کر دیکو کہ حضور کی جہر و مستجاب ہے، تو اس دعا میں یہ بھی اندیشہ تھا کہ کسی وقت جماعت جنت سے رہ جائیں۔ اس پر یہ معلوم نہ ہو کہ سب ہوا کہ کسی کو کوئی دعا اپنے واسطے پاس رکھے واسطے اس وقت تک نہ کرنا پائے جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ سراسر خبیث و فحش ہے۔

قوله الوجه الخامس يؤخذ منه الدعاء للخص الى قوله سواء كان لنفسه او لغيره .

اس میں مصنف کی ہی دلیل ہے  
(۱۶۲) دلجوئی اور دلداری کا ثبوت جو جبر قلوب کے قائل ہیں یعنی دلداری خلق اور دلجوئی کو عبادت سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو دعا دی کہ وہ ان کے نزدیک سے بڑے خوش رہیں اور ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک و رنج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئے جب یہ دیکھا کہ صحابی کا دل اس جہت سے اس نے اپنی حالت بے رحم سراسر معلوم کئے ایک عمل کر لیا شکستہ ہوئے تو اپنے خوشنہی سنا کہ اس کے دل کو جوڑ دیا۔

قوله الوجه السادس دليل لاهل الصوفية الى قوله وهو لا يعلم ما حكم الله فيه .

فہ حضرات مصنف کو عمل شروع نہ کئے تھے اس کا جس قدر اجتماع ہوتا تھا سب سے اسی طرح ان کی یہ بھی عادت ہے کہ اپنے دوستوں میں سے جس کو اہل جہت میں دعاؤں سے فائدہ دیتے ہیں گو وہ درخواست ہی نہ کریں اور شکستہ دلوں کا جوڑنا تو ان کا خاص حصہ ہے ۲، مترجم



## باب چہل و عظم

### حدیث

### وجوب توفیۃ (ارکان الصلۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح میں تشریف لے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور چل کر صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو کبوتر تہنے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر نماز پڑھ کر پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو، کیونکہ تمہارے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار اسی طرح ہوا تو اسے عرض کیا تمہاری حالت کی جس نے آپ کو نبی بوجہ بنا کر بھیجا میں اس سے اچھی نماز پڑھنا نہیں جانتا ہے آپ بتا دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو۔ پھر تم کو جتنا قرآن یاد ہو اس میں سے جتنا آسان ہو پڑھو پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے جھکے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ میں دو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ میں دو پھر تم نماز میں اسی طرح کہتے ہو۔

ظاہر حدیث نماز کے جہز ارکان قیام و رکوع وغیرہ کو یہی طرح

شرح بجالانے کو واجب کرنا ہے اور جو ایسا نہ کہے اس کی نماز

دست نہ جوگی اس پر پسند نہ جوہ سے کال ہے ۔

(۱۶۵) عمل کا بار بار تکرار کرنا بڑن تکمیل عمل کے بیکار ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک عمل کو اچھی طرح نہ کیا جائے بار بار دہرائے کہ فائدہ نہ ہے کیونکہ اس شعبے میں مرتبہ تکرار کو دہرائے اور ہر دفعہ حضور نے یہی فرمایا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی ۔

قوله النبی صلی علیہ وسلم عن ان تکرار العمل الی قوله لعل

تفضل شلاشا۔

نئے یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو غیبی تو بہت پڑتے ہیں مگر نماز میں بہت جلدی کرتے ہیں ارکان کو اطمینان سے ادا نہیں کرتے، ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا جوہ علماء کے نزدیک فرض ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے ۱۲ تا

(۱۶۶) جب تک سوال نہ کیا جائے مسئلہ بتلانا واجب نہیں

اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ مسئلہ بتلانا اس وقت تک واجب نہیں جب تک اس سے سوال نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اس کو نہیں بتلایا جب تک اس نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بتا دیجئے ۔

قوله النبی صلی علیہ وسلم عن یقول ان یقول الی قوله حق قل یقولون

لے بعض حضرات موقدہ کا مقلید ہیں کہ جب تک ان سے دریافت نہ کیا جائے اس وقت تک خود مسئلہ نہیں بتلاتے۔ یہ حدیث ان کی عیب ہے ۔

حدیث سے معلوم ہوا

(۱۶۷) محض احتمال کی بنا پر حکم نہ لگانا چاہیے کہ ہر مقلد پر کوئی حکم

نہ سمجھا جائے جب تک اس کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر نہ کوئی تنقید کی نہ اس کو ملامت کی پس میں فرمایا کہ واپس جاؤ پھر سناؤ چھو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی کیونکہ احتمال تھا کہ اس نے یہی طرح نماز کے ارکان کو اس لئے ادا نہ کیا ہو کہ دن کی پریشانی اور مشغولی کی وجہ سے ذہول ہو گیا یا جبل کی وجہ سے ایسا کیا ہو یا بعد میں اس نے ظاہر کیا غرض احتمال کی وجہ سے آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا کہ نماز کے رمیم نہ ہونے کی اس کو اطلاع کر دی۔

قوله الوجه التام يؤخذ منه ان لا يحكم بشئ محمداً الى قبله  
يزيد عليه السلام على الخبر بعد هراة جزاء شيئاً  
قے اس ادب کی روایت صوفیہ مابین ہی کہتے ہیں وہ ذلک عام طور سے احتمال ہی پر حکم نکالتے ہیں۔

اس سے یہ  
(۱۶۸) عبادت میں مشغول ہونے والے کو دیکھنا جائز ہے ہی معلوم ہوا  
کہ عبادت میں مشغول ہونے والے کی طرف دیکھنا جائز ہے البتہ اگر اس کے سامنے بیٹھا ہو تو نہ دیکھے کیونکہ آگے بیٹھنے والا اگر سامنے سے دیکھے گا تو اس سے عبادت کرنے والے کو تشویش ہوگی اس کا دل بٹے گا، غما سے یہ مسئلہ بیان کیسی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حالت میں اس کی طرف سے نہ پہلے غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس شخص سے یہ فرمایا کہ واپس جاؤ پھر سناؤ پڑھو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا (غرض اس کو دیکھتے تھے غے اگر یا نہ ہوتا تو آپ کو اس کی نماز کا حال معلوم نہ ہو سکتا۔

ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت لوگوں کے اعمال کی نگہداشت کرنا چاہیے  
اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ ہر نگران کو ان لوگوں کی دینی حالت پر نظر

دیکھا جائے جو اس کی نگرانی کے تحت میں ہیں کیونکہ ان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی  
اسی لئے مختصر طور پر عرض شد کہ اس نے اپنے اہل و عیال کے نام ایک خط میں لکھا تھا  
ان اہل و عیال کو کہہ دیا کہ الصلوٰۃ مجھے تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ نماز کا  
تکرب ہے اگر تم اس کی پابندی کرتے ہو یا نہیں۔

اسے کسی مقرر کتاب میں میں نے دیکھا ہے جس کا نام یاد نہیں وہ غالباً کنز العمال  
میں دیکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ میں جب  
مقرر ان مشغول کو کوئی عہدہ دیتا ہوں تو کہتا ہوں کہ عہدہ دینے سے پہلے اس  
کی اہلیت یا امت دیانت و امانت کی تحقیق کروں پھر میں سبکدوش ہوں یا  
مجھے عہدہ دینے کے بعد اس کے کام کی تحقیق بھی کرنا چاہیے کہ یہاں میرا اہل و عیال  
وہ ویسا ہی ثابت ہوا یا اس کے متعلق میرا اہل و عیال غلط نکلا۔ اسے جواب دیا کہ  
عہدہ دینے سے پہلے پوری طرح تحقیق کر لینا کافی ہے اس کے بعد آپ  
سبکدوش ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جواب صحیح نہیں بلکہ مجھے اس کے کام کی تحقیق بھی  
کرنا چاہیے کہ یہاں میرا اہل و عیال اس نے اسی طرح کام کا حق ادا کیا یا میل گمان  
اس کے متعلق غلط ثابت ہوا یا نہ اس کے میں سبکدوش نہ ہوں گا۔ تحقیق صرف  
لا بھی یہ خیال ہے کہ جس کو کوئی خدمت سپرد کی جائے اس کے اہل و عیال کی جانچ بھی  
کرنا چاہیے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا اہل ثابت ہوا یا نہیں۔  
اس حدیث سے صحابہ کی فضیلت

(۱۶۹) صحابہ میں تکلف اور تصنع نہ تھا اور ان کی بے تکلفی بھی معلوم ہوئی

کہ ان میں بناوٹ اور تصنع نام کو بھی نہ تھی چنانچہ ان صحابہ نے بے تکلف کہہ دیا لا  
واللہی بعثت بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے  
ساتھ جھوٹے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا آپ مجھے بتلا دیجئے، اس نے  
تواضع سے کہا یا اور مختصر اس پر بس نہیں کیا بلکہ قسم سے کام کو تو کہ کیا اور علماً

نے فرمایا ہے کہ غالب ہم مسکرو دو دہیوں سے غریب رہتا ہے یا بھڑکی دھبے یا  
شرم کی دھبے کیونکہ دین میں بھگنا شرم کا نام نہیں نہ حق بات کہنے میں نہ  
اس کے بدلنے میں نہ علوم کہنے میں اس لئے ماحول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
فَصَحَابُ السَّامِ وَالْأَنْصَارُ نَعْرِيَهُمْ بِالْخِيَارِ أَنْ يَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ  
انصار کی عورتیں جیت اچھی عورتیں تھیں ان کو مسائل دین کے دیانت  
کہنے میں حیا و شرم مانع نہیں ہوتی۔

قوله الوجه الثاني عشرونه دليل على فضل الصحابة الى  
قوله ان يتفقوا في الدين۔

اس میں صوفی کی بھی  
(۱۷۰) نفس کشی کا ثبوت اور اس کا مطلب دلیل ہے جو کہتے ہیں  
کہ نفس کو بدلنا چاہیے کیونکہ نفس کے عیوب ظاہر کر کے اس کو رسوا کرنا بھی موت  
ہے اور نفس کی موت یہ اس کی حیات ہے نہ

موت النفس حیات تھا من احب ان يحيا ميت  
نفسوں کا مرنا ہی ان کی زندگی ہے جو زندہ رہنا چاہے اسے پہلے مرنا  
چاہیے۔ قوله الوجه الثالث عشرونه دليل لاهل الصوفية الى قوله  
من احب ان يحيا ميت

نفس کشی کا بدلنا یا نفس کشی تعویض کی اصطلاح میں بھگنا، دھبے، جھپٹ پتار  
خود رانی و خود بینی زائل کرنے کا نام ہے جب تک یہ مذاہل نفس کے اندر موجود  
ہیں نہ مہذب ہے جس دن ان سے پاک ہو گیا مردہ ہو گیا مگر اس موت کے بعد اس کو  
دوسری حیات عطا ہوتی ہے جو روحانی حیات ہے اور لازماً حیات ہے نہ  
ہرگز نیروء محمڈی و شمس خورشیدی  
مولا آمدی فرماتے ہیں نہ

آنندم عقل پراندیشی نہ بصائی و لواذ سازم خویش را  
ای دوزخ نفس ہر

## ۴۱ *tooba-e-*

لے اقرارِ جہالت خود کف تا عقل تحقیق میسر شود و لکن مرہاتل سے  
 سہا تو شک پوری دل خراش      آذمورا یک نہ ملے خاکِ بامش  
 مد پہلاں کے شود سر سبزنگ      خاکِ ثوتلن برویہ رنگِ یگ  
 ہر کیا بچے دوا آئے نہاد      ہر کیا دے شفا آئے نہاد  
 ہر کیا پستی ستاب آئے نہاد  
 ہر کیا مشک جواب آئے نہاد



## حدیث

### قَالَ أَمَّا عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے تو تم اللہ ربنا اللہ الحمد کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے گا اس کے کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

شرح: یہ حدیث ہے کہ امام کے سمع اللہ من حمدہ کہنے کے وقت جس کی تحمید ملائکہ کے قول سے مل جائے گی اس کی مغفرت ہو جائے گی اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

حدیث میں اس

(۱۱) جنت کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے کی دلیل ہے

کہ جنت کی نماز کو دوسری نمازوں پر فضیلت ہے کیونکہ مذکورہ نماز پڑھنے والے کے سمع اللہ من حمدہ کہنے پر آمین یا حمد کہے بغیر مکہ شریف کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں کہ جب وہ سمع اللہ من حمدہ کہتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں اور اس مقام پر قتل کلام کا بدلہ یہ ہے کہ اس وقت اللہ ربنا اللہ الحمد کہنے کی پابندی کرنا چاہیے کیونکہ جب رسول اللہ نے اس کا جواب بتلایا ہے تو گویا آپ بڑی تاکید کیا ہے یہ فراموش نہ کریں کہ اس سے غفلت نہ کرنا اور اس کا پورا خیال رکھنا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے دو ستر ارکان پر اس رکن کو زیادہ شرف حاصل ہے کیونکہ اس رکن کے سوا اور کسی کے متعلق یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اس میں آدمی کیساتھ موافقت کر کے شریک بنتے ہیں ان سوا کے علاوہ کے نتیجہ پر بھی جب اے! آمین کہتا ہے تو ملائکہ آمین کہتے ہیں جس سے اس سورت کی بھی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ ختم فاتحہ کے علاوہ اور کسی سورت کی قرأت کے لئے یہ نہیں آیا کہ ملائکہ میں پر آمین کہتے ہیں بہر حال امام کے سمع اللہ بن حمد کہتے ہیں ملائکہ لا اھم و بنا لک الحمد کہنا بتاتا ہے کہ اس رکن کی عظمت دوسرے ارکان و اقوال سے زیادہ ہے

قوله لا اھم و بنا لک الحمد و سئل عن فضل صلاة لا یلبھا عتہ الی قوله فی الزمر

هل تعظیما من بین الذل رکن والا قوال

نہ صوفیہ متبعین سنت کو جماعت لا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے ہم نے اسے الابر کو اسی قدم پر پایا ہے اور حضرات سلف سائین کا بھی یہی طریقہ ہے مگر آجکل کے جاہل صوفیوں نے تصوف کو بدنام کر رکھا ہے وہ جماعت کا تو کیا اہتمام کرتے نماز کی بھی پوری اپنی توجہ کرتے نہ معلوم ان لوگوں نے تصوف کس چیز کا نام لکھ لیا ہے جو نماز سنت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے فلا حول ولا قوتہ الا باللہ

یہاں ایک صوفیانا اندازہ

(۱۴۲) ترک حظوظ جملہ اعمال سے افضل ہے بھی ہے کیونکہ ان حضرات

نے جب یہ دیکھا کہ ملائکہ اللہم بنا لک الحمد کہنے میں نمازیوں کے ساتھ اس لئے شریک بنتے ہیں کہ کوڑا میں بندو کو مضطر لپٹے دھب کی تنقید کا حکم ہے قرأت اور دعا وغیرہ کی اجازت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی نبی اللہ اللہ فرمایا ہے کہ جس کو میرا ذکر ہے مانجھے اور دعا کرنے سے دیکھتے ہیں اس کو مانجھے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جب کہ نماز اپنی بسبب کی تنقید کر کے سراٹھاتے ہیں اتنی جلا وغیرہ برکت سکھ دی کہ فرشتے بھی ان کے ساتھ اللہم بنا لک الحمد کہنے میں شریک بنتے ہیں اور جس کا قول ان کے قول سے مل جائے



“logspot.com”

اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اپنے نبی سے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیدیں تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں کیونکہ مغفرت سے بڑھ کر کوئی ثواب نہیں تو انہوں نے جبریلؑ اس اشارہ کا متعلق یہ ہے کہ نفسانی خواہشوں کو چھوڑ دینا سب کاموں سے افضل ہے (چنانچہ اپنی مزیاریات کے لئے دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا نفس کا تعاقب ہے مگر اللہ تعالیٰ مانگنے والوں سے نپاواہ ان کو دیتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مشغول ہو کر رہے یا جانتے ہیں اس لئے انہوں نے اسی کو اختیار کیا اور تمام مظلوموں سے باہر ہو گئے اور محمد جلیل (یعنی حق سبحانہ) کے ذکر میں مشغول ہو گئے جس کے ثمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت و عزت سے نوازا کہ ان کا شرف اپنی کتاب حکم میں نازل فرمایا چنانچہ ارشاد ہے رجال لا تکیہم تجارة ولا بیع من ذکر اللہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع ہشک یا فتنے نفس نہیں کرتے اور ارشاد ہے واصبر فقل مع انذین میں عن ربهم بالعداۃ والخصم میں صبر و جدہ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ دشمنی کے طور پر اپنے رب کو بھیج اور شام یاد کرتے ہیں مغفرت اس کی ذات کا ایادہ کرتے ہوئے کسی دنیوی غرض سے نہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی وہ بات سمجھا دیں جو ان کو سمجھتا ہے اور جملہ احوال میں ان کے ساتھ کریں اللہ کے سوا کوئی رتبہ نہیں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم تسلیما، قولہ فی الوجہ اشارہ

وهذا اشارۃ صوفیۃ مع الحکمۃ السنۃ ذکرہ فی الوجہ ای من قولہ لا رب سواہ

## باب چہارم عشر

### حدیث

### رُؤِیَةِ الْمَوْلٰی عَزَّوَجَلَّ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایہ ہے کہ کون نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ (فرمایا) تم کو پروردگار میں ملت میں چلنے کے دیکھیں کہ شبہ ہوتا ہے؛ جیسا کہ ملتے ہوں میں نہ ہو عرض کیا یا رسول اللہ نہیں فرمایا کیا تم کو صبح کے دیکھیں؟ شبہ ہے؛ جیسا کہ صبح ملتے ہوں نہ ہو، عرض کیا نہیں یا رسول اللہ فرمایا تو تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے، لوگ قیامت کے دن بھی کہتے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہوس چسڑ کا عبادت کرنا ہوا ہے کہ پیچھے چلے، چنانچہ لوگ سوچ کے پیچھے چلیں گے کہ پانچ کے نیچے چلیں گے بعض شیاطین کے ساتھ چلیں گے اور یہ امت وہ جائے گی جس میں اس سے منافق بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس امر کے پاس تشویش لائیں گے اور فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تم میرے ساتھ آؤ یہ امت کہے گی کہ ہم تو اپنی اپنی جگہ پہنچیں گے یہاں تک کہ ہمارا رب تشویش لے کر کھڑا ہو جائے ہم اس کو چوان لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہر دوسری بار تشویش لائیں گے اور فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تم میرے ساتھ چلو اس وقت مسلمان کہیں گے ایک آپ ہمارے پروردگار ہیں تب اللہ تعالیٰ ان کو جائیں گے اور جہنم کی پشت پر بیٹھ کر قائم کیا جائے گا پس تمام رسولوں سے پہلے میں اپنی امت کو لیکر اس سے گزروں گا اور اس وقت رسولوں کے سوا کوئی بات نہ کرے گا رسول کا کلام اس وقت یہ ہوگا اللہ عز و جل سرسبز دلدار اللہ تعالیٰ سے پاک کرے سوتی ہے پاک کرے) اور جہنم میں ایسے کائنات ہوں گے جیسے سدا کے کائنات

تھے ہیں تم نے سعدی کے لاکھ دیکھے ہیں صواب نے مرض کیا انا: دیکھ میں: فرمایا وہ ایسے ہی ہونے کے  
مگر ان کی جہالت کے قتلہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ لوگ اپنے اعمال کے سبب ان  
لاٹوں کے زید جنہ کی طرف سے کہنے پر جاتی تھے تو جیسے تو اپنے ملل کی وجہ سے جاکت کو پہن  
جائیں گے اور جنہوں کو ان لاٹوں سے خوش گئے گی چہرے پر جاتی گے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ  
جنہ والوں میں سے بن پرست کرنا چاہیں گے رحمت کریں گے تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ جو اللہ کے  
عبادت کرنے والا (جنہ میں) جو اس کو نکال دلاؤ۔ فرشتے ان کو نکالیں گے اور فرشتے ان کو جہنم کے  
نشانوں سے پہچانیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ کے اوپر جہنم کے نشان کو کھانا حرام کر دیا ہے  
غرض وہ جنہ سے لگے جائیں گے انسان کے تمام بدن کو آگ کھلے گی جہنم کے نشان کو نہ کھائے  
گی۔ یہ لگ جنہ سے جیسے بہت تھیں گے تو ان کے اوپر آب حیات کو لایا جائے گا جس سے وہ اس طرح  
اچھ گئے جیسا سیچکے خن و غشاغ میں دانہ آگ لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے دیمانہ فیصلے  
فاسخ ہو جاتی ہے اور صفحہ ایک شہ میں دو فرشتے اور جنت کے درج میں دو جانیگا محدود نہیں ہیں جسکے  
ایسے جنت میں جانیگا (جنہ سے لکھتے ہیں)۔ انکا مزہ ذرا جھک جھک جھک ہوگا تو وہ کہے گا کہ اپنے پروردگار  
میرا جنہ کی طرف سے ملے گا کہ لکھا تھا کہ جہنم پریشان کر دیا اور اس کی اپٹ نے چوڑک لایا ہے  
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تیرے فرشتے پوچھ رہے ہیں کہ تو کیا آتہ نہیں ملے گا تو کہے گا نہیں ملے گا  
عزت کی قسم میں اس کہنے والوں کو) پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بہت کہہ جہنم میں لائی گئی تو اللہ تعالیٰ  
اس کہنے جنہ کی طرف سے لکھا ہے کہ جب وہ جنت کو لطف ملنے لگے وہ بھی لا اور انکی عزت ہو آرا تھیں پھر  
تو انکی عزت کی آیت تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ غاموش ہے لا پسوند: سو کے کا تم کہے گا کہ رب مجھے  
جنت کے دہانے کے پاس پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے اب جہنم عہد کیا تھا کہ لا  
کہ نہ ملے گا تو وہ کہے گا کہ اب میں ملے گا غلوں میں سے زیادہ بہ جنت میں نہ ملے گا تو فرماتے  
گے اچھا اس کے بعد اور تو کہے نہ مانے گا: وہ کہے گا نہیں آپ کی عزت کی قسم اور کہ نہ مانوں گا پھر  
اس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت کہہ جہنم میں لائی گئی کہ لا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازہ  
پر پہنچا دیں گے۔ دروازہ پر پہنچ کر جب وہ جنت کی رونق اور تازگی اور مسرت بخشنے لگے تو  
جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے غاموش ہے لا پھر کہہ گا کہ اب یہ جنت کے اندر پہنچا دیجئے۔ اللہ

اور جل فرمائی گئی۔ اب تمام لوگ خدا سے کیا تو نے ابھی پہنچے ہیں کیا خدا کا کہ نہ مانوں گا وہ  
 میں کیا کرتا۔ پر خدا کا اپنی ساری مخلوق میں بکے ہی سب سے زیادہ محرم اور بہت نہ کیجئے اس بات  
 پر اللہ تعالیٰ نہیں پڑی ہے، یعنی بہت خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ہنسی کو انسان اپنی ہنسی پر تیار  
 نہ کرے ہو ہے اختیارات جو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انظر سے پاک میں غرض، پر اللہ تعالیٰ میں کہ  
 جنت میں جانے کی اجازت دے دیں گے اور فرمائیں گے تاکہ اور جو نہ کہ ہے تاکہ اپنا پورا  
 اپنی کتابان کا شروع کرتے گا جب اس کی تمام ختم ہو جائیگی تو حق تعالیٰ اس کو یاد دہانی کے کہ یہ بھی  
 مالک یہ بھی بنائیں تاکہ جب اس کی تمام آوازیں تباہ کو پہنچ جائیگی تو حق تعالیٰ فرمائیں گے  
 (یا) میرے واسطے یہی ہے اسی کی ہمارا اور ہم اور ابوسیدہ خدیج کی رعایت میں ہے کہ میں نے میں  
 صل اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تیرے واسطے یہ بھی ہے اور اس کا میں گن اور۔

**شرح** ظہور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی دیدار کی تحقیق ہے جو قیامت کے دن ہم کو غیب ہمارا اس پر  
 چند وجوہ سے کام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ اور اہل حق تعالیٰ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ جل اور میں  
 (۱۲۴) جو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں اور انکے پیدا فرماتے ہیں (یہ فرمائی غیبی کہ جس سے  
 ہوں تو اور انکے ہی چلنے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ  
 مسلمانوں کے پاس میں گئے (جیسا کہ ان کی شان کے ذاتی ہے) اور فرماتے ہیں کہ میں تبارک ہوں پر  
 ہوا جو نہ دیت اور انکے ان کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوگی (وہ نہیں پہچانیں گے اور کہیں گے  
 کہ ہم تو اسی جگہ ہیں گے جب تک ہمارا سب سے)۔

کہہ دو یہ حجاب خود  
**حجاب ہماری طرف سے ہے حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں** بندوں کی طرف سے  
 ہو گا وہ ان ہی کے جس کا انکے اس وقت میں نہ ہوگا، ہم اس کو جانتے ہیں کہ ایک مثال سے واضح  
 کہتے ہیں اور اللہ کے لئے تو جملہ مثال ہے (ان کی شان کے ذاتی کون مثال بیان کر سکتا ہے) دیکھو  
 آفتاب کی دنیا جب ملنے ہوا کہ کسی کمرہ کے واسطے سے کہ چلے کہ سڑی کو دیکھو اور ان کو یہ بات معلوم  
 ہے کہ جب آفتاب کے ملنے ہوا کہ نہ ہو تو وہ خوب روشن رہتا ہے مگر اس وقت جس کو دیکھتے تو

نہ کمزور ہونے کی وجہ سے سوچ میں شروع اور سب سے اولیٰ اور سب سے اولیٰ نظر آئیں گی تو وہ  
 ہے ساتھ کہے گا کہ یہ تو وہ سوچ نہیں جس کو میں پہچانتا ہوں (یہ تو نہ معلوم کیا چیز ہے) تو اس سے کہا  
 جائیگا کہ اگر کتاب تو وہی ہے مگر تیرا ادراک صحیح نہیں دعاس میں بحث کریگا تو اس سے کہا جائیگا کہ  
 اپنا تھوڑا سا ذکر کر کے چلا اور سوچ کر دیکھ جب دعا پڑھ کر لگا کر دیکھے وہ بلا سوچ کر دیکھے گا  
 تو اس کو بلا خدا اور محض میں حیات کمال پر پائیگا اس وقت خود انکار کریگا کہ حقیقی پہلے جو عبادت  
 خود اس کی طرف سے تائید ملے گی حقیقی کا دوسری مخلوق کے ساتھ ہے تو اس کی ذات کے ساتھ کیا مل  
 جیگا جس کی مثال کوئی چیز نہیں پس جتنے عبادت ہم کو پہنچاتے ہیں وہ سب جلدی طرف سے ہیں جو  
 قدرت اور محنت سے پیدا کئے گئے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے جو فرماتے ہیں کہ  
 عبادت سب تم کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں: جو ان عبادت سے پہلے طرف سے نکل  
 گیا وہی واصل اور حلقہ ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کر کے اور اس سے خطاب کیا جائے گا۔  
 مشابہ کرتا ہے اور مشابہ کیا جاتا ہے ممکن عظمت اور کبریا کے معنی کی رایت کیساتھ قادر مشابہ  
 اور اس منزیکو محفوظ رکھ کر جو مثال انہی کے ہوتے ہیں جس کو اب اور عظمت اللہ اور قادر مشابہ  
 کی مخالفت نہ ہو کیونکہ سب باؤ کر اس کو نہ حول جواز نہ مستحکم حاصل ہوئی نہ مشابہ سے معذرت جاکر  
 اور فرم ہے۔

قوله لا اله الا الله عز وجل عليه السلام وفيه قولون هذا معناه ان قوله لا اله الا الله  
 ان الله عز وجل مقتضى القداسة والحكمة الربانية.

عزیز جہاں میں یہ کہیں گے کہ ہم ہی جہاں میں کے یہاں سے نہ نہیں گے یہاں تک کہ یہاں  
 (۱۶) چاروں طرف جگہ پاس کے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ اس طرح جگہ جگہ  
 جیسا دنیا میں ہم سے دعا کیا تھا۔

یہاں سے یہی سند معلوم ہو  
 جیسا علم یہاں ہو گا ویسا ہی آخر میں ہو گا کہ جو مل ثابت علم کا اس  
 عالم میں ہے وہی عالم تھا اس عالم میں ہو گا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب قریب  
 دو فرشتوں (ملکوں) کے کہ کیا گیا تو انہوں نے حیات کیا کیا اس وقت میں میں ہی لکھانے ہوگی؟

یہاں اصل تو نشانے ہو گئے تھے کہ تو میرے لگان کی چٹا نہیں، کیونکہ وہ جلتے تھے کہ ان کا علم اس وقت ایمان کے امتی و جب یہی اس لئے انوش فرمایا کہ جب مجھے اتنی عقل ہوگی جس سے میں اپنا کو سہاؤں تو میری نجات پا جاؤں گا اس میں کچھ شک نہیں،، نیشاگر تھا تو مدد کے پستے سے تھا کہ مجھے کے بعد کہیں عقل ہی نہ ملے جو کہ جب یہ نہیں تو پھر اندیشہ کہ نہیں عقل صحت ہے تو انشا اللہ سرور الی کا جواب آسان ہے)

اس لئے اہل معرفت اور علماء شریعت نے **قیمت میں قبلی بقدر معرفت ہوگی** فرمایا ہے کہ وہاں دار کرمت میں قبلی اسی تفاوت سے ہوگا جتنا دنیا میں لوگوں کی معرفت اور اجال و تعظیم میں تفاوت ہے اور جو نہیں کس قول کا کہ جب عمل سب کے کام اس کو پہچان لیں گے، مطلب یہ کہ جب وہ ہمارے ملنے اپنے آپ کو ظاہر کریں گے تو ہم پہچان لیں گے، کیونکہ سلطان و مل بھی، اور یہاں بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں (تو قدرت کے پیش میں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فرمائیں اور بندوں کو اس تمہیں اور وہاں کا عمل بھی مطلق فرمادیں)

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جواب سب کو یکساں ہو کر دیں گے یا خاص خاص، اہل معرفت جواب دیں گے، اور ان ہی سے خطاب کیا جائیگا، وہ سرور گناہ کے کاج ہوں گے، جیسا دنیا میں بھی ہمارے کہہ کر جنت میں سے جہنم میں لوگ لڑتے رہا، باقی خاموش رہتے ہیں، تو اللہ عزوجل میں کہا جاتا ہے کہ ہمارے لئے یوں کہا، ہمارے کھیرف کسی ہمت کی نسبت کہ نہیں سیکھوں، مزو کہ نہیں وہاں ہماری عقل میں اللہ تعالیٰ کی ہی جیہ نہیں کہ ان ہی کو ہی سہی جواب اور حسن و اعلیٰ ہو جائے جیسا یہ اہل معرفت کے مطابق ہے اور اس میں ہدی بنادے، کیا ایمان کی سطح کی خبر دی گئی اور نہ ہی کیا کیا ایمان کی خبر ہے کہ کن بٹا فضل ہوگا کہ اس بندہ کو باوجودیکہ وہ جیسا حقیر ہے معلوم ہے اپنے مصلحتیں اللہ تعالیٰ شانہ سے مصلحتیہ گھنٹہ کو لا شرف ہوگا مگر ان کی شان و استقامت و جلال یہیں کہ ہے ظاہر ہے۔

اسی واسطے کہ جتنے متوال ہو کر ہو سکیں ہم سے بہت خوش ہوتی تھیں اور فرمایا کہ ان میں کیا اللہ تعالیٰ مجھ سے مصلحتیہ فرمائیں گے اور میں ان کیلئے فرمائیں گے اے اللہ تعالیٰ بڑا تھے، یہاں

حدود کیا ہیں یہ میرا مطلب ہے، طرف شیرازی نے غیب کہا ہے

ہم گفتی وغیرہم مشککہ کو گفتی محاب تلخی زید بصل شکر خارا

ماشکوہ کو بربک و شہنام میں ہی وہ لنت آتی ہے جو وہ سون کو تعظیم و تحريم میں ہی مائل ہیں

سہرہ قنا اللہ و اباحہ حب اللہ و حب رسولہ و صفائا صرت شراب حبنا میں

اور یہ جو فرمایا کہ مسلمان مشرقتی کے ساتھ چلیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں طرف چلنے کا حکم ہوگا

اس طرف چلیں گے اور یہی ہونوں اور منافقوں میں امتیاز کا فرق ہوگا چنانچہ منافقین سے کہا جائیگا

کہ پیچے بڑو وہ پیچے کو چھریں گے تو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی

جیسا مشرقتی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے فخر بیدہہ بسورہ ایسی ایک اور حد میں

بھی آیا ہے۔

قوله الوجه الہرام مشرقوله هذا امكن ان الله قوله ف حدیث غیر هذا

اس سے یہ علی مسند

(۱۷۵) امتحان کے وقت حقیقت واضح ہوتی ہے جو معلوم ہوا کہ اس میں

کے وقت تمام حقائق کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ منافقوں کو بطور امتحان ہی کہا جائیگا کہ پیچے

پھر کر دیکھو اور فرما لیں کہ وہ یہ توقف پیچے مکر کر دیکھیں گے اس وقت ان کے اور مسلمانوں کے

درمیان دیوار کھڑی ہو جائیگی۔

اور میں یہ یہ غلطی مرتب ہو کر انسان یا

اپنے ایمان کی حالت کو ٹھوٹا رہنا چاہیے لہذا ایمان کی حالت کو ٹھوٹا ہے تاکہ

اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس جہالت میں ہے اس لئے رحمت اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

حاسبوا انفسہم قبل ان تھاسبوا اپنے نفس سے حساب کر کے کہ جو قبل اس کے کہ تم

سے قیامت میں حساب لیا جائے اور تم کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عمل پر مبنی ہے۔

اور جو کچھ انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے سب حق ہے اور فیصلہ بدت نہیں پس اپنے نفس کو مہل نہ چھوڑو

اور نجات کی امید اسباب نجات کی ضد سے نہ کرو کہ یہ عین حماقت ہے۔ قوله الوجه الخامس مشرق

تقہ ملائم دہی نے اسی مضمون کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے :

جان جسد طلبا این ست داین ر کربلتی من کیم در یوم دین

**علم حقیقی کی ترغیب** ہمارے ہاں یہ ہے کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں قیامت میں کون  
کا طریقہ بیان بتو دیا گیا ہے کہ پختہ لین کی حد تک ٹوٹے رہو اپنے غصے سے عاجز نہ رہو اس کو  
میں نہ چھوڑو پھر شخص اپنے نفس کی تہذیب و تربیت کے لئے اس کا اپنا اصل حال معلوم بھیجے کہ وہ  
سے ناغہ نہ رہتا ہے وہ دھوکہ نہیں دیتا ہے ۔

(۱۷۶) قیامت میں بھی قبول دُعا کی امید  
حدیث میں اس حدیث کا بیان ہے کہ

ایسی دعاؤں سے تیسرا مال بچھنے کی توقع ہے اگر ایسا جتنا تو حضرت رسول کریم (را ضیاء)  
علیہم السلام کی مراد پر گفتگو کرتے ہیں اللہ عزوجل اس کی دعا کرتے ۔

قوله الرجاء الثالث والعشرون فيه وسئل عن ان الدعاء الذي يقول له الملائكة المهيمنون  
حدیث ہے وہاں اس صورت کی فضیلت

(۱۷۷) دُعا میں اللہ کا صیغہ افضل ہے  
یہ معلوم ہو کہ کہ انہی کی دعا کیا تھا انبیاء و

کہا گیا کہ اس طرح دعا کرنا افضل ہے جو ان انبیاء علیہم السلام اس میں اثنی عشر مرتبہ اس کو  
اختیار کرتے تھے بلکہ اس سے افضل کو اختیار کرتے کہا گیا ہے کہ انہی کے معنی یہ ہیں کہ انہی  
آپس میں تمام انہوں نے یہ دعا مانگی کہ اس میں جن کے فیصلے کے سوال کیا جائے ۔

قوله الرجاء الرابع والعشرون فيه وسئل عن فضيلة هذه الصلوة الى قوله  
بجہیم ما سئلت بہ

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا  
فہ سلامتی اور نجات کی دُعا سب سے افضل ہے کہ سو سو اور نجات کی دُعا  
سب بے دعاؤں سے بڑھ کر ہے کیونکہ حضرت انبیاء علیہم السلام اس پر ناک ہو کر میں ہر  
ساعت کی دعا کریں گے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دعا ہو تو اس میں ہر ایک کو اختیار کرتے



اس نے دیکھنے میں آیا کہ کسی کے اثرِ تقدی سے مافیت مانگو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سوال مافیت سب  
و ماؤں سے زیادہ محبوب ہے۔

اللهم اذ استلخ العلو والعالمية في الدنيا والاخرة

(۱۷۸) کہیں مسلمان کو رحمتِ الہی سے مایوس نہیں کرنا چاہیے، حدیث سے سنو  
اہل ایمان میں سے جو خواہ کسی حالت میں ہو اس کو یقین طور پر اہم الامین کی رحمت تا امید  
نہیں کیا جاسکتا۔ شاید وہ مانگے کہ میں سے جو بن کے لئے غیر قصد ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں  
انہ لا یأس من روح اللہ الا القوارح والکھاضرون  
اشد تعلق کی سطح سے کافروں کے سوا کوئی تا امید نہیں ہوتا

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے  
اور عقلمند سے حساب لیا گیا پہلی کو دایں دھڑلے کا حکم دیا گیا اور حرام سے جنتی جہنم کی گھاٹ  
الیسین الہ جنت ہی ہیں، یہاں تک کہ ان کی قربت آئی اور ان سے جو حساب ہوا پہلے کو بھی دایں  
دھڑلے کا حکم ہوا، اور فرشتوں کیساتھ پہلے سے ہے کہ دست میں یکساں دایں پہلی جہنم  
فرشتوں سے پوچھا یہ کون ہے، فرشتوں نے کہا اسی سے پوچھو وہ خود بتائے گا (کہ میں کون ہوں) تو  
آپ نے چیکرا ہی کو ٹھوکر لگا کر پوچھا تو کون ہے، کہا میں جبار بن یوسف ہوں۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے  
تیسرا ساتھ کیا ساتھ کیا، کہا ہر مقتول کے حوض لے کر قتل کیا (پھر زندہ کیا) اور سعید بن جبیر رضی اللہ  
عنہ کے حوض لے کر وہ قتل کیا جا چکا ہے اور اب میں اسی پسینہ کی امید رکھتا ہوں جس کی اہل  
توحید کو امید ہو چکی ہے، یہ دین لے کر امید ہے کہ میں دو گوں پر میں نے نظم کیا عقلمند کا بدلے لینے  
کے بعد اللہ تعالیٰ میری طرف سے فرما دیں گے اور جنت میں پہنچا دیں گے)

قوله الوجه التاسع والعشرون فيه دليل على ان من كان من اصل الايمان ال  
قوله وانا انظر ما ينظر الموحدون -

نئے مغزوت مویلیہ خاص مذاق ہے کہ وہ کسی مسلمان کو رحمتِ الہی سے مایوس نہیں کرتے

فتوے دینے والے جو کہ کلام کا فرقہ اور کلام کا فسطح خدا کی قسم قیامت کے دن تم کو بھیو گے کہ بھٹے ایسے لوگوں کی محض ترجمہ ہی ہے جو دنیا میں پورے کافر سمجھے جاتے تھے پھر فرمودہ اس کا منشا اللہ تعالیٰ کہ وہ جانے کے لئے انتظام کے طرز پر کسی کو کافر کہہ دیا جائے عیسائیت میں ہر ایک مسلولہ کو کافر کہا گیا ہے) عفریت سمجھو کہ میں پکفر کا فتویٰ دیا گیا ہے وہ سچ ہے کافر جو گویا انفریق کسی مسلمان کا مشن کی ولایت سے مایوس نہ کرنا چاہئے مولانا فرماتے ہیں :-

کنے نو میدی مرو کا مید دست سنے تابیگی مرو نور مشید دست

اس میں مذہب اہل سنت کی دلیل ہے جو (۱۷۹) نار بالذات **مفسر نہیں ہے** کہتے ہیں کہ بالذات (خود) عفریق نہیں بلکہ جانے کی صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں آقا ہے اگر وہ بالذات لائق ہوتی تو سلامتی وغیرہ سب کو جانتی ہے وہاں کہ فرشتوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا اور صحت کے مقامات کو بھی جانتی جیسا تمام بدن کو جانے کی رعایا جو جسم کی تک صحت کے مقامات کو نہیں جانتی جانتی، طرف تخریق کے تجزیہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جاننا جو آگ کی صفت ہے اس کی صفت بعض اس کی ذات کا وجود نہیں بلکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں پیدا ہوتی ہے ۔

یہاں چند سوالات چنانچہ ایک کے مقامات صحت کی بابت جو فرمایا ہے کہ آگ ان کو نہ کھائے گی۔ یہ مروجہ کے لئے نام ہے، باغوا اس نے کبھی صحت کی ہی یاد کیا ہو۔ جواب یہ ہے کہ اگر ہم اس کو علوم پر مبنی کریں تو لفظ کاس کے موضوع اور معنی سے محال دیکھ کے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کاس رسولوں کو صحت کے اثر اور نشان ہے پس آپ صحت اور لفظ حق کا اثر دیا ہے جس پر شیخ کا مروا۔ اور لفظ ہوا جو آپ صحت نے کبھی صحت نہیں کیا اس کی پیشانی میں صحت کا اثر لفظ نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شادابی ہے ۔ پس العز من والکافر تروق الصلوۃ من اس کافر میں راست یا نفاذ کے پڑھنے اور ترک کرنے کے پس اگر مسلمان نماز پڑھے تو اس کو کافر سے امتیاز حاصل ہو گیا اور اس کے جسم میں نماز کا کفار پیدا ہو جائے گا مگر بدلی گفتگو تو اس شخص کے متعلق ہے جس نے بالکل نماز نہیں پڑھی خلیفہ دنیا وہ کمان کے تعلقات صحت کو آگ کھائے گی یا نہیں، تو ظاہر یہ ہے کہ جس کے

جہنم میں نماز کو کوئی اثر اور نشان نہیں ہے تو اس کے عقائد جو دو گال کھا سکتی ہے۔

اس تو جیسے پر تلک صلوٰۃ کی حالت زیادہ تادک صلوٰۃ کی حالت زیادہ خطرناک ہے۔ خطرناک ہے کیونکہ اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہو جائے اور اگر ایمان پر غائد ہو بھی گیا تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمانوں کیساتھ جہنم سے نہ نکالا جائے جن کو مسجد کے نشان سے ملائی ہو چاہی بھی کیونکہ اس کے پاس یہ علامت نہیں ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہاں ایک حدیث ہے اس بیان کے معارض ہے اور وہ جبریل کا قول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں صلات میں امتلأ بشفاعة ان لا اله الا الله مغل الخ لجنۃ تامل رات فعل كذا او كذا قاتل وان فعل كذا و كذا جو شعلہ آپ کی امت میں سے اس صلات میں سے کہ وہ لا اله الا الله و محمد رسول الله کی شہادت زبان دہلے دیتا ہو وہ جہنم میں داخل ہو جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ اس نے ایسا یا نہ کیا ہو کہا اگرچہ اس نے ایسا یا نہ کیا ہو بھی کیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ تادک صلوٰۃ پر ہذا اندیشہ ہے موت کے وقت کرایمان سلب نہ ہو جائے اور اگر وہ شہادت کا اقرار کرتا ہو اول سے اس کو مانتا ہوا تو اندیشہ یہ ہے کہ ان لوگوں کیساتھ جہنم سے نہ نکلے گا جو صلات دہلے ہیں بلکہ اس قبضے کے ساتھ نکلے گا جو اللہ تعالیٰ مٹھی جبر کر رہے ہیں گے جیسا حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ و صالحین کی شفاعت کے بعد جبکہ یہ حضرات شافعی کر کے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکالیں گے اور جہنم میں ان کے نزدیک وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے دوزخ میں قید کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد الباقیہ و اولیاء کے نزدیک کوئی مومن جہنم میں نہ ملے گا مگر کفار و مشرکین ہی رہ جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے رسولوں نے شفاعت کی انبیاء نے شفاعت کی ملائکہ نے شفاعت کی ملہ لے شفاعت کی اب اہم اوراقین کی شفاعت کی بدی ہے۔ پھر اللہ عزوجل جہنم میں سے ایک مٹی جبر کرنا چاہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کا مٹی جبر کرنا کیونکر چکا اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟ تو اس

سٹی میں وہ سب لوگ نکل آئیں گے جن کو قرآن کے تاملوں نے اسٹیج پر بلایا۔ وہ علماء کے نزدیک جہنم میں قید کیا تھا تو یہ لوگ بھی جو کچھ نماز کے پاس نہ گئے تھے، ان ہی کے ساتھ نکلیں گے۔ دورانِ سب کا بیان اپنی جگہ پر اس کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قوله في الوجه التاسع عشر وهما دليل نذهب أهل السنة إلى قوله من داخل الكتاب انتفاء لشم تعالى .

۴۰ کافر و مشرک کی مغفرت ہوگی اور جن لوگوں کو انبیاء و اولیاء جہنم میں بھیج دے گا

دیں پھر اللہ تعالیٰ نکالیں وہاں سے جو حق تعالیٰ نے بھیجے مگر ان کا ایمان ضعیف ہوگا

تفوں قرآن نے حقیقتاً ان لوگوں کو جنہم میں تہ کیا ہو گا وہ تو کافرو مشرک ہی ہوں گے کیونکہ قرآن  
قرآن ہی ہے اب اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور ان لوگوں کے  
اللہ تعالیٰ ہی جنہم سے نہ نکالیں گے عذریں لوگوں کا ایمان اتنا ضعیف اور غنی ہو گا کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اور جسد نبیاء و اولیاء ان کو کافرو مشرک سمجھ کر جنہم میں چھوڑ دیں گے اور  
اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ کتاب ہمارے علم میں ان لوگوں کے سوا جنہم میں کوئی نہیں رہا جن کو قرآن  
قرآن نے تہ کیا ہے اس دہشت اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور قدرت کاملہ کا اظہار فرمائیں گے اور جیسا  
عسکری کو جنہم سے نکال کر بتا دیں گے کہ ان کو رسولوں نے انبیاء نے ملائکہ نے اولیاء نے کامل  
سمجھ کر جنہم میں چھوڑ دیا تھا مگر لیجن کے ایمان کا حال معلوم ہے یہ مومن تھے کافرو مشرک  
تھے حکمایان اس قدر کمزور تھا کہ تمام اصحاب فرستہ ان کے ایمان کو نہ پہچان سکے یہاں سے  
معلوم ہوا کہ علم غیب محیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں ہی نہ ہو گا۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے  
 قل لا یعلم من فی السموات والارض  
 الغیب الا اللہ اور علم غیر غیب کو علم غیب کہنا صحیح نہیں۔

یہاں ہے یہی معلوم ہوا کہ  
ف اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی کریم و کریم نہیں اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی

کریم و کریم نہیں چنانچہ یہ بیشمار غنوق تمام انبیاء و صل و اولیاء کی نظر عنایت و رحمت سے محروم  
رہے گی مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی دستگیری کریگی۔ یہاں سے ان جالوں کی حماقت ظاہر ہو  
گئی ہو اللہ تعالیٰ کو توجہ بار و تبار ہی سمجھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پرانے پیغمبر کو  
کریم و کریم سمجھ کر ٹھوڑا اللہ خدا سے بھی جھٹھاتے ہیں جیسا بعض اہل بدعت رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو عالم نبی طور عقائد کی قرار دیتے اور پرانے بریکی دستگیری پر جھرو سکے ہوتے ہیں

نعوذ باللہ من ضلالتہ البدعة و ضلالتہ کمال اشباح السنة اللہ اعلمنا من

عبادہ العزیز العزیز العزیز العزیز

حدیث میں عبادت کی فضیلت کی بھی دلیل ہے کہ باوجود

( ۱۸۰ ) فضیلت عبادت استقامتی مذاہب کے یہ مواضع جو مذاہب محفوظ ہیں جیسا

ایک موفیانہ اشارہ ہے وہ یہ کہ جب موفیق اس حدیث سے یہ معلوم کیا کہ مواضع عبادت کی  
بڑی عزت و حرمت ہے کہ آگ ان کو نہ جلا سکے گی نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی

انسان کے پیٹ میں جہاد فی سبیل اللہ کا عباد اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ  
دو دھن میں واپس ہو جائے یعنی جیسا یہ دھواں ہے جیسا یہ بھی نا ممکن ہے کہ جس پیٹ میں

جہاد کا عباد ہو اس میں جہنم کا دھواں پہنچ جائے یا وہی مطلب میں اور وہی بہت سی عبادت ہیں  
تو موفیق نے دل کو اور بدن کو اور تمام اعضا کو عبادت ہی میں مشغول کر دیا جس سے اس وقت

جہیل کی طباق وہ وہ دونوں جہاں میں بلند مرتبہ کی مستحق ہو گئے وقت کریاوں کی اس میں فبت  
کر لیا جائے۔ قوله الوجه الشرائع فیہ و سبیل علی فضل العبادۃ الی قوله و فی ذلک ا

قلیتا غلب المتناصرون۔

فہے پس زبان کو بھی عبادت میں مشغول رکھو اور دل کو بھی اور سانس کو بھی اور تمام اعضاء کو بھی  
جس کا طریقہ علماء و اولیاء کے بتلانے سے معلوم ہوگا۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے قبول ہونے  
**قبول دعا کی قوی امید رکھنا چاہیے** کی قوی امید رکھنا چاہیے اگرچہ دعا کرنا  
 اس کا اصل نہ ہو کیونکہ یہ شخص جس کا حال بیان ہوا ہے صحیح طور سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہو گا  
 اور جو شخص جہنمی ہو اس کی اس کا مردود ہونا یقینی ہے (قبول ہونا تو جہنم میں کیوں جائے) پھر بھی حق  
 تعالیٰ اس پر اپنا فضل و رحمت لگائے اور اپنی رحمت اس پر مبذول فرمائیے گے اس کی دعا اور دعا کے  
 کو قبول فرمائیے گے) تو جو شخص ایسی احتمال ہی کے درجہ میں ہے کہ جتنی ہو گیا جہنمی اس کو کیا حال  
 ہونا چاہیے یقیناً اس کو قبول دعا کی بہت زیادہ امید رکھنا چاہیے کیونکہ اس کو دنیا میں تو  
 سب لوگوں کی حالت سعادت اور شقاوت دونوں کو متصل ہے تو ان کو ارحم الراحمین کی رحمت  
 کی بہت زیادہ امید رکھنا چاہیے۔

قوله الوحيد المشاء من المشاء ثون فيه وسيل على قوة الرجاء الى قوله فلهذا قوی رجاء  
 فی رحمتنا ارحم الراحمین۔

فی بعض امور کے لئے تیس سال تک برابر دعا کرتے تھے ۱۳ سال کے بعد اجابت کا ظہور ہوا ان کو  
 اجابت دعا کا یقین تھا اس نے برابر دعا میں لگے رہے، مگر ان لوگوں کی عادت یہ ہے کہ چند دن  
 دعا کر کے جب قبول کے آثار نہیں دیکھتے گھبرا کر دعا چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں جب لیتے ہیں کہ ہم  
 قبول دعا کا اہل نہیں ان کو یہاں سے سچی امید پانچنے کی یہ شخص جو ہے آخر میں جہنم سے نکلے  
 گا یقیناً اسے کو مردود سمجھتا ہوا مگر پھر بھی قبول دے لے گا امید ہو گا دعا کریگا اور اس کی  
 دعا قبول ہی ہوگی مسلمانوں نے جہاں اپنی کامیابی کے وہ شہر طرہوں سے تعالٰیٰ بتائے ہوں؟  
 کہ وہ دعا جیسی سہل چیز ہے ہی تعالٰیٰ بہت شے ہے جس اگر کما ز کم ہر مسلمان عزت اسلام و مسلمین  
 اور عقبہ اسلام کے لئے دعا ہی کرتا ہے بعد برابر اس میں کام لے تو انشاء اللہ کچھ دنوں کے بعد  
 آگاہ قبول نظر آجائیں گے۔ غامض ہوا یا املہ الالبصا

حدیث میں قبول دعا کی قوی امید ہو  
 (۱۸۲) قبول دعا طریقہ جاننے پر بھی موقوف نہیں کیلئے دلیل ہی ہے کہ ایسے شخص کے وہ

قبول ہو جائے جس کو دعا کا طریقہ بھی معلوم نہیں اور ادھر دعا تو ایسی نہیں چنانچہ اس شخص نے ادھر دعا تو ایسی نہیں سے کہنے دعا استغفری میں کی بس ایک حاجت کی درخواست کی اور اپنے ٹیکسٹ کی شکایت کی کہ نے مشر میرا چہرہ جہنم کی طرف سے پیر و بیخدا دعا اپنی حالت عرض کر دی، جہنم آگ نے مجھے چوکیا یا ہے اور اس کی بدولت دعا مانگا بیٹھا کر دیا ہے اسی کی درخواست چاہتا مرتب ہو گیا اور تکلیف دور کر دی گئی۔ میں ٹیکسٹ میں ایک بزرگ کے پاس گیا تو ان کو بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا اور معنی حاصل کر لے کر دم کر دیکھے بس اور کہے نہیں دعا اپنی حالت میں مستغرق تھے اور اسی لفظ کو باہر کر رہے تھے میں نے کہا کہ یہ کسی دعا اور درخواست ہے فرمایا مجھے نہ پھر میں نے دنیا میں اور اس کی جاؤں اور پریشانیوں میں غور کیا آخرت میں اور اس کی تکلیف دعا میں نہیں کیا تو کہ سہر میں نہ آیا کہ کیا مانگوں اور کس کس چیز کو خواہ کر سکوں اس لئے میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ لے کر دم کر دیکھے بس اور کہے نہیں میں نے اسی وقت اس کلام کی عبادت اپنے دل میں غصوں کی اسباب تک عبادت غصوں کرنا ہوں جب بھی ان کی بات یاد آجاتی ہے۔ میں سہر گیا کہ یہ شخص اپنی حالت میں سچا ہے تو میں نے کہا تم نے جو کہ کیا جہنم کیا چنانچہ وہ اچھا حالت میں نہ تھے پھر اس کے وقت ان کو شہادت نصیب ہوئی اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی دعا قبول فرمائی ہے۔

کیونکہ زندگی کی ایک ساعت میں ان کو اپنے عوام کی

صدق و اخلاص حاصل کرو ساتھ ساتھ حق نصیب ہو گیا تھا

بس ہے اپنا ایک اور بھی گر پیچیدہ گرچہ کہتے ہیں بہت سے نادر و نایاب ایک اور بھی اگر وہ قبول ہو جائے اور قبول ہوتا ہے غلوں سے تو وہی کام بنانے کے لئے بس ہے غلوں کی کوشش میں گھر ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ دعوت بھی عطا فرمائی آئیں اور اس معصوم کی تعزیت میں کو ہم بیان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی جوتی ہے۔

قل یا عبادى الذین احضروا علی انفسکم لا تقنطروا من رحمتی اللہ ان اللہ

یعزیز الذنوب جیباً انہ ہوا الغفور الرحیم

فرمایا مجھے ہے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ کو اپنے نفسوں پر مقرر فرمایا کہ تم کو اللہ کی رحمت سے تم ان کے

دوست سے نامیٹ ہو گیا تو کوئی نہ تھی سب میں اس کو نہیں سمجھتا ہے۔ یقیناً وہی بلا  
تجسس لاہریان ہے۔

قوله الوجه التام ما لا وثق فيه وسيل اخر على قوة السجاء الى قوله ان الله  
يفضرا الذوب حبياً

حضرت فقہاء اور صوفیہ دونوں نے فرمایا ہے کہ اگرچہ دعائیں اور یہ مانوس کا اختیار کرنا عقل  
میں سمجھا گیا ہے مگر دوست نہیں اگر کسی وقت کسی بات کے لئے اپنی زبان میں اپنے مانوس میں مان  
کئے کو دل چاہے تو بے تکلف جس نقطے پر چاہے دعا کرے جس اتنی بات کی حمایت ہے کہ تمام  
پیسوں کی دعا نہ ہوا وہ وعدہ سے تجاوز نہ ہو۔

حدیث کے اس  
(۱۸۲) اصل نمبر کے لاکھ توحید التغات اور اس کا خطاب جواب

و دعوتک وہ بندہ کہ کا نہیں قسم آپ کی عزت کی میں اس کے سوا کچھ نہ مانوں گا۔ ایک صوفیہ  
انتخاب ہے وہ یہ کہ فرشتہ اور خوشی کے بند میں یہ شخص جو اسے قسم کھائے گا۔ ہر صوفیہ کے ذاتی پر  
تو اس خوشی کا مشا انت خطاب ہے جس عادت کا پیدا ہونا نہیں کیونکہ وہ ملتے ہیں کہ خوشی  
مفسر عادت کے چور ہونے کی کفایت ہے وہ جو ہے، بلکہ اصل عزت ہوئی کی توجہ و تعلق  
اس کا جواب خطاب ہے اور اصل جواب کہتے ہیں کہ یہاں اس شخص کی خوشی کا مشا عادت کا پیدا ہونا  
ہے اس لئے وہ بعد اسے قسم کھائے گا۔ مگر انہوں نے اس شخص کو بھی اپنی طرح جواب دیا ہے  
ملا کو میں کوئی نہ تھی سے خطاب جواب کی دولت عطا ہو گئی وہ جواب نہیں دیتا بلکہ داخل بن  
جاتا ہے اور اصل کو اصل نصیر صوبہ کے خطاب ہوتا ہے۔

فہم یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کچھ بھی وہ نہ تھی ایمان عطا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی وقت قبول  
کے کامیاب ہو گا چنانچہ سلطان جو سب کے نیچے جہنم کے نکلے گا ظاہر ہے کہ سب کے اعلیٰ درجہ میں ہو گا  
مگر نہ تھی ایمان کے ساتھ اس لئے قبول سے سرور نہ ہو گا سب کے بعد ہی ہی اللہ تعالیٰ سے کام آئے گا  
اور سوال و جواب اور مضامین کا نام تو دھون ہے ان وصل کے بعد جیت ہی کسی کا حق دے جائے  
کسی کا حق ملے گا کہ وہن وصل سے ملے گا یہ نہ ہے کہ یہ نہ ملے گا یہ ہے جو برہمن کو حاصل ہے



اللہ و ملائکہ اللہ بن آدم و بنجر جہنم من الظلمت الی النور اللہ ہی مجھے اس محبت کے ہیں ۔  
لا الہ الا اللہ لیس لہادون اللہ حجاب و اللہ تعالیٰ اعلم اور یہاں سے معلوم ہوا کہ کیا  
کتنی بڑی مدد ہے مسلمانوں کو اس دولت کی قدر کرنا اور اس کی حفاظت میں کوشش کرنا  
چاہیے کہ تب تک اس دولت پر ڈاکہ ڈالنے والے بھی بہت پیدا ہو رہے ہیں ۔

حدیث کا یہ مضمون کہ دشمنوں کی دشمنی خواہش  
(۱۸۴) حرص و طمع انسان کی جبلت ہے  
یہی کا ب بک اللہ تعالیٰ پائیں گے  
پھر کہے گا کہ سب بے جنت کے و دائرہ تک پہنچا دیجئے اسی تعالیٰ فرمائش تھے کیا تو نے جہنم  
میں شان نہ دیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا ۔ بتو آجے کہ انسان با طمع و حرص واقع ہو لے چنانچہ  
جنت سے بہار یا گیب اللہ صحت کا منظر دیکھنے والا تو اس سے ہرگز کہے کہ یہ تو طمع ہی کی طبیعت  
ہے ۔ اب غلبہ طمع کی وجہ سے وہ ساتھ جہاد دیتے بھول گیا اور اس کے نزدیک پہنچے کہ وہ دنیا  
کرنے لگا جو کہ جنت کا وہ لڑہ ہے کہ شاید اس پنہا نصیب ہو جاتا ۔

مردیہ سے معلوم ہوا کہ ضیف اپنے  
ناقصان نقصان ہی کے موافق مانگا کرتا ہے  
مذہب کے موافق ہی وہ غنا سے یہ  
کرتا ہے نہ مذہب اس شخص نے تو کیا یہ خواہش کی کہ جہنم کے قریب سے بہار یا گیب اللہ صحت میں جو  
و خواہش اس شخص کی ابتدا میں اس کی جہنم لڑکے کا کیونکر ہو پائے گا اس سے نیا وہ کمال نہ سمجھتا تھا  
اور اگر یہ دیکھ لیتا کہ اس کس سے مانگے ہوں تو پتہ ہی وہ مانگے لیتا جو غضب میں طلب کیا  
نا امیری کے وقت نفس تنقوٹے پر بھی قناعت کر لیتا ہے معلوم ہوا کہ

نا امیری کے وقت نفس تنقوٹے پر بھی قناعت کر لیتا ہے چنانچہ اس شخص نے اپنے عمل ناقص  
کی وجہ سے جنت میں پہنچنے کی طمع نہیں کی صرف تھا امید کی کہ جہنم سے بہار یا گیب  
رکھو گا اس سے نیا وہ کمال اس کو امیر نہ تھی ہاں ہی صوفی نے فرمایا ہے کہ نفس کو مہلکات سے بادل  
نہ کہ دو غماز موزوں ہوں یا عیب ضروری کہ اسی طرح تم اس کی ساتھ جہنم ضرورت مہلکات  
پر مسلک کر سکتے جہاد جب پہلے لوگ اپنے کے جہنم لڑی ہی مہلکات اس کو یہی ہوتے کہ تو وہ

خوش بھی ہو جائیگا شفا و شفا کے لئے کھانے سے ایک مہاس کی دکان کو تو پیر دینے  
 عقب پر اس سے منع کر کے بن سے کر سیدی ہوئے جیادہ مل انہ مل انہ طیبہ سلم  
 نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کو چند حقے کافی ہیں جو اس کی کر کو سیدھا کر دینا جب اس  
 اور لقیات یقین صلبہ اور اگر غرض اپنی طبع پر قائم رہا دباؤ کا اس کو نہ دیا گیا  
 تو وہ ماری دنیا میں کبھی قناعت نہ کرے گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 لو ان لا بن آدم وادیب من عہب لا یبقی لہما نالشا۔ اگر ابن آدم کے  
 پاس حقے کے جیسے پودے لگ جائیں ہوں تو وہ ان کے ساتھ قیسے کی عہ کرے گا اور اہل توحید  
 نے فرمایا ہے۔

من لویض بالیسیر فہو اسیر

جو قوت ہے دلی نہ ہو وہ دغس کا قیدی ہے

قوله فی الوجہ الثانی والاربعین قوله یمکت ما شاء اللہ ان یمکت الی  
 قوله فی الوجہ الرابع والعشیر من لویض بالیسیر فہو اسیر۔

نہ اس طریق کا چاہت ہے جس  
 نہ عارف طالب دنیا نہیں ہوتا کے لئے یہ ہی کر دے دنیا کی  
 اور جب نکل جائے عارف طالب دنیا نہیں ہوتا طالب آخرت ہوتا ہے اور بقدر ضرورت کب  
 دنیا جذب کے خلاف نہیں بلکہ ماکور بہ ہے اور بلا طلب کے زیادہ مل جائے تو اس کے لئے دنیا بھی نہ  
 کے خلاف نہیں کیونکہ وہ جس جتنی دنیا ہی جتنے جتن کے پاس ضرورت سے زیادہ مال کا کو  
 طالب نیاز تھے خدا تعالیٰ کے مظلوم بنائے انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور مصافحہ میں شریک  
 حکم چار فی الحدیث عن العرب علیہ السلام عن امیر علیہ جبرائیل عن زکریا  
 عن عبد یحییٰ عن ثوبہ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ  
 ولعن لا غنی فی عن برکتک واللہ تعالیٰ اعلم وضوء باطل من شرور انفسنا  
 مجاہدہ کے چار اکان جو موصیہ نے بیان فرمائے ہیں

ن مجاہدہ کے اکان ۱۔ تنذیل علم

۲۔ تفصیل نام

۳۔ تفصیل کلام

۴۔ تفصیل اختلاط مع الامام

ان میں سے فہرست اول و دوم آجکل تعلیم میں متروک ہیں کیونکہ لوگوں کے قوی خود ہی ضعیف ہیں کھانا ، سونا کم کرنے سے منفعت زیادہ ہو جاتا ہے اور انسان ناکارہ ہو جاتا ہے جس کھانے میں اتنا جاڑا ہے کہ قوتی ہی جھک دکھ کر کھایا کرے پوری طرح حکم میرزا ہمارے اور شام کو پالی کم پیا کرے۔ نیشنل کے متعلق اتنا جاڑا کافی ہے کہ چھ گنٹے سے زیادہ نہ سویا کرے اس سے کئی کرنا امداد کو منسک۔

جب تک تفصیل کلام اور تفصیل اختلاط کی اس نمائندگی پہلے سے ہی زیادہ ضرور ہے اس لیے تحقیق طریق ان دونوں جاڑوں پر آجکل زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ زیادہ مکتوبات سے آگے کان سے ہوتے ہیں اور ان کا یہی طریق ہے کہ با ضرورت بات کی بجائے اور سب سے آگے رہا جائے با ضرورت لوگوں سے نہ مل جائے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے کمال لطف

(۱۸۵) اللہ تعالیٰ کے کمال لطف کا بیان  
 پر بھی دلالت ہے کہ وہ بخدا آدم کے ساتھ کس قدر مہربانی کا سلسلہ فرماتے اور ان کے عذروں کو کیا قبول فرماتے ہیں کیونکہ وہ ان کے ضعف کو جانتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولاً اس شخص کے سب سے اور عہد قبول فرمائے اور اس کی ایک درخواست پوری ہی کر دی حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ شخص جسے اور اس کی راست کو۔ یہ کہ مبرہ کر کے گا اور یقیناً اپنے عہد اور دھوکے کو توڑے گا پھر بھی اس کے وعدے اور عہد کو مستبول فرماتے تھے اسی کی نظیر حق تعالیٰ کا یہ لٹا دہے

وَمَا الَّذِي يَتَّبِعُ التَّوْبَةَ مِنْ عِبَادِهِ وَيُعْطِيهِمُ السَّيِّئَاتِ وَيُعْلِمُهُمُ مَا تَعْمَلُونَ

دی ہے چاہے بندوں کی توبہ مستبول کرنا اور ان کے گناہوں سے دیکھ کر نہ کرے اور وہ پامنا ہے جو کہ تم کرنا تھے۔

توبہ کی خبر دینے کے بعد و یعلمہم ما تَعْمَلُونَ بڑھانے میں ایک لطیف لٹا ہے

صلہ بظاہر یہاں اس کی عزت و حق کی ترقی میں یہ مضمون بہت بگڑا چکا ہے کہ اللہ عزوجل  
جس کا حال سے باخبر ہیں اور یہ تو شرط ایمان ہے کہ اس کا یقین نہکا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے  
تو احوال و فیوض کا علم ہے۔ غریباں اس کو اس نے چھایا گیا ہے کہ توبہ کرنے والوں میں سے بعض  
تو اپنی توبہ پر قائم رہتے ہیں اور بعض اس کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون توبہ  
پر قائم رہے گا اور کون اس کو توڑے گا۔ لیکن باہر حرم وہ سب کی توبہ قبول کیسے ہیں اور بد  
و جب یہ قبول کرتے ہیں، سب کو توبہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور ہر توبہ کرنے والے کی مدد بھی  
فرماتے ہیں، گودہ بد میں توبہ کو توڑ دیتے ہیں، اس کے متعلق وہ حدیث کافی (دلیل) ہے جو بنی اسرائیل  
کے ایک شخص کے متعلق وارد ہوئی ہے کہ وہ گناہ کرتا پھر توبہ کرتا پھر گناہ کرتا پھر توبہ  
کرتا یہاں تک کہ ملائکہ نے عرض کیا ہے پروردگار! آپ اس بندہ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیا سوز  
پن کر رہا ہے کہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے توبہ کے بعد جھگڑا  
سے باز نہیں آتا، حق تعالیٰ جل جلالہ فرمایا اے فرشتو! کیا تم میسر بندے کے کہ اس بات کو  
نہیں دیکھتے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ پر ممانعت کرتا اور توبہ کو قبول  
کرتا ہے۔ قسم ہے میری عزت کی میں ہمیشہ اس کی توبہ قبول کرتا ہوں گا جب تک جو وہ  
توبہ کرتا رہے گا۔ سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے ۛ

لے خدا قربان احسانت شوم وہ چہ احسانت قرانت شوم

قال السدی ۛ

وگر غم عمرد بگر وار زشت چہ باز آمدی ما جزا ور نوشت  
وقال الآخر ما کیا من رہے ۛ

باز آ باز آ ہر پنجہ ہستی باز آ مگر کار و گمرو بخت پرستی باز آ  
ایں درگاہ ملدہ گرو میدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الغوث المتوہب یعنی لہ فضلۃ من صلہ یدخل بها الجنة  
ہمیشہ توبہ کرنے والے نوہن کے پاس کچھ صلہ عمل کا مزدورہتا ہے جس کی وجہ سے

وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

قوله الوجه الخامس والاربعون فيه وسئل على لطف الله عز وجل بسبق  
أدرا إلى قوله سيدخل بها الجنة

(۱۸۶) انسان اپنی بھلائی کے لئے ہر ممکن سے ممکن میدان کو کام میں

لیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی بھلائی کے واسطے کیسے کیسے کرتا ہے چنانچہ ہر  
شخص نے اول تو یہ درخواست کی کہ جہنم سے دور کر دیا جائے کہ شاید اس طرح  
کچھ خوشیاں مل سکیں۔ نیک بنان کے ساتھ حاصل ہو جائے۔ جب یہ درخواست پورے ہو گئی تو آگے  
بٹھا، یہ تو خدا کا عظیم و خیر کے ساتھ انسان کا واقعی میدان ہے۔ وہ سب کے ساتھ اس کا کیا  
حال ہوگا اس لئے اس کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
بہتر فرمائے گا۔

ہر شخص کی جتنی عقل و تدبیر دنیا میں ہے، وہ آخرت میں بھی باقی رہے گی

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی جتنی عقل اور فکر اور تدبیر دنیا میں ہوگی وہ آخرت  
میں بھی باقی رہے گی کیونکہ وہی حالت میں اٹھایا جائے گا جو یہاں اس کی حالت تھی جس کی دلیل  
یہ نصیحت حید ہے۔ جو اس شخص سے مدد ہوگا، نیز حدیثوں میں جو روح و نفس کا مناظرہ مذکور  
ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے، اور اسی کے سوا اور بھی بہت احادیث اس باب میں وارد ہیں۔  
قوله الوجه السادس والاربعون فيه وسئل على حكمة الله عز وجل بسبق  
قوله في الوجه السابع والاربعين وخبر ذلك هو ان الله يوفى العبد ما يشاء من ذلك

(۱۸۷) جس کو جس عمل سے بآپ کا کیا یا ہو رہی ہو اس کو لگا ہے

حدیث کہہ رہا ہے کہ خیر میں حق تعالیٰ فرمائیے گے۔ و یحک یا ابن آدم ان الله  
ایسے ابن آدم! تیرا نام جو تو بہت ہی غدار ہے۔ یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس نے

جین و فصدہ شکنی کی حق زباں بلکہ خدا کو توڑ پکڑنا، مگر وہ بھی اپنی ایک بات پر مردانہ ہے جو بے بی باک ہوں پہ زیادتی جو انہیں کی بلو کی بھی نہیں کہ وہ یہی کہتا ہوں سب لا عقلی اشق خلقت خداوند اپنی عشق میں مجھے زندہ بدست لے ہی بنایا۔ کیونکہ جبکہ آتش اس سے پہلے بلکہ قبل کائنات میں خداوند سوار بجا نہ ہو کہ اس نے خدا کا عطا کیے کہ وہ ہے خدا۔ تو وہی بات پر جھگڑا اور یہی کہتا ہوں کہ خداوند دھمکے فرمایا ہے۔ ہوتی سرخ ہوتی جگہ نہیں رہے جس کو یہی دعا ہے کہ وہی ملے ہی ہوں کہ وہی ہے تو اس شخص نے اس کلم کی تحصیل نہت میں کی اگر وہ دنیا میں ہی پہل کرے تو اس کو اس قسم کی ضرورت ہی واقع نہ ہوتی۔

قوله الوجه السابع والاربعين يقول الله وحده يا ابن آدم اني قد اصابك من هذا

(۱۸۸) کسی شخص کو کسی وقت تک موصوفت کیا جائے جب تک

اور تیسرا بار میں حق تعالیٰ کا لے مارا نہ رہے نہ۔  
 کہا از کم تین بار اس کا ٹیڑھ نہ ہو۔  
 کی نسبت اس وقت تک کی جائے جب تک اس سے بار بار اس کا ٹیڑھ نہ ہو اور تیسرا بار کہا از کم  
 حد تین ہے جس کے بعد کسی وصف کی نسبت اس کی طرف ہو سکتی ہے کیونکہ پہلی بار اور  
 دوسری بار میں یہ محال ہو سکتا ہے کہ غلطی نہ ہو کہ جو کہ ہو یا ایک بار نفسی ہو یا بدیہی  
 بار چوتھی ہو کہ ہو اور تیسرا بار عیناً نفس ہی سے نفس ہی ہے اس وقت یہ بات حقیقت ہوگی کہ  
 اس سے پہلے میں تصدیق ہو کہ خداوند عمل صالح کا قصد ہو یا اور کہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ نے اس شخص  
 کو تیسرا بار سے پہلے نہایت یاد دہایا۔

نہ یہ نام نہ ہو اس کے متعلق ہے اور اس میں ایک دہرے کے مدار سے  
 جس نسبت جائز ہے ۲

یہاں ایک مہینہ شمار ہے وہ کہ حق تعالیٰ نے تیسری  
 خدا انسان کی جبلتِ خدا میں جو اس کو اپن آدم کہہ کر خطاب فرمایا تو ہمیں۔۔۔

بتلایا گیا ہے کہ انسان میں بے نقائی اصل ہے۔ یہی وہ ناسمیں غائبیم عربی کو حق تعالیٰ  
پہچانی دیا اس حدت پہتا ہے۔

اور ذکر کیے انھوں فضل کے دات سے ہوتا  
تزکیہ اخلاق محض فضل سے ہوتا ہے۔

ولو لا فضل الله علی محمد ورحمته ما ترک من نعم من بعد ابدل  
المقام پر اشارہ کرنا کہ ہوتا امداد کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی نہیں پائے ہو تھا  
وان الفضل لا ماسواۃ بالسوء الا ما سواہ دلیہ  
اور نفس تو بدی ہی کا حکم کرنے والا ہے مگر میں پر اشارہ تعالیٰ رحم فرمائی  
اور ابن آدم کہنے میں توبہ کے ساتھ ایک نام مطلق بھی ہے کہ تو کرم کی دھکی کثرت  
عطا کا پتہ دیتی ہے کہیم جب کسی کو دھکا ہے تو اس کو مدعا مال بھی کہہ دیتا ہے اور  
جنین کی دھکی پہ بتاتی ہے کہ کچھ بھی نہ دے گا اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ  
تبارک و تعالیٰ سے بہت چہا کر حساب میں لے کر اس کے اور فضل کے میدان کوئی  
تو جان نہ ہو گا اس وقت فی تعالیٰ فرمادیں گے میسر بہتر کہنے ایسا کیا تھا ویسا کیا تھا بننا  
اپنے عملی کے ساتھ ان سب کا اثران کرے گا حق کر وہ جہاں لے گا کہ میں میں تو کثرت گند  
کی وجہ سے جاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمادیں گے کہ میں نے دنیا میں ہی نیسفران میں کو کو کو  
پہچایا ہے اور آج بھی ترسکرے ان کو نبشتا ہوں تم نے ویجا کہ کریم کی دھکی کا انجیل کیا عجیب  
کہ جب خدا کو جانت کایتین ہو گیا تو ان کرم شروع ہو گیا اور اس میں عکت یہ ہے کہ اگر اللہ  
تعالیٰ اس کے گناہوں کو بدل نہ دے تو وہ لاش اور بدن حدت نہ بکے ہی اپنی رحمت سے نہیں دیں اور  
فرشتوں سے یں فرمادیں۔

کہ میسر ہنسے کو محض میری رحمت کی بناء پر جنت  
جنت بھی محض فضل سے ملے گی  
میں لیاؤ تو انسان کی اس سے پورا تسلی نہ ہوگی  
اس کے دل میں یہ کہتا ہے کہ اگر محض رحمت سے تو نہیں بلکہ کچھ اپنے عمل سے بھی جنت کا  
مستی ہوا ہوں جیسا بنی اسرائیل میں ایک شخص کا قصہ آج آج میں: آتا ہے کہ وہ ایک جزیرہ

میں رہتا تھا جو مسند کے بیچ میں دنیا سے الگ تھا اس کے پاس دلوں کوئی آدمی نہ تھا وہ تنہا  
 اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا اور کسی وقت عبادت میں کبھی نہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس  
 جزیرہ میں اس کے واسطے ایک ایسا کارخیز پیدا کر دیا تھا جس پر روزانہ ایک ہی تار پیدا ہوا  
 ایک ہی دن میں جمع تھا اور پک جاتا جسے یہ مادیہ کھاس کر تاکھا اور پانی کا ایک چمچ بھی  
 اس کے واسطے جاری کر دیا گیا تھا جس سے سیراب ہوتا تھا ایسے حال پر وہ پانچ سو برس تک زندہ  
 رہا چل س نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھ کی حالت میں اس کی روح قبض کی جائے تو  
 اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا بھی اس کو عطا فرمادیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مادیہ  
 کے متعلق ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اس کو لیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایا کہ  
 کہ میں اس بندہ کو حق سبکو رحمت کی بناء پر جنت میں لیاؤ اس پر وہ بولے گا نہیں  
 وہ بلکہ میرے عمل کی وجہ سے؟

پس اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے منکر حیاتی کی نعمت کا تو حساب  
 کہ اس کا شکریہ ادا کیا یا نہیں؟ حالانکہ حساب کریں گے تو پانچ سو برس کی عبادت اس ایک  
 نعمت کا لشکر آگے لے لے ہی کافی نہ ہوگی اس کے سوا اور نعمتوں کو کیا ذکر وہ تو سب دین  
 کی دینی ہی وہ جائیں گے ان کا حق تو کچھ بھلا دانا ہوگا، اس وقت وہ مادیہ عرض کرے گا کہ وہ  
 مجھے جنت میں اپنی رحمت سے پہنچا دیجئے، حق تعالیٰ فرمائیں گے (اں اں) تو تو بہت اچھا  
 بندہ تھا و فرشتوں! میرے بندے کو میری رحمت کی وجہ سے جنت میں لے جاؤ تو جب اس سے  
 گناہوں کا اقرار لے لیا اس وقت اس کے لئے چند چند خوشیاں جمع ہو گئیں ایک خوشی  
 گناہوں کی مغفرت کی، ایک خوشی چودہ خوشی کی کہ اس کو دسواہنسی کیا گیا۔ ایک خوشی اس  
 رحمت کی جو جنت میں پہنچا کر اسے عطا کی گئی اس طرح اس کے پاس بہت ہی نعمتیں جمع  
 ہو گئیں تو وہ منہ سے پوری طرح ماضی ہو گیا اور یہ بھی منہ کی فطرت سے بڑا انعام ہے کہ

عہ سلمان! اسباب بندہ کو اپنے عمل کا بیج ہونا شاید ہو گیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی تعریف  
 کر رہے ہیں کہ تو بہت اچھے عمل کرتا تھا یہ سبے شعبہ کم اور یہ سبے رحمت و فضل ۱۰۰



منم طیبہ کو اخلاک کی حقیقت اور عظمت سے خبردار کر کے تاکہ اس کو چھٹی دستہ اور ذلت مائل سمجھ کر۔ الا یسلع من خلق وهو اللطیف الخبیر کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی (بند چواری) نہ جلنے کا مادہ نہ کھوٹے جڑا بلکہ بنی آدم بڑا باعزت ہے۔ اسی طہرت یہاں رب اللہ تعالیٰ نے اس تیزی خبیث پر اپنے فضل سے یہ انعام کن پاتا کہ عزت کے گھر یعنی جنت میں اس کو پہنچائی تو پہلے اس کو بہت دھمکایا اور اس سے انکار کرایا کہ وہ بڑا غلام ہے اسی کی طبیعت میں بھی غم ہے اور باتوں میں بھی دنیا میں بھی غماری سے ہم ایسا تھا اور آخر میں بھی اس سے باز نہ آیا وہ لوں بجز غم کو اپنے ساتھ لے رہا جب اس نے اپنی خطا کا اقرار کیا تو بعض رشتہ سے جنت میں بھیج دیا جس سے اس کو بہت افسوس اور چند دھندلے رشتہ میں چوٹی

قوله فی الرحمة السامع والاربعین کو کہتے ہیں عز وجل نراء عنک ما العذر ماک الی

قوله فی الرحمة السامع والاربعین۔ ومستعصباتی السامعین

فت یہ جو فرمایا گیا کہ ترکینہ المطلق بعد دخول جنت یعنی فضل سے جو ۱۲ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے عمل اور گوشش کی ضرورت نہیں بلکہ طلب ہے کہ عمل اور گوشش کے بعد یہی جس کو یہ دولت حاصل ہو جائے وہ اس کو اپنی گوشش کا ثمر نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے جس کو اللہ تعالیٰ اس دولت کے لئے عمل کی توفیق دے دیا سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرنا چاہتے ہیں ورنہ انسان کا نفس تو بدی کی طرف ہی جاتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ

(۱۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی حرص کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل

کی امید اور تمنا رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی نعمت و رحمت کا مرتبہ یاد دلایا ہے کہ ان اس کے حق میں ہوں کو معاف فرمائیے گئے اور اپنے فضل سے ان پر پناہ فرمائیے گئے اور جو کچھ سوچا اس سے روک دے گا کہ یہ گئے۔ پس تم بھی اس نفس کو یعنی نفس ہی کی دوسرے لپٹ ساتھ رکھو اور کسی وقت ان سے نظر قطع نہ کرو تاکہ یہ بات صحیح خود پر ہم کو معلوم ہو جائے کہ نعمت اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہو گیا اور ہے کیونکہ اس کا جب ہدایت ہے یا غمزدہ و گمراہ ہے یہ دونوں ۲ ہوتا ہے۔ یہ سب سنائی تو ہے میں پر ہے وہ کرنا چاہیے اور جس طرح



## باب چہل و نهم

### حدیث

#### جواز الذنایا فی الصلۃ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث طے کر کے اس سے عرض کیا ہے کہ کوئی مانتا ہے کہ مجھے جس سے نماز میں دعا کیا کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہا کرو۔

اللہم انی ظلمت نفسی ظلماً عظیماً ولا یغفر الذنوب الا انت  
 فالغفر لی مغفرة من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم  
 اے اللہ میں نے اپنی جان پر بیتِ ظلم کیا ہے اور تجھے سوائے اُنہوں کو کوئی نہیں  
 بخش سکتا تو مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے اور مجھے پرہیزگار فرمائیے کیونکہ  
 آپ ہی غفور رحیم ہیں۔

ظاہرِ حدیث کے نماز میں دعا لانا جائز ہوگا اور اس دعا کا افضل ہونا معلوم ہوا ہے  
 مثنوی اس پر چند جملے آئے ہیں۔

( ۱۹۱ ) بزرگوں سے تسلیم کی طلب کرنا چاہئے گو غالب صاحبِ معرفت بھی یہ  
 حریت سے سہم ہوا کہ بزرگوں کی تسلیم کا درخواست کرنا چاہئے اگرچہ غالب کو ایک گونہ معرفت  
 پہلے سے حاصل ہو کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ



اس سے مجھ کو یہ بھی کہنا سیکھ رہا ہے کہ ماثورہ کی پابندی لازم نہیں، عمل انھیں یہ ہے کہ اسباب رحمت میں سے، اعلیٰ عارفین کا اختیار کیا جائے، لہذا ان میں بھی اوقات میں بھی مکان میں بھی اصول شریعت سے یہ سب باتیں معلوم ہو چکی ہیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد خدا و فرشتہ کا نصب و اعلیٰ دلیل کا نصب اور ان کا اشارہ ہی بہت کافی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تم نادرین جو ہاؤ تو کھڑے ہو جاؤ اور اپنے پیروں کا رنگا رنگ طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ اس میں بن احمد کا ذکر ہے وہ سب کے بعد قبول دنیا کے اسباب میں سے ہیں کیونکہ خلق کے مشاغل سے فراغ حاصل ہونا حضور تکبار در خلاص حاصل ہونے کا اسباب میں سے ہے اسباب ہے اور وقت و فرصت و تمام تزیل حاصل ہونا اور باریک بینی سے مشاغل اختیار کرنے کا اور امید پیدا ہونے سے جو رحم ماننے والے ہوں اور انتصاب سے مراد نادرین چاہتا ہے جو تمام طاقتوں کو مستحق ہے کیونکہ وہ سب کے اعلیٰ ہے جب اعلیٰ طاقت کا امر کیا گیا تو مدد ملی اس کے ضمن میں خود ہی لکھی ہیں۔

قد اوحى الوحي المشافى يترقب على هذا من الفقه ان ينظر للموافاق عبارته الى الامرين الى قوله فليروا في العنق

(۱۹۳) دنیا کی حقیقت اور اس کے درجات  
یہاں ایک حال ہے کہ  
اعلم انی تحت نفس  
کو حضرت مدنی کی مدد سے کیا سخن ہے کیونکہ یہ مشہور ہے کہ میں مختلف طریقہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ضمن میں کوئی شے یا اسات جلیلہ میں سے کسی صفت کا شمار نہیں میں کسی ۱۲ احادیث کا ذکر کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وقد الاسماء الحسنیٰ منادعوه بها

اللہ کے لئے اچھے نام ہیں تو تم ان کے وسیلہ سے اللہ سے ملو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اسما الله العظمى ادعاه بعد التوب

کہ اگر ۱۲ اسم کے وسیلے سے جو دعا بھی کوئی کہے تو قبول کیا جائے

نیز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاَسْأَلُوْهُ  
 بِمَا هِيَ خَلْقٌ جَاهِلٌ عِلْمُ اللّٰهِ عَظِيْمٌ جِبْتُمْ اللّٰهَ سَوَالُ كَرُوْهُ مِيْرَا  
 پاہ کے واسطے دعا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک میری جاویدت بڑی ہے۔ اس  
 معنی میں آیت درست ہے اور دعائیں بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول  
 ہیں بہت ہیں۔

جواب بندہ وجہ سے: اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق  
 کا مقصود سمجھ گئے تھے کہ وہ ایسی دعا معلوم کرنا چاہتے تھے جو بالیقین قبول ہو جائے اور  
 حکمت شریعہ کے موافق اس سے دنیا و آخرت دونوں کی جلدی نصیب ہو تو حضور نے ان کو  
 جب ارشاد میں جواب دیا گیا آپ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حق حتمی طور پر  
 واجب نہیں، اگر کسی دعا کو ضرور قبول ہی کر لیا کریں، بلکہ یہ تو بعض استہا میں جن سے  
 جس کو چاہتے ہیں کامیاب کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں جیسے کھانا  
 کرتے ہیں بعض اپنی طرف سے کھانے کے بغیر سے کامیاب کرتے ہیں اس کی دعایا عمل اور عمل اس میں  
 برائے نام ہوتا ہے حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، پس بے بڑی چیرہ جو کہ مغفرت ہے  
 اصل حقیقت سے مانگنا چاہیے جو کہ فضل خداوندی ہے اس کے سوا کسی اور چیز مانگنے  
 خیال کو رہا ہے نہ کرنا چاہیے اور یہ ایسا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی  
 ذات شریف کے متعلق فرمایا ہے

اِنْ يَنْزِلْ عَلٰى اَعْمَلِ الْجَنَّةِ، قَالُوا لَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَالِ

فَاَنَا اَنْتَ يَتَخَذُ اللّٰهُ بَفَضْلٍ رَّاحِمًا

میں کو اس کا عمل جنت میں نہ پہنچے گا، صحابہ عرض کیا یا رسول اللہ اور آپ کو بھی نہیں  
 فرمایا مجھے ہی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت سے نوازا ہے اس لئے کہ فضل و رحمت

عہد احادیث کی صورت، بلکہ حقیقت نہیں اس وقت تک کہ یہ مطلب ہو، اگر تحقیق کر لوں کہ یہ  
 مفہوم بہت سادہ ہے مگر وہاں کسی حقیقی نام سے تحقیق کر لی جائے گا

میں پہنچو گی، ملائکہ رحیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نشانِ محکمہ لیکھ گئے ہیں (اپنی جگہ کو تسلیم کر کے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے۔

نعم صلوات اختر ضلعت اظہا علی عبادہ فمن جاءہ  
بہن لہریتہ قص منہن شیئا استغفانی بحفہن فان اللہ  
جاعل لہ یومہا لقیمتی عبدہ ان یدہ لہ الجنة .

پانچ نبیوں نے اپنے بندوں پر غرض کی ہیں جو ان کو اس طرح بجا لایا کہ ان میں کچھ کو بخشیں گی ان کے حق کو بھلا کر اور خیر و برکت کر تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لئے اس بات کا عہد اور لینے والے ہیں کہ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے اور یہ حشر و بظاہر پہلے مدینہ کے معارضہ کبیرہ کو اس میں داخل جنت کا سبب بنی فاضل کو بتلایا گیا ہے اور اس میں اہمال کو بتلایا گیا ہے سو ان دونوں مدینوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اہمال پر نہایت کا وعدہ مقام عوام کے لحاظ سے ہے اور یہ بھی حیا وعدہ ہے جس کو ان کے لئے پورا کیا جائیگا (چنانچہ لڑنا ہے) ومن اوفی بعهده من اللہ فاستبشروا بیکم ما الذی بایعتمہ بہ اور جو تم میں سے اپنے عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا پورا کرے تو تم کو اس سوجھ سے خوش ہونا چاہیے جو تم نے اللہ سے کیا تھا کیا ہے اور بظاہر عمل کو باقی رکھنے اور لڑائی چاہنے کرنے سے اہمال کے موافق ہوگی محنت حکیم کہ مائتہ کے سبب اور تحقیق نہایت غرض منہ سے متعلق ہے یہ خواص کا مفاد ہے جسے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام خواص میں انھیں انھوں میں ہیں اس طرح ہر لوگ قیامت تک خواص کیساتھ آپ کی پیروی کو نبیوالے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ بھی خواص میں

عہدہ میٹھا لکان و ادبیات میں اہل نہیں بنالہا اچھی طرح سب کو بجا لایا ۱۲

عہدہ اگر دلی میں تو نماز کی عزت و حرمت ہے مگر ظاہر میں سستی ہے نماز میں غلہ نہ آئے  
تو امید ہے کہ یہ کمی نوافل سے پوری کر دی جائیگی ۱۳

سے یہ اندک یوں نہ ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے کہ جو عورتیں جو زیادہ نماز پڑھیں، وہ جیسے فزیت نہیں ملے گی بلکہ اس چیز کی وجہ سے فزیت ملے گی۔ یہی جو ان کے دل میں بھی ہوئی یہ سیدہ خدیجہ ابانہ و تنصیفی کاملہ اور حبیبہ بنت مسلمہ کے تھیں۔

نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا تھا وہ عوام کا عقائد تھا تو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کے ضمن میں یہاں سے فرطیت میں کہ تم ن کو کون میں ہو جن کا یہ نظام نہیں رہیں کو تم نے طلب کیا ہے، بلکہ ہم تم کو تمنا ہے کہ جو کچھ جو بلیقہ میں ہو کہ خواہم کا عقائد ہے جو شریعہ۔ بعد تحقیق دو دنوں کو بھیج گئے ہیں تو شریعت کا مقتضا قیاس ہے کہ اعمال اور دعا و خیر کی پابندی کی جائے اور اسکو ثبات کا سبب سمجھا جائیگا اور خیر سے یہ کہ دنیا جان کی تمام چیزوں کو عملی فعل پر توجہ ہے اور کوشش ہے کہ سبب نہ ہے۔

یہاں سے علامہ سندھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اس کے مال کے موافق جواب دینا چاہیے۔

ہاں کہ خواہت مجھت کہ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اتروا الناس علی منازلہم لعلہ کان کدہوں پر رکھا کر دے۔

یہ ارشاد عام ہے۔ دیکھو اور سوال و جواب کو بھی اور عمل برتاؤ کو بھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے حضرت صدیق کو یہ تعلیم دلا کہ اپنے نقص کا مٹی عزوجل کے پاس سے طلب کریں کیونکہ جب وہ اللہ عزوجل کے پاس سے بلا واسطہ عیب کے جو کہ عمل نقص ہے طلب کیا جائیگا تو بہت کامل ہوگا۔ پھر اس درخواست کو وہ بزرگ نہیں مینا غفور و رحیم کے ذکر سے کہیاب کر دیا گیا جن میں سے ایک کا مقتضایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب سوال کیا جائے وہ دے گا، فرماتے ہیں اور اس میں دوسری بھی جیسی درخواست ہے کہ اپنے پاس سے (مغفرت و رحمت) عطا فرمائی تو مطلوب کی تمہیں میں یہ صورت زیادہ ہے اور دوسرا کام کا مقتضی مغفرت ہے اور جس کی مغفرت ہو گئی اس پر رحمت ہوئی اور جس پر رحمت ہو گئی اس کی مغفرت بھی ہو گئی۔

نیرہ زبیدی ایک اور مثال بھی ہے وہ یہ کہ دعا قبول ہوا مشیت اللہ پر موقوف ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بل ایاءات۔ نون فیکشف ما تدرعون الیہ ان شاء



بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے رہو پھر وہ اگر چاہتے ہیں اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں جس کے لئے اللہ کو پکارتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اجابت کو دعا کی سیدہ لائی ہے ظنی وعدہ نہیں کیا اور مضطر کے بلوہ میں ارشاد ہے امن بحیب المضطر اذا دعاہ دیاہ و ہستسہ جو مضطر کو دعا قبول کرتا ہے جب وہ لے پکارتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مضطر کی دعا کا قبول کرنا اپنے خدمت و وعدہ جمیل سے لازم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے جو دعا کو دعا کرنا کون ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت مدینی کو دعا کی تھی تھے مگر جو غوفہ جبار کے درمیان جو تھے حالت مضطر کی طرف منتقل کر دیا جس میں اجابت کا ذریعہ لیا گیا اور اضطراب کی حقیقت اس منظر سے ظاہر ہوتی ہے۔ ظلمت نفسی ظلمت کثیرا و کم میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے، یعنی میسر پاس اس ظلم کے ریزہ کرنے کا کوئی میل نہیں اور یہ نجات، احتیاج کی حالت ہے اور یہ غریب علیہ ولا یغفر الذنوب الا انت اور آپ کے سوال میں ہوں کی مغفرت کوئی نہیں کر سکتا یہ نجات اضطراب کی حالت ہے، کیونکہ جو شخص ان اسباب پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو جو گناہوں کی مغفرت کر سکتے ہیں وہ پورا مضطر ہے کیونکہ اگر کسی کے پاس بڑے بڑے گناہ ہوں اور ان کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بہت ہوں جو گناہوں کا گناہ ہو سکیں تو وہ یوں نہیں کیا کرتا اغفر لی مغفرتہ من عندک کہ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے کہ میسر پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو مغفرت کا سبب بن سکے، تو ان دو نفلوں کے مضمون میں امتیاز بعض راوی اضطراب حقیقی کی حقیقت متحقق ہو گئی۔ دل میں یہ بھی باتیں ہیں اور تم خود و سجدہ اور سجدہ باز، میسر باپ میں ان دونوں پر فخر نہیں کیجئے اچھے معلوم تھے اور کیجئے اچھے متعلم، ان کے آثار کیجئے کہ وہ ان کے باطن کیجئے منور اور ان کے احوال کس قدر بلند اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنے فضل سے ان دونوں مغفرت کی برکتیں بار بار نازل فرماتیں۔ قولہ الرجوعہ امتثال قولہ علیہ السلام و قال قل اللہ اعرف فی ظلمت نفس

الہنا بحث الی قولہ اما اللہ علینا صبر کا تھا جتنہ فی یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا میں نجات امتیاز اور نجات اضطراب کی حالت اختیار کرنا چاہیے کہ متغیر بھی مضطر کی سی ہو لہذا بھی اختصار و اضطراب کے مناسب ہیں

فض سوال اور درخواست کے الفاظ پر کفایت نیک جلتے اور یہ دولت اہل اشرفی صحت ہی حاصل ہوتی ہے۔ فقیہ نیک فلیستنا نفس اللہنا فسون

## (۱۹۴) نفس ہر شر کا منبع ہے پس ہر حال میں اپنے کو خطا وار سمجھو

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ حضرت صدیق کا وہاں میں یہ کہنا ظلمت نفس ظلمت کھنڈیرا ذکر میں مفاہی جان پر بہت ظلم کیا ہے، حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ اگر مجاز ہے تو یہ بات محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبب مغفرت کی تعلیم کرتے ہوئے مجاز کا استعمال کریں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مقام طلب و رغبت میں اللہ تعالیٰ کو مجاز سے خطاب نہیں کر سکتے۔ پس اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ اب اگر یہ حقیقت ہے تو وہ کون سا گناہ ہے؟ کیونکہ اسلام سے پہلے جو کچھ تھا اس پر تادم افندہ نہیں اور اسلام کے بعد وہ سب کے سوا اور غیر میں متناہیں چہرے گناہ کیے، جس کے متعلق کہا گیا ہے ظلمت نفس ظلمت کھنڈیرا، اس کا جواب وہ ہے جو پہلے ایک حدیث میں آیا ابن عمر کہ شریعہ میں گندہ چلے کہ انسان کی اہل طبعی حالت بیوقوفانہ اور غصہ ہے۔ پس جلتے اندر غصہ، محرم کو اشارہ سے محفوظ کر کے پس دنیا و آخرت میں جو خیر بھی درجہ کو مال ہے یا جلتے ہے وہ غضب اللہ جل جلالہ کے فضل سے ہے خواہ اس طرح کہ ایسے اعمال کی ہم کو ہدایت کی جن کو سخت جہنم نے حاصل فرما لیا ہے بنا یا ہے (یہ عوام کا مقام ہے) یا بعض مغفوت و فضل سے بدین کسی مسئلہ وغیرہ کے سبب کے راویہ خواہ اس کا وقت ہے، ہم نے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ ما یحکم من نعمۃ من اللہ تمہک پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے و لولا فضل اللہ علیہم و رحمۃ ما نیک منحکم من احد اسدا نور اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی ایسی پاک نہ ہوتا نیز اشارہ ہے۔

ان النبی لا مامرة بالسوء الا ما یحرمہ فی کفر تو بولٹی ہی کا امر

کو زندہ ہے مگر جس پر اللہ کا رحم ہو رہا۔

تو نبی صادق صل اللہ علیہ وسلم نے حدیث رضی اللہ عنہ کو متنبہ فرمایا کہ اصل کا اقرار کریں جس حالت پر نفس کو فطرۃ بنایا گیا ہے اس کا اعتراف کریں یہی سچی حقیقت ہے اور اس کے بعد خیر نام کو جو مغفرت و رحمت ہے حاصل حقیقی سے یعنی غفور ویم سے طلب کریں اپنی کسی گنہ کو مغفرت نہ ملے گا سبب نہ ہمیں اس لئے بعض اہل غیر نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز بھٹا ہو سکتی ہے خواہ ظاہر فرمایا ملتا بجز نفس کے کہ وہ اہل حقیقت و معرفت کے تحریک بھی بڑا نہیں ہو سکتا بلکہ جس قدر انسان کی مسکوت بڑھتا ہے اس قدر نفس کی لذت و مسکوت ان کی نظر میں بڑھتی جاتی ہے یہی سبب اس قلعہ کا محنت پر شاہ ہے کیونکہ جب وہ شخص جو صدق و تصدیق کا احتمال محال پر پہنچا ہوا ہے اس اعتبار کے بعد بھی اتنے بڑے استعداد کی طرف فرمایا گیا ہے جس کا یہی بیان ہوا تو کیا اس کی نظر میں نفس کے کچھ بھی قدر باقی رہ گئی ہو گئی ملاحظہ فرما کر نہیں۔ پس جس کو غلام اور غلام کی طلب ہو اس کو ان کے راستے پر چلنا اور نفس کو مٹانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے ان کے سلسلہ میں داخل فرمائیں (آمین)

قوله الويه الراءم عا بعث في قول هذا السند ظلمت نفس الى قوله فمنا  
في سلكهم منه

ف سچ ہے تو ہی کو مٹا دو غلام سے مل جاؤ گے دع نفسک و تدالی سے  
میان ماضی و حاضری سچ مائل نیست تو خود و خود حافظہ از میان بریز  
تو دور گم خواہ مسائل ہیں ست و ہں گم شدن گم کن کماں این ست و ہں  
مگر یہ دولت حسن حافظہ یاد کرنے سے دوس نہیں موقی کا عین کی صحبت سے حاصل ہوتا  
ہے۔ نہ خوف اللہ و یا نہ خوف ملک بہمنہ و فضلہ آمین

## باب چہارم

### حدیث

## رفع الصوت بالذكر بعد الصلوٰۃ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نماز کے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا جس وقت لوگ فرض نماز سے فارغ ہو کر واپس جاتے۔

ظاہر حدیث کا مدلول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو ذکر کی آواز سنی جاتی تھی اس پر **شرح** چند وجہیں یہ ہیں

محبوبہ رضی اللہ عنہم ہیں اہل صدق و عبادت خود یہ کہ مسجد کے محلے کے محلے جاتے جاتے جاتے مسجد ہی میں رہتے تھے اور بعض محلوں کے اندر نماز کے بعد مسجد کے اندر جاتے تھے کیونکہ اس میں تو اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد دیا گیا ہے

فَإِذَا لَعَلَّ الرِّبَاطَ فَذَكَرْ الرِّبَاطَ فَذَكَرْ الرِّبَاطَ فَذَكَرْ الرِّبَاطَ

یہی صلوٰۃ کی حفاظت ہے یہی صلوٰۃ کی حفاظت ہے یہی صلوٰۃ کی حفاظت ہے

تین بار اس قول کو دہرایا پس اب اس حدیث کو علوم پر محمول نہیں کر سکتے یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب محلوں نماز کے بعد گھروں کو واپس جاتے تھے۔ بلکہ خصوصاً پر محمول کیا جائیگا جس کو حدیث قوالیدین میں اس الفاظ سے بیان کیا گیا ہے خرج المسجد کہ جگہ کی نوا ہے بعد کے نکل گئے اور یہ وہ تھے جن کو ضروری کام ہوتے تھے وہ نماز کے بعد ذکر کرتے ہوئے مسجد سے

نکلتے تھے تاکہ ان سے کوئی مستحب وقت نہ ہو جائے کیونکہ نماز کے بعد ذکر کرنے کی فضیلت دائرہ ہے۔ غرض یہ حضرات اپنی ضرورتوں کے لئے ہندی مسجد سے نکل جاتے اور جگہ تکا و جوسے باؤاز بلند ذکر کرتے تھے کیونکہ مسجد سے باہر اگر گلی آجستہ ذکر کرے تو ممکن ہے کوئی اس بات کرنے لگے اور اس کو باتوں میں مشغول کر کے ذکر سے محروم کر دے اور حضرات صلیب کے سبب سختیات کی پردی پابندی کہتے تھے اس پابندی کی وجہ سے ہی مسجد کے باہر بلند آواز سے ذکر کرتے تھے، تاہم اگر اس علت کی وجہ سے جبر کیا جائے تو اس وقت جبر افضل ہوگا منفصل نہ ہو گا گو فی نفسہ ذکر خفی افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجہ افضل ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ دونوں علت سے خالی ہوں کیونکہ جبر میں بعض دفعہ یہ بھی داخل ہو جاتی ہے لیکن اگر اس غرض سے جبر کیا جائے کہ جبر نہ کیا جائے تو ذکر بالکل ہی فوت ہو جائیگا تو اس وقت جبر افضل ہوگا، اور ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر خفی کی فضیلت اس لئے بیان فرمائی ہو تاکہ لوگ جہڑ پر دوام نہ کر لیں جیسا راوی حدیث نے بیان کیا ہے (ادھر جہڑ پر ہمیشہ دوام نہیں ہو سکتا بعض دفعہ جہڑ سے دوسروں کو تشویش ہوتی یا سونپوٹوں کو تکلیف ہوتی ہے) اور ممکن ہے یہ جہڑ کر نیوالہ، دو رنگ ہوں جو ابھی اس واسطے کہاتے تھے ان کو جب پھر منع نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ذکر سے مانوس کن اور ایمان کی محبت ان کے دلی میں ڈالنا اختصار و تقاضا صدوروں کو افضل کی خبر دے دی گئی تاکہ جہڑ تک ممکن ہو افضل پر عمل کریں اور بعض کے جہڑ پر شکوت کیا گیا تاکہ جہڑ پر دلالت ہو جائے، غرض اس میں مبتدیوں اور اصعدوں کے لئے ایک فائدہ ہے پس دین آسان ہے۔

دوسرا اس ذکر کی کیفیت میں گفتگو، صحاح میں چند احتمالات ہیں یکے بعد دیگرے بیان جاری کیا گیا کہ جہڑ منشا یہ مقام کہ نمازوں کے بعد جو ذکر ماثور ہے وہ فوت نہ ہو جائے یعنی ۳۴ بار سبحان اللہ ۳۴ بار الحمد للہ ۳۴ بار التواکبر اور توطیہ کہنے کے لئے ایک بار لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا یغنی عنہ لا یملک لہ الحمد والحمد وهو علی کل شئی قَدِیم اور یہ بھی احتمال ہے کہ مژدہ ذکر ہو جو مسجد سے نکلنے کے وقت ماثور ہے کہ مسجد سے

نکلتے ہوئے بائیں پر پہلے نکالنا اور کہے اللہم افتح لی ابواب فضلک کہ اس وقت یہ سنت ہے اور یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے اور اس فتور میں حدیث اپنے ظہر پر ہے گھر کا طرف سے ملا مسجد سے گھر کی طرف لوٹنا ہے نماز سے فارغ ہونا مراد نہیں۔ پس حدیث سے نماز کے بعد مٹا ذکر جبر کا ثبوت نہیں ہو سکتا جیسا اہل بدعت کا معمول ہے اور اس ذکر کے اظہار اعلان کا فائدہ یہ ہوگا کہ نادانفہم لوگ بھی اس سنت سے واقف ہو جائیں گے اور جن کا دل کسی مفریٰ فکر میں مشغول ہو وہ بھی ذکر کو سن کر متنبہ ہو جائے (اگر خشوع کی وجہ سے بھول گیا ہو تو اس سنت کو یاد کر کے بھالائے) تو جو گھرنے والے کو ذکر کا ثواب دو طرح سے حاصل ہوگا ایک تو خود اپنے ذکر کی وجہ سے دوسرے فتوح مقصد کی وجہ سے (کہ ذکر کو سنکر دوسرے بھی اس سنت کو بھالائے) کیونکہ اس خاص قصے سے جبر کیا تھا کہ دوسرے کو تعلیم ہے اور ان کے دل میں یہ بات ڈالنے کہ اس وقت سنت یہ ہے جو میں نے ادا کی جیسا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی کیا تھا جب آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم رات کو قرات میں بلند آواز کیوں کرتے ہو کہا میں سونیوالوں کو بیدار کرنا چاہتا ہوں اور شیطان کو بھگانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کو پسند کیا اور فرمایا کسی قدر آواز پست کر دیا کہ وہ اور محمد رضی اللہ عنہم سب ہی ایسے تھے کہ وہ کوئی عمل بے نیت مالتا اور کتاب سنت کی روک ٹوک کے نہیں کرتے تھے (پس جو حضرات مسجد سے نکلتے ہوئے اللہم افتح لنا ابواب فضلک بلند آواز سے کہتے تھے، ان کے جبر کا نشانہ بھی نیت مالتہ تھی)۔

اور اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عمل سے پہلے نیت درست کرنا چاہیے  
اصل مسئلہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العمل ما تقدمت له النية بجزیرین عمل  
وہ ہے جس سے پہلے نیت جمالی ہو ۔

ایک عمل میں چند باتیں جمع کرنے کی تحقیق خیر کی ست سی

نیتیں جمع ہو سکیں تو سب کو جمع کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے ثواب بٹ جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ وہ عمل واجب فرض نہ ہو کیونکہ اگر واجب ہوا اور اس کی نیت کے ساتھ کسی اور عمل کی نیت بھی ملا دی گئی تو اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ فرض ادا ہو گا یا نہیں یا دونوں ادا ہو جائیں گے یا ان میں سے ادنیٰ ادا ہو گا یا اعلیٰ یہ چار قول ہیں مگر قرآن مجید و عمرہ کی صورت مستثنیٰ ہے کہ وہ ایک عمل کا دونوں کے لئے کافی ہو جائے تنفق علیہ ہے (یعنی ایک ہی احرام دونوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے) بشرطیکہ بعد میں اراقتہ دم بھی کہ جائے (یعنی بدی ذکر کیا جائے) جیسا کہ بفرع میں مذکور ہے۔

پس فرض میں تنباہی کی نیت کا جائے (کسی اور عمل کی نیت اس کے ساتھ مل کر نہ کی جائے) بلکہ خاصہ ضرور ہو جائے اور فرض ذمے سے رابقیں (ادا ہو جائے)۔  
 اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں فرض نماز سے مراد خاص صبح کی نماز ہو اس احتمال کی تائید کہ یہ حدیث نماز صبح کے ساتھ مخصوص ہے اس سے جوتی ہے کہ جب ایک علقہ کو اطلاق اور تفسیر کے ساتھ ذکر کیا جائے تو مطلق کو متعین پر حمل کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے (اور دوسری احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے قدری ہو کر حضرت صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے اور حیافت فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا بیان کرتا اور آپ جو کچھ اللہ نے چاہا اس کے جواب میں فرماتے اور ظہر خمس تک صحابہ سے باتیں کرتے رہتے تھے اور آپ کی باتیں ذکر ہی ہوتی تھیں۔ اگر حدیث کامل یہ ہے تو اس وقت سے لے کر آج تک عمل اسی پر ہے کیونکہ آج بھی عموماً نماز سے غافل ہو کر جب مسجد سے نکلتے ہیں تو لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس وقت راستہ میں غفلت ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے جو نماز پڑھ کر نکلتے ہیں راستوں میں کوئی نہیں ہوتا اور نمازی بھی ایک دم سے نہیں نکلتے بلکہ متفرق طرز پر مسجد سے نکلتے ہیں

اور قلوب اس وقت منور ہوتے اور ذکر صداقت پلتے ہیں، اور سلف کے گھر بھی قدامت سے کچھ ہی اونچے ہوتے تھے تو گھروں میں سے بھی ذکر کی آواز سنی جاتی تھی گھر میں رہنے والے اس وقت بیدار ہوتے اور کسی مذہبی وجہ سے گھر میں مقید ہوتے تھے آج لوگوں کے ذکر کی آواز گھروں میں سے اس لئے سنی نہیں جا سکتی کہ عمارتیں بلند ہیں اور لوگوں پر نیسند اور غفلت کا نلب ہے۔ پس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت بھی بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر غنی سے مغفول اور کمتر ہے کیونکہ جب آدمی ماسہ میں اکیلا ہو تو اس وقت راستہ اور گھر برابر ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں (اور گھر میں بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر غنی کے برابر ہے کہ اس میں دیا کا اندیشہ نہیں)

نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونا مؤکد اور فروری ہے اس میں رخصت کرنا چاہئے کیونکہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونے سے رزق میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ رزق طوع و کرہ سے طوع شمس تک کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت کسی عبادت میں مشغول ہے خواہ اس کا رزق بہت وسیع ہوگا بیسہ حدیث میں آیا ہے، اور اس وسیلہ پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہو کر جو طاعت نیادت رزق کا سبب ہو اس میں مشغول ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے دنیا فائز ہوگی خیر حاصل ہوگی، اس کے متعلق بہت سے آثار وارد ہیں اور اسی لئے اہل صفحہ طیب رزق کا استہام بہت کم کرتے تھے کیونکہ ان کو اس حدیث پر اور اس کے امثال پر پورا حجتین تھا تو وہ دونوں جہان میں بوجہ کامیاب تھے، مگر یہاں ایک شرط ہے کہ طاعت میں خالص اللہ کے واسطے مشغول ہوا جائے رزق کے واسطے مشغول نہ ہوا جائے کیونکہ اگر رزق کے واسطے طاعت میں مشغول ہوگی تو دنیا میں ملے گی نہ آخرت

علیٰ چنانچہ اللہ تعالیٰ غافل نہ ہو کہ قرآن مجید کی وسعت کے بعد بڑے بڑے مناسب بھی دے گا

خدا تعالیٰ بہت لالہ کہ نہ غفلت مجھ پر یہ سب کچھ جو طیبہ حق کے ان کو حاصل ہوا ہو گا



اسی معنی میں کہا گیا ہے

ان الخیر بالطاعت منوط و صاحبها بالبرکات مرموف

والمعاصی صاحبها المفقوت و داراہ بالبدیہ یا المحفوظات

غیر طاعت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور صاحب طاعت برکات سے مرموف ہے اور گناہ و انانیت و غضب میں مبتلا ہے اور اسکی دنیا و آخرت دونوں کی دونوں ہلاکتوں سے گھری ہوئی ہیں۔

خیر کہا گیا ہے۔

داراہ بالطاعات مرموفتان و انقاد السوء بها معروف

تیسرے دونوں گمراہ دنیا و آخرت طاعت ہی سے نفع مند ہوں گے اور طاعات کے فدیہ مصیبت سے بچنا سب کو معلوم ہے یہ بحث تو اس وقت ہے جبکہ ذکر سے مراد وہ جو جو مسجد سے نکلتے ہوئے مشروع ہے اور گناہ عرف سے مراد نماز سے فارغ ہونا ہے (مسجد سے نکلنا مرد نہیں) تو اس وقت یہ گفتگو نہ ہوگی بلکہ دوسری تاویل ہوگی جو آگے آتی ہے۔ ابن بطال رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتمال یہ بھی ہے کہ نمازوں کے بعد یہ ذکر جبر و دشمن کے شہرں پر حملہ اور جہاد کی حالت میں ہو تو اگر حدیث کا یہ عمل ہے تو اب بھی عمل اسی کے موافق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ مجاہدین نماز سے فارغ ہو کر پانچوں وقت بلند آواز سے ذکر (یعنی تحمیل) کہا کریں تاکہ دشمن کے دلوں پر دغ و غائب ہو جائے اور اگر اس پر محمول نہیں تو یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہے اور اجماع کے لئے کسی حجت کی ضرورت نہیں (کیونکہ وہ خود مستقل حجت ہے)

قرنہ الوجه الشافی ان اهل الصفة الخ قوله والذاجع لا یحیی علیہ

فہ اس تمام فقرے کا ماسل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد معاً ذکر جبر و بدعت سے جیسا بعض مبتدعین کا معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد یا غزوہ بدر کے بعد تین بار لا ا کہ الا انتر مزب و جبر کے ساتھ کہتے اور تین بار حق حق حق کہتے ہیں اور عبد اللہ بن عباس

کی یہ جھٹکان کی محنت نہیں ہو سکتی کیونکہ اسمیں بہت سے احتمالات ہیں جن کا ذکر گندہ چکا اور اگلاس کو ظاہر پر رکھا جائے تو وہ اجماع سے منسوخ ہے۔ فقہائے امت صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے کہ نمازوں کے بعد یمن جہاد وغیرہ یا ہجرات ایام تشریق کے ذکر جبر مشروع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالحق والصلوٰۃ فی یہاں سے معلوم ہوا کہ جو وظائف و اذکار و نیوی مقاصد کے لئے پڑھے جاتے ہیں ان میں ثواب نہیں جیسا کہ مقصود دنیا ہو، ثواب اس وقت ہے جب بعض طاعت و رضائے حق کے لئے ان کو بجا لائے پھر دنیوی مقاصد اس کے غلام ہو کہ خود ہی آجاتے ہیں ان کو مقصود نہ بنانا چاہیے۔

## حدیث

### حکم راع وکلکم مسئل عن عتیہ

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس کی جائیگی۔ مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا اور مرد اپنے گھروالوں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے ان کی متعلق باز پرس کی جائے گی عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ غلام اپنے آفاکے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ راوی نے کہا مجھے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کی متعلق سوال کیا جائے گا۔ فرض تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی۔

شرح نامہ مستند یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۶) یہ ذمہ داری ان ہی امور میں منقسم ہے جن کا ذکر محشر میں ہے یا دیگر امور کی طرف بھی منقسم ہے۔ اگر ہم علت سمجھنے کے قائل ہوں تو جہاں علت موجود پائیں گے حکم کو مستند کر دیں گے اور حدیث میں جن چیزوں کا خاص طور پر ذکر ہے اس کو قلیل سے کثیر پر تنبیہ کرنے کے باب سے سمجھا جائیگا کیونکہ علت سب جگہ امانت اور نگہبانی ہے اور قواعد شریعت اس بارہ میں بہت ہیں جو اس (تنبیہ) پر مراد یا اعتنا و امانت کرنے ہیں۔ پس بیان حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ ان امور پر تنبیہ کیا جسے جن کا ذکر بیان ہے کہ یہ فائدہ ایک معقول فائدہ ہے کیونکہ لوگ عام طور پر راجی اور ذمہ دار مظہر غلیظ اور سلطان ہی کو سمجھتے ہیں اس کو سوا جن لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ذمہ دار نہیں سمجھتے چنانچہ مرد و کبتلہ کہ میسر گھروالے میسر واسطے مباح ہیں میسر او پران کا کچھ حق نہیں بجز نفقہ (روٹی کپڑے) وغیرہ جو مادہ مرد کے ذمہ ہوتا ہے اور اس سے محشر نفقہ کے متعلق باز پرس ہوگی یہ نہیں سوچنا کہ اس کے ذمہ اس سے زیادہ بھی کچھ حق ہے اسی طرح بیتا کبتلہ کہ میسر باب کا حال میز مال ہے کچھ پر اسکی باز پرس کیا ہے بلکہ وہی میسر او پر جا کہے (جو کچھ باز پرس ہوگی باپے ہوگی) بیوی بھی یہی کہتہ ہے غلام بھی یہی سمجھتا ہے اور اس جہالت کے درمیان حقوق خارج ہوجاتے ہیں جن کی باز پرس ہوگی مگر لوگ ان حقوق کو غفلت میں برباد کر رہے ہیں۔ پس اس پر تنبیہ کر دی گئی تاکہ ان لوگوں کی پورا خیر خواہی ہو جائے جو کسی ذمہ داری کے تحت ہیں ان اور مول انٹر ملی انٹر نیو و سٹریٹ ذمہ داروں سے زیادہ اپنی ذمہ داری کو ادا کریں تو اسے ہیں (اس لئے آپنے تنبیہ فرمائی) بقیہ امانات اور ذمہ داری پر یہی مثالیں دلالت کر رہی ہیں ان ہی پر سب کو قیاس کیا جائیگا چنانچہ سب بڑی ذمہ داری تو اس کی ہے جس کے لئے اطاعت و انقیاد کی بیعت کی باقی ہے (مراد غلیظ اور سلطان ہے) اس پر تو محشر عبادہ بن الصامت میں گفتگو کر چکی ہے اس کے بعد جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق اس وقت کچھ بیان کیا جائیگا

جنتا اللہ تعالیٰ منہ سے ذمہ لے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

والرجل راعی اہله و مسئول عن رعیتہ

مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان اور حاکم اور ذمہ دار ہے اس سے اس رعیت  
بھی متعلق باز پرس ہوگی۔

یہاں اہل کا لفظ ہمہ گیر ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اہل کا اطلاق کبھی  
نوجوان پر آتا ہے جیسا اس امر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ  
انکس میں کہا تھا

اھلک یا رسول اللہ لا اعلم الا خیرا

یا رسول اللہ وہ آپ کی بی بی ہیں میں تو بھلائی کے سوا ان کے بدہ

میں کچھ نہیں جانتا۔ (مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں)

لہذا یہ بھی احتمال ہے کہ اہل سے مراد وہ ہوں جن کا نفقہ مرد کے ذمہ شرعاً

واجب ہوتا ہے جیسا فوج علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ان ابی من اہلی کہ میرا

بیٹا بھی میسر اہل میں داخل ہے اور جیسا اللہ تعالیٰ شانہ نے ایوب علیہ السلام کے

قصہ میں فرمایا ہے۔ و وہبنا لہ اہلہ و مثلہم معہم ہم نے ایوب علیہ السلام

کو ان کے گھر والے عطا کر دیے۔ اور ان کے مثل ہی ان کے ساتھ یہاں اہل سے مراد

بیوی بچے سب ہیں۔ نیز غلام بھی اہل میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجہد رعیت کے

ہے جسکی وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت سلمان فارسی

رضی اللہ عنہ کے متعلق ہو من اہل البیت کردہ اہل بیت میں سے ہے

علاوہ غلام (آزاد شدہ) تھے۔ نیز غلام کھلے اپنی سیدہ کی زینت (ظاہر وجود

کنین) کی طعنے نہ کرنا مباح ہے جیسا خادم کے لئے مباح ہے چنانچہ حق تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔ او ما ملکت ایمانن

حدیث میں دونوں احتمال ہیں کہ اہل سے منظور بیوی مراد ہے یا سب گھر والے (مرد و بیوی)

عمر ظاہر ہے کہ اس کو علوم پر دیکھا جائے کیونکہ فائدہ اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جو کہ دین  
اس لئے بھی موم پر دیکھنا اولیٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اخیر  
میں فرمایا ہے والرجل راع فی حال ابیہ کہ آدمی اپنے پاس کے مال کا بھی  
نگہبان اور ذمہ دار ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ باپ اپنے بیٹے کے مال کا نگہبان اور  
ذمہ دار ہے کیونکہ جیسا اہل میں داخل ہو چکا ہے اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ آدمی  
اپنے غلام اور بیوی کا نگہبان ہے اور ذمہ دار ہے کیونکہ غلام اور بیوی میں اہل  
میں آچکے ہیں بیٹے اور غلام اور بیوی کی ذمہ داری کو اپنے بیان فرمادیا تاکہ ہم کو معلوم ہو  
جائے کہ جس طرح گھر کے مالک ان کے متعلق باز پرس ہوگی ان سے ہی بقدر خصوصیت  
(و تعلق) کے باز پرس ہوگی جیسا آگے بتایا جائیگا۔

پس مرد کے ذمہ بیوی بچوں اور غلاموں کے جو حقوق واجب ہیں ان میں سے بعض  
تو وہ ہیں جو سب لوگوں کو خواہ مسلم ہوں یا جاہل معلوم ہیں جیسے نفقہ کپڑا اور رہنے کا  
گھر اس میں تو کچھ غنائیں مگر یہ کل میں سے بعض ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اس  
کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ ان کے دین کی حفاظت کرے ان کو دین پر اجازت دے وغیرہ  
پر بھی مستحبات پر بھی ہر ایک پر اس کے دوسرے موافق توفیق دے اور یہ حق  
نفقہ اور لباس سے بھی زیادہ بڑا ہے کیونکہ نفقہ اور لباس تو تنگ دستی کی حالت میں  
ساقط بھی ہو جاتا ہے اور دین کی طغیر و بیری اور اس کی تسلیم کسی حال میں ساقط  
نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جو حق بھی ساقط نہ ہو وہ اس حق سے زیادہ بڑا ہے اور ضروری  
ہے جو کسی وقت ساقط ہو جائے۔

مگر جو لوگوں نے حکام کو نفقہ اور کپڑا اور دیگر امور دنیویہ ہی کے متعلق فیصلہ  
کرتے دیکھا ہے ان کے سوا کسی اور بہت کو ذمہ داروں کے اوپر لازم کرتے ہوئے  
نہیں دیکھا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ جس حق واجب وہی ہے جس کو حکام اپنے فیصلوں  
میں لازم کرتے ہیں اس کے سوا کچھ واجب نہیں۔

اور جو لوگ اہل علم اور اہل خیر سمجھے جاتے ہیں ان کی ہڈی دوڑ رہی ہے کہ

نفقہ و لباس کے علاوہ جو حقوق دینیہ ہیں وہ مستحب کی قسم سے ہیں اگر ان کو ادا کریں تو ثواب ہے، نذا کریں تو گنہگار نہ ہوں گے مالاٹکی یہ بھی جہلِ غفلت ہے اور بالکل غلط آگے کتابِ سنت اور اقوالِ ائمہ میں اس کے غلط ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کتاب کی علامات کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا  
لِئَلَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنَ اللَّهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَأَمْرٌ أَهْلُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ  
اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اسکی پابندی کرو  
رہی حدیث۔ سو روایات میں وارد ہے کہ جس شخص کی اولاد بالغ ہو جائے اور وہ ایک  
نکاح وغیرہ کے بارہ میں کوتاہی کرے یہاں تک کہ وہ اس کوتاہی کی وجہ سے کسی  
محذور گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر بھی آٹا ہی گناہ ہوگا جتنا اُن پر ہوگا۔ نیز نماز  
کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مروءة بعد السبع وأخبر بوجہ علیہا العشر  
بچوں کو نماز کا حکم کرو جب سات سال کے ہوں اور نماز کے ترک پر  
ان کو مارو جب دس سال کے ہوں۔

اور یہ حکم مفسر نماز ہی کے واسطے نہیں بلکہ نماز کا ذکرِ اعمال سے ادنیٰ پر تنبیہ کیلئے ہے  
مجھے اقوالِ ائمہ تو ابنِ ابی زینب نے اپنے رسالہ وغیرہ میں بیان کیا ہے کہ بچوں کو  
نماز کے لئے مارا جائے جب دس کے ہوں جیسا حدیث میں آیا ہے اسبطرچ و دوسرے  
واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کریں تو سزا دینا چاہیئے۔

معاذِ ربی اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ ولی اپنے ماتحت نابالغ بچوں  
کو نیک کاموں کی ہدایت کرے اور ان پر مجبور کرے تو ان اعمال کا ثواب کس کو  
ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ ثواب ولی کو ملے گا دوسرا یہ کہ ثواب بچہ کو ملے گا

کیونکہ غسل تو اسی نے کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ دونوں کو ثواب ہوگا۔ یہی قول میرے ہے جس کی دلیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حج و عمرہ میں ایک عورت نے اپنے ہرج میں سے ایک بچہ کو نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا رسول اللہ کیا اس بچہ کا بھی حج ہو سکتا ہے آجئے فرمایا ہاں اور تجھے ثواب ملیگا (متفق کہتا ہے کہ اس حدیث سے وہ سرے قول کی توفیق ہو گئی مگر پہلے قول کی نفی نہیں ہوئی بلکہ بظاہر اس کی تائید اور تیسرا قول کی تائید اس میں نہیں)

لہذا غلاموں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بانٹنا کرے اس کو سزائے تازیانہ دلا پھر زنا کہے تو سزائے تازیانہ دے اگر تیسری یا چوتھی دفعہ پھر زنا کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ ایک ہی دھما کے عرصہ میں بیچے۔ اسی کے مثل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ ان کی زمین میں ان کے پاس ہی رہتے تھے ایک دن حضرت عائشہ نے اسی زمین میں ان خطوط کے غلطاً دیکھے جن پر چوسکر لیا جاتی تھیں تو آپ نے ان لوگوں کے اخراج کا حکم فرمایا اگر اس حرکت سے باز نہ آئیں۔ اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی چیز ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جائز نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس میں کوئی حرام کام کرے گا۔ اسکی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَكْرَهُوا فِتْنًا تَكْرَهُ عَلَى الْبَعَاءِ

کہ اپنی پاندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو ورنہ ان کے ذمہ اتنا خراج نہ لگاؤ جس کے ادا کرنے کے لئے وہ زنا پر مجبور ہوں،

تو جیسے یہ حرام ہے کہ باندیوں کو زنا کے لئے کرایہ پر دیا جائے اور اس کی اجرت لینا حرام ہے اسی طرح وہ سکر مال کو بھی حرام کام کے لئے کرایہ پر دینا اور اس کرایہ کو اپنے کام میں لانا حرام ہے۔ شراب پینے والے کو اپنی دکان کرایہ پر دینا یا اپنے مکان کو جوا کھیلنے کے لئے یا مندر بنانے کے لئے کرایہ پر دینا و علیٰ ہذا القیاس



ہوئے اس قول کی تقویت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اپنے عمال و حکام کے نام لکھا تھا

ان امر امور کسر عندی الصلوة من حفظها وحافظ  
عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها اضيع  
مجھے تہا ہے سب کاموں میں زیادہ فکر نماز کی ہے جو شخص نماز کی  
حفاظت کرے اور اس کی پابندی کرے وہ اپنے دین کو محفوظ کرے گا  
اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ اس کے سوا اور دوسرے کاموں کو زیادہ  
ضائع کرنے والا ہو گا۔

ان سب نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان پر پانچ اہل و عیال کا سفر نفقہ  
بہا واجب نہیں بلکہ ان کے دین کی حفاظت بجا لازم ہے،

اس باب میں یعنی ان حقوق کے بارے میں جو مرد پر اپنے اہل و عیال کے متعلق  
واجب ہیں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اعمال خود مرد پر واجب ہیں ان پر اپنے اہل و عیال  
کو عامل بنانا بھی واجب ہے اگر وہ بالغ ہوں تب تو وجوب اپنی حقیقت پر ہے بجز  
ان اعمال کے جو شریعت نے ان سے ساقط کر دیئے ہیں جیسے جمود عورتوں اور  
غلاموں سے ساقط ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں دیسمل شرعی کے ساتھ یہ مسئلہ  
مذکور ہے اور اگر بالغ نہ ہوں تو وجوب حقیقی نہیں بلکہ بغیر ہے یعنی نابالغوں کو  
احکام ضروریہ کی تعلیم دینا اور عادت ڈالنا واجب ہے مگر پابند بنانا واجب نہیں  
بلکہ مستحب ہے اور جو اعمال خود مرد پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں ان کا اہل و  
عیال کو عامل بنانا بھی مستحب ہے مگر ان کو یہ بھی بتلادینا چاہیے کہ یہ اعمال  
مستحب ہیں جیسا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نماز میں صفوں کے برابر  
کھڑے ہونے سے متعلق معمول تھا کہ اوّل خطبہ میں بیان کر دیتے تھے کہ صفوں کا برابر  
کھڑا واجب بات میں سے نہیں (بلکہ محکومات صلوٰۃ ہے اور سنت ہے) پھر کہ  
آدمیوں کو منیں برابر کرنے پر مقرر کرتے جو لوگوں کو اس پر مجبور کرتے تھے اور

حضرت خلفاء اس وقت تک نماز شروع نہ کرتے جب تک وہ لوگ اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں، اس کے متعلق پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ غرض اعمال مستحب میں بھی اہل و میال سے مسامتہ نہ کرنا چاہئے۔

اب ہم تم کو بتاتے ہیں کہ حکام صرف فقہ اور کپڑا وغیرہ ہی میں فیصلہ کیوں کہتے ہیں جس سے لوگوں نے یہ سبب لیا کہ بس یہی چیزیں مرو کے ذمہ لازم ہیں۔ دین کی ادب باتوں میں فیصلہ کیوں نہیں کرتے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام ان ہی حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کی فطری ممانعت کی وجہ سے ان کے حقوق کا ممانعت نہ کیا جاسکے گا ان کا فیصلہ نہ کریں گے، دیکھو اگر کسی شخص کے مقابلہ میں تمہارے پاس تین یا چار محبتیں ہوں، پھر تم ایک ہی محبت سے اس پر مطالبہ (قائم کردہ) تو حاکم ایک محبت ہی سے تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ بقیہ محبتوں سے جن کو تم نے ظاہر نہیں کیا نہ ان کا مطالبہ کیا تمہارے لئے فیصلہ نہ اسی طرح یہاں سمجھو کہ رعیت کے کچھ حقوق دینی بھی رہی کے ذمہ ہوتے ہیں جن کو وہ ادا نہیں کرتا مثلاً نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ اور زہ کی تاکید کرنا، ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا اہتمام کرنا، مگر ان حقوق کا ادا نہ کرنا رعیت کی خواہش نفس کے موافق ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہے کہ دائمی نعمان حقوق کو ادا نہیں کیا تو وہ حکام کے سامنے بھی ان حقوق کا ذکر نہیں کرتے یا اس لئے کہ رعیت کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ ہمارے کچھ دینی حقوق بھی ہیں یا علم تو ہے مگر وہ اس سے خوش ہے کہ دائمی نے ان حقوق کو ادا نہیں کیا اور اس سے اعمال شرعیہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ بعض دفعہ ایسے دائمی سے محبت کی جاتی ہے کیونکہ وہ خواہش نفس کے موافق ہے اور دوسرے حقوق جو حفظ دنیا کی قبیل سے دائمی

کے ذمہ ہیں جیسے کھانا پکڑا وغیرہ ان کا چھوڑنا رعیت کو گوارا نہیں وہ  
 راعی سے ان حقوق کو طلب کرتی ہے (جب وہ طلب کے بعد بھی توجہ  
 نہیں کرتا تو حکام کی طرف مرافعہ کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ جب بکثرت  
 ان حقوق کا مطالبہ اور مرافعہ ہونے لگا تو ان حقوق کا راعی کے ذمہ  
 واجب ہونا مشہور و معلوم ہو گیا اور دوسرے حقوق یعنی حقوق دینیہ  
 کے طالب بھی کم ہیں ان کے ادا کرنے والے بھی کم ہیں جاننے والے بھی  
 کم ہیں تو وہ ایسے ادھر سے جو گئے کہ گویا ان کا بیان کرنے والا اور بتلانے  
 والا دین میں کوئی بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ فان الله وانا اليه راجعون دین  
 میں کیسا رنج پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے نشانات ہی بدل گئے اس پر عمل  
 کرنے والے ہی جاتے رہے، معاملہ بیان تک مد سے بڑھ گیا کہ جب کسی  
 کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو واجبات دین کا امر کر رہا یا دین کے معاملہ  
 میں ان پر سختی کر رہا ہے تو اس کو دھمکایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ میں  
 جانے بھی دو ابھی تو یہ بچہ ہے جب تمہاری عمر پر آئے گا خود عمل کرے گا۔  
 اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین دو ہیں، ایک بچوں کا دین، ایک بڑوں کا دین  
 اللہ تعالیٰ سلف پر رحم فرمائے۔ ان کا یہ طرزِ امتحان کے یہاں بچوں اور بڑوں  
 کا سب کا ایک ہی دین تھا۔

میسٹر ایک شیخ نے اپنے ایک شیخ کا واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے  
 شاگرد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا چھوٹا بچہ مکتب سے آیا اور کہنے  
 لگا کہ میں نے اپنی شفق یاد کر لی ہے اب میں بیٹا رہوں یا کھیل کو چلا  
 جاؤں؟ شیخ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ بچہ نے بار بار اپنے سوال کا اعادہ  
 کیا، مگر وہ خاموش ہی رہے، شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بچہ سے کیوں نہیں  
 کہہ دیتے کہ بڑا کھیلو، کیا بچوں کے لئے کھیل مشروع نہیں؟ یہ تو ان کی صحت  
 کے لئے مفید ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میسر نامہ اعمال میں

اذھب ذالعب (جاؤ کھیلو) کھا جائے، میں تو ایسا نہ کروں گا اور اگر وہ خود کھینے لگے گا تو اس کو منع بھی نہ کروں گا کیونکہ بچوں کے لئے بقدر ضرورت یہود و لعب کی اجازت ہے۔ سودیکھو سلف کے یہی تربیت کا کیا طریقہ تھا اعدائے اعمال میں اپنی باتوں کے درج ہونے پر وہ کیسی احتیاط کرتے تھے۔

یہ تو ان ائمہ کے متعلق کلام تھا جو دین میں مشروع ہیں اور جو امور نفس کے لئے مباح کر دیئے گئے ہیں تو ان کو اہل و عیال کی خاطر چھوڑ دینا مستحب مندرج ہے جب تک دین میں کوئی مضدد نہ پیدا ہو۔ اسی طرح جو معاملات (بین دین میل ملاپ کی قسم سے) ان کے درمیان باہم ہوا کرتے ہیں۔ ان میں بھی مستحب یہ ہے کہ ان معاملات کی ترویج دی جائے مگر سختی نہ کی جائے تاکہ ان کو مکرم اخلاق کی عادت ہو کہ یہ سنت ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت کا تم مکرم الاخلاق۔

جہاں اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اہل و عیال کے واسطے اپنے حظ نفس کو چھوڑ دینا مرد کے حق میں مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

المؤمن بیاکل بشهوة عیالہ  
ومن اپنے گھروالوں کی خواہش سے کھایا کرتا ہے

یعنی جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے وہ کھاتا ہے اپنی خواہش کے موافق فرمائش نہیں کرتا پھر اگرچہ کسی وقت اس کو اختیار نہ ہو مگر گھروالوں کی خاطر سے کچھ کھا لیتا ہے تاکہ اس کے نہ کھانے سے وہ بھی کھانا نہ چھوڑ دیں تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کی خاطر اپنی خواہش کے چھوڑ دینے کو کمال ایمان کی علامت بتایا ہے کیونکہ اگر وہ اپنی خواہش

بے کھایا کرے جب بھی ایمان سے تو خارج نہ ہوگا کہ یہ بھی فی نفسہ  
 مباح ہے اور جس کام کا کرنا ایمان سے خارج نہ کرے اس کا چھوڑنا  
 کمال ایمان ہوگا اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی  
 محنت سے اس بدن کی حیات موقوف رکھی ہے وہ ذاتِ دوں میں ہمیشہ نکور  
 ہی ہوتا ہے اور اپنی خواہش و رغبت کے ساتھ کھانا اطباء کے قول پر  
 صلاح بدن کے لئے زیادہ مفید بھی ہے اور سنت نبویؐ نے بھی رعایت  
 طب کو بھڑوایا ہے حتیٰ کہ اطباءِ اذقین نے فرمایا ہے کہ جو کھانا بعض  
 اوقات بدن کو مفسد ہوتا ہے وہ بھی اگر سچی رغبت سے کھایا جائے  
 تو نقصان نہیں کرتا بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال  
 کی خاطر اپنے مرطب کھانے کو چھوڑ دینا ایمانِ کامل کی علامت قرار دیا ہے  
 کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے دین کی صلاح کو صلاح بدن پر ترجیح دیتا  
 ہے تو یہ اسی باب سے ہے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں اعلیٰ  
 ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مومن کامل جب کھانے میں جو دنیا کی نعمتوں  
 میں سب سے اعلیٰ ہے اہل و عیال کی رغبت کو مقدم کرتا ہے تو معمولی  
 باتوں میں تو ضرور اس کا لحاظ کرے گا۔

لوریہ جو ہم نے شرط لگائی ہے کہ یہ رعایت اس وقت کی جائز  
 ہے جبکہ اس سے دین کا ضرر نہ ہو اس کی مثال جہاز ہے کہ اگر مرد کو  
 جہاز کی خواہش ہو اور اس کے ترک سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو  
 تو اگرچہ بیوی کو اس وقت رغبت نہ ہو پھر بھی مرد کو اپنی رغبت کو  
 مقدم کرنا چاہیے۔ بیوی کی رغبت کا استغناء نہ کرے اسی لئے شریعت  
 نے نشوز زوج کے وقت جبکہ وہ اپنے بلاغ و شریعتی جملے سے انکار  
 کرے نفقہ بند کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ نفقہ شوھر کے ذمہ

واجب ہے۔ جیسا اوپر گزر چکا نیز بیوی کے مانتے پیٹنے کی بھی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللَّائِي تَخَافُونَ فَسْوَءَ مَنِّ نَّعْظُوهُنَّ وَأَهْجُوهُنَّ  
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنِ اطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا  
عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا

(ترجمہ) اور جن عورتوں کی طرف سے تم کو فسوز (نافرمانی) کا خطرہ ہو (اول) ان کو نصیحت کرو اعد (پھر) ان کو خواب گاہ میں الگ کر دو اور اس پر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مزاجے ضرب دو اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو درم بھی ان کے موافق ہو جاؤ اور خواہ مخواہ ستانے کے لئے ان پر راستہ نہ ڈھونڈو۔

اس باب میں حدیثیں بھی بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کے بارہ مہینہ موکو اپنا حق بیوی سے پوری طرح وصول کر لینا جائز ہے (خواہ اس کو رغبت ہو یا نہ ہو) کیونکہ ایسا نہ کرنے میں اس کے دین پر بڑے فساد کا خطرہ ہے تو یہاں بھی پہلی صورت کے مقابلہ میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ تم شریعت کے اس عجیب نظام کو دیکھو جب تم اس میں خود کرو گے (حیث میں رہ جاؤ گے) کہ اگر دین میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو شریعت نے مسلمانوں کو اپنے حظ نفس کے چھوڑنے کی کسی ترغیب دی ہے کہ کھانے پینے میں اپنی رغبت کو اہل و عیال کی رغبت کے تابع کرنے کا حکم دیا، اور اگر کسی رغبت کے چھوڑنے سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے بلکہ ضروری اور واجب ہو جاتا ہے کیونکہ جس چیز سے روکنا واجب کو ساقط کر دیتا ہو جیسا یہاں بیوی کا شوہر کو جماع سے روکنا نفی واجب کو ساقط کر دیتا ہے، تو اس کا حاصل کرنا

واجب ہے اور اگر اس کے حامل کرنے کے لئے منوع کو بھی جائز کر دیا جائے تو اس کی تحصیل اور زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے (جیسا یہاں یہی منظور ہے) کیونکہ مرد کا اپنی بیوی کو مارنا بدو ن نشوز کے منوع ہے مگر نشوز کے بعد مارنا جائز ہے تو رغبت جماع کو پورا کرنا بہت بڑی عبادت ہو گئی اسی پر (شریعت کے تمام نظام کو) قیاس کر لو۔

اس گفتگو سے یہ علمی مسئلہ بطور نتیجہ کے معلوم ہوا کہ دین اور صلاح دین اصل مقصود ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تبعاً مقصود ہے بشرطیکہ اس سے دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا مآل ایسے مباح کی طرف بھی نہ ہو جس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے (کیونکہ مباح کسی درجہ میں مقصود نہیں نہ اصلاً نہ تبعاً) اور یہی دلیل ہے طریق صوفیہ کے ترجیح کی کیونکہ ان کے طریق کی بنا ترک حطوط نفس اور تحمل اذیت اور ترک اذیت (مسلم) اور (مسلمانوں کا دل خوش کرنے پر ہے) اور ان احمد کا مباحات ہونا ظاہر ہے طریقی صوفیہ نہ مباحات میں تکثیر کرتے ہیں نہ ایسے اعمال کے پاس جلتے ہیں جن سے دین میں خلل کا اندیشہ ہوا ہے (اپنے نفس کے ساتھ تو ان کا معاملہ یہ ہے کہ اسکی خواہشوں کو پورا نہیں کرتے اور اس کو خوش کرنے کے لئے کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے اور دوسروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ ان کی اذیت کا تحمل کرتے اور ہر مسلمان کا دل خوش کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوفی کے متعلق منقول ہے کہ ان سے ایک شخص ملا اور دریافت کرنے لگا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ مشغوش اور پریشان ہوں یا اور کوئی لفظ اسی کے معنی میں فرمایا۔ جب وہ چلا گیا تو حسد ام نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ و بظاہر تو آپ پریشان معلوم نہیں ہوتے، فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کو مجھ سے بعض ہے تو میں نے اس کا دل خوش کرنا چاہا مگر میں اپنی راحت کا اظہار

کہ اس کو خوشی نہ ہوتی، اسی وقت کوئی فقیہ صاحب تشریف لے گئے (انہوں نے یہ واقعہ سنا تو) کہنے لگے کہ کیا وہ بیات ہے تم نے جھوٹ بول کر اس کا دل خوش کیا یہ تو جائز نہ تھا۔ تم نے جس نیکی کا قصد کیا اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو گئے۔

کسی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ بتلاؤ کیا یہ دونوں یعنی بزرگ صوفی ادا ان سے بغض رکھنے والا مسلمان نہیں ہیں؟ کہا بیشک مسلمان ہیں اس نے کہا پھر جب ایک مسلمان دوسرے سے ناحق بغض رکھے اور جس سے بغض کیا جاوے وہ سچا مسلمان ہے تو کیا اس کو اپنے بھائی مسلمان کی اس حالت سے رنج نہ ہوگا کہ ناحق بغض کی وجہ سے اس کا ایمان ناقص ہو رہا ہے۔ کیونکہ مومن کو اپنے بھائی مسلمان کی ہر اس حالت سے تکلیف پہنچتی ہے جو خود اس کو پیش آتی تو تکلیف ہوتی تو جیسا اس کو اپنے ایمان کے ناقص ہونے سے تشویش ہوتی ہے ایسے ہی اپنے بھائی کے نقص ایمان سے تکلیف ہوتی ہے پس جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اس جواب میں کذب کہاں ہوا؟ بلکہ اس بزرگ نے اپنی حالت اور غلطی کی حالت کے موافق سچا جواب دیا ہے۔ یہ سب جو آلوں سے جواب بہتر ہے مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو علم حال اور علم دہی دونوں سے حصہ ملا ہو ورنہ ایک میں مقلد ہوگا اور خواہ فقیہ کا مقلد ہو یا صوفی کا جو ختہ کا مقلد ہوگا صوفی کو برا کہے گا جو صوفی کا مقلد ہوگا فقیہ کو برا کہے گا اور جس کو فقہ ظاہر اور فقہ حال دونوں سے حصہ ملا ہوگا وہ کسی کا مقلد نہ ہوگا بلکہ محقق ہوگا اور کسی کو برا نہ کہے گا۔

ہم اسے اس قول کی کراہل مقصود دین ہے اس کے سوا جو کچھ ہے تبعاً مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ



لَنْ يُوَدَّبَ نَحْدَ وَلَدِهِ خَيْرَ لَهٗ مِنْ اَنْ يَتَصَدَّقَ

بِصَاعٍ مِنْ طَعَامٍ

کوئی شخص اپنی اولاد کو تادیب کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ  
ایک صاع غلہ صدقہ کرے۔

کیونکہ اولاد کے ساتھ قلبی تعلق ہوتا ہے جیسا حدیث میں وارد ہے  
الولد مفضلہ و محبۃ اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے، یعنی ان دو  
مذموم خصلتوں کے بڑھنے میں اولاد بڑا سبب ہے کیونکہ اس کی محبت مبالغہ  
کے خرچ کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا میرے مال کا  
زیادہ مستحق ہے پھر غریبوں پر کیوں صدقہ کروں اور جب جہاد میں جاتا ہے  
تو دل اولاد میں لگا رہتا ہے اور واپسی کا اشتیاق ہوتا ہے جس سے بزدلی  
اور جاگنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ غالب حالت یہی ہے اور حدیث  
میں لوگوں کی غالب حالت ہی کو بتلایا گیا ہے رشاد و نادر ایسے شخص بھی  
ہوتے ہیں جو اولاد کو امثر کے خوار کر کے میدان جہاد میں بے فکر ہو کر  
جاتے ہیں جیسا حضرات صحابہ و تابعین کی حالت تائید سے معلوم ہو چکی ہے  
اور مال سے بھی قلب کو تعلق ہوتا ہے مگر اولاد کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا  
ہے اور جس بات سے اولاد کو تکلیف ہوتی ہے اس سے باپ کے دل کو تکلیف  
ہوتی ہے۔ اسی لئے اولاد کی تادیب اور تنبیہ جس سے اس کے دل کو  
تکلیف پہنچے ہے ایک صاع صدقہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ  
شاق ہے (صدقہ اتنا شاق نہیں) بیاں شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا  
ہو کہ ایک صاع کی تحمید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صاع سے زیادہ  
صدقہ کرے تو وہ تادیب اولاد سے کمتر نہ ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔

تو اگر کوئی اپنی اولاد کو تادیب و تنبیہ نہ کرے بلکہ دوسرا غلہ خیر سے  
 کر دیا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں  
 کہ فلکی مقدار بڑھا کر تادیب اولاد کو کم کر سکتا ہے بلکہ مقصود تغافل اعمال  
 کا بیان ہے کہ اولاد کی ادنیٰ تنبیہ و تادیب صدقہ کی ادنیٰ مقدار سے بڑھ  
 کہے کیوں۔ بچوں کو شادی سزا محولی طریقہ سے جوتی ہے جیسے ایک تازیانہ  
 یا کان مل دینا یا ایک طمانچہ اور کفارات مشروعہ کی ادنیٰ مقدار ایک حد  
 چنانچہ حدیث میں ہے من کل مسکین پس (حاصل یہ ہوا کہ) اولاد  
 کی تادیب تنبیہ کا ادنیٰ درجہ صدقہ مشروعہ کے ادنیٰ درجے سے بڑھا ہوا  
 ہے اور شریعت نے صدقہ کی ادنیٰ مقدار جو مقرر کی ہے اس سے انسان کو پوری  
 راحت حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ اتنی مقدار ہے جس سے عام طور پر ہر شخص  
 کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جب انسان کا پیٹ بھر جائے تو اس کی تمام خواہشیں  
 اور ساری منفعتیں اور سب قوتیں مجتمع ہو جاتی ہیں اب وہ پوری طرح اپنے  
 مقاصد کے حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو گویا کسی کا پیٹ بھر دینا اس کو  
 زندہ کر دینا ہے اور (مرتے ہوئے آدمی کو) زندہ کرنا جیسا قیمتی کام ہے شرعاً چلنا  
 معلوم ہے، پس شریعت نے اس ادنیٰ تکلیف کو جو اولاد کی تادیب شادی  
 سے (باپ کے دل کو) ہوتی ہے۔ سب سے بڑے عمل یعنی احیاء نفس سے بھی بلند  
 قرار دیا ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے صدقہ میں اس قدر تکلیف دل کو  
 نہیں پہنچتی جیسی اولاد کو سزا دینے میں پہنچتی ہے اس تقریر سے یہ مسئلہ  
 بھی معلوم ہو گیا کہ علوم میں سب سے افضل احکام الہی میں اسرار حکمت  
 کو سمجھنا ہے کیونکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس سے نفس کے مقابلہ

۱۰۲ حد و حاج کا چوتھا حصہ اور کفارات کی ادنیٰ مقدار ایک حد ہونا نا لکھنا یا مذہب

حنفیہ کے نزدیک حد و حاج ادنیٰ مقدار ہے ۱۰۲

میں مدد ملتی ہے اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس امثالہ سے ہوتی ہے۔

ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

مگر سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ان لوگوں  
کے لئے جو متین رکھتے ہیں۔

کیونکہ غالب احوال میں عیتین صغیر نظر اور فہم اور تندرستی سے حامل  
ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقین حاصل  
کرؤ کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں۔

نیز باپ پر واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے  
ان کو باپ کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں مدد ملے جس کی دلیل یہ  
حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے  
جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز حب کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو اس بہ پر گواہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان سے پوچھا۔ اس  
بیٹے کے سوا تنہا ہے اور بھی اولاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس سب کو  
بھی اس کے برابر دیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت  
گزاری میں سب کے سب برابر ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم بھی ان کے  
درمیان برابری کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ میں غور کرو

اتقوا ان يكون لولاك في البر مساواة

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے سب برابر ہوں؟

اس جملہ میں اس امر پر تعریف ہے کہ تمہارا فعل تو اس مطلوب کا منافی ہے  
جب تم اولاد سے خدمت گزاری میں مساوات کے طالب ہو تو خود  
مساوات کیوں نہیں کرتے تم کو بھی ان کے ساتھ مساوات فعل کا بتاؤ  
کنا چاہیے؟ غرض اس حدیث میں باپ کو توحید دی گئی ہے کہ اولاد کی



اسی کی تطبیق واقعہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات کچھ رہے تھے بعض درباری ہی آپ کے پاس تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا اور کھنے کا کام باقی تھا آپ کا غلام اس وقت سو گیا تھا۔ ایک درباری نے عرض کیا کہ غلام کو جگا دیا جائے تاکہ چراغ میں تیل ڈال دے فرمایا نہیں وہ ابھی سویا ہے کچھ نہیں میں جگا دینے سے اس کو تکلیف ہوگی اس کے بعد آپ خود اٹھے اور چراغ میں تیل ڈالا اور اپنی جگہ واپس آکر پھر کھنے لگے اور فرمایا کہ جب میں تیل ڈالنے کو اٹھا تھا اس وقت بھی عرض لوٹ کر آیا تو اب بھی مری ہوں دتیل ڈالنے کے لئے اٹھنے سے میں کچھ بدل نہیں گیا، اگر ہم اس قسم کے واقعات کا سلسلہ صالحین کی تاریخ میں متبع کریں تو بہت واقعات ملیں گے مگر سمجھنے والے کے لئے یہ قصور بھی بہت ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ نَدَجْهٍ وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا

عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اس فصاحت و ابجاز کلام میں تو غور کر دیکھا واضح اور مقصود کو پوری طرح ادا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عورت کو شوہر کے ان ہی حالات و معاملات سے سابقہ پڑتا ہے جو گھر کے اندر ہوتے ہیں تو اس کو گھر سے باہر کے حالات کا ملکیت نہیں کیا گیا کیونکہ ان ملک اس کی پوری دسترس نہیں ہوتی۔ اس جہد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت کو گھر کے اندر پردہ میں رہنا چاہیے اگر عورتوں کے لئے مردوں کی طرح بے پردہ باہر چرنا جائز ہوتا تو ان کی ذمہ داری کو گھر کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا اور گھر کے اندر جو امور عورت کے ذمہ واجب ہیں ان کی تفصیل وہ سری حدیثوں میں مذکور ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



اس ترتیب عجیب میں بھی غور کرو چونکہ غلام دستور عام کے مطابق آٹلے مال کے ہوا اور کسی چیز میں تصرف کا مالک نہیں نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ سنوار سکتا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس سے متعلق مال کے باز پرس ہوگی کیونکہ غالب یہی ہے کہ مال غلام کی امانت و حفاظت میں رکھا جاتا ہے اگر اس کے ہوا کوئی اور چیز بھی اس کی ذمہ داری میں دی گئی ہو تو اس میں بھی حق امانت ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ لوگوں کی عام عادت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح بیوی کے بارے میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر شوہر نے امور خانہ داری کے علاوہ کسی اور تصرف کا بھی اس کو مالک کر دیا ہو تو اس کے ذمہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے کہ پوری طرح حق امانت ادا کرے یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کے ذمہ لازم ہے کہ شوہر کو گھر کی ہر زیادتی کی سے باز رکھ کر رہے کیونکہ شوہر سے شریعت کا مطالبہ ہے کہ گھروالوں کی اچھی طرح نگہداشت کرے تو جب عورت اس کو تمام کلیات و جزئیات سے غفلت رکھتی ہے گی اسی کے موافق اس کی طرف سے نگہداشت ہوگی جس کا نفع سب کو پہنچے گا اور اس طرح شوہر کو ان کے حقوق کی ہوائیگی میں آسانی رہے گی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

والرجل راعی حال ابیہ

اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے

رجل یعنی مرد کا اطلاق بائخ پر بھی ہوتا ہے نابائخ پر نہیں ہوتا اور تو یہی بھی بائخ ہی مرد ہے کیونکہ بائخ ہی احکام کا مکلف ہوتا ہے اسی وقت اس سے سوال اور باز پرس کا موقع ہوتا ہے نابائخ سے باز پرس نہیں ہوتی کیونکہ مکلف نہیں دوسرے خود ہی ماں کی پٹہ ریش اور ذمہ داری میں ہوتا ہے یا جس کے حوالہ باپ نے کر دیا ہو تو اس وقت دوسروں سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ بہر حال بائخ لڑکے پر واجب ہے کہ اپنے باپ کے مال کی

حفاظت کرے اور بدون اجازت کے اس میں سے کچھ نہ لے اس عجیب تنبیہ پر غور کرو کیونکہ بیٹے کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ باپ کا مال تو ایک دن میسر ہی پاس آجوالا ہے تو اس کے بارہ میں میسر اور وہ مرنے کا حکم کیا نہیں ہے بلکہ بچے باپ کے مال میں تصرف کا حق ہے تو شارع علیہ اسلام نے تنبیہ فرمادی کہ اس وقت یعنی جب تک باپ زندہ ہے وہ چیزوں ہی کے مثل ہے اس کو اسی طرح تصرف جائز ہے جس طرح غنیوں کو جائز ہے کہ وہ اجانت کچھ نہیں لے سکتا اگرچہ یہ مال بعد میں بیٹے ہی کا ہو جائے گا مگر بعد کی خبر سے ہے کیا عجب ہے کہ بیٹا ہی باپ کے سامنے فوت ہو جائے اور اس نے اگر بیٹا باپ کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے اگر اس میں کچھ تفصیل مذکور ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور باپ اگر بیٹے کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کسی حال میں نہ کاٹ جائیگا کیونکہ بیٹے کا باپ کے مال میں اس وقت کچھ حق نہیں بجز مقدار نفقہ کے جو اس کے لئے مقرّر کر دیا گیا ہو بشرطیکہ باپ کے ذمہ اس کا نفقہ اس وقت واجب ہو ورنہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ واجب نہیں مگر یہ کہ وہ اپنا بچ ہو گا کے قابل نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور مال کا لفظ تمام اموال کو شامل ہے جن کو عرفاً مال سمجھا جاتا ہے۔ نقد اور چاندی سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں اولاد کو باپ کے تمام اموال کی حفاظت لازم ہے۔ کسی مال میں بھی بدعت اہانت کے تصرف نہ کرنا چاہئے اور ان سب کے لئے جی پیٹ اور خادم اور زوجہ کے لئے مستحب ہے کہ ان کاموں کے اندر بھی جون کے ذمہ لازم نہیں مگر کی مدد کریں اسکی راحت کا اہتمام کریں اور جو مصالح ان کو معلوم ہوں ان پر ادب اور تیسرے کے ساتھ اس کو متنبہ کریں کیونکہ غالب حالت یہ ہے کہ گھر کی چیزوں کو زیادہ تریبی برتتے اور استعمال کرتے ہیں تو ان چیزیات کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں ان کو بہ زیادہ علم ہو سکتا ہے اور ان پر



جو مصالح مرتب ہوتی ہیں ان کو بھی یہی ذیلہ جانتے ہیں اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر گھر کو اپنا گھر سمجھیں جس طرح اپنے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر ہوتی ہے اسی طرح باپ اور شوہر اور مالک کے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر کرنا چاہیے کیونکہ امانت کی حقیقت یہی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حتیٰ یحب لأخیه المؤمن ما یحب لنفسه  
کوئی شخص مومن کامل نہ ہو گا جب تک اپنے جانی مسلمان کھائے  
وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

ظہور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچانک کے متعلق ہے تو یہ اقدار  
بدخداہی اس کے خلاف ہیں۔

اس جو ایک صوفیاء محقق کو بھی ہے، وہ یہ کہ بندے سب کے حقیقت  
میں امانت دار ہیں اور مال سب کے بڑے مولیٰ حق تعالیٰ شاذ کا ہے۔ پس  
اپنے نفس کی نگہداشت کرو کہ دعویٰ نہ کرنے پائے اور امانت کو پورا طرح  
ادا کرتا ہے، جنگل کے اوصاف سے متصف ہو، بوبیت کے اوصاف  
سے متصف نہ ہو کہ نرے دعوے سے اپنی ملک ثابت کرنے لگو حالانکہ  
در حقیقت

مالک ہر شے حاکم است      این امانت چند روزہ نزد است  
پس حقیقت کو فراموش کر کے ملک مجازی پر مغرور ہونا اور دعوے  
ملک سے تجر میں مبتلا ہو جانا عاقل کا کام نہیں۔ یہیں سے سعید بنہے  
جو سعید بنا اور بد بخت بنا ہے جو بد بخت بنا جنہوں نے اللہ کو مالک مجا  
ہے اپنے کو امین وہ سعید ہو گئے اور جنہوں نے خدا کی ملکیت کو ذہن  
سے نکال دیا اپنے کو مالک سمجھ بیٹھے وہ بد بخت ہو گئے، بخل کا بڑا  
سبب یہی ہے کہ انسان مال کو اپنا ملوک اور خدا کے احکام کو ایک قسم

کاتوان اور بارگاہ ہے اسی لئے زکوٰۃ اور حج میں روپیہ ختم کرتے ہوئے جان نکلتی ہے اگر دل میں یہ بات اچھی طرح ماسخ ہو جائے کہ مال و متاع جو کچھ ہمارے پاس ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے ہم محافظ و امین بن گئے ہیں تاکہ حکم الہی کے موافق اس کو خرچ کریں تو واجبات شرعیہ میں مال خرچ کرتے ہوئے دل میں تنگی کے بجائے بشارت و فرحت پیدا ہوگی اور حظوظ نفس میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا کہ نہ معلوم یہ خرچ مالک کو پسند ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک کام کر لو تو کامیاب ہو جاؤ ان کا وہ بہت تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اسکی تحصیل حیثیت کریں کئی دن تک بار بار وہ اسی بات کو دہراتے رہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ یہاں تک کہ ایک نے جرات کر کے دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے؟ فرمایا بنگلہ کے طریق میں داخل ہجاؤ جس تم کو سب سے بڑی مہیلا ملے گی۔ کہا گیا بزدلی کا خصلت کیلئے؟ فرمایا دعویٰ اہل اغراض کو ترک کر دینا اور پوری طرح حکم کو تسلیم کرنا اور بجالانا، واقعی انہوں نے بہت اچھی تعلیم دی تھی مگر غفلتوں میں بہت بڑا ظلم ظاہر کیا اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنا سچا بندہ بنائے۔ بمنہ ناب سواہ قولی اور ابنہ الثالث والرجل راع فی امر مسئول عن رعبہ الی قولی الوجہ الخ نس جعلنا اللہ عبید الرحمن بمنہ ناب سواہ۔

فہم اس حدیث کی شرح سے معلوم ہوا ہوگا کہ حسن معاشرت ہی دین کا بڑا جزو ہے جس کی طرف اس حدیث میں متوجہ کیا گیا ہے افسوس ہے کہ اسکی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے عام طور پر حسن معاشرت کو دین سے خارج سمجھا جاتاہے اور تصوف کے لوگ اس کا کچھ تعلق ہی نہیں مانا جاتا کہ چنانچہ اہل تصوف سے منسوب اس کو سمجھا جاتاہے جس کو نہ بیوی سے تعلق ہو نہ بچوں سے نہ باپ ماں کی پرواہ ہونا عروہ القہر کی مدد کو حدیث میں ہر شخص کو ذر ذرہ انجمن قرآن دیا گیا ہے جس کے ذمہ

اپنے متعلقین کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے اور ان حقوق کی نگہداشت ہی حقیقت میں اصل تصوف ہے، کیونکہ یہ سب حقوق اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے حقوق کا ادا کرنا ہی تصوف ہے۔ خدا کا حق دستور عبادات ہی پر منحصر نہیں بلکہ انسان کے تمام احوال و مشغولیات پر عاوی ہے اگر کوئی محض عبادت اور ذکر کا حق ادا کرے اور ان حقوق کو ادا نہ کرے جو بیوی بچوں باپ ماں بھائی بہنوں اور قرابت داروں پر ہو تو وہ اللہ کے حق تعالیٰ نے واجب کئے ہیں تو یقیناً اس کو صوفی نہ کہ جائے محال اگر کسی کو ان حقوق کے ادا کی ہمت نہ ہو اسے نکاح نہ کرنا چاہیے، بستی میں رہنا ہی نہ چاہیے، سبکدوش کسی پہاڑ یا جنگل میں رہنا چاہیے بشرطیکہ والدین اس طرح دو سر قرابت داروں میں سے کسی کا نفقہ اس کے ذمہ مشغول واجب ہو یا واجب ہو اور اس نے ان کو بعد نفقہ جائداد وغیرہ دیدی ہو یا انہوں نے اپنے حق سے اس کو سبکدوش کر دیا ہو کیونکہ عزت و غلوت ہی خیر شخص کو جائز نہیں مفسد اسی کو جائز ہے جس کے ذمہ ان حقوق کے حقوق واجب ہوں خوب سمجھ لو۔

## باب پنجم و دوم

### حدیث

## التبکیر والتبیر بالصلوة

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب سخت گرمی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو اول پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو اس نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔ مراد جمع کی نماز ہے۔

**شرح** ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ سردی کی نماز میں جمعہ اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنا چاہیے اور گرمی کے زمانہ میں دیر سے پڑھنا چاہیے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۷) استبالتشویش کو زائل کرنا چاہیے اس نماز کو سردی میں اول وقت اور گرمی میں دیر سے پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم تقبیض ہے قیاس و عقل کو اس میں دخل نہیں تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ یہ حکم معقول المعنی ہے جس میں قیاس و عقل کو دخل ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہمسنین کے لئے سراپا رحمت بنا کر ہیجہ ہے چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بالٹومسنین رؤف رحیم کہ آپ مؤمنین پر بہت شفقت کرنے والے بڑے مہربان ہیں تو جس چیز میں مسلمانوں کو فدا بھی اذیت اور تشویش ہوتی تھی آپ اس کو زائل کر دیا کرتے تھے چونکہ سخت سردی سے ان کو تکلیف ہوتی تھی خصوصاً اصحاب صفہ کو کیونکہ ان کی اور ان کے سوا دوسرے اصحاب میں سے ہی بعض کی خاص حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کپڑے کم تھے تو آپ جمعہ اور ظہر کی نماز سویرے پڑھتے تھے کہ دیر سے پڑھنے میں ان کو مرگلا سے تکلیف ہوتی تھی اور سسڑی کا نذر بہت سخت ہے جیسا دوپہر کی گرمی کا نذر بھی سخت ہے اسی لئے گرمی میں آپ اس نماز کو دیر سے پڑھتے تھے، کیونکہ گرمی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے انسان کو نماز میں تشویش و پریشانی ہو اس کو زائل کر دینا چاہیے کہ اس سے نماز اچھوٹے ادا ہوتی ہے۔ تشویش کے ساتھ نہ خشوع ہو سکتا ہے نہ حضور قلب۔

## عبادت میں خشوع اور حضور قلب سب سے بڑا مطلوب

اور نماز میں نمازی سے جن امور کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں یہی دو چیزیں سب سے بڑی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَا يَصْلِي لِحَدِّ كَعْرٍ وَهُوَ يَدْفَعُ الْاَخْبِثِينَ

کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو دبا دیتا ہو۔

کیونکہ اس حالت میں خشوع اور حضور قلب نصیب نہ ہوگا۔ ساری توجہ پیشاب یا پاخانہ کے دبانے میں منفر ہوگی۔

تولہ فی الوجہ الثانی مناقشت وهو ما الحکمة فی التکبیر بها  
الی قولہ فی الوجہ الثالث لا یصل لحدکم وهو ینفع الازغبین

(۱۹۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جملہ امور میں

کیا جگہ عبادات میں بھی عبادات میں بھی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں  
اپنی رائے اور فہم سے بھی بعض امور مشروع کرتے تھے اور اس پر بھی امت  
کو اسی طرح عمل کرنا واجب تھا جیسا وہی ظاہر پر یہ اس سے سمجھا گیا کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کو مقدم نہیں ہے کبھی مؤخر اور  
یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے وحی نازل ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے عا مانگو  
آپ جب کوئی کام یا کوئی امر وحی سے کرتے تھے تو پہلے اس کی خبر لے دیا کرتے  
تھے کہ مجھ پر اس معاملہ میں یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کی  
وسیل ہے جو قول خداوندی محکم بین الناس بما اذاک اللہ کی تفسیر میں  
فرماتے ہیں کہ رما اذاک اللہ کے علوم میں وہ تمام امور مراد ہیں جو آپ کے  
دل میں بطور مضاف کے آتے یا آپ ان کو مصلحت سمجھتے۔ اگرچہ ان کے متعلق  
وحی نازل نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادات کے طور پر جو کچھ  
بھی کرتے تھے وہ سب وحی کے قبیل سے ہے خواہ بواسطہ ہو کہ فرشتہ  
اس حکم کو لے کر آیا ہو یا وحی الہام کے ذریعہ بلا واسطہ ہو۔

اسی لئے اہل

اتباع سنت ہی افضل اعمال ہے توفیق وال  
تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت افضل اعمال ہے اور  
یہی تحکم خداوندی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس

ارشاد ہے جوتی ہے ۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله  
فرما دیجئے کہ اے لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت الہی  
کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اور اللہ تم سے  
محبت کریں گے ۔

اس میں مطلقاً اتباع کا حکم ہے یہ نہیں کہا گیا کہ جن امور کے متعلق ملاحظہ  
وہی نازل ہوئی ہو ان میں ہی میرا اتباع کرو پس حضور کی سنت کا اتباع  
ہر حال میں موجب قسرت اور سبب محبوبیت ہے خواہ آپؐ وحی کے بعد عمل  
کیا ہو یا اپنی رائے سے عمل کیا ہو کیونکہ آپ کی رائے ہی اللہ تعالیٰ کی تقریر  
کے بعد وحی میں داخل ہے ۔

قوله الوجه الخامس فيه دليل على ان سيدنا صلى الله عليه  
سلم يشرع من الامور في الدين الى قوله قل ان  
كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله

فہ کسی نے ہمارے اکابر میں ایک بزرگ سے جن کا نام یاد نہیں رہا سوال  
کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں ذکرین  
شاغلین کو جلدی کامیابی کیوں جوتی ہے ۔ وہ ذکر سلسلہ والوں کو اتنی جلدی  
کامیابی نہیں جوتی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ  
میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور اتباع سنت کا فائدہ ہے کہ اس  
سے جذب الہی جلد ہوتا ہے اور کیونکہ متبع سنت محبوب حق بن جاتا ہے جیسا  
ارشاد ہے قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله اور محبت کے لئے جذب  
لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جذب کیا جاتا ہے اور نسبت باطن  
اسی قدر جلد حاصل جوتی ہے جس قدر جلد جذب غیبی عطا ہو جائے اور یہ

بھی کافی ہو جاتا ہے اور بدون اتباع سنت کے بڑے بڑے مجاہد سے بھی بیکار ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لو۔

ہم نے اپنا کارکردگی دکھایا ہے کہ بعض کو انہوں نے مندرجہ ذیل تفسیر کی تعلیم دی بعض کو مندرجہ ذیل سو بار لا الہ الا اللہ اور دو ہزار مرتبہ اللہ اللہ کی تعلیم دی بعض کو مندرجہ پانچ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر بتلایا اور بعد اللہ اسی عمل تھلیل سے یہ لوگ کامیاب اور جلد نسبت مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہو گئے کیونکہ ذکر کے ساتھ ان کو اتباع سنت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ جو اہل استغفار اور نماز کے تمام آداب سنت کے موافق بجا لائیں نشست و برخاست بیداری اور نیند میں ادویہ ماثورہ کی پابندی کریں جو اوقات منقطع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مسلمانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں ہر مسلمان کی عزت و حرمت کو اپنی عزت و حرمت سے زیادہ سمجھیں دل آزادی اور دل شکنی سے پرہیز کریں جملہ اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور جو ادا نہ ہو سکیں ان سے معافی طلب کریں نماز روزہ وغیرہ اور جو واجبات و فرائض قضا ہو گئے ہیں ان کو ادا کریں کسی کا قرض ادا کیا ہو اس کو جلد ادا کریں وغیرہ وغیرہ نماز یا جماعت ادا کریں اس کا اہتمام کریں کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے، اگر کبھی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ جاسکیں تو گھر پر گھر والوں کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھیں اسی طرح جملہ اعمال میں اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا جائے تا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اتباع سنت کے اہتمام کی وجہ سے اس شخص کو دوام ذکر کی توفیق ہو جاتی پھر وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ رہتی اور یہی دامن رہتی ہے کہ اس وقت اہل اس حالت کے متعلق آپ کی سنت کیا ہے؟ جب اس طرح ذکر رسول دل پر غالب ہو گیا تو محبت رسول کا بھی دل پر غلبہ ہوتا ہے اور محبت رسول کا وسیلہ محبت و معشیت الہیہ ہونا ظاہر ہے، اس کے بعد فقوڑا سا ذکر



نئی اثبات اور ذکر اسم ذات بھی حصول نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے جس کے ساتھ کسی ذکر پاس انھاس کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے، کسی ذکر قلبی بتلایا جاتا ہے کسی کوئی مراقبہ حسبِ حال تجویز کرو دیا جاتا ہے زیادہ عبادات دیا ضاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث میں ایک  
(۱۹۹) نماز میں فراغِ قلب مطلوب بھی دین ہے کہ نماز میں دل کا یکسو اور فاسخ کرنا مطلوب ہے کیونکہ وہ اللہ عز و جل کا گھر ہے۔ یہ اضافت تشریفیاسی ہے جیسا کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کا دل اللہ کے افراد و تجلیات کا محل ہے۔ یہ اس سے مفہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری اور گرمی کی شدت کا لحاظ فرماتے تھے جو عینا دل تک بھی پہنچتی اور اس میں تشویش پیدا کرتی ہے۔ یاں تک کہ آدمی اس میں مشغول ہو کر اس کام سے رہ جاتا ہے جس کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جو چیز بھی مشغول اور مشوش کرنے والی ہو خواہ کسی قسم کی ہوا کی ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہئے۔

دنیا سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں  
اسی لئے اہل توفیق تو دنیا ہی سے الگ ہو گئے قیامتوں سے  
نیاہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے انہوں نے نفسانی  
خواہشوں اور مناسب حکومت کی طلب کو بھی بالائے طاق رکھ دیا کیونکہ  
یہ بھی بڑی تشویش کا باعث ہیں۔

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَرَّبُوا الصَّلَاةَ وَأَنِمْ كَلَامًا

لے ایمان والو! تم نماز کے قسٹ مت جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ سے مست ہو۔

اہل توفیق نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے سکاڑی من حب الدنيا کہ جب دنیا کے نشہ سے مست ہو کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ اس نثر کو دور کر کے نماز شروع کرو۔

اور یہ تفسیر بطور علم اعتبار اور تفسیر بالرائے میں فرق علم اعتبار کے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے مدلول حقیقی کے ساتھ بطور قیاس کے دوسری چیز کو بھی شامل کیجاتا ہے چنانچہ یہاں مدلول حقیقی تو یہ ہے کہ شراب کے نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنا چاہیے اہل توفیق نے جب دنیا کے نشہ کو بھی مدلول حقیقی کے ساتھ قیاساً شامل کر دیا کیونکہ یہ نشہ بھی نماز میں حضور قلب سے مانع ہے جیسا شراب کا نشہ مانع ہے پس موفی کا علم اعتبار زیادہ اور بالہنیہ کی تفسیر بالرائے سے بالکل جاسا کیونکہ وہ لوگ تو قرآن کے مدلول حقیقی کی نفی کر کے دوسرے مدلول اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں اور یہ سرسبز قرآن کی تحفہ ہے جو حرام اور قرب بکفر ہے اور موفیہ مدلول حقیقی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کو باقی رکھ کر دوسرے اشیاء کو قیاساً اس کے ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا فقہاء قیاس سے اصل قرآنی کے ساتھ بہت سی فروع کو ملٹی کیا کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان المعطوف على الصلوة

اخلاء القلب الى قوله سكاڑى من حب الدنيا.

تشریش قلیل کی پرواہ نہ کی جائے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

تشویش قلیل ہو تو اس کی پرفاہ نہ کی جائیگی کیونکہ اس سے بجز خواص کے کون بچا ہوا ہے اور خواص تو تھوٹے ہی ہیں۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابی نے سب سے زیادہ گرمی کو شدت سے موصوف کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ گرمی کی شدت میں نماز کو مقدم یا ٹوٹ کر کہتے تھے غرض کہ گرمی یا سرجی میں ایسا نہ کہتے تھے تو جب گرمی یا سرجی زیادہ نہ ہو بلکہ قلیل ہو اس وقت بھی کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے کیونکہ طبیعت بشریت کمزور ہی بنائی گئی ہے اور کمزور پر قدرتی طور سے ہر چیز کا اثر ہوتا ہے مگر قدر قلیل تکلیف یا تاثر کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی لئے ہمارے فرمایا ہے کہ اگر چشام پاختہ کا دباؤ تھوڑا ہو جس سے خشوع و خضوع نہ ہو تو نماز بلا کثرت جائز ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على انه اذا كان

التشويش يسيرا لیسبالي به الى قوله فالصلوة جائزة

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو ذکر و شغل کے لئے دل کی پوری یکسوئی کے طالب نہ کہتے ہیں اور جب تک پوری یکسوئی حاصل نہ ہو ذکر و شغل ہی کو ترک کئے دیتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیے کہ پوری یکسوئی بجز خواص کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی تھوڑی بہت پریشانی ہر شخص کو دہا کرتی ہے اس کے دفع کا انتظار کرنا احساس انتظار میں کام کو موقوف رکھنا علم کو ضائع و برباد کرنا ہے بلکہ فراغ قلب کا صحیح راستہ یہ ہے کہ پریشانی کی حالت ہی میں ذکر و نماز و اعمال و طاعات میں مشغول ہو جائے اس کی برکت ہی سے جلد فراغ قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں

گر گریزی بر لبید راجتے ہم ازل جا پیشت آید آفتے  
یہی کہنہ ہے دو دہے جا نیت جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

## (۱۰۱) مصلحت عامہ کی رعایت مصلحت خاصہ مفت ہے

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ کوئی یہ گمراہی والا فرد کی شدت کا لحاظ اسی لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اس کلفت کا تحمل نہیں کر سکتے یا کم کر سکتے ہیں ورنہ بالیقین بعض ایسے بھی ہیں جو اس کا تحمل کر سکتے ہیں بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ان کو ثواب ملتا ہے کہ عبادت میں ثواب بقدر تعب ہی کے ہوتا ہے اور تعب اس لئے ثواب ملتا ہے کہ تعب کے ساتھ عبادت کرنا مجاہدہ ہے۔ اسی لئے بعض متعبدین گمراہی کے زمانہ میں اپنی نماز کا معمول گھر کے اندر ادا کرتے ہیں اور بھاٹے میں گھر کی چیت پر تاکہ مجاہدہ کا ثواب ملے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا  
اور جو لوگ ہمکے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں  
کی ہدایت کر دیتے ہیں۔

اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواص کی رعایت نہیں کی بلکہ عام لوگوں کی رعایت کر کے سب کو ایک ہی طریق پر چلایا اور بعض کا ثواب اس لئے کم کر دیا کہ وہ سبوں کی نماز ہی اس تشویش کی وجہ سے نہ ہوتی جو گمراہی یا تسڑی کی شدت سے ان کو پہنچتی تھی ان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا جو بہت سی نمازوں کی جماعت میں آنے سے مانع ہو جاتا۔ مگر مصلحت عامہ کی رعایت میں یہ شرط ہے کہ دو فریق میں سے ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے فریق کے دین میں غلط واقع نہ ہو چنانچہ یہاں ایسا ہی ہے کہ ایک فریق کے زیادہ ثواب کو اس وقت کم کیا گیا جبکہ اس کا فرض پورا طریق ادا ہو گیا۔ ایک کی

ہدایت سے دوسرے کے فرض کو ناقض نہیں کیا گیا۔  
 قوله الوجه الثامن فيه دليل على الأمر بالنظر  
 لمصلحة العامة التي قوله بعد ماكمل له فضله

ف تعب برداشت کرنا مطلقاً مجاہدہ نہیں بلکہ اس

میں تفصیل ہے حضرت شامی کے کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً تعب برداشت کرنا مجاہدہ اور موجب نیابت ناجبہ مگر تحقیق کے نزدیک یہ حکم مطلق نہیں بلکہ مقام کے ساتھ مخصوص ہے قالہ سیدی حکیم الامت دامہد طرق ووسائل میں بلا ضرورت قصد تعب برداشت کرنا نہ مجاہدہ ہے نہ موجب اجر مثلاً کنواں نزدیک ہے اور دریا دور ہے کنویں کے پانی سے وضو کرنے میں تعب نہیں اور دیا پر جا کر وضو کرنے میں تعب ہے تو کنویں کو چھوڑ کر دیا پر جانا مجاہدہ اور موجب ثواب نہ ہوگا۔ ہاں اگر کنویں کی پاکی ناپاکی پر شبہ ہو تو اس وقت بے شک دیا سے وضو کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ اس صورت میں تحمل تعب بلا وجہ نہیں بلکہ مقول وجہ سے اسی طرح اگر مسجد کے حمام میں سڑی کے زمانہ میں گرم پانی موجود ہو اور حوض میں ٹنڈا پانی بھی موجود ہے تو گرم پانی چھوڑ کر حوض سے وضو کرنا مجاہدہ اور ثواب نہیں کہ بلا وجہ نفس کو تکلیف دینا ہے، البتہ اگر گرم پانی موجود نہ ہو استہمام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے مگر اس استہمام میں مانو باجماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو اس حالت میں ٹنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنا مجاہدہ ہے جس سے ثواب زیادہ ملے گا بشرطیکہ ٹنڈے پانی سے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو یہ تو دوسائل اور طرق میں تعب برداشت کرنے کا

حکم تھا اور مقاصد میں تعب برداشت کرنا مطلقاً موجب ثواب ہے مثلاً نماز کو طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود سے ادا کرنا ہر حال میں مجاہد اور باعث ثواب ہے جبکہ تنہا نماز پڑھ دے ہو کیونکہ جنت میں امان کو تخفیف صلوة کا حکم ہے۔ اسی طرح فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا مجاہد اور موجب اجر ہے جو جماعت سے ادا کرنے میں تعب ہوتا ہو بشرطیکہ تعب تحمل سے زیادہ نہ ہو اور دوسروں کی پریشانی کا سبب بھی نہ ہو کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے ہیں طرق و وسائل میں سے نہیں۔ اب سمجھو کہ خفیہ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنا تھا میں سے نہیں بلکہ مباحات میں سے ہے پس بعض نفس کو تعب میں ڈالنے کے لئے گرمی کے موسم میں اول وقت ظہر کی نماز ادا کرنا مجاہد یا موجب اجر نہ ہو گا کہ باوجود تعب برداشت کرنے کا نام مجاہد نہیں البتہ بن علیؑ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے جیسا شافعیہ کا مذہب مشہور ہے ان کے نزدیک گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کا اول وقت میں ادا کرنا مجاہد ہو گا۔ پس اگر مالکیہ کا مذہب اس باب میں شافعیہ کے موافق ہے جب تو شارح کا کلام اہل تحقیق کے موافق ہے اور اقرآن کا مذہب اس باب میں خفیہ کے موافق ہے تو یہ کلام اہل تحقیق کے خلاف ہے اور جب خفیہ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا ہی افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو مؤخر کر کے کسی کا ثواب کم نہیں کیا بلکہ سب کے ثواب کو زیادہ ہی کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کوئی اپنے نفس کو تعب میں ڈالنے کے لئے ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنا چاہے تو خفیہ اس کے فعل کو مجاہد میں داخل نہ کریں گے نہ زیادتِ ثواب کا سبب سمجھیں گے فاقم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح بعض متعبدین کا گرمی کے زمانہ میں گھر کے اندر اور سردی

میں کھلی چھت پر نماز پڑھنا بھی مجاہد موجب ثواب نہیں کیونکہ وسائل میں  
بلا ضرورت تعصب و بغاوت کرنا مجاہد نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں  
نے بطور علاج کے ایسا کیا جو کہ ثواب کی نیت سے نہ کیا ہوگا۔

(۱۰۲) مستحبات کا اسی قدر اہتمام کیا جائے جس سے

دوسروں کے فرض میں خلل واقع نہ ہو یہ بھی  
معلوم ہوا کہ عبادت میں قدر واجب سے زائد مستحبات وغیرہ کو اس وقت  
اختیار کیا جائے جبکہ اس سے دوسروں کے فرض میں نقصان نہ آئے  
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تقریر کے موافق بعض حضرات  
کو نیا وہ ثواب اسی وجہ سے محروم کیا تھا کہ سخت گرمی میں نماز پڑھنے  
سے دوسروں کے فرض میں نقصان آتا تھا۔

قوله الوجه التاسع فيه دليل على انه لا يؤخذ

ما زاد على الواجب الى قوله الا من اجل نقص فرض الغير

فہ بعض لوگ اپنے معمولات و وظائف کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ رفتار  
کی پریشانی کی بھی پروا نہیں کرتے مثلاً سفر میں ریل کے وقت کی بھی  
ہدایت نہیں کرتے۔ ریل چھوٹے یا ملے وہ بدون وظیفہ پورا کئے نہیں  
دیتے تو اگر ایسا شخص تنہا سفر کر رہا ہو اس کو سخت تیار ہے اعداد و  
ارقام کے ساتھ سفر کر رہا ہو تو ان کی ہدایت اپنے معمولات کی ہدایت سے  
مقدم ہے کیونکہ ریل چھوٹ جانے سے سب کو پریشانی ہوگی اور  
پریشانی سے ان کے فرائض میں خلل واقع ہوگا نماز میں دل جمعی فوت  
ہو جائے گی اور اجنبی جو قیام کرنے سے کھانے پینے سونے میں بھی  
تکلیف ہوگی۔

## جماعت میں سب سے زیادہ کمزور کی رعایت کرنا چاہیے

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حیدروا  
بسیراضعفکم (سب سے زیادہ کمزور کی چال چلا کرو) سفر ہی کیساتھ  
مخصوص نہیں بلکہ ہر موقع کے لئے مام ہے چنانچہ یہ حدیث بھی اسی نہیں  
ہے کہ جب بعض لوگ گری کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ کمزوروں جیسا معاملہ کر کے تخفیف  
کو اختیار فرمایا اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ امام کو اپنی جماعت  
کے حال پر نظر کرنا چاہیے اگر ان میں کوئی کمزور یا بیمار یا ضرورت مند  
تو نماز میں تخفیف کرے کہ اس وقت یہی سنت ہے ادا اگر سب  
قوی (تندرست) معلوم ہوں ایمان میں بھی بدن میں بھی تو ان  
کے ساتھ افضل طریقہ یعنی عزیمت کو اختیار کرے اور نماز کے  
جملہ ارکان طویل کر دے۔ فرض ہر شخص کو جس کے متعلق کسی قسم  
کی ضروری ہوا دینی یا اعلیٰ مناسبت یہ ہے کہ اپنے متعلقین کے لئے  
تمام امور میں چھوٹے ہوں یا بڑے، معمولی ہوں یا غیر معمولی اس حالت  
پر نظر رکھے جو ان کو آسان ہو اور اس میں بھی کمال مطلوب ہے۔  
ایسی آسانی مطلوب نہیں جس سے کمال فوت ہو جائے۔ اور یہ بات  
فقہ مال سے میسر آ سکتی ہے رفقیہ النفس ہی اس کی تعلیم پوری کر  
سکتا ہے اور فقہ مال جملہ انواع فقہ سے افضل و ارفع ہے۔

جیسا فقہ نے فرمایا ہے  
**فقہ مال کی اعلیٰ قسم ہے** کیونکہ فقہ مال کی حقیقت

نہ فقہ ہے جو فقہ کا خلاصہ ہے اور مغز و روح ہے جیسا نحو کیسے  
تصوف کیونکہ نحو سے مقصود قرآن و حدیث کو صحت کے ساتھ پڑھنا



اور سمجھنا ہے اور پڑھنے سے مقصود عمل ہے اور عمل میں درجہ کمال مطلوب ہوتا ہے اور تکمیلِ عمل و عمل ہی کا نام تصوف ہے پس تصوف نحو کا خلاصہ و مغز و مایہ صوفیہ کی اصطلاح میں فقہِ حال کو مراقبہ اور تہجداشت کہتے ہیں کیونکہ فقیہِ اہل ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تہجداشت کرتا ہے۔

**ایک فقیہِ اہل کی حکایت** چنانچہ میں نے ایک فقیہ کے متعلق جو واقعی فقیہ تھے سنا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھوڑی دیر سکوت کر کے جواب دیا کرتے اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا میں (اول) اس پر غور کرتا ہوں کہ میسر لئے اس وقت کیا مناسب ہے ہر جواب دینا یا غد کر دینا اس کے بعد جو مناسب ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتا ہوں، دیکھو ان بزرگسے فقہاء، فقہِ حال اور مراقبہ تینوں کو کس طرح جمع کر کے دکھا دیا۔ کیونکہ فقہ عام کا مقتضایہ تھا کہ وقت کا حق ادا کیا جائے۔ مراقبہ کا مقتضایہ تھا کہ غفلت سے بات نہ کی جائے بلکہ غفلت حتیٰ پیش نظر رہے ان بزرگسے ہر سوال کے بعد غور و دیر سکوت کر کے جواب دینے کی عادت ڈال کر تینوں کو جمع کر لیا۔ درحقیقت فقہاء اور علماء یہ حفرات ہیں۔ علماءِ ظاہر میں جو اہل انصاف ہیں وہ بھی ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہیں۔

**ایک عالم اور صوفی کی حکایت** چنانچہ میں نے ایک بابرکت بڑے عالم فقیہ جو فتویٰ کے لئے مرجعِ خاص و عام تھے ان سے ملنے آئے اور وہ دائمی تھیں دینے کے اہل تھے مگر سلطنت کے مشیر بھی تھے بادشاہ ان کی عظمت و فضیلت کی وجہ سے بعض اہم معاملات میں ان سے

مشورہ کیا کرتا تھا۔ الغرض یہ عالم تھا کہ دوسرے سے ملنے آئے اور ان سے باتیں کی پھر اپنے لئے دعا کی درخواست کی کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ پیشوں کیساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے ان بڑے گھنے فرمایا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ دیکھ لیتے دعا کریں کیونکہ آپ مسلمانوں کے علماء و فقہاء سے ہیں۔ وہ پیش کیا یہ کہنا تھا کہ وہ عالم بے خود ہو گئے زار زار رونے لگے اتنا کہنے کہ جان نکلنے کو ہو گئی۔ بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ جیسا آدمی میری علماء میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ عالم بھنڈا اس وقت تک عالم  
**عالم کس وقت عالم ہوتا ہے** نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہر  
 سانس اللہ کیساتھ اللہ کے لئے نہ نکلے اور جو تو بس دین کے ساتھ کھیل  
 رہے ہیں اور کچھ نہیں سمجھے اس عالم کی دینداری سے جو پہلے سے معلوم  
 تھی بہت کچھ امید تھی مگر اس دن کی حالت اور احوال و خفوع  
 سے قوی امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بدولت آخرت میں  
 مقربین کے درجوں میں بلند فرمائی گئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو  
 اپنے فضل سے وہیں پہنچا دیں کہ ان کے سوا کوئی سب نہیں۔

قوله الوجه العاشريہ دليل على ان قوله صلى الله  
 عليه وسلم صيروا البيراضة فكم الى قوله لا رب سواه

## حدیث

### تحیۃ المسجد والامام مخطب

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جب کہ دن اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ کہا نہیں! فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز پڑھ لے۔ یہ روایت صحیح ہے قال سعد فارح رکعتین و تحویز فیہما، فرمایا کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں اختصار کے ساتھ پڑھ لے۔

شرح  
خطبہ کی وقت تحیتہ المسجد پڑھنے کا حکم  
بظاہر حشہ کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر مائیکہ ضعیف اس سے منع کرتے ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کی وقت لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا مسجد نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اجلس نقد اذیت ، بیٹھا جاؤ تم نے لوگوں کو اذیت دی  
 آپ نے اس کو تحت المسجد کا امر نہیں فرمایا اور حدیث جابر میں جو کہ زیر  
 بحث ہے اس امر کی تصریح نہیں کہ یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا اور منظر  
 اتنا معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے دن میں تھا، سو ممکن ہے کہ جمعہ کے دن  
 حضور نے کسی اور سبب پر فرمایا مگر بعد خطبہ دیا ہو۔ کیونکہ آپ کی  
 عادت تھی کہ جب کوئی ہم حد پیش ہوتی لوگوں کو جمع کرانے اور خطبہ دیا  
 کرتے تھے۔ اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز  
 پڑھ لی ، اس نے کہا نہیں تو اگر یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ ہوتا تو اس  
 سوال کا موقع نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کا وقت بالاتفاق خطبہ کے بعد ہے  
 اس سے پہلے نہیں راہ تہیت المسجد واجب یا فرض نہیں جو اس کو حدیث  
 کیا جاتا ہے۔ پس اہل ظاہر کا اسی مسئلہ سے تحت المسجد کے وجوب پر استدلال  
 کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ تو خود منقول محتاج بیان ہے پس ظاہر یہ ہے کہ یہ  
 خطبہ نماز پر فرمایا مگر بعد کسی ضرورت سے تھا اور شخص مذکور مسجد میں  
 داخل ہوتے ہی خطبہ سننے بیٹھ گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس  
 کے بیٹھنے سے شبہ ہوا کہ یہ یا تو فرض نماز پڑھ چکا ہے یا اس کا خیال  
 یہ ہے کہ ابھی تک مسجد میں جنت نہیں ہوئی خطبہ کے بعد نماز ہوگی تو  
 آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی جب اس نے کہا نہیں فرمایا  
 اٹھو نماز پڑھو، یعنی مسجد میں جماعت ہو چکی ہے تم اس خیال میں  
 نہ ہو کہ خطبہ کے بعد نماز ہوگی اور چونکہ بعض روایات میں تصریح ہے  
 کہ آپ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا امر دیا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ  
 خطبہ نماز فجر کے بعد تھا۔ مگر بعد ہوتا تو چار رکعت پڑھنے کا امر  
 فرماتے اور شاید وقت تنگ ہو گیا ہو گا اس لئے مشرود فرض

پڑھنے کا اور ان میں بھی اختصار کرنے کا حکم دیا واللہ تعالیٰ اعلم مگر مسلم نے اس حدیث کو بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من دخل يوم الجمعة والا ما رى يخطب فليترك  
مصلحتين خفيفتين

جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آئے گا کہ امام خطبے کا ہو  
تو دو کمیتیں ہلکی ہلکی چھو لے۔

اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بلا شک اس باب میں مریخ ہے جس میں  
کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ اسی وجہ سے مذہب مالک میں اس حدیث  
کے موافق ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن خطبے کے وقت آئے اس  
کو دو کمیتیں جلدی جلدی پڑھ لینا چاہیے۔

پس ہم نے اول جرات کہی ہے وہی حدیث کا ظاہر مفہم ہے اور  
دوسری حدیث سے اس کا معارضہ بعض متقدمین کے ادب سے ذکر کر دیا  
گیا کہ انہوں نے دوسری حدیث کو اس کا معارضہ بنالیا ہے۔

عن مسلم اور بخاری کی حدیث کہ متعلق شاذ کا یہ فرمانا کہ اگر یہ صحیح ہے (الحکم)

کو واضح کر رہے کہ ان دونوں کتابوں کا صحیح ہونا غائب اور مجہول کے اعتبار سے ہے  
جس میں ایک دو حدیثوں کا ضعیف ہونا کچھ مضر اور تقادح نہیں چنانچہ اس حدیث  
میں دارقطنی نے کام کیا ہے کہ تمام روایات نے اسکو بطور واقعہ روایت کیا ہے قول  
ہم کہیں میں بجز ایک روایت کے کسی نے روایت نہیں کیا پس اصول حدیث کے لحاظ  
سے یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ میں داخل ہے ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الباری داخلہ سخن  
اور حدیث شاذ کو صحیح میں شمار نہیں کیا جاتا واللہ تعالیٰ اعلم و خدا

عنہ وہ حقیقت میں وہ اسکی معارض نہیں کیونکہ جو لوگ خطبے کی کوتاہی پر غور



کے عجائب ہمیشہ باقی رہیں گے ان کے فائدہ قیامت تک ختم نہ ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب ہر زمانہ میں توحیدِ الہم کے فضل کی بارشوں کے منتظر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمَ خُصْرُ اللَّهِ  
اِنَّهُ سَعَىٰ دُوْنَهُ رَبُّوْنَ اِنَّهٗ تَعَالٰی تَمَّ كُوْنُوْهُ تَعْلِيْمٌ دِيْنٌ

جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ سے علوم و ہنر عطا ہوتے ہیں ۵

بسی فی اذنہ خود علوم انبیاء بے کتاب بے معیار اوستا

اگر سائے فائدے ہو تمام علوم ختم ہو چکے ہوتے تو متاخرین کو اس آیت کے مطابق اور ان احادیث کے معانی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ قرآن کے بارہ میں کمال آصلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تَنْقُضُ عَجَائِبُہٗ اِس کے عجائب ختم نہیں ہو سکتے وَلَا یَخْلُقُ عَلَیْکُمْ ثِقْرَۃَ التَّرَدَادِ اور بار بار پڑھنے پڑھنے سے کہنہ بھی نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت نازہ کلام معلوم ہوتا ہے

**متاخرین کی وہی تحقیق معتبر ہے جو اجماع سلف کے خلاف ہو**

مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ متاخرین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نفع و کشف ہو گا وہ اجماع متقدمین کے خلاف نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہوتا تو اس کو نفع و کشف من اللہ نہ کہا جاتا بلکہ ابتداء میں شملہ کی جملے کا۔ بس متاخرین کے علوم کا حاصل یہ ہے کہ یا تو وہ کسی قول ضعیف کو قوی کر دیتے ہیں یا کسی مسئلہ کو متقدمین نے اجماع سے طے کیا تھا متاخرین کو اس کی دلیل کتاب سنت میں معلوم ہو جاتی ہے یا وہ کسی مسئلہ شرعیہ پر سے اشکال کو حجتِ قویہ کے ساتھ رفع کر دیتے ہیں جس سے متقدمین نے تعرض نہ کیا تھا خواہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اشکال کی کچھ اہمیت نہ تھی کیونکہ شاخ و نہج ہی کسی کو وہ اشکال پیش آتا تھا یا قوتِ ایمان کی وجہ سے ان کی





فہ۔ اس حدیث کی شرح میں شارح علیہ الرحمۃ نے تصوف کا کئی مسئلہ بیان نہیں فرمایا مگر متقدمین اہل تخریج کے علوم میں جو فرق بتویا ہے اور سلف صالح کے ادب و تعظیم کی جس قدر تاکید کی ہے اس کے جاننے کی ضرورت اور علماء بھی کو ضرورت ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو سلف کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اپنی علمی یا کشفی تحقیقات کو ان کے علوم سے افضل سمجھتے ہیں ان کو یاد دلانا چاہئے کہ علم وہی معتبر ہے جو عمل حکم کا نثر ہو۔

## جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں

جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں اور جس کا علم مستحکم نہیں اس کی تحقیقات کو تحقیقات کہنا زیادہ نہیں کمال علم تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے و اتقوا اللہ و یعلم حکم اللہ اور آجکل دینا تقویٰ کہاں جیسا سلف میں تھا آجکل یہ تو تقویٰ ہی نہیں وہ دودھ کا معاملہ ہے یا تقویٰ ہے تو اپنے سوا کسی کو متقی نہیں سمجھتے خالص اور صحیح تقویٰ بہت ہی کم ہے اس حالت میں کسی کا اپنے کو متقی یا مجتہد سمجھنا اجالت نہیں تو اوار کیا ہے۔

## فہ عطلے حق کا دروازہ بند نہیں ہوا کہ عطلے الہی کا

دروازہ بند نہیں بعض دفعہ اللہ تعالیٰ متاخرین پر وہ علوم مشکشف فرماتے ہیں جو متقدمین پر مشکشف نہیں ہوئے مگر یہ بھی متقدمین ہی کی اتباع کا ثمر ہے اگر متاخرین ان کا اتباع نہ کرتے علم کا دروازہ ان کے لئے مفتوح نہ ہوتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متاخرین کی علمی یا کشفی تحقیقات اس وقت قابل قبول ہیں جب کہ اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اگر وہ اجماع سلف کے

غرض: کوئی تحقیق بیان کریں گے رد کر دی جائے گی اس کو تحقیق علمی نہ کہا جائے گا بلکہ جہل مرکب اور تبلیہیں ابلیس میں شمار کیا جائیگا۔

اس کی ایک  
سورہ افضل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا اردو تفسیر وہ

تحقیق ہے جو سورہ افضل کی تفسیر میں ابھی ایک نئے مفسر نے بیان کیا ہے کہ ترجمہ بجاۃ من جہل، طرز کی صفت نہیں نہ ترمی میڈ مونٹ غائب بلکہ یہ علیحدہ مستقل جملہ ہے اور ترمی واحد مذکر کا ہے جس میں قریش کو خطاب کیا گیا ہے جیسا الم ترکیف فعل ربک میں بھی قریش ہی کو خطاب ہے پس سورہ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طود پر با حق دلوں کے لشکر پر پرندوں کی فوج بھیج دی تھی جن کے بہ جوں اور چونچوں میں لشکر کی چتریاں تھیں پرندوں نے یہ چتریاں با حق والوں پر برساتیں تو ان کا بھرکس نکل گیا بلکہ مطلب ہے کہ ابرہہ قریش کا دشمن تھا وہ عکبر اپنی لشکر کشی کو مکہ والوں سے چھپا پاچا تھا تھا مگر یہ راز مخفی نہ رہ سکا کیونکہ قادیانہ کے کاشش خود پرندے جنگی لشکروں کے ساتھ اس امید پر ہو یا کہتے ہیں کہ اب ہم کو آؤ قریش کا الم بھجول کید ہم فی تغلیل کا یہ مطلب ہوا کہ لاشش خود پرندوں کو دیکھ کر عکبر والے لشکر کی آمد سے خبردار ہو گئے اور زمین کی غنئی نذر کار دار آسمان کے پرندوں نے کھول دیا قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ان کے پاس سوا چتروں اور کھجوروں کے اور کیا تھا قریش نے چتر بھولنے شروع کئے یہ چتر ایسا عجیب غریب تھا کہ اس کے سامنے ابرہہ کے لشکر والوں کی ڈھالیں بھی ہیکار ہو گئیں اور وہ ان چتروں کا جواب تیر بازی سے دینا بھی بھول گئے دم کے دم میں تمام لشکر کا گھوڑوں

ہاتھیوں سمیت بھرکس نکل گیا نہ کوئی نام لیوا رہ نہ پانی دیا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یاد دلایا کہ بتایا ہے کہ تم اسلام لانے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ ارد گرد کی طاقتیں تم پر جہم کر آئیں گی اور تم کو کھل ڈالیں گی کیونکہ کس ہی کا واقعہ ہے

کہ تم نے ابوہریرہ کے شکر پرایا پتھراؤ کیا اس کا بکس نکال دیا تھا بس  
تبہ لایہ پتھراؤ سلامت ہے پھر تم کو کسی طاقت کا کیا اندیشہ؟  
دیکھا آپ نے آج کل کے نئے مفسروں کی تحقیقات کو واقعی وہ  
قرآن میں ایسی ہوشگاریاں کرتے ہیں کہ سلف کے فرشتوں کو بھی ان کی  
ہوانہ گی ہوانہ پیاروں کو ایسی نئی تحقیق کہاں سوچ سکتی تھی کہ  
قریش کے پتھراؤ سے بھی شکروں کا ہاتھیوں سمیت مٹایا ہو سکتا  
ہے پھر معلوم قریش اپنے اس پتھراؤ کو ابوہریرہ کے بعد کسی اور لشکر  
کے مقابلہ میں استعمال کر کے کیوں نہ کامیاب ہوئے۔ اور ابوہریرہ  
کے شکر کیساتھ والے یہ لاشیں خود پرندے بھی فتح مکہ کے وقت  
کہاں مر گئے تھے کہ مکہ والوں کو لشکر مدینہ کا اس وقت تک علم نہ ہوا  
جب تک وہ بالکل محصور نہ ہو گئے، نہ تیبر کے یہودیوں کو ان  
لاشیں خوردوں نے شکر اسلام کی آمد سے جلد وار کیا کہ صبح کو اسلامی  
لشکر خیبر میں داخل ہوا اور بستی والے جالی کدال لے کر جنگل  
جانے کا ارادہ کر رہے تھے دفعتاً سامنے سے لشکر کو دیکھا تو ٹھہرنا نہیں  
کہتے جوئے قلعے کی طرف جا گئے۔

اس مفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے  
جہل کی تعبیر ہے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات  
وہی قبول کی جاسکتی ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں  
اور سورت الفیل کی یہ جدید تفسیر جمیع سلف کے بالکل خلاف ہے،  
توچ تک کسی صحابی یا تابعی یا تابعی یا معتبر مفسر سے پسند معتبر یہ  
تفسیر منقول نہیں دیکھی گئی کہ ترمذیہ طبرانی کی صفت نہیں بلکہ  
میثاق احمد مذکور حاضر ہے اور اس کے مخاطب قریش یا اہل مکہ ہیں  
اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے کہ لاشیں خود پرندے ہیں

ہی سے ابرہہ کے لشکر کے ساتھ ہوئے تھے نہ اس کا کوئی ثبوت ہے،  
 کہ ابرہہ نے اپنی لشکر کشی کو محقق رکھنے کی کوشش کی تھی جس کا راز  
 فاش کرنے کے لئے فاش خود پرندوں کو لشکر کے ساتھ چلنے کی ضرورت  
 تھی نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش نے ابرہہ سے شکر کا سبکار  
 کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور اپنے ہتھیاروں سے ہتھیاروں سمیت تمام فوج  
 کا سہارا کر دیا تھا نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش کو اسلام سے یہ اندیشہ  
 مانع تھا کہ ارد گرد کی طاقتیں ان پر هجوم کر دیں گی۔ تقلیداً بارہ مود  
 اصنام مانع اسلام نہ تھی اس مفسر نے کس طرح اپنی طرف سے بلا  
 وسیلہ مقدمات بنا کر کھڑے کئے اور خود ساختہ بنیاد پر کلام الہی  
 کی تفسیر کی علت قائم کرنے کی یہودہ کوشش کی ہے پس یہ تفسیر جس  
 طرح اجماع سلف کے خلاف ہے اسی طرح تاریخ کے بھی خلاف ہے  
 اس جگہ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اجمالی اشارہ کر دیا گیا تاکہ ناظرین  
 آجکل کی ایسی نئی نئی تفسیروں سے ہوشیار رہیں ان کو علامہ  
 ابن ابی جرہ کا یار شاد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ متاخرین کی وہی  
 تحقیقات مغرب ہیں جو اجماع سلف کی خلاف نہ ہوں ماس کلبہ کو  
 نصب العین بنانے کے بعد کسی محقق کی نئی تحقیقات سے ان کے ایمان کو  
 ضرر نہ ہوگا۔

## فے شیخ کو طالعین کی نگہداشت کرنا چاہئے

اس حدیث سے تصوف کا یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شیخ  
 کو اپنے مریدوں شاگردوں کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہئے اگر کسی کے  
 متعلق یہ شبہ ہو کہ اس نے کسی فرض یا واجب یا سنت میں کوتاہی کی  
 ہے تو اول اس سے دریافت کیا جائے اگر وہ اقرار کرے تو اس کو اولاً

7. vlogspot.com

فرض و واجب دینو میں تعبیل کی تاکید کی جائے۔

فے تفحص احوال کیلئے سلسلہ کلام قطع کرنا جائز ہے

مدیریت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو تفحص احوال کیلئے اپنی گفتگو اور  
تقریر یا خطبہ کے سلسلہ کو قطع کر کے اس شخص کی طرف توجہ ہونا جس  
کے متعلق فقیر کا شبہ ہوتا ہے جائز ہے مگر تفحص و تحقیق میں نرمی  
سے کام لینا اور خود صاحب معاملہ سے معاملہ کی تحقیق کرنا چاہیے جیسا  
مولانا علی علیہ السلام سے اس واقعہ میں ثابت ہے واللہ تعالیٰ اعلم

---

## حدیث

### دعای رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو ایک اعلیٰ جہد کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلیبہ پہنچے تھے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال تیلہ و برباد ہو گیا اور ظہر ظہیراں ہو کے ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمائے لئے دعا کیے تو آپ نے غلیبہ ہی میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا پس قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حضور نے بھی تک اپنے دونوں ہاتھ نہایت نہیں کھینچے کہ بادل ساروں کی طرح اٹھا، آپ میرے نیچے نہیں اتارے تھے کہ میں نے بارش کے قطرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھ لیا تھی بارش ہوئی کہ مسجد کی چھت پکٹنے لگی اچسب دن میں برابر بارش ہوتی رہی پھر اس سے اگلے دن بھی اور اس کے بعد دس دن میں بھی اس کے بعد بھی دوسرے جمعہ تک بارش کا سلسلہ بند نہ ہوا پھر وہی بارش آئی یا اور کوئی کو دوسرے جمعہ کے خطبہ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال غرق ہو گیا عمارتیں گرنے

لگیں جمائے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ جمائے اور گردبارشیں ہواور ہمارا دوزخ پر نہ ہو پھر اپنے ہاتھ سے جس طرف بادل کو اشلہ کیا اس طرف سے کھل گیا اور مدینہ منیٰ چاک کر بیان کیے ہو گیا اگر مدینہ کے اندر آسمان کھلا ہوا تھا اور چاروں طرف بادل گھرا ہوا تھا ہمیں بھرتیک جنگل بارش کے پانی سے بہتا رہا اور جس سمت سے بھی کوئی آتا تھا بارش کی خبر لاتا تھا۔

**شرح** ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ امام سے خطبے کے درمیان کسی فرد امر کے لئے گفتگو کرنا جائز ہے اور امام اس کا جواب بھی دے سکتا ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکلات حلاوت میں مقبولان الہی سے (۱۰۴) دعا کی درخواست کر لیا جائے اور طلبہ عا سے پہلے اپنا حال بھی بیان کرنا چاہیے جیسا اس احادیث نے کیا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ بالا جماع آپ سب مقبولان الہی سے افضل ہیں آپ کی زندگی میں آپ کے سوا مہمات میں کسی کی طرف بھی رجوع نہ کیا جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی امتیاز کے وقت جب استسقاء کے لئے بستی سے باہر نکلتے تو حضرت عباسؓ سے فرماتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضورؐ کے واسطے سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اب آپ کے وسیلہ سے دعا کریں گے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور سب سے قریب ترین پھر احادیث نے طلبہ عا سے پہلے پریشانی کا حال بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس میں شک نہ ہو کہ جب تم دین دار سے اپنی پریشانی بیان کرو گے اس کا دل تمہارے واسطے پھل جائیگا وہ دل سے دعا کرے گا اور ایسے مبارک دل سے پسینے اور دل لگا کر دعا کرنے ہی سے نصرت اور قبول

دعا کی امید کی جاتی ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه طلب الدعاء ممن فيه اهلية  
للقبول الى قوله في الوجه الثالث وعند تلك الرقة  
وجمع ذلك الخاطر المبارك ترحي الرحمة والسجادة

(۱۰۵) امر خلافتِ عادت کسی رحمت ہوتا ہے کسی نعمت یہ بھی ہوتا  
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا خلاف عادت ہونا کسی رحمت پر دلالت  
کرتا ہے کبھی اس کے خلاف پر چنانچہ بارش کا وقت پر نہ ہونا جس کا انجام  
طاقتِ لہوال ہو رہی تغیر عادت ہے اور یہ تغیر فطرت ہے بعض روایات میں  
آیا ہے اذا بغض الله قوماً امطر صيفهم واهي شتاءهم جب  
اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں گرمی کے زمانہ میں ان پر بارش  
کرتے ہیں اور جاڑے برسات میں آسمان صاف دیکھتے ہیں۔  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ ساتھ فوراً بادل  
کا اٹھنا اور بارش ہو جانا یہ بھی خرقِ عادت ہے مگر یہ تغیر رحمت ہے  
قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان تغير العادة  
قد تكون دالة على رحمة او غيرها الى قوله الا انها  
تغير ورحمة۔

فے نزولِ بلا میں گناہوں کو کس طرح دخل ہے

انہوں نے بھل بعض لوگ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ گناہوں کی  
وجہ سے بلائیں نازل ہو سکتی ہیں ان کے نزدیک بارش ہونے یا نہ ہونے  
کا سبب بس وہی ہے جو سائنس نے بتا دیا ہے مگر ان سے کوئی پوچھے کہ  
سائنس نے اس کا بھی کوئی سبب بتلایا ہے کہ جب ہمیشہ برسا اور جاتی



ہی میں بارش ہوا کرتی ہے تو کسی سال اس قلمدہ کی خلاف گری کے زمانہ میں کیوں ہوتی اور جلنے برسات میں کیوں نہیں ہوتی ؟ اس عادت مستور کے بدلنے کا بھی تہسبب کوئی ہو نا چاہیے سائنس میں جو خاموش ہے شریعت نے اس شکل کو حل کر دیا ہے کہ عادت مستور کے بدلنے کا سبب لوگوں کی شامت اعمال ہے ۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم مَّرَاجِلَ مِّنَ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا  
فِي عَصْيَانٍ ۔

آج سے سترہویں سال پہلے اسی ہندوستان میں لوگوں کو عام طور پر عفت پاکدامنی چھائی و یا نہت ماری امانت بزدلوں کے احترام اعلیٰ کی عزت کا احترام تھا بے حیائی ، بے شری ، جھوٹ ، دغا بازی سے نفرت تھی مولوں میں خدا کا خوف بزدلوں کا لحاظ تھا اعلیٰ فحش کا بازار گرم نہ تھا تو وہ لوگ ان بیماریوں کا نام بھی نہ جانتے تھے جن میں آج کل ہندوستان کا ہر نوجوان مبتلا ہے جس طرح ان کا ایمان قوی تھا نہ ہی قوی تھا صحت بخشنے والی تھی وقت پر بارش ہوتی تھی ۔ پیداوار کی کثرت تھی بے ٹکری کا انداز تھا اب ہمارے اعمال خراب ہو گئے ہر طعنے سینما یا ٹی وی کی وجہ سے فحش کو ترستی ہے سودی لین دین کی کثرت ہے علانیہ حرام کاری ہوتی ہے تو نہ ہائے ٹکری بھی نہ وہ راحت جس کو دیکھو پریشان و حیران ، جدمر نظر آتا وہ ادھر ہوا ایک بلاتے بے درماں ، بیماریاں ایسی آتی ہیں جن کا کبھی نام نہ نہ سنا تھا لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ بہت دیر آفرینش سے اس وقت تک کبھی اسکی نظر زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی تھی ۔ یہ شامت اعمال نہیں تو نور کیا ہے ؟ کیا سائنس اس خوفناک بارش کا بھی کوئی سبب بتا سکے گی جو بھوں اور گویں کی فطرت میں آسمان سے برقی اور دم کے دم میں لاکھوں آدمیوں کو ہلا کر رہتی

دستکرم اور مضبوط شہروں کو تہ و بالا بنا دیتی ہے کہ یہ کون سی مانوس ہے، پیدا ہوئی ہے؛ اس بارش کا مانوس سمندر کی جہاں سے نہیں اٹھا بلکہ قلوب نفوس کی جہاں سے بنتا اور مخلوق کے گناہوں کے سبب برستا ہے۔ نعوذ باللہ من الفتق ما ظہر منها طبعن

حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا پر خیر کے لئے بہت بڑا وسیلہ ہے (۱۶۶) دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کتنی جلدی فائدہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من الهمم الدعاء فقد فتح علیہ ابواب الخیر  
جس کے دل میں دعا ڈال دی گئی (یعنی دعا سے جس کو رغبت اور شوق پیدا ہو گیا) اس پر خیر کے دروازے کھلے گئے۔

اسی لئے حضرات موصیہ فرماتے ہیں کہ دعا خود عین خیر ہے، (یعنی دعا خود اپنی ذات سے مطلوب ہے مقصود ہے قضا حاجت کے لئے مطلوب نہیں) قضا حاجت تو تبعاً مطلوب ہے کیونکہ دعا کی حقیقت ربو لائے جلی اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا اور اس کی طاعت اپنی حاجت بیان کرنا ہے اور یہ غلطیت کا خلعت ہے جس سے بڑھ کر بندہ کے لئے کوئی بھی خلعت نہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی دلیل ہے۔

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان

اے ابلیس! میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

دیکھو ان حضرات کو یہ شرف بلند اور اتنی بڑی حفاظت ساری عجیبیت سے تو حاصل ہوئی جو کہ صفت عبودیت ہے اس کی ضد کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد سُن لو۔

وان الکافرین لا مولیٰ لہم

کافروں کا کوئی مددگار نہیں (جو ان کو شیطان کے پسندوں سے بچائے)

قوله الوحيدة الثاني عشر فيه دليل على ان الدعاء  
من اكله وسائل الخير الى قوله وان الكافرين  
لا مولى لهم

فے شاید کسی کے دل میں اس جگہ یہ سوال پیدا ہو کہ کافر بھی تو  
اللہ کے بندے ہیں پھر وہ اللہ کی مولات سے کیوں محروم ہیں ۔  
جواب یہ ہے کہ ان بندے تو ہیں مگر ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان  
کو اپنی طرف منسوب کر کے عبادی میسر بندے کہنا پسند نہیں فرماتے  
اور بندہ خفیت میں وہ ہے جس کو آقا خوش ہو کر اپنا غلام کہے ۔  
وہ اگر کہہ دے مجھے اپنا غلام سے پیارا نام ہو میرا یہی  
کافروں کو اللہ تعالیٰ اپنا غلام تو کیا فرماتے آدمی بھی کہنا پسند نہیں فرماتے  
اولئك كالا نفا هر بل هر اضل

کیونکہ آدمی حقیقت میں وہ ہے جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر جو جو ان کے  
طریقہ عبودیت کے خلاف کفر و بغاوت حق میں مبتلا ہے وہ آدمی  
کہلانے کا مستحق نہیں ہے

ایں کری بینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند  
فے یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا بذات خود مطلوب ہے، قضاء حاجت کے  
واسطے مطلوب نہیں بلکہ قضاء حاجت تنہا مطلوب ہے، پس جن لوگوں کو  
یہ دیکھنا ہو کہ دعا کیونکر مقبول ہوتی ہے وہ اس پر عمل کرنے کی محسوس  
یعنی دعا کو بذات خود مطلوب بنائیں ۔

(۱۰۶) شفیع کی عظمت کے موافق عطا ہوا کرتی ہے

حدیث ہے معلوم ہوا کہ شفاعت کر نیوالے کی عزت و عظمت کی موافق  
اللہ کی طرف سے عطا ہوا کرتی ہے چونکہ اس واقعہ میں شفاعت کرنے

ولے سردار دو جہان تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بادشہ کا سلسلہ متواتر  
بندھ گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کی مراد اچھی طرح پوری ہو گئی اسی لئے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وَمَا تَكُنْ حَرَّ شَفْعًا حَرَّ فَا نْظُرُوا بَعْدَ تَسْتَشْفَعُونَ

تہا ہے (ہمارے) جو تم کو نازیں پڑھاتے ہیں، تمہارے شفع میں

پس دیکھ لیا کرو کہ تم کس کو شفع بنا رہے ہو یعنی یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اس  
قابل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائیں مطلب یہ کہ اس  
کے ظاہر و باطن کی تحقیق کرو کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں واللہ اعلم

اس میں موفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں

فَدَمْرُ مَحْبُوبٍ عِنْدَ مَطْلُوبٍ تَحْدِثُ مَرْغُوبًا

مطلوب کے سامنے اپنے محبوب کو آگے بڑھاؤ تو مرغوب کے پالو گے

## محبوب چیز کی قربانی سے مطلوب کو پاؤ گے

یعنی محبوب چیز کی قربانی کرو تو مطلوب کو پا لو گے۔ لہٰذا تنالوا  
البرحتیٰ تنفقوا مما تحبون کیونکہ محبوب چیز کی قربانی ضرور قبول  
ہوتی ہے جیسا آیت کا قرآنیہ کا مدلول ہے واللہ اعلم۔

اس جو ایک سوال ہے وہ یہ کہ دونوں جہوں میں دعا کی درخواست  
کے لئے یہ دو دعاؤں یا ایک دعاؤں ہی کیوں کھڑا ہوا حضرات صحابہ اور خلفاء  
میں سے کوئی کیوں نہ کھڑا ہوا؟

جواب یہ ہے کہ حضرات خلفاء اور صحابہ کا مقام ایسا وسیع ہے کہ  
سائل کا مقام فقر و مسکنت ہے۔ پس درخواست دعا کے لئے وہی امثال  
جس کا یہ مقام اتنا اس اجمال کی تفصیل ایک حکایت کے ضمن میں  
معلوم ہوگی۔

ایک دفعہ جزیرہ اندلس  
 ایک بزرگ مجذوب کی حکایت میں قحط پڑا تو لوگ ایک  
 مجذوب بزرگ کے پاس گئے ان سے درخواست کی کہ نماز استسقاء کیلئے  
 آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ان کی عاصدہ یہ تھی کہ ایک بانس پریموں کی  
 طرح سوار ہو کر چلتے تھے تاکہ لوگ بیوقوف سمجھیں اور احمق سمجھ کر ایذا  
 نہ دیں چنانچہ اسی شان سے وہ ان کے ساتھ ہو لئے اور راستہ میں  
 شاہی باغ تھا تو آپ شاہی باغ کے پاس پہنچے اور بڑے زور سے  
 دروازہ کھٹکٹایا باغ کا دروازہ جلد سے کھلا کر باہر آیا اور کہا کیا بات ہے  
 فرمایا باغ میں جتنے درخت ہیں سب میں پانی دے دینا نے کہا آپ  
 بھی عجیب یہودہ گویں میں اپنے باغ کی حالت کو اچھی طرح جانتا ہوں  
 جب پانی دینے کی ضرورت ہوگی خود پانی دے دینا گاتھا کہ کہنے کی کیا  
 ضرورت ہے۔ بزرگ نے لوگوں کی طرف رخ پھرا اور فرمایا تم نے اس کی  
 بات سنی؟ جب یہ ادنیٰ احمق اپنے باغ کی ضرورت کو دوسروں سے زیادہ  
 جانتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی زمین کی ضرورت کو نہیں جانتے؟ وہ  
 بھی اپنے باغ کی حالت کو خوب جانتا ہے تو تم نے مجھے اپنے ساتھ لے  
 کر اس کے سوا کچھ نہیں چاہا کہ مجھے اللہ کے سامنے ذلیل کرو جیسا اس  
 مالی کے سامنے ذلیل ہوا۔ پھر اپنے بانس پر سوار ہو کر لائے لوٹ گئے  
 اور لوگوں کو چھوڑ کر چل دیئے مگر اس تسلیم و رضا کا یہ ثبوت ملا کہ لوگ  
 اپنے گھروں کو لوٹنے نہ پائے تھے کہ بارش سے سیلاب ہو گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تسلیم و رضا میں سب سے اعلیٰ  
 تھا مگر اسی کے ساتھ آپ ہر شخص سے اس کے حال کے موافق معاملہ فرما  
 تے کمزوروں کی دلجوئی فرماتے ان کی درخواست پر دعا کر جیتے قوی کو  
 اس کے مال پر دیکھتے اور متوسط سے لطف کا معاملہ فرماتے اور یہ

معاملہ سرتاپا اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت ہی رحمت ہے تاکہ اس مبارک راستہ میں قوی اور ضعیف متوسط سب ہی چلنے لگیں اور ان میں سے ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے بشرطیکہ ہر ایک کو حقیقت یا شریعت سے اپنا حصہ معلوم ہو کما حقہ کہاں ہے اور اس کے شرائط و آداب کیا ہیں؟ یہاں دنیا میں تو بڑا فائدہ ہی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا حصہ حقیقت میں ہے یا شریعت میں اور جس میں بھی حصہ ہے اس کے شرائط و آداب کی اس کو خبر ہو اس سے آگے جو کچھ ملے گا آخرت میں ملے گا کہ دارالجزا روہی ہے دنیا دارالعمل ہے دارالجزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے جن کو اپنے فضل سے اس فائدہ عظمیٰ کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے۔

قوله في الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاعطام  
يكون على قدر حرمة الشفع الى قوله في الوجه  
الخامس عشر جعلنا اليه ممن من بها عليه بمنه

فہ دعا کا معنا تسلیم کے معنی نہیں منکالت جب ہوتی ہے کہ دعا بذات خود مطلوب ہو بلکہ قضاء حاجت مطلوب ہو اور اگر دعا خود اس لئے مطلوب ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اپنے عزیز و نیاز کا اظہار ہے اور دل سے اس پر راضی ہو کہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو دعا کو نہ چھوڑوں گا اور یہ حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہوں گا تو یہ دعا عین معنا و تسلیم ہے پس بعض بزرگوں کے منکالت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعا کو تسلیم و رضا کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا واقع میں رضا و تسلیم کے بغیر ہے بلکہ بکھن پائے کہ یا تو وہ بزرگ غلط حال کی وجہ سے دعا کو مقام رضا کے ساتھ جمع نہ کر سکے یا یہ کہ گواہ دونوں میں منکالت نہیں مگر مقام معنا و تسلیم کی یہ خامیت ہے کہ جب اس کا نظیر ہوتا ہے دعا چھوٹ ہی جاتی ہے۔ اعتدال کے بعد پھر خود کرا آتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ معلوم ہوا کہ بادل آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا، تاکہ جس عزت انھیں سے انہندہ کرتے اس عزت سے بادل نکل جاتا۔ کیونکہ زبان سے تو آپ حق تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے بادل کو زبان سے کچھ نہیں کہا اُس کی عزت، تو اشارہ ہی کیا تھا۔ پس اگر بادل کو آپ کی اطاعت کا علم نہ دیا گیا ہوتا تو وہ آپ کے اشارہ کی تعمیل نہ کرتا۔ کیونکہ بادل بھی جیسا حدیث میں آیا ہے مامور ہے جہاں جاتا ہے تنہا ویرہ ہوتا ہے جس جگہ رہتا ہے (حکم سے رہتا ہے) اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ بادل تو باوجود اس قدر بعد کے اشارہ کو بھی سمجھ لیتا ہے۔

## محروم القسمت کو نصیحت بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے

اور محروم القسمت، دل کا ہر انصیفوں کے درجے بہائیں کر بھی متنبہ نہیں ہوتا۔ کلاں رانہ علی ملو بعدہ (کچھ نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے جس کے لیے سعادت (کے راستے) میں کوئی قدم (مقدمہ نہیں یا جس کے لیے ازل میں سعادت (مقدمہ) نہیں۔ اس کے لیے ساری نصیحتیں نقصان ہی رہیں جاتی ہیں۔

قوله في الوجه انما سمع فيه دليل على علم معجزته عليه السلام  
الى قوله من لم يكن له في القسم سعادة فكل موعظة  
عليه خرابه -

فت یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر بالعمود میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ اگر نفع

مع اما الترجمة الاولى فبنيته على ان اصل العبارة من لم يكن له في القسم  
قدم الوفاء والوفاء وصحفه الكتاب الى قوله من لم يكن له في القسم  
سعادة - والترجمة الثانية فبنيته على كون القسم بكسر الهمزة بمعنى الازل  
ولكن الظاهر هو الاول لثقل استعمال التقدم بمعنى الازل في كلام المنفذين .  
واشرف على علم ..

کی اُمید غالب ہو تو نصیحت کی جائے ورنہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن شریعت ہی کو بُرا کئے گئے ہیں۔

(۱۰۹) فوائدِ محبت اور اُس کے شرائط یہاں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ قرب (اور جوار) کی برکت

نے زمین کو رحمت سے انا مال کر دیا۔ حالانکہ وہ جمادِ اقصیٰ ہے تو جاندار کو بالخصوص انسان کو برکتِ محبت سے (کیا کچھ فائدہ ہو گا؟ (خود ہی سمجھ لو) چنانچہ اسی بھادرت (اور محبت) سے ابو طالب کو برکت حاصل ہوئی کہ دو زنیوں میں سب سے کم حساب اُن پر ہے حالانکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا تھا (مگر حضرت کے ساتھ رہے۔ آپ کی محبت سے مشرّف ہوئے تو برکت سے محروم نہ رہے) لیکن بھادرت (اور محبت) کے متعلق یہ امر قابلِ تنبیہ ہے کہ اگر اُس سے اہل ایمان کو کسی قدر منفعت اور مدد پہنچتی ہو تو اس کو کچھ برکت حاصل ہوگی۔ اور اگر زیادہ منفعت و مدد پہنچے تو برکت کے ساتھ اُس کو عظمت و حرمت بھی حاصل ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قرب و جوار کی زمین کو ہر طرف بارہ میل تک حرمِ مکہ کی طرح حرم بنادیا ہے۔ کہ نہ اُس کا شکار لیا جائے نہ اس کا درخت کاٹا جائے۔ یہ حرمت (اس زمین کو) اُن ہی لوگوں کی وجہ سے تو حاصل ہوئی جو اس زمین کے بیٹے والے تھے (چونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھادرت اور محبت کے ساتھ آپ کی نصرت میں بھی حصہ لیا تھا آپ کا اتباع بھی کیا تھا تو اُن کے احترام کا یہ اثر ہوا کہ اُن کی زمین بھی محترم ہو گئی) پس یہ قرب (اس زمین کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا عاتقِ مخاطب کے لیے اتباعِ دو کہ جیسا وہ بوجہ اتباع کے محترم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زمین بوجہ قربِ اہلِ اتباع کے محترم ہو گئی) کیونکہ مخلوق میں ہر نوع کو اُس کی حالت کے مناسب نفع حاصل ہوتا ہے (پس زمین کو صحرا کی بھادرت سے یہ نفع ہوا کہ اُس کو حرم بنادیا گیا) جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ محبت کی نسبت (اور مقدار) ہی



کے مصلحتی خیر حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو شرم نہ پہنچے تو اسی لیے حدیث میں آیا ہے **عَدُوُّ الْقَوْمِ لَا يَشْفَعُ بَهُمْ جَلِيسُهُ**۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا اور اگر مجاورت (اور صحبت اس طرح نہ ہو بلکہ) اس کے خلاف ہو (کہ جس کی صحبت میں رہتا ہے اُس کو ایذا پہنچاتا ہے) تو معاملہ برعکس ہو گا (کہ صحبت سے بھانے نفع کے منہ پہنچے گا) اسی لیے اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ انسان محقق (عادت کامل) کی مثال آگ جیسی ہے کہ جو شخص احتیاط کے ساتھ اُسے کلام میں لائے گا۔ اُس سے مختلف قسم کے منافع حاصل کرے گا۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: **مَعَاصِرُ مَقُونٍ عُلَمَاءُ** نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اہل مابست کے لیے فائدہ کی چیز بنایا ہے اور جو شخص بے احتیاطی کے ساتھ اس کو استعمال کرے گا نقصان اٹھائے گا۔

یہی حال فساد محقق کا ہے جو اسے پہچان لے اور ادب کے ساتھ اُس کی صحبت میں رہے وہ اُس سے بہت کم منافع حاصل کرے گا اور جو نہ پہچاننے کے بعد اُس کو تحقیر کرے گا اُس کو (بھانے نفع کے) ضرر لاحق ہو گا اگرچہ محقق (عادت) نے اُس کو ضرر دینے کا قصد بھی نہ کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو اُس کے لیے جوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **مَنْ اَذَى لِي دِيَا فَقَدْ اَذَى لِي بِالْمَعَادَةِ** (جس نے میرے ولی کو ایذا دی اُس نے مجھے اعلان جنگ دیا ہے

**”الْفَقْدُ مَا تَفْعُوْهُ بَلَدٌ مِّنْ مَّخْلُوْقٍ وَسَفْطُ اَدِلْدُوْكَ وَتَعُوْزُ بَلَدٌ مِّنَ الْحُوْدِ بَعْدَ الْكُوْدِ وَمَنْ اَذَى لِّىْ دِيَا فَقَدْ اَذَى لِّىْ بِالْمَعَادَةِ اَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَةُ اَمْرٍ نَّارٌ شَدِيدَةٌ اَوْ يَحْتَنُكُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ** (قرآن وحدنا اشارۃً وھی ان بركة الجوار اقلدت المادى الرحمة الى قوله فقد اذنى بالمعادۃ“

**ف**۔ ایذا دینا ہر مسلمان کو بلکہ ہر حیوان کو حرام ہے جبکہ بلاوجہ ایذا دی جائے اور اولیاء و علماء کو ایذا دینا زیادہ حرام ہے کہ گویا خدا کا مقابلہ ہے۔ پھر ایذا کے بھی درجے ہیں۔ ایک یہ کہ عمل سے بلاوجہ ایذا دی جائے کہ عمل اُن کے ساتھ گت علی

اور بدتمیز بی کام مصلحت کی جانے۔ ایک یہ کہ زبان سے بلا وجہ اُن کو بُرا بھلا کہا جائے۔ یہ دونوں ٹھوس حقائق ہیں موجبِ وبال ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو بُرا تو نہ کہا جائے، نہ گستاخی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ لیکن ان کی ولایت اور کمالات کا انکار کیا جائے۔ یہ تیسری صورتِ مُرتسّس شخص کے حق میں موجبِ وبال ہے جو اُن کے ولایت و کمالات سے واقف ہے۔ تا واقعہ کہ اس سے مراد چہو کا۔ کیونکہ ولی کی ولایت کا ماننا یا اُس سے واقف ہونا فرمن یا واجب نہیں اور مسلم یہ ہے کہ جس شخص کی ولایت کا بہت سے عقائد اور علماء و علماء کو اعتقاد ہو اُس کی ولایت سے انکار نہ کیا جائے گو تم کو بذاتِ خود اُس کی تحقیق نہ ہو۔ کیونکہ غیر ولی سے حُسنِ ظنِ مذہب نہیں اور ولی سے بدظن ہوتا بُرا ہے تو بلا حرج و دستِ ایسے شخص کی ولایت سے انکار کیوں کیا جائے جس کی ولایت کو بہت سے عقائد اور علماء و علماء تسلیم کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ کسی کی ولایت کی تحقیق خود کیونکر کی جائے؟ تو اگر یہ علاماتِ ولایت غالب تحقیقِ حائی ہے جب تو اُس کو عقائد اور علماء و علماء کی تقلید سے کام لینا چاہئے اور اگر اُس کو کچھ نورِ بصیرت حاصل ہے تو چند روز اُس کی صحبت میں رہ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کی طرف دُنیا داروں کا میلان زیادہ ہے یا دین داروں کا۔ اس کی باتیں دُنیا کے متعلق زیادہ ہوتی ہیں یا دین کے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے دل دُنیا کی طرف راغب ہوتا ہے یا آخرت کی طرف۔ گُنہوں سے نفرت اور نیک کاموں کی رغبت اُس کے پاس بیٹھنے سے زیادہ ہوتی ہے یا نہیں۔ فرائض و نوافل و اذکار میں وہ اپنے معمولات کا پابند ہے یا نہیں؟ اور زیادہ وقت اُس کا اللہ کی یاد میں گت ہے یا دُنیا کے قصوں میں۔ اگر چند روز اُس کے پاس بیٹھنے سے یا علاوہ ہو کر اس شخص پر اللہ کی یاد اللہ و رکھ کی محبت غالب ہے۔ زیادہ لوقہات اسی تذکریں گزرتے ہیں اور اس کے اقوال و افعال و احوال شہتِ نبویہ کے موافق ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ اللہ کا ولی ہے جس کو یا دینا اللہ تعالیٰ کو ملائین جنگ دینا ہے۔

نورِ حقِ طاہرِ محمد اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل دلی

## حدیث

### صلوة النوافل قبل الفرائض و بعدها

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اُس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ (گھر کی طرف) لوٹ جاتے پھر (گھر میں) دو رکعتیں پڑھتے۔

**تشریح** ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور مغرب کے بعد مسجد میں نماز پڑھتے تھے بلکہ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے اور نیچے مسجد میں نماز پڑھتے تھے جمعہ کے بعد نماز جمعہ کے اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر چند وجہ سے کلام ہے۔

- (۱۱۰) یہاں دو سوال ہیں (۱) یہ کہ راوی نے صحیح اور غیر کا ذکر کیوں نہیں کیا ؟  
 (۲) ان دونوں کا کیا حکم ہے ؟ (ان کے آگے یا پیچھے نفل نماز ہے یا نہیں ؟)  
 (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل نماز کی جو صفت (اور کیفیت) یہاں (منقول) ہے یہ تعبد (معنی) ہے جس کی علت فعل سے معلوم نہیں ہو سکتی یا قیاسی حکم ہے جس کی علت

عمل میں آسکتی ہے ۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فجر و عصر کا گویاں ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں موجود ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعد (طلوع) فجر کے بجز فجر کی دو سنتوں کے (نفل) نماز نہیں۔ اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں تخفیف کرتے تھے اور تخفیف کی علت بھی۔ (بعض روایات میں) مذکور ہے ۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس باب میں بھی بہت احادیث ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تشبہ (معنی ہے جب تو گفتگو ہی رک کر دست) نہیں اور اگر یہ حکم کسی حکمت پر مبنی ہے تو وہ حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں (عمل اپنی اُمت کو) خدمت (اور عہدیت) میں ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جیسا منہم (بن ثعلبہ) کو (رقن) اسی کی ہدایت فرمائی تھی جبکہ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا میرے ذمے (ان فرائض کے علاوہ) کچھ اور بھی ہے۔ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے (کچھ نفل ادا) کرو

تعلیم عملی زبانی تعلیم سے زیادہ موثر ہے تو جس چیز کی آپ تخریب دی تھی اسی کی اپنے عمل سے تخریب دی۔ کیونکہ آپ کی عملی تعلیم زیادہ موثر ہوتی تھی اور (قاعدہ بھی یہی ہے کہ) احکام کی پختگی عمل سے ہی زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اگرچہ قول بھی اس کے لیے کافی ہے جیسا شریعت (کے اصول) سے بارہا معلوم ہو چکا ہے۔ اور (حکمت نوازل کے بیان میں) یہ توجہ بہت جود ہے۔ جس کام کا دوسروں کو امر کرو خود بھی اُس پر عمل کرو یہ سنو مسکون ہوا کہ انسان جس نیک کام کا دوسروں کو امر کرے یا تخریب دے اُس پر

خود ہی مل کر ناچا بیٹے۔ یہاں تک کہ قال کے ساتھ وہ اس کا حال بہ جانے تاکہ  
حق قائل کے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہو (جس میں سخت وعید ہے)۔  
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَعَنُوكُم مَّا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ كَبُرَ مَقَاهُ ۗ اِنَّ  
لَكُمْ تَقْوٰلَا مًا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ

”اے ایمان والو! تم ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات  
بہت بُری ہے کہ ایسی بات کو جو کرتے نہیں ہو“

(ہر چند کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے، امر بالمعروف کے متعلق نہیں۔ مطلب  
آیت کا یہ ہے کہ ایسا دعویٰ نہ کرنا چاہیئے جس کو پورا نہ کیا جائے اور یہ بات سیاق  
سے بھی ظاہر ہے اور شان نزول سے بھی معلوم ہے۔ مگر آیت کے ظاہری الفاظ  
مطلق قول پر حال ہیں جس میں دعویٰ اور امر بالمعروف دونوں داخل معلوم ہوتے ہیں۔  
پس امر بالمعروف میں بھی اس کا لحاظ کرنا چاہیئے کہ جس بات کا دوسروں کو امر کیا جائے  
خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور ہر حال میں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل دوسروں  
کو نصیحت نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناسخ کو بے عمل نہ ہونا چاہیئے) اسی لیے بعض  
اہل حلل نے فرمایا ہے کہ فقیر الکلام اور فقیر الحلل کو قیامت کی ہوائیں چلنے اور دنیا  
کا بادل پھٹنے کے وقت معلوم ہو گا کہ ان دونوں میں اس میدان کا شمس کون ہے ؟  
اُس وقت حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جائے گا اور معلوم ہو گا کہ کمن وعظا کمن کن ہوں  
کا پڑھنا اور سائق کا مل کرنا کارآمد نہیں بلکہ احکام پر عمل کرنے اور اُس کو حال  
بنانے کی ضرورت تھی۔

نوافل کے مشروع ہونے کی حکمت  
بحسب ہم نوافل کے

تو اس حکمت (مذکورہ) کی ساتھ ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آجاتی ہے جو بہت  
ہی لطیف ہے اور اپنی ہمت کی خصلتوں میں سے (عجیب خصلت) ہے کہ کوکم ہم دیکھتے  
ہیں کہ جن نازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعوض نفل کے) فریادہ کیا ہے

تہنچ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مجموعہ (چوبیس رکعتیں ہیں اور ایک رکعت  
 ہر رکہ کے بعد ہے تو کل پینتالیس رکعتیں ہوں گی۔ ان کو پانچ فرض نمازوں کے  
 ساتھ ملایا جائے تو پچاس نشست نمازیں پوری ہوں گی اور یہی وہ اصلی عدد ہے جو اونا  
 فرض ہوا تھا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت پر شفقت کر کے  
 تخفیف کی درخواست کی تھی (تو یہ پاس سے پانچ بارہ گئیں) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اپنی اُمت پر کثرت کے حق میں درجہ کمال کو اختیار فرمایا کہ اصلی فرض کو ہی  
 پورا فرماتے تھے تاکہ رِشَابِ خُداوندی الَّذِیْ دَفَعْتُ (کی تعمیل) میں آپ کا قدم  
 دُساخ ہو جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے (شعیب علیہ السلام) فرمایا تھا اَیُّہَا  
 عَجَلِیْنِ قَعِیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیْکَ اِنَّ دُونِیْ مَدَنٌ مِّمَّہُ جَعَلْتُمْ جِسْمَیْ فِیْہِ  
 پُوراً کہ دوں یعنی اٹھ سال کی مدت یا دس سال کی مدت تو مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا  
 پھر آپ نے دونوں میں سے بڑی مدت کو پُوراً کیا کیونکہ انبیاء و رسل صلوات اللہ  
 وسلامہ علیہم اجمعین (سمت) بلند ہمت والے ہیں اور کیوں نہ ہوں وہ تو مخلوق کے  
 بہتروں سے بھی بہتر تھیں اُن کا طریقہ یہی ہے کہ اعلیٰ و افضل و اکمل کو اختیار فرماتے  
 ہیں، اب ہمیں ان چوبیس نشستوں کے بتلانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دوسری  
 تو دُست (فجر کی ہیں اور بارہ رکعتیں چاشت کی ہیں۔ جیسا احادیث سے معلوم ہوتا  
 ہے اور زوال و آفتاب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلًا نماز سے منع

عہ ہمدی نیت و ابراہیم اللہی دئی ہے جس میں حضرت ابراہیم کی حق تائید نے مدعا فرمائی ہے  
 کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پوری طرح مان کر دیا تھا۔ ۱۰

عہ فی الاصل وعند الزوال بقدر حال ان ینہی عن الصلوة فی ذلک الوقت ثم  
 یرجع علیہ السلام فیلعب فیہ ارباعاً الخ و فیہ تصحیفات والصحیح حسی بعد ما کان ینہی عن  
 الصلوة الخ و لہ ینکھری وجہ قولہ ثم و جہ علیہ السلام فان الرجوع یمیل علی  
 النعم و لیس و ذلک من النعم فی شئی فانہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ینہی عن الصلوة  
 عند حوالہ و عند النہی باقی علی حالہ و صلی ارباعاً بعد الزوال یعنی نزول الشمس من کبر الساء  
 و لہ ینہی عن الصلوة بعد الزوال قط فانہم ۔ ۱۱

فرماتے تھے۔ پھر آپؐ نے (زوال کے بعد) چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ غالب گمان اس (غاذ) کی تخفیف عدد میں یہی ہے اور ظہر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، تہمتہ المسجد کی دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور اگر صلوة فی الزوال کی دو رکعتیں ہوں (چاند ہوں جیسا اوپر بتلایا) تو چوبیس کا عدد پورا کرنے کے لیے وہ دو رکعتیں شمار کر لی جائیں جو حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں وارد ہیں کہ آپؐ اپنے بستر پر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سو یا کرتے تھے اور قیام اللیل (یعنی تہجد) کی بارہ رکعتیں اور وتر کی ایک رکعت (مستحکم) کتاب ہے کہ فی الزوال کی دو رکعتیں مان کر چھتالیس کا عدد پورا نہیں ہوتا بلکہ فی الزوال کی چار مان کر بھی بستر پر سونے کے وقت کی دو رکعتیں طے سے یہ عدد پورا ہو گا۔ جیسا شام کرنے والے پر تخفی نہیں اور اسلم یہ ہے کہ فی الزوال کی دو رکعتیں شمار کی جائیں اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں کیونکہ حدیث ام حبیبہ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے ظہر کے پہلے چار سنتوں کا ثبوت ہوتا ہے اور یہی حنفیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے اور بستر پر سونے کی دو رکعتیں حضورؐ سے دو امانت نہیں۔

اس تقریر پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تمہارے بیان سے صحت اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ فرضوں کے علاوہ چھتالیس رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ تو ثابت نہ ہوا کہ چھتالیس نمازیں پڑھی ہیں تاکہ محمود و پکاس نمازیں ہوں۔ آگے اس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۵۵ رکعتیں ہی ۵۴ نمازیں ہیں (کیونکہ ایک رکعت پر دُشُر نما) غاذ کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے :-

إِنَّ اللَّهَ تَزَادُ أَنْ تَحْتَاطَ صَلَوَاتُكَ وَأَوْفَتْ لِقَوْلِكَ

- اللہ تعالیٰ نے بغیر احتیاطی میں ایک غاذ اور بڑھادی ہے۔ سن لو

وہ وتر ہے۔

اور وتر ایک رکعت ہے (نو دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک رکعت کو ناز فرمایا ہے اور بقا پر اس وتر کے بڑھانے میں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۴۵ کے) عدد میں ایک کی کمی چھڑ دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو زیادہ (۴۶ کے) کمی کو پورا کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر فضل کامل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہیں جس اپنے احسان سے اس امت کے علماء میں داخل کرے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی تو جیسا ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے محض فضل اور تخفیف کے لیے (غاذروں کا) عدد کم کر دیا تھا کہ پچاس کی جگہ پانچ کر دیں، اسی طرح (آخر میں) تفضل و تکمیل کے لیے (وتر کی

۴۵ یہ مسئلہ مختلف لیر ہے کہ وتر کم از کم ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ خلیفہ کا نہ ہونا یہ ہے کہ وتر کم از کم تین رکعت ہے مگر اس باب کی احادیث کو چمکے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت میں ایک ہی رکعت ہے مگر اُس کے ساتھ دو رکعتوں کا اضافہ ضروری ہے۔ اگر تھا ایک ہی رکعت پر کفایت پہلے تو خلیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ عبد اللہ بن مسعود کا ارشاد ہے کہ حال اجلت رکعت واحدہ تھا کہ ایک رکعت تنہا بھی کافی نہیں ہوتی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گیمائت نہیں کہ آپ نے بھی وتر کی تنہا ایک رکعت ہنگام ہو۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ وتر ایک رکعت ہے کیونکہ حقیقت میں ایک ہی رکعت وتر ہے اُس کے ساتھ دو رکعتیں اس لیے ملتی جاتی ہیں تاکہ ایک رکعت تمام ہو۔ جس کو بعض احادیث میں پچھرا لیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیراء سے منع فرمایا ہے۔ جب وتر کے ساتھ دو رکعتوں کا اضافہ ضروری ہے تو یہ کیا بھی ہے کہ وتر تین رکعت ہے۔ ہر حال اس اختلاف کے نتائج کا ہم پر کوئی اشکال و در نہیں ہوتا۔ اُن کا یہ مدعا برطان میں ثابت ہے کہ اگر تھا ایک رکعت کو بھی ناز کیا جاتا ہے و لازم۔ اس کی تائید فقہاء حنفیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کی شے داتا لا، صلی نما میں ناز نہ پڑھوں گا تو جب تک وہ ایک رکعت پڑھ کر پڑھے عانت نہ ہوگا۔ جب ایک رکعت پڑھ لے گا عانت ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم ناز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت کو ناز کیا جاتا ہے۔ ۱۰

عنہ فی اصل ویظہر فیہ من الحکمۃ ان المولیٰ سبحانه لما نقص من الصلوة لضعفہ  
فما جعل جلالہ الخوفہ تعجیل حدی والصیح ان المولیٰ علیہ اللہ علیہ وسلم الخافہ ۱۰



ایک دکت بڑھاکر، ثواب کو کامل کر دیا کہ اب ان ۵۴ نفل رکعتوں کے پڑھنے والے کو حقیقی پچاس نازوں کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ تنہا پانچ فرض بھی پچاس نازوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ ہر ناز کا ثواب دس کے برابر ہے۔ مگر وہ ملکی پچاس ہیں، حقیقی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔

یہاں ایک لطیف گفتگو ہے وہ یہ کہ یہ اُمت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) دوسری اُمتوں پر گواہ کیوں بتائی گئی؟ جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

وَكُنَّا لَكُمْ جَنَّاتٍ وَمَظَالٍ خِيَامًا تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَيْهَا فَسَبِّحُوا الرَّحْمٰنَ عَلَیْكَ شَعِیْدًا -

”اور یہاں ہی ہم نے تم کو امت وسط یعنی ستریں اُمت بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے اور پرگواہ بنیں۔“

**اُمتِ محمدیہ دوسری اُمتوں کیوں افضل ہو گئی حالانکہ یہ اُن سے کمزور ہے**

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو (شبِ معراج میں) سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا تھا کہ میں بنی اسرائیل کو بہت زیادہ چھیل چکا ہوں، اُن پر وہ فزین فزین کی گئی تھیں وہ اُن کو بھی پھری طرح ادا نہ کر سکے، اور آپ کی اُمت اُن سے کمزور ہے وہ) اس کی (یعنی پانچ نازوں کی) طاقت نہیں رکھتی تو (جواب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ ہمارے آقا (سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو درجہ کمال کی توفیق عطا فرمائی کہ جو عدد والا مطلوب تھا اس کو (خود) آپ نے ہی پورا کر دیا۔ اور اُمت کو بھی اس کی ترغیب دی، تاکہ گواہوں کا نزکیہ (کامل ہو جائے) کیونکہ نزکیہ و عدالت گواہی کی شرط ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس اُمت کا نزکیہ (اچھی طرح) ظاہر ہو گیا (کہ دوسری اُمتیں باوجود قنوت کے دو نازوں کو بھی پورا نہ کر سکیں اور یہ اُمت باوجود ضعف کے پچاس نازیں ادا کرتی ہے۔

**ترقی کے دو دروازے** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو باوجود اس کے صفت کے اسی پر نہیں چھوڑ دیا، بلکہ آپ نے پہلے لیے ترقی کے دو دروازے اور کھول دیئے۔ ایک تو اپنے اس ارشاد سے کہ وحید اللہ عبد الصمد اربعاً قبل۔ دہم وصل ارباب بعد اربع ومن صلی بین العشا ثلین اثنی عشر رکعة بحمد اللہ لہ قعرانی الجنة ۲۔ اللہ اس بندے پر دم فرماتے جو چار رکعت والے (رمز) اسے پہلے چار رکعتیں (نفل) پڑھ لے اور چار رکعت والے (رمز) کے فرض کے بعد بھی چار رکعتیں (نفل) پڑھ لے اور جو شخص مغرب و عشاء کے درمیان چار رکعتیں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں عالی شان محل بنائیں گے ۳۔

اس حدیث سے ظہر و عقر و عشاء کے پہلے اور پیچھے چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوئی۔ مگر عصر کے بعد نماز نفل کی کائنات احادیث مشہورہ متواترہ میں وارد ہے اور یہ حدیث اُن کے برابر نہیں اس لیے بعد عصر کو اس حدیث سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ ترمذی نے بسند حسن روایت کی ہے وحید اللہ امرأ صلی قبل العصر ادبھا۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔ اس میں عصر کے بعد کا ذکر نہیں اس لیے نماز عصر سے پہلے ہی چار رکعتیں پڑھنا چاہئیں۔ بعد میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۴۔ اور اس کے مشابہ دوسری احادیث بھی اس کے ہم معنی وارد ہوئی ہیں (جہاں میں نوافل کی ترغیب ہے) اور وہ بہت حدیثیں ہیں ۵۔

**جملہ افعال و اقوال میں تزکیہ کامل کی ضرورت ہے** یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے علاوہ ہمارے) بقیہ افعال و اقوال کے تزکیہ کامل کی ضرورت پر بھی اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

مما لم تنهہ ملوۃ من الفحشاء والمکرہ یزد من اللہ الا بعدا۔

” جس شخص کو اُس کی نواز بے حیائی اور بڑے کاسوں سے نذرہ کے اُس کو اللہ سے بُد ہی بڑھے گا۔“

(قرب نہ بڑھے گا کیونکہ اس مُہرت میں اُس کی نواز نواز نہ ہوگی بلکہ صرف اُٹھک بیٹھک ہوگی جو غلبۂ النبی کے لائق نہیں بلکہ اس کے متافی ہے اور یہ دہید اُس وقت ہے جبکہ یہ شخص گنہگاروں سے نادم ہو کر توبہ بھی نہ کرتا ہو۔ اگر توبہ کر لیتا ہو اور دل میں ندامت ہو تو بُد نہ ہوگا بلکہ اُمید ہے کہ کسی وقت گنہگاروں سے بالکل الگ ہو جائے گا۔ غرض گنہگاروں سے ندامت ہو ماحقہ کی توفیق ہو تا بھی نازک برکات میں سے ایک برکت ہے۔)

پس اسے مشہدات اور شہوات کے ماحضیٰ تجلے اللہ کی قسم! کچھ تو اپنی جان کی عبرت۔ اپنے کو اس مقام رفیع اور عظیم الشان درجے سے محروم نہ کر۔ اپنے نفس کو ذلت اور ملامت کے مقام میں کھڑا کر (شہوات پرستی میں آزاد نہ چھوڑ) کیونکہ جو شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرتا ہے اس کی مروت (اُدمیت) زائل ہو جاتی ہے اور دین بد نما ہو جاتا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اُس کا عمل برباد ہے اور جہنم اُس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم (برابر) دوزخ و مکہ یہاں تک کہ (مکہ کو) تاخت کی طرح (داخل) ہو جاؤ اور راتوں کو نواز پڑھو یہاں تک کہ کمان کی طرح (خمیدہ) ہو جاؤ۔ مگر تم اسے اندر وداع (اور تقویٰ) نہ ہو جو رحمت سے (دو کئے) والہ ہو تو یہ اعمال تم کو جہنم سے نہیں بچا سکتے یہ اور جو ان آدمی جب اپنی شہوتوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اب اس کا نفس حمد و قصد کے حاصل کرنے کی توقع کرتا ہے (وہ ان اعمال میں کوشش کرنے لگتا ہے جو جنت میں پہنچانے والے اور جہنم سے روکنے والے ہیں)۔

نوافل کی ترتیب اور تفریق کی حکمت

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عیب حکمت میں غور

تو کہہ کہ آپ نے ان (نفل) نمازوں کو کس عجیب ترتیب کے ساتھ متفرق اوقات میں رکھا ہے۔ اگر آپ ان سب کو ایک ہی وقت میں رکھ دیتے یا ان کا درجہ مقرر فرما دیتے جس میں زیادتی یا کمی نہ ہو سکتی ہو تو اس میں (راست کو) مشقت ہوتی اور شاید بہت لوگ ان رکے پورا کرنے کی قدرت نہ پاتے۔ مگر آپ نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) ان میں سے بعض (فواضل) کو تو فرض نمازوں کے ساتھ رکھا اور جو بعض (فواضل فرض) نمازوں کے ساتھ نہیں ہیں ان کا وقت (بہت) دیر ہے۔ مثلاً رات کی نماز (یعنی تہجد) ایک جانب میں ہے (جس کا وقت بہت ہے) اور چاشت کی نماز طلوع آفتاب سے زوال تک (ایک جانب میں) ہے (اور یہ بھی کافی وقت ہے) پھر اگر کوئی قیام السیل (یعنی تہجد) اور چاشت کی نماز سے عاجز ہو وہ ان نمازوں سے تو عاجز ہو گا جو فرضوں کے ساتھ ہیں۔ یہ تو سب ہی آدمیوں کو آسان ہیں۔ چنانچہ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی نمازی فرض نماز کو ادا کرتے ہوئے اُس سے پہلے اور نیچے نفل نماز نہ پڑھتا ہو اور اگر کوئی ایسا ہو تو وہ (شاذ و نادر کے حکم میں ہے) (اور نادر بشرطہ معدوم کے ہے) جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تم اس لطیف اشارہ پر بھی نظر کرو کہ جب ہم سے اولاً پچاس نمازوں کا مطالبہ کیا گیا پھر فرض پانچ رہ گئیں تو اصل فرض تو یہ پانچ ہی ہیں مگر کمال کا درجہ پچاس ہیں تو جتنی اُس اصل میں جو حکم قطعی سے ثابت ہے کمی رہ گئی تھی اُس کو دوسری اصل سے جو اون مطلوب تھی پورا کر دیا گیا یعنی پانچ فرضوں کے ساتھ پہلے اسیں رکعتیں ملا کر ان کو پچاس کر دیا گیا اور ان کا نام نفل رکھا کیونکہ یہ حتمی (اور لازم) نہیں (بلکہ درجہ کمال حاصل کرنے کے واسطے ہیں) اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ فرمائیں گے میرے بندہ کی نماز کو دیکھو مگر وہ فرض کو پوری طرح بھالایا ہو فیماوردہ دیکھو کہ اگر اس کے پاس کچھ نفل ہوں تو فرض (کی کمی) کو ان سے پورا کر دو۔ تو اُس اصل کو جو فرض ہے دوسری اصل سے جو کہ اولاً وضع کی گئی تھی پورا کر دیا جائے گا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ

ارشاد ہر طرح (صادق آئے گا۔ عابد ل القول لدی۔ کہ میرے یہاں بات نہیں بدلا کرتی۔ چنانچہ گو فرمن نازیں اس وقت پانچ ہیں مگر وہی پچاس بھی ہیں کیونکہ ان کو پانچ کا ثواب پچاس کے برابر کر دیا گیا۔ پھر ان پانچ کی کمی کو بھی نوافل سے پورا کر دیا گیا حالانکہ نفل فرمن کے برابر نہیں مگر چونکہ اتلا پچاس نازیں فرمن ہوئی تھیں اس لیے ۵۴ نفلوں کو بھی فرمن کا درجہ دے دیا گیا۔ اس پر شاید یہ سوال وارد ہو کہ کیا ۵۴ رکعات سے زیادہ کو فرمن کا درجہ نہ دیا جائے گا۔ کیا ان سے فراموش کی کمی کو پورا نہ کیا جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی یہی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام نوافل کو فرمن کا مکمل بنا دیا ہے۔ کیونکہ نفل ہونے میں یہ ۵۴ اور اس سے زیادہ سب برابر ہیں۔

(واللہ ذو الفضل العظیم) قوله اوجه الاول هذا الذي جاء عنه عليه السلام من صفة هذا النفل هل هو تعبد لا يعقل الى قوله في الوجه الثاني في جواب قوله تعلق عابد ل القول لدی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ شارح نے حکمت نفل کے متعلق جس عظیم عقلم کو ظاہر کیا ہے یہ اُن علم میں سے ہے جو صوفیہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور دراصل یہ اسرار کشفیہ ہیں جن کے بیان سے زبان اکثر قاصر رہتی ہے اسی لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے بعض مقامات اہل علم کی نظر میں مخدوش ہوں مگر علوم کشفیہ خود تہ کو مقامات و دلائل کی حاجت نہیں۔ صاحب ذوق کا انشراح صدر اس کے لیے کافی ہے۔

یہاں سے اُن لوگوں کی غلط داغ ہو گئی جو سنن مؤکدہ کے بھالنے میں بھی قابل اور مکمل سے کام لیتے ہیں اُن کو تنبیہ ہو جائے چاہیے کہ وہ اپنے کو بہت بڑے درجے سے محروم کر رہے اور اپنی بھلائی سے غفلت کر رہے ہیں ایسا نہ ہے جو فراموش کو نہ کہ دو کاست خود ہی طرز بھالنا ہو کہ نفل سے اُن کی تکمیل کا محتاج نہ ہو۔ پہلے زمانہ میں ایسے نازی ثاؤ و ناؤ رہتی نہ تھے جو فراموشی کے پہلے اور

بچے کہ نوافل نہ پڑھتے ہوں مگر آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو تکلیفِ معلوۃ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

یہاں سے سادکین کو بہت لین چاہیئے کہ ان کو پانچ فرضوں کے علاوہ کم از کم ۵۰ رکعتیں نوافل کی مع وتر کے پڑھنا چاہئیں تاکہ حقیقتاً دیکھنا ہر طرح ۵۰ نمازیں ادا ہو جائیں کیونکہ طریقِ سلوک، بہادہ، اور کثرتِ عبادت پر منحس ہے ان کو پختہ کس رکعات سے کم نوافل نہ پڑھنا چاہئیں۔ جس کی ایک عورت قودہ ہے جو حضرت شداد نے بیان فرمائی۔ دوسری عورت یہ ہے کہ سننِ مؤکدہ کی بارہ رکعتوں اور وتر کی تین رکعتوں کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھی جائیں۔

حنبلہ کے نزدیک سننِ مؤکدہ کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں فجر سے پہلے چار اور اُس کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ ان کے ساتھ وتر کی تین رکعات ملانے سے مجموعہ عدد پندرہ ہوا۔ ان کے علاوہ تیس رکعات نوافل اس طرح پڑھ لی جائیں کہ مغرب کی سنتوں کے بعد معلوۃ الاذان میں چار رکعات، تہجد، آفرشب میں آٹھ رکعات، معلوۃ الاثراق چار رکعات، عصر سے پہلے دو رکعتیں اور اسی میں خیرۃ المسجد کی نیت کر لی جائے۔ معلوۃ الضحیٰ چار رکعات، ظہر کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں، عشاء سے پہلے دو رکعتیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں۔ اس طرح مجموعہ عدد رکعات نوافل و سنن مع وتر کے پختہ ہوتا ہوگا۔ ان کے ساتھ پانچ فرضِ نوافل مکمل ہونے سے پچاس ناندوں کا عدد پورا ہو جائیگا۔ اگر آفرشب میں تہجد کے لیے بیاد ہونے کی امید نہ ہو تو عشاء کی سنتوں کے بعد وتر سے پہلے یا پچھے ۵ رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ صرف ایک رکعت پر بھی نماز کا اطلاق ہوتا ہے تو ۵۰ نمازیں پورا کرنے کی ایک محنت یہ بھی ہے کہ پانچ فرض اور وتر کی رکعات کا مجموعہ بیست رکعات ہے۔ ان کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھ لی جائیں جن میں بارہ رکعات تو سننِ مؤکدہ کی ہوں اور چار اثراق کی اور ظہر کی دو سنتوں کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں مغرب کی سنتوں کے بعد چار رکعتیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں،

وتر کے بعد نہایت تہجد دو رکعتیں ۔

اگر کسی کو یہ شریب آسان نہ ہو تو جس وقت فرصت زیادہ ہو اُس میں تعداد رکعات بڑھا کر تین کا عدد چار کر دے ۔ مگر جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بعض احادیث کے موافق ہے ۔ مثلاً ایک حدیث قدسی میں ہے :-

ابن آدم اور کبھی ابی ایوب دیکھتے ہیں اول انہما رکعتان آخرہ ۔

” اے ابن آدم ! تو دن کے شروع میں ایسے پلے پھر رکعتیں پڑھ لیا کر ۔“

تیری حفاظت کروں گا ۔

اکثر علماء نے اس حدیث کو نماز اشراق پر محمول کیا ہے ۔ قرذی کی حدیث میں ہے رحمہ اللہ امرأتی قبل العصر ارہنا ۔ جس کا ترجمہ گند چکا ۔ نماز عشاء اور عصر کے بعد چار رکعتوں کی فضیلت ایک حدیث میں گزرد چکی ہے ۔ صلوة اللہ ابین کے بارہ میں افکون ہے کہ چار رکعات عشاء سنت مغرب کے ہیں یا مغرب کی سنتوں کے ساتھ ، اگر کسی کو مغرب کے بعد چار رکعتوں کا وقت نہ ملے تو وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لیا کرے کہ ایک حدیث میں جو آؤ پر گزر چکی ہے عشاء سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت وارد ہے ۔ اسی طرح بعض روایات میں وتر کے بعد دو رکعتیں کو تہجد کا قائم مقام بتلایا گیا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

ف تو ترکیب صلوة کی صورت بھی اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ جملہ افعال و اقوال میں ترکیب کا اہتمام کیا جانے اسی کا نام درج اور تقویٰ ہے جس کے لیے اصطلاح نفس کی ضرورت ہے جو شیخ صوفیاء کی تربیت و تعلیم سے حاصل ہوتی ہے کہ وہی امر اہل قلب کے طیب ہیں ۔

نفس نخواستہ لافعل پر

دامین آن نفس کش است گیر

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں

نہ پڑھتے ، بلکہ گھر میں پڑھتے تھے ۔ اسی طرح جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے

تھے۔ اس میں دانشاظم حکمت یہ تھی کہ مغرب کا وقت تنگ ہے اور مشغولی کا وقت بھی ہے۔ بعض لوگ مزدوری کاموں کو اوجھڑا چھوڑ کر نماز کے لیے آجاتے ہیں جن کو نماز مغرب کے بعد جلدی پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

## مغرب اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں نہ پڑھنے کی حکمت

بعض لوگ اس وقت تھکے ماندے اور بیٹے روزہ دار ہوتے ہیں۔ اگر وہ بول اندھ علیہ السلام مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تو صبا بھی مسجد کے پابند رہتے جس سے بعض کو تکلیف ہوتی جو آپ کو گوارا نہ تھی۔ حضورؐ نے تو فرض مغرب کے متعلق بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر شام کا کھانا ماسخ نہ کر دیا جائے اور نماز کی اقامت ہونے لگے تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ تو نوافل کے لیے اُن کو مسجد کا پابند بنانا آپؐ کیسے گوارا فرماتے؟ اس لیے مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے تاکہ اہل عبادت فرض پڑھتے ہی اپنے گھر چلے جائیں اور مزدوری کاموں سے فارغ ہو کر یا کسی قدر راحت و آرام کے سنتیں پڑھ لیں اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں اس لیے نہ پڑھتے تھے کہ ماواقف لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ دور کثرتِ ظہر کی چادر کشتیں پوری کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر روزہ ملتے بہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ یہ رکعتیں فرض ہیں۔

جیسا بعض علماء کا قول ہے کہ جمعہ کا خطبہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے حالانکہ خطبہ کو نماز سے بظاہر کچھ نسبت نہیں تو ان دو رکعتوں کو تو مزدور ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام سمجھ لیا جاتا۔ کیونکہ نماز کو نماز سے پوری نسبت ہے۔ اب اس میں علماء نے غفلت کو ہے کہ مغرب کی سنتوں کا اور جمعہ کے بعد دو رکعتوں کا مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ سو اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ بول اندھ علیہ السلام نے جس علت کی وجہ سے ان کو گھر میں پڑھا ہے وہ علت دوسروں کے حق میں مفقود ہے۔ لیکن انضال یہی ہے کہ اُن کو گھر میں ہی ادا کیا جائے۔ کیونکہ فضیلت حضورؐ کے اتباع ہی میں ہے۔ اگرچہ علت میں بعض حضرات ان سنتوں کو



مسجد میں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔  
 بعض نے مسجد میں پڑھنے سے منع فرمایا ہے بعض نے جائز کہا ہے۔ مگر جائز کہنے والے بھی  
 یہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے متصل نہ پڑھے بلکہ ایک دروازہ سے نکل کر دوسرے  
 دروازہ سے مسجد میں آکر پڑھ سکتا ہے یا جس جگہ فرمن جمعہ ادا کیا ہے اُس جگہ سے ہٹ  
 کر یہ رکعتیں پڑھے اور اگر جگہ بدلنے میں دشواری ہو تو کم از کم جمعہ کی نماز کے بعد کچھ دیر  
 بیٹھا رہے اور پھر یہ دو رکعتیں پڑھے تاکہ وہ مشبہ جاتا ہے کہ یہ دو رکعتیں نماز ظہر کی  
 چاند چوری کرنے کے لیے ہیں اور اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اُن کا فساد  
 پڑھنا ہی افضل ہے۔ یہ خلاصہ ہے اُس تقریر کا جو علامہ شارح نے اسی مقام پر  
 بیان فرمائی ہے۔

**علماء زمانہ کی شکایت** اس کے بعد اُنہوں نے اپنے زمانہ کے علماء پر  
 افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے متصل  
 یہ رکعتیں پڑھتے ہیں۔ نہ جگہ بدلتے ہیں نہ کچھ توقف کرتے ہیں۔ گویا اُنہوں نے اس  
 حدیث کو اور مسلم کی اس حدیث کو سنا ہی نہیں جس میں وارد ہے کہ ایک شخص جمعہ کی  
 نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ ٹھیس پڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اُس کو اپنی طرف  
 کھینچا اور فرمایا بیٹھ جاؤ پہلے اُنہیں اسی سے برباد ہوئی ہیں کہ وہ نمازوں میں فصل  
 نہ کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قول کی تقریر و تصدیق  
 فرمائی۔ یہ دونوں حدیثیں صحت حدیث کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر بھی علماء  
 زمانہ ان کی معذرت پر غور نہیں کرتے۔ پس علم اور اہل علم کہاں پہلے گئے؟  
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

دین میں کیسی نئی نئی باتیں پیدا ہونے لگیں؟ جن کا زیادہ حق اس جماعت  
 کے ہاتھوں پیدا ہو رہا ہے جو علم کی طرف منسوب ہے۔ ان کے پاس بجز الفاظ  
 نقل کر دینے اور زبردستی بحث و مباحثہ اور فقر و مباحثات کرنے کے کچھ نہیں رہا۔  
 بہتات علم اس طرح حاصل نہیں ہوتا نہ اس کا یہ طریقہ ہے۔ علم تو اتنا بے منت سے



## حدیث

### غزوۃ بنی قریظہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہر کے بعد) غزوۃ احزاب سے (خارج ہو کر) واپس ہونے تو آپ نے ہم سے فرمایا کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر بنو قریظہ (کے محلہ) میں (پہنچ کر یعنی وہاں جوں پہنچو۔ نماز عصر کی وجہ سے تاخیر نہ کرو۔ نماز وہیں جا کر پڑھو) تو (صحابہ یہ حکم سنتے ہی روانہ ہو گئے جن میں سے اکثر تو نماز عصر کے وقت بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ گئے اللہ! ایک جماعت کو راستہ ہی میں عصر کا وقت ہو گیا تو (ان میں دو فریق ہو گئے) بعض نے کہا کہ ہم تو عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں گے ماسے میں نہ پڑھیں گے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد یہی تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے۔ پس ہم کو اس ارشاد کی پوری تعمیل کرنا چاہیے) بعض نے کہا ہم تو (راستہ ہی میں) نماز پڑھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہ تھی کہ نماز کو قطعاً کرو یا وقت مکروہ میں ادا کرو۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نماز عصر کی وجہ سے رواجی میں تاخیر نہ کی جائے۔ سو ہم نے رواجی میں تاخیر نہیں کی بلکہ حکم کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے اور جب ہم نے حکم کی تعمیل کر دی ہے تو اب راستہ میں نماز پڑھنا اور بنو قریظہ کے محلہ میں نماز پڑھنا برابر ہے) پھر (دونوں فریق کی)

اس گفتگو اور معاملات رائے) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے اُن میں سے کسی کو طاعت نہیں فرمائی ۛ

ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف شہسرج جانے کا حکم دیا اور صحابہ نے اس حکم کی تعمیل میں سبقت کی اس پر چنہ درجہ سے کام ہے ۛ

اس حدیث کے فوائد پر گفتگو کرنے سے پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم ہوا تھا۔

سودا واقعہ یہ ہے کہ جب صحابہ غزوہ احزاب سے خلاصہ واقعہ غزوہ خندق واپس ہوئے دجس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کے لیے شرقی جانب میں بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوائی تھی کہ اسی طرف سے مدینہ میں دشمن میں آنے کا راستہ تھا باقی ستیس ہزاروں، ٹیلوں اور لوگوں کے مکانات کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ فوج اُدھر کو نہیں آسکتی تھی۔ ایک ایک دو دو آدمی آسکتے تھے تو اُن کے روکنے کو تیراٹانوں کی مختصر جماعت کافی تھی۔ یہ لڑائی سحر میں ہوئی ہے اُس کے بانی یسود بنی نفیر تھے جو چند سال پہلے مدینہ سے جلا وطن کئے گئے اور خیبر میں جا بے تھے۔ اُنھوں نے کمر ہا کر قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُجماعاً اور یقین دلایا کہ خیبر کے یہودی بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور یہود بنو قریظہ بھی جو مدینہ میں رہتے ہیں ہماری موافقت کریں گے۔ چنانچہ اہل مکہ نے اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ اطراف و جوانب کے دیہاتی بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ مدینہ پہنچتے پہنچتے اُن کی تعداد دس بارہ ہزار ہو گئی۔ بنو قریظہ نے اُن کی کثرت پر بے ہوشہ کر کے مسلمانوں سے فدا رسی کی اور نقصان عمدہ کر کے قریش کے ساتھ ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پسند فرمایا

شرکے اندر وہ کہی مقابلہ کا حکم دیا۔ حکم قریش نے خندق کے پاس قیام کیا۔ کیونکہ شرمیائے مکہ نے کہا کہ اگر خندق کا عرض و ملک دیکھ کر اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کا مجبور کرنا آسان نہ تھا۔ دو چار ہبادوں نے خندق میں گھوڑے ٹالے بھی مگر مسلمانوں کی تیر اندازی نے اُن کو پار ہونے کی سلت زد دی۔ ایک دو ہباد ہمت کر کے پار بھی ہوئے تو حضرت علی اور حضرت زبیرؓ جیسے ہبادوں کی تلواروں نے اُن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب قریش نے خندق کے کنارہ سے مسلمانوں پر تیر بردارنے شروع کئے تو مسلمانوں نے بھی تیر بازی سے اُن کو جواب دیا۔ کئی دن تک اسی طرح مقابلہ رہا۔ سردی کا موسم تھا۔ قریش کا لشکر کھلے میدان میں بڑی سے پریشان تھا۔ اُدھر سامانِ زندگی ختم ہونے لگا تو قریش نے جو قریظہ پر تقاضا کیا کہ تم دینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرو تاکہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں اور ہم خندق کو مجبور کر کے شرمیائے مکہ میں آئیں۔

جو قریظہ نے قریش کی کمزوری اور بے بسی دیکھ کر ان کی موافقت سے پہلوتھی کی اور دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنا چاہی ابھی وہ پیام صلح نہ بھیجنے پائے تھے کہ اُسی رات ٹھنڈی ہوا بڑے زور سے چلی جس سے قریش کے غیموں کی فانیں ٹوٹ گئیں۔ کھلے میدان میں غیموں کی پناہ بھی باقی نہ رہی تو سب سے پہلے ہوسنیان اپنی سائڈنی پر سوار ہو کر گدگد کی طرف بھاگے اُن کو بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ کھج مکہ میدان ہاسل صاف تھا کہ کفار میں سے ایک بھی دینہ کے آس پاس نظر نہ آتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا النِّعَةَ الَّتِي عَلَيْكُمْ إِذْ بَادَوكُمُ جُنُودُ  
فَارِسَانَ عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودُ الْمُشْرِكِ وَهَازِكُمْ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَغِيًّا  
إِلَى قَوْلِهِ وَدِدَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُغْلِبَهُمُ الْكُفْرُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا أَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ (سورة الاحزاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اس فیسی اعداء پر لکڑاؤ فوج ادا کر لیا اور پھر دو دن تک احتیاطاً وہاں قیام کر کے حدیث کا رکھ لیا ( اس وقت مسلمانوں میں کچھ لوگ زخمی بھی تھے جن کو قریش کی تیر بازی سے زخم کالہ لگا تھا آپ ان کو ساتھ لے کر واپس ہوئے ) اور بدن سے ہتھیار رکھوں کر فصل کرنے کا ارادہ فرمایا کہ اسی وقت جبریل علیہ السلام ہتھیار بند تشریف لائے اور کہا کیا آپ ہتھیار رکھنا چاہتے ہیں **ہو کہو** (اگر ابھی تک ہتھیار بند ہیں ) آپ نے فرمایا اب کیا کام رہ گیا ہے جس کے لیے ہتھیار بند رہنے کی ضرورت ہے ) جبریل علیہ السلام نے کہا بنو قریظہ پر حملہ کرنا اور ان کو غناری کی سزا دینا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پہنچا کہ اسی وقت ( بنو قریظہ کی طرف ) چلے ابھی ہتھیار نہ کھولے اور جتنے مسلمان احزاب کے مقابلہ کو گئے تھے ان کو بھی حکم دیجئے کہ اس وقت ( بنو قریظہ کی طرف ) روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ صحابہ روانہ ہو گئے۔ ان میں جو زخمی تھے وہ بھی دو دو آویس کا سامان لیے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ دشمن اسلام ( یعنی احزاب قریش ) نے ( رات کی سوئی سے بے تاب ہو کر اگرچہ راہ فرار اختیار کر لی تھی ) مگر دھوپ نکلنے پر حواس درست ہوئے تو اپنی اس حرکت پر خاموش ہوئے اور دوبارہ لوٹ کر ( حدیث پر حملہ کرنے کی طبع کرنے لگے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ تیر بازی سے مسلمان بہت زخمی ہو چکے ہیں ) اور چارے بھاگنے کی خبر سن کر خندق سے پہرہ بھی اٹھایا گیا ہو گا۔ اب ہم کو دلخذا مدینہ میں شمس جاہا و شوازم ہو گا اور زخم خوردہ لشکر اسلام کو ہمارے مقابلہ کی سکت نہ ہوگی ) وہ یہ خیالات ہی پکارا ہے تھے کہ دفعۃً دیکھی جا سوس وغیرہ کی زبانی ( یہ خبر سن کر کہ مسلمان ( خندق سے واپس ہوتے ہی ) اسی وقت ( بنو قریظہ کے مقابلہ کو ) نکل کھڑے ہوئے ہیں تو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا ( ان کو معلوم ہو گیا کہ لشکر اسلام باوجود زخم خوردہ ہونے کے ان کی طرح بزدل اور کمزور نہیں ہوا ) اُس کے وہی دم غم باقی ہیں ) تو سب ( کٹہری کو ) واپس بھاگے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ( اپنی عنایت اور رحمت سے ) مسلمانوں کے سر سے وہ بھاننا لہی

جوان لوگوں نے مزید پر لوٹ کر حملہ کرنے کی قدرت میں ڈالنا چاہی تھی (یہ تو مختصر حکایت واقعہ تھی اب سمجھو کہ اس سے کیا فائدہ حاصل ہوئے)۔

## کامیابی اور امدادِ غیبی کا بڑا سبب اقبالِ امر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نصرت (اور کامیابی) کا بڑا سبب اقبالِ امر ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالایا جائے) کیونکہ یقیناً یہ زخمی مسلمان جو دو دو آدمیوں کے حملے سے نکلے تھے نہ (دشمن سے) ڈرنے کی طاقت رکھتے تھے نہ کسی کو دفع کر سکتے تھے (معنی تعمیلِ حکم کے لیے نکل کھڑے ہونے تھے) تو جب انہوں نے حکم کے آگے گردن نہ جھکا دی اور معاملہ کو اللہ کی قدرت کے حوالہ کر دیا (اور زبانِ حال سے کہہ دیا کہ جتنا ہماری قدرت میں تھا ہم نے کر دیا آگے جو کچھ ہو گا آپ کی قدرت سے ہو گا) تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایسی مدد کی کہ ہندو لڑے کامیاب ہو گئے۔ ان کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا حضرت صحابہ نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے صحت اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں اور نصرت (و کامیابی) محض اللہ کے (فضل و) انعام سے ہوتی ہے جو وہ اپنے اس ارشاد کی تصدیق کے لیے عطا فرماتے ہیں: دکانِ حفاہینِ نصرۃ فیضِ

”مسلمانوں کی مدد کرتا ہمارے ذمہ لازم ہے“ (جس کا معنی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے۔ اس میں بندہ کا کچھ دخل نہیں۔ اس کا کام تو تعمیلِ حکم ہے۔ انقیاد اور تسلیم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کامیابی عطا فرماتے ہیں) اور اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ قیامت تک یہی رہے گا کہ جو اُس کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اُس کی مدد کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر کس کی بات سچی (ہو سکتی) ہے؟ (اس پر سنت اللہ بدل نہیں سکتی اگر کسی جگہ دشمن کے مقابلہ میں باوجود مجاہد اسباب کامیابی جمع ہونے کے مسلمان ناکام رہے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بھلا اور نئی حکام میں اُن سے کوتاہی ہوئی ہے، بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ

اُس کے حکم کی تعمیل کرے اور جس بات سے منع کر دیا گیا ہے اُس سے پرہیز کرے۔  
 (اور درحقیقت یہ خود بندہ کی طرف سے اپنی مدد ہے کیونکہ تعمیل احکام اور اجتناب حرم سے  
 جو کچھ منع ہے بندہ ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ اس کی اطاعت سے کچھ نفع نہ مصیبت سے  
 کوئی نقصان، مگر یہ بھی اُن کی طرف سے نعمت پر نعمت ہے کہ اس کو اپنی نصرت فرما دیا۔  
 حالانکہ وہ اس سے بری ہیں کہ کوئی اُن کی مدد کرے )

**ف** ہمارے جڑ گونا کار شاد ہے کہ شمر غائبندہ سے عمل مقصود ہے۔ کامیابی مقصود  
 نہیں کیونکہ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں اس کے اختیار میں عمل ہے۔ پس  
 عمل ہی کو مقصود کہنا چاہیئے۔ ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہیئے۔ جس شخص کا عمل مرضی الہی کے  
 موافق ہے وہ ظاہری ناکامی کی حالت میں بھی کامیاب ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی  
 کامیابی رضائے حق ہے اور وہ اس کو حاصل ہے۔ اس بات کو ہمیشہ نظر رکھنے سے  
 تمام پریشانیوں کا تلخ قلعہ ہو جاتا ہے۔ سائیکین میں زیادہ تر پریشانی وہ ہیں جو عمل  
 کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ خاص حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں جن کو وصل اور  
 وصول اور کامیابی کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حالات اور کیفیات بندہ کے  
 اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیار کے درجے ہونا پریشانی ٹھول لینا ہے۔ پس اُن  
 کو تکمیل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیئے جو اُن کے اختیار میں ہے جس کا ان کو مکلف  
 کیا گیا ہے۔ جب عمل کامل ہو جاتا ہے تو عادتہ اللہ یہ ہے کہ وصول و کامیابی عطا  
 ہو جاتی ہے اور تکمیل اعمال کا طریقہ یہ ہے کہ آداب ظاہرہ کو بھی ادا کیا جائے جو  
 علمائے شریعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آداب باطنی کی بھی پوری رعایت کی  
 جانے جو مشائخ طریق سے معلوم ہوں گے۔

آداب باطنی میں بڑا آداب یہ ہے کہ عمل دیا سے پاک ہو۔ رضائے حق کے سوا  
 اُس سے کچھ مقصود نہ ہو اور عمل کے بعد دل میں تواضع ہو۔ جب پیدا نہ ہو کہ میں  
 نے اتنا بڑا کام کیا بلکہ عمل کو اللہ کا فضل سمجھے اپنا کمال نہ سمجھے۔ اعمال صالحہ سے طبعاً  
 فرصت اور مسرت کا ہونا عجب نہیں یہ تو عمل صالح کی خاصیت ہے کہ اُس سے فرصت



دنیا ط اور عبادت باطن حاصل ہوتی ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمۃ فیذلت فیلیفہوا  
جیسا کہ وہی یہ خاصیت ہے کہ اُس سے عوس کے دل کو رنگ اور پریشانی ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے :

”اذا امرت بالحق والعدل فانت فاضل“

مجب یہ ہے کہ عمل کو اپنا کمال سمجھے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ دوسروں سے  
جو اُس کے برابر عمل نہیں کرتے اپنے کو افضل سمجھے اور یہ آداب ظاہرہ و باطنہ جیسا  
مباہرہ باطن میں ہیں۔ اسی طرح عباد ظاہرہ میں بھی ہیں۔ مسلمانوں کو عباد ظاہرہ میں  
بھی ان آداب کی رعایت کرنا چاہیئے۔ مثلاً ظاہری ادب یہ ہے کہ فتویٰ شرعی سے  
جماد کی اجازت ہو اور جن شرائط کے ساتھ جماد مشروط ہے وہ سب ملحوظ رکھیں اور  
باطنی ادب یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے جو کچھ مقصود نہ ہو۔

یہاں سے سیاسی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ  
ف نعرۃ الفی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کے حق میں اقبال حکم ہے۔ مسلمان  
کو اسی طرح کامیاب ہو سکتا ہے مگر جماد سے سیاست دان اس سب سے بڑے سبب  
کا تو اہتمام نہیں کرتے۔ دوسرے اسباب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ بعض دفعہ مسلمان بھی تو باوجود اصلاح اعمال کے ناکام  
ہو گئے ہیں کامیاب نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک انفرادی جو  
بر شخص کی ذات سے الگ جگہ متعلق ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے عمل کی اصلاح سے  
کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرے اجتماعی جو مسلمانوں کے اجتماع سے متعلق ہیں۔ انفرادی  
احمال میں مسلمان کسی ناکام نہیں ہوتے جبکہ اشتغال حکم میں انہوں نے کوتاہی نہ کی ہو  
اور اجتماعی اعمال میں کامیابی کے لیے تناسلہ کا اصلاح عمل کافی نہیں بلکہ جماعت کی  
جماعت کا عمل درست ہونا چاہیئے یا کم از کم ان میں سے اکثر کا عمل درست ہو۔  
اگر یہ نہ ہوگا اکثر کا عمل مضمی حق کے خلاف ہوگا تو نفرت و کامیابی لازم نہیں۔  
لیکن اس صورت میں اگر ناکامی ہوئی تو جماعت ہی کو ناکام کہا جائے گا ہر شخص کو ناکام

ذکرا جانے گا۔ کیونکہ جن کا عمل مرضی حق کے موافق متادہ اُس وقت بھی حقیقت نہ  
کا نیاب ہوں گے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے ایسے ہی موقع پر ایک شخص کو جواب دیا تھا جس نے بطور  
ظہن کے دریافت کیا تھا کہ آپ کے بزرگوں کی جدوجہد سے کیا حاصل ہوا؟ فرمایا ہے  
سودا قمار عشق میں شیریں کما سے کوہ کن  
بازی اگر چلے نہ سکا سر تو کھو سکا  
کس مزے لپے آپ کو کتنا ہے عشق باز  
اسے دوسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

دہا یہ سوال کو جماعت کی جماعت کے اعمال کی اصلاح تو بہت دشوار ہے۔ اس  
شرط کے تو یہ معنی ہونے کے مسلمان کسی وقت بھی کسی اجتماعی عمل میں کامیاب نہ ہو سکیں گے،  
جواب یہ ہے کہ کسی اجتماعی عمل میں کامیابی کے لیے زمانہ ماضی اور مستقبل میں اعمال کا  
درست ہونا شرط نہیں اگرچہ کمال نلاح اسی سے وابستہ ہے بلکہ حالت موجودہ میں  
اصولاً عمل شرط ہے اور یہ کچھ دشوار نہیں کیونکہ سچی توبہ سے ایک منٹ میں پچھلے گنہ  
معاف ہو سکتے ہیں۔

پس جب مسلمان کسی اجتماعی عمل کو شروع کرنا چاہیں اُس وقت سب سے  
پہلے اُن کا امیر حق تعالیٰ کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے۔ پھر  
سب مسلمانوں سے کہے کہ ہر شخص سچے دل سے توبہ کرے، اس کے بعد حالت عمل  
میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ گناہوں سے الگ رہیں انشاء اللہ  
کامیابی اُن کے قدم پڑے گی۔ پس جہاں دوسرے اسباب کے لیے جدوجہد  
کی جاتی ہے اس سب سے بڑے سبب کے لیے بھی تھوڑی سی کوشش کرنی جایا  
کرے تو کیا حرج ہے؟

شاید اس مقام پر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ امام حسین علیہ السلام  
جماعتِ جریہ کے مقابلہ میں کیوں ناکام ہوئے۔ وہ تو انتہائی مقام میں اُس وقت

سب سے بڑے بٹے تھے اور اُن کے ہمراہی بھی سب ملحق تھے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ نفرت اور کامیابی کے لیے امثالِ حکم بہت بڑا سبب ہے مگر تنہا یہی کافی نہیں بلکہ دوسرے اسباب کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اہل حق کی جماعت سے اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ نہ ہو۔ اہل حق کے پاس مسلمان رسد وغیرہ کی کمی نہ ہو۔ اگر اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ ہو یا اہل حق کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ ہو۔ نہ کہیں سے مسلمان رسد کے آنے کی امید ہو تو اُس وقت اہل حق کو میدان سے بھاگ جانے یا دشمن سے ذب کر صلح کر لینے کی اجازت ہے اور صبرِ دفعہ ایسا کرنا واجب ہے جبکہ مقابلے سے مسلمانوں سے نفع پہنچنے کی امید نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت امام کی جماعت اہل باطل کی جماعت کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ بچے بڑے سب ملا کر بیاسی آدمی تھے اور لشکرِ یزید چار ہزار سے بھی زیادہ تھا۔ پھر حضرت امام کی جماعت کا پانی بند کر دیا گیا تھا۔ سب کے سب پیاسے تھے۔ اس حالت میں مقابلے کے بجائے اسبابِ مجتمع نہ تھے۔ اس لیے حضرت امام کو شرعاً وہاں سے بھاگ جانے یا صلح کرنے کی اجازت تھی۔ بھاگنے کا تو راستہ بند تھا کیونکہ دشمن نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا، صلح کے لیے حضرت امام نے پیام بھیجا تو غلاموں نے اس کو بھی ٹھکرا دیا۔

اب حضرت امام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا یزید کی بیعت قبول کرنا یا اپنے اور اس حالت میں شرعاً اس کی اجازت تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ نے اسی وجہ سے اُس کی بیعت قبول کر لی تھی کہ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ پاتے تھے یا باطل کو نہ بچا دکھانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے شرعاً اس کی بھی اُن کو اجازت تھی۔ کیونکہ اس صورت میں اگرچہ بظاہر اہل حق کو کچھ فائدہ نہ تھا۔ مگر باطل اہل حق اور اہل باطل سب کو یہ نفع پہنچنے کی توقع تھی کہ اہل حق کو باطل کے سامنے سرنگوں ہونے سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو جائے گی۔ ان کہ ہمیں اللہ حق کے لیے بلند ہو جائیں گی اور جماعتِ یزید کو اپنا برسرِ باطل ہونا واضح ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی دوسری صورت

کی اختیار فرمایا اور تاریخ شاید ہے کہ قتل امام حسینؑ کے بعد یزید اور جماعت یزید سب کے سب عائد اہل سلام کی نظروں میں ایسے ذلیل و خوار ہونے کہ ان کو کسی سے اٹکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بہر طرے سے اُن پر نفرت و نفرت کے گولے برستے تھے و شرم کے باد سے کسی جگہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

شہادتِ امام نے اہل باطل کا باطل پر ہونا اچھی طرح دنیا پر روشن کر دیا اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسر بالمعوت وخی عن المنکر میں اگر جان کا خطرہ ہو تو صاحبِ حق کو تنہا اپنی جان پر کھیل جانے کی اجازت ہے اس کو لقا، نفس فی ہتک نہ کیا جائے گا کیونکہ اس سے گونا گویا ہر چیز اہل حق کو نفع نہ ہو مگر باطن مسلمانوں کو اصلاح عقیدہ کا فائدہ حاصل ہو گا کہ منکر کا منکر ہونا اور بدعت کا بدعت اور قبیح ہونا سب مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا۔ کفار کے مقابلے میں اس طرح جان پر کھینا جائز نہیں کیونکہ اس سے نہ مسلمانوں کو کچھ نفع ہے نہ اصلاح عقیدہ کفار کی توجیح اور اگر کسی وقت کوئی نفع مشعور ہو۔ مثلاً یہ کہ اس سے کفار کے دلوں میں ہیبت و رعب قائم ہو تا ہو یا اُن کی افاعت ہو کہ مسلمانوں کی جان بازی سے اُن کے دل جلیں تو وہاں بھی اس کی اجازت ہے۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔ امید ہے کہ اب اس مقام پر کوئی اشکال باقی نہ رہا ہو گا۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امتثال احکام سے نفرت کا وعدہ کفار کے مقابلہ میں ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں۔ اگر مسلمان باہم قتال کریں تو صلحاء کا غلبہ لازم نہیں۔ و فیہ حافیہ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہاں سے یہ بھی معلوم  
(۱۱۲) فحوی کلام بھی بمنزلہ نص کے ہے

طرح عمل واجب ہے جیسا نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ فحوی کلام وہ ہے جو کلام کی قوت (الذہن تکیہ اور قرینہ عمل) سے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے یہ فرمایا کہ جو قرینہ کی طرف ودانہ ہو جائیں تو وہ سمجھ گئے کہ مقصود

آل کے لیے نکلا ہے اس لیے آپ نے مقصود کو ملاحظہ بیان نہیں فرمایا۔ کیونکہ قرب کام سے صحابہ آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

## جہاد نفس اور جہاد شیطان میں کامیابی کا طریقہ التجا ہے

یہ تو جہاد صغر کے متعلق حکم تھا جس میں دشمن سے (یعنی کافروں سے) مقابلہ ہوتا ہے۔ یہی حکم جہاد اکبر کا ہے جس میں نفس کے ساتھ جہاد ہوتا ہے۔ کہ اس میں بھی امداد فیی اور کامیابی کا بڑا سبب امتثالِ امر ہے، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے :

و اما یَنْفِتْ مِنْ الشَّيْطَانِ نَزْعًا فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسرا پریشان کرے تو اللہ کی پناہ طلب کیجئے ۛ

اس میں جہاد نفس اور جہاد شیطان کے لیے اللہ کی طرف التجا کو کامیابی کا سبب بتلایا گیا ہے کیونکہ، حالت جس قدر سنگین ہوتی ہے اُسی کے مناسب کامیابی کا ذریعہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان اور نفس کا معاملہ زیادہ سنگین ہے تو اُس کے مقابلے میں کامیابی کا ذریعہ محض التجا قرار دیا گیا ذکر اللہ کی پناہ طلب کرو، اللہ کی طرف ہر تن متوجہ ہو جاؤ، جیسا نفس کے مقابلہ میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق مجاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

”اور جو لوگ ہمارے واسطے (اپنے نفس سے) مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (رضا و قرب) کے راستے دکھا دیتے ہیں ۛ

اور اس مجاہدہ میں امداد (فیی) کا ذریعہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے نئے دل سے مدد مانگو (تو اس کا مال بھی استمناؤہ والتجا کی طرف پُورا) چنانچہ ارشاد ہے :

اِنَّ نَعْدَدُ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اے اللہ ! ہم آپ ہی عبادت کرتے ہیں دیر تو

مہابد نفس ہوا اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یہ التجا ہوئی جو مجاہد میں کامیابی کا وسیلہ ہے) اسی لیے بعض اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے (خدا کی قسم کی ہو) ظاہری یا باطنی تو میں التجا میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ پھر اُس کی پرواہ میں کرتا اور التجا کے چند طریقے ہیں ایک یہ کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ارشاد فرمایا ہے :

من شغله ذكرى من مثالى أعطيت ثوابه فضل ما اعطى السائلين

۔ جو شخص میری یاد میں ایسا مشغول ہو جائے کہ مجھ سے مانگنے (اور دُعا کرنے) کی بھی

اسے فرصت نہ ہو انیس اُس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں ۲

(اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہر تن مشغول ہو جانا بھی التجا کی ایک فرد ہے) ایک نکتہ یہ ہے کہ صدقہ (خیرات) کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے استعينوا على حوائجكم بالصدقة اپنی حاجات میں دُعا کرنا یا ہونے کے لیے صدقہ سے مدد لو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دُعا میں مشغول ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من الهمم الدعاء فقد فتن عليه ابواب الخير۔ جس کو دعا کی توفیق ہو گئی اُس پر خیر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اگر ان (تینوں) کے مجہود کو اختیار کر لیا جائے پھر تو کیا پُچھنا؟ کیونکہ اہل توفیق کامشاہدہ ہے کہ خیر (حاصل ہونے) کا جو سبب بھی ہے وہ عین خیر ہے قولہ ابو جہ

الحامس نية دليل على ان فخرى الكلام الى قوله هو عين الخير۔

یہ مضمون آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے جو لوگ اللہ نے سلوک میں کسی عیب میں مبتلا ہو جائیں یا اور کسی قسم کی پریشانی پیش آئے اُن کو اسباب سے کام لینا چاہیے۔ ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی۔ جنتنا اللہ معن جنتہ منظرنا بلراد منصور و جنتنا کو باخا کلفا ہما و منشورا۔

(۱۱۳) **نفس کا مُردہ ہونا، اسی حیات سے** کی کمی دین ہے کیونکہ وہ فراتے ہیں کہ نفس کا مُردہ ہی اُس کی زندگی ہے۔ جو شخص حیات کا غالب ہو اُسے مُردہ بن جاہ چاہئے (اس مطلب کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے موتِ قبیلین سے موتِ اُمر سے پہلے ہی مر جاؤ۔

یعنی ظاہری موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو مُردہ بدست زندہ بنادو۔ اپنے ارادہ و اختیار و تجویز اور دعوے کو فنا کر دو) کیونکہ حضراتِ مصابہ کی نظر میں جب اپنے نفس کی کچھ وقتِ ذرہ ہی اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں موت پر راضی ہو کر غل کھڑے ہوئے۔ کیونکہ جو شخص اس حالت سے نکلے گا جو ہم نے مصابہ کی حالت اُوپر بیان کی ہے وہ موت ہی کے ارادے سے نکلے گا تو وہ اُسی وقت نصرت (اور کامیابی) اور ثواب و سلامتی کے کامیاب ہو گئے۔

## جس نے جو دولتِ باطنی پائی ذلتِ نفس سے پائی

یہی اہلِ توفیق کا حال ہے کہ انہوں نے جو کچھ پایا اسی سے پایا ہے کہ اُن کی نظروں میں اپنے نفس کی کچھ قدر و قیمت باقی نہیں رہی اور وہ دہر رقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان دینے کو تیار رہے ہیں اور اہلِ دنیا اپنے نفس کی محبت سے ذلیل ہو گئے۔ اُن کے لیے یہاں بھی ذلتِ لازم ہو گئی اور وہاں بھی۔

حدیث میں وارد ہے کہ ہر بندہ کے سر میں اُس کی (عقل و) حکمت ہے (جس کی باگِ مع) لڑنے کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ ہڑائی اور بے بسی کا

---

عہد میں کوئی مفادِ اہلِ کُفر پھٹ گیا ہے یہی نے اپنے ذوق سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔

فان کان سواہ فممنع اللہ ومن دسولہ وان ان سطا فممنع ومن الشيطان ۱۳ ظ

دعوت کرنے لگتا ہے تو فرشتہ اُس کے سر پر چوٹ لگا کر کہتا ہے :  
 ” بہت ہو جا خدا تجھے ذلیل کرے !! اور اگر تواضع اختیار کرے تو فرشتہ  
 — کہتا ہے :  
 ” بلند ہو جا ! خدا تجھے رفعت (وعزت) دے ۔  
 اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے وہ دولت عطا فرمائیں جس سے اللہ تعالیٰ  
 ہم کو اپنا مقرب بنالیں ۔ ( آمین )  
 قوله الوجه السادس في دليل موثق الى قوله من الله  
 غلبنا بسابه يقربنا اليه بمعنه ”





## باب پنجم دہنتم

### حدیث

### السنة يوم عيد الفطر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میدگاہ کو) عید الفطر کے دن اُس وقت تک نہ جاتے جب تک چند چھوڑے نہ کھا لیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اُن کو عدد طاق کی رعایت سے تناول فرماتے (مثلاً تین یا پانچ یا سات)

**شرح** ظاہر حدیث یہ ہے کہ عید الفطر میں سنت یہ ہے کہ کوئی شخص عید گاہ کو چاروں کچھ کھائے نہ جائے اور مستحب یہ ہے کہ چھوڑے کھائے جائیں اور اُن میں عدد طاق کی رعایت کی جائے۔ اس پر چند وجوہ سے غلام ہے۔

(۱۱۴) چھوڑے (اور کھجور) بدینہ والوں کے لیے سب چیزوں سے زیادہ آسان (اور سہل الحصول) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کو پسند فرماتے تھے جو آسان (اور سہل الحصول) ہو (اس لیے آپ عید کے دن چند چھوڑے خوش فیر کر ناز کو چلے جاتے)

اس سے یہ مسئلہ معلوم کھانے پینے میں تکلف خلافِ سنت ہے ہوا کہ اس دن اشتہ

کے لیے تکلف کرنا خلافِ سنت ہے۔ کیونکہ دل کسی میں مشغول رہے گا اور سیدہ رسول انصر علیہ السلام اور حضراتِ مہابہ کو جبری فکرِ آخرت کی قہقہے یہاں ٹپس کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ اپنے مگردانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تاویسا بناؤ جو پہا جاسکے۔ ایسا بناؤ جسے کھانے (اور چبانے) کی ضرورت ہو کیونکہ کھانے اور پینے (کی مدت) میں اتنی اتنی آجیوں کا فرق ہے (یعنی کھانے میں زیادہ دیر لگتی ہے جس سے تلاوتِ قرآن کا رخا ہوتا ہے پینے میں زیادہ دیر نہیں لگتی) پس یہ حضرات دُعا کو بقدر ضرورت ہی لیتے تھے۔

قوله فی - الوجه الثاني منها انها لا تسر الاشياء عند ههنا الى قوله

فما كان من ان الله عيسى ياتى. ومن الدنيا لا تدر العزود -

اس سنت پر سے زیادہ عملِ حضراتِ مومنین کا ہے وہ بھی دنیا بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں سانس میں تکلف نہیں کرتے جو آسانی سے بلا مشقت و طلب میسر ہو اسی پر راحت کرتے ہیں۔

(۵) خیر حقیقی استمال امر ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ (ہر حال میں) استمال امر ہی حقیقی خبر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا غلط

ہو۔ اگر استمال امر میں خواہشِ نفس کی موافقت بھی ہو جیسا یاں ہے (دکوعید کے دن سویرے ہی کچھ کالینا سنت ہے اور یہ سنت خواہشِ نفس کے موافق ہے) اس کے سوا اور جو موافق اُس کے مشابہ ہوں تو یہ بھی منجملہ نعمتوں کے (ایک بڑی نعمت) ہے کیونکہ اس وقت نفس اپنی خواہش کو بھی پورا کرتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے یہاں تک کہ رفاذ کے بعد اپنی ہری یا قربانی کو ذبح فرماتے (پھر اُس میں سے کھاتے) اور قربانی میں سے بھی سب سے پہلے خوشنہ بکرتا دل فرماتے کیونکہ یوم النحر میں جملہ اعمال

عہ ہذہ ترجیح قرار زیلۃ الکبر و فی مختصرنا من نائحة الکب عینہ من مغیر الی جانہ سنجہ و ما

سے افضل امانۃ الہم (میں قربانی کرنا) ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پا جئے تھے کہ جس چیز کو اللہ تمہارے پسند فرماتے ہیں اسی کو پہلے تناول کیا جائے (اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بعض دلوں اُن افعال میں بھی ثواب ملتا ہے جو خواہش نفس کے موافق ہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ یہ ضرور عین کہ ثواب اُسی کام میں ملتا ہے جو نفس کے خلاف ہو)۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے گوشت و جگر کیوں کھاتے تھے؟ تو واللہ اعلم اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل جنت کے ساتھ تشبہ ہو جائے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلا کھانا جو خلیفہ کھائیں گے اُس پھل کا گوشت و جگر ہو گا جس پر تمام زمینوں کا مدار ہے (اور یہ بھی احتمال ہے کہ کبھی جلدی تیار ہو جاتی ہے گوشت کے پکے میں دیر ہوتی ہے اس لیے آپ پہلے کبھی تناول فرما لیتے تاکہ زیادہ دیر تک بھوکا رہنے سے تکلیف نہ ہو۔

**مذمت مخالف سنت و تہذیب عادت** یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل کے اہل تنم دنیا داروں کا یہ طریقہ یہ کہ عید الاضحیٰ کی رات میں پہلے سے گوشت تیار کرتے اور قسم قسم کے کھانے پکاتے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی کھا لیتے ہیں سنت کے خلاف ہے۔ یہ تو اُن کا حال ہے جو قربانی کرتے ہیں اور بہت سے تو قربانی چھوڑ کر سنت کی مخالفت کرتے ہیں کہ (باوجود صاحب نصاب ہونے کے قربانی نہیں کرتے) غرض بعض دفعہ شریعت کے اچھے کام بھی اُن بدعتوں اور مخالفتوں سے رنگ مٹنے جاتے ہیں جن کو لوگوں نے اپنا دستورِ عمل بن لیا ہے (چنانچہ قربانی کرنا سنت ہے مگر اس کو سنت کے موافق ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ دواج کے موافق ادا کیا جاتا ہے کہ قربانی سے پہلے ہی انواع و اقسام کے کھانے تیار کر کے کھانے جاتے ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھایا جائے) اور یہ لوگ بطور بہت کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت (اور قوم کا دواج) یوں ہی ہے مگر ایسے لوگوں

کو ہم آدمی کس طرح کہیں جو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑتے اور اپنی بُری عادتوں کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔

قوله الوجه اما انت فيه من النفع ان حقيقة الخير هو نفس الامثال  
ان قوله ويؤثرون عادة نفوسهم اذ ميمه -

یہ ہے نعمتِ حقیقی کہ آدمی اپنی اصل میں بھی اتباعِ سنت کا اہتمام کیا جائے۔  
**ف** صوفیہ متقیین کے نزدیک وہ لوگ آدمی نہیں جو سنتِ نبویہ کو چھڑ کر دم دردمی  
کو اُس پر ترجیح دیں۔ واللہ المستعان۔

یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ثواب کا مدار مخالفتِ نفس ہی پر  
کچھ بٹوتے ہیں۔ حالانکہ مدارِ فضیلتِ امثالِ سر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا غلط  
ہو خوب سمجھ لو۔



## حدیث

### العمل فی ایام التشریق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی زمانے میں عمل کرنا ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں اور ایام تشریق ہیں) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اور جہاد بھی نہیں فرمایا! جہاد بھی نہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال دے پھر کچھ ٹیکرٹا پس نہ ہو۔  
 ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ کسی زمانے میں عمل کرنا ایام تشریق کے عمل شمع کے برابر ہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔ اس پر چند وجہ سے کلام ہے۔

ایام عید عبادت کے لیے ہیں اور ولعب کے لیے نہیں ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایام اگرچہ عید کے دن ہیں مگر عبادت کے لیے (۱۱۹) ہیں اور ولعب کے لیے نہیں۔ تو آج کل جو سیر و گیاں ان دنوں میں کی جاتی ہیں وہ اس حدیث سے منوفا ہیں۔

اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اجتماع کرے لکھنا عید و نہ ولعب ہی نہ۔ ہر امت کی ایک عید (چھٹی) ہے اور یہ دن

ہماری عید کا ہے تو (اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے ساتھ) اُن کالوں کو بھی تو بتلادیا ہے جو ان دونوں میں جائز کئے گئے ہیں۔  
 (اتنے ہی پرکتھانیں کیا کہ یہ دن ہماری عید کا ہے) چنانچہ ارشاد فرمایا:  
 انعامی ایام اکل و شرب و ذکر اللہ۔ بس یہ دن کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے ہیں ۛ

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی عید دوسری قوموں کی عید کی طرح نمود و لعب کی عید نہیں بلکہ ذکر اللہ کی عید ہے) نیز ارشاد فرمایا افضل ما یعمل فیہا اور افضل اللہ ماہ سب سے افضل محل جو ان دونوں میں کیا جاتا ہے خون ہانا (یعنی قربانی کرنا) ہے اور اس میں سخت یہ ہے کہ اپنی قربانی میں سے خود بھی کھائے۔ صحت بھی کرے (دوستوں عزیزوں کو) ہدیہ بھی دے۔ غرض ان دونوں میں سب سے اعلیٰ عبادت مشروع کی گئی ہے یعنی ذکر اللہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:  
 ما عمل آدمی عبداً لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

ۛ آدمی کوئی عمل اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں کرتا ۛ

اور قربانی میں مال کا خرچ کرنا بھی مشروع کیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تناضوا فی الشانہا فلما مطاکمہ الی الجنۃ۔ قربانی کی قیمتوں میں دل کو مل کر خرچ کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے (پہنچانے کے لیے) تہدی سواریاں ہیں۔ اور قربانی میں صدقہ بھی مشروع کیا گیا اور صدقہ جیسا حدیث میں ہے تطفئ غضب الرب اللہ کے غصہ کو کم کرتا ہے۔ بس ان دونوں میں جس بہانہ نفس سے منع کیا گیا ہے وہ مرتد و زہ ہے اور کچھ نہیں۔ باقی عبادات سب معصوب ہیں خواہ و جربا یا استجباباً کیونکہ فرض (واجب) تو بشرط قدرت کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتا نہ عید میں نہ اور دونوں میں اور یہ حدیث (جو اس باب میں مذکور ہے) تمام مستحبات کی ترفیع دیتی ہے اور ان ایام میں اُن کے ادا

کرنے کو دوسرے ایام سے افضل بنکا رہی ہے جس سے تاکید مقصود ہے کہ ان ایام میں دوسرے دنوں سے زیادہ سجدات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان ایام کا ہر عمل جہاد سے بھی افضل ہے۔

## اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے یا ایک

ان ایام میں اعمال کی فضیلت کسی علت کی بناء پر ہے یا تنہا محض ہے (جس کی کوئی علت نہیں) تو (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ایک علت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ قواعد شریعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے جیسا مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہے کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت کا وقت ہے اسی طرح قیام طویل (اور تنہا) کی فضیلت کہ وہ بھی غفلت کا وقت ہے لوگ اس وقت غفلت اور زنیہ میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی فضیلت کیونکہ اس وقت بھی لوگ اپنے اسباب (معاش) میں غافل ہوتے ہیں۔ غرض ایسی بہت نظیریں ہیں (جن سے اوقات غفلت میں عبادت کی فضیلت ثابت ہے) تو چونکہ یہ ایام عید بھی کہلنے پینے اور نفس کی راحت کے دن ہیں اس لیے ان دنوں میں لوگوں پر زینہ اور غفلت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے (تو جس شخص ان دنوں میں عبادت اور ذکر میں لگا رہے گا اس کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔)

## عیدین یا نکاح میں دفن بجانا جائز ہے یا نہیں ؟

باقی آج کل تو نیک کاموں سے دفن ہی اُٹھ گئی۔ اب تو ان دنوں کو لمبوس اور حرام کاموں کے لیے خاص کر لیا گیا ہے اور حجت کے طہ پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید کے دن) حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس قبیلہ بنو النجار کی چھوکر یاں لگا رہی اور (دن بجا رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف پشت کر کے اپنے بستر پر لیٹ

مجھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو توڑکیوں کو دھمکایا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطان کا باجہ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ان کو (اپنے حال پر) رہنے دو۔ کیونکہ یہ عید کا دن ہے (ان کو بھی اپنا جی خوش کرنے دو) اگر یہ حدیث سچا ہو تب بھی اس میں (جواز لہو و لب کے لیے) کچھ حجت نہیں کیونکہ (بظاہر) واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے۔ اُس وقت تو شراب بھی حلال تھی، سود بھی حلال تھا، جوا بھی جائز تھا اور بہت سے فرائض اس وقت تک فرض نہ ہوئے تھے۔ پھر حکم اس کے خلاف جاری ہوا اور شراب و ربا و قمار حرام کر دیئے گئے اور بہت سے فرائض لازم کرنے لگے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انفاہشت بکس الدف والمزمار "نہیں تو ڈھپڑوں اور باجوں کو توڑنے کو مہوٹ ہوا ہوں"۔

یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم (مجلس سے) نکلے اور بچوں کے ہاتھوں سے دف اور ہارے چھین کر توڑنے لگے تو جن چیزوں کی اباست ابتدائے اسلام میں حسن لہو و لب سے معلوم ہوتی ہے پھر بعد میں اُن کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اُن احادیث سے یہ بہت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سنو بخ جو سچی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے :

لہو المؤمن لا یكون الا فی ثلاث فی رعبہ من قعہ و تلذیہ لفرسہ و ملاعبۃ لاهلہ ۔

• کہ مومن کا لہو (و لعب) تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا (۱) کان کے ساتھ تیرا انداز کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستہ کرنا (۳) اپنی بیوی سے دل لگی کرنا (اُس کے ساتھ کھینچنا) پھر ان تین پر چرخی چیز کا اضافہ کیسے ہو سکتا ہے !

عہ احقر کہہ کر یقیناً کہہ خدا انکرمہ الشیطان وغیرہما = ۵



اور اس معنوں میں بہت حدیثیں (وارد) ہیں (کہ ان تین کے سوا) (لو ولعب ہل ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

ومن الناس من يَشْرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ  
.. بعض لوگ (لو) (ولعب) کی باتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کریں یا

پس (لو) شرفاً منوع ہے عیدین ہو یا غیر عیدین سوا اُس کے جو ہم نے ابھی بیان کیا (اور وہ بھی بعض صورتوں میں ہے حقیقتہً (لو) عینیں۔ کیونکہ تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری جملہ میں کار آمد ہے اور بچوں کے ساتھ دل لگی ہنسی کرنے میں اُس کی دلجوئی ہے جس سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور زوجین میں باہم تعلق محبت ہونا مصالح نکاح کی بنیاد ہے)

الوجه الاول معنا ان فيه دلالة على ان هذه الايام وان كانت ايام عید  
الى قوله والله هو مستخرج من شرفاً الاما ذكرنا في انشا۔

مزا میر کی حرمت پر تو فقہاء کا اتفاق ہے اور دن کے متعلق جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ عیدین میں اور نکاح اور خوشی کے موقع میں جائز ہے بشرطیکہ دیسے ہی بے قاعدہ بہادیا جائے۔ قواعد موسیقی کے طریقہ پر طریقہ کے ساتھ نہ ہو کیونکہ آثارِ سماویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مواقع سرور میں بالخصوص نکاح میں دن کی اجازت دی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو لڑکیاں دن بجا رہی تھیں وہ باقاعدہ گانے والیاں نہیں تھیں۔

حدیث میں تصریح ہے وجادیتان تغنیان ولیتا بہ غنیتین کہ دو لڑکیاں گاد رہی تھیں اور وہ گانے والیاں نہ تھیں۔ اور فتح مکہ کی حدیث میں غنیا دن کا لفظ نہیں ہے بلکہ سازت کا لفظ ہے اور معازف وہ باجا ہے جو ہاتھ سے بجا یا جاتا ہے جیسے ستار، ڈھولک، ساز لگی، باد مونس وغیرہ اور مزا میر وہ

ہام جو منہ سے بھایا جانے لگے۔ نفیر تھی اور بین وغیرہ۔ دقت کو معاذت میں علم حور سے شمار نہیں کیا جانا وہ الگ چیز ہے۔ یہ فقہاء حنفیہ و شافعیہ کا مسلک ہے اور احوط وہ ہے جو شارع نے بیان کیا ہے کہ سب ہی سے احتراز کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**ف** یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو ایام تشریق میں عیدت کا اہتمام نہیں کرتے۔ اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ اسلامی عید دوسری قوموں کی عید سے جدا ہے۔ اسلامی عید کا حاصل یہ ہے کہ سال بھر جو نفس کو بہادرہ اور خلعت کے ساتھ عبادت میں مشغول کیا تھا چند دنوں سے خوش کر کے بھی عبادت میں لگا دیا جائے تاکہ بہادرہ سے جو بعض دنسرایب قسم کی افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اُس کی کٹائی ہو جائے۔ ایام عید میں جب نفس کو اچھے کھانوں، اچھے کپڑوں اور ددعتوں کی کٹانوں سے خوش کیا جائے گا تو اب وہ انشراح اور خوشی کے ساتھ عیدت میں لگے گا۔ یہی ایام عید میں بھی نفس کو آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اُسے خوش کر کے کام میں لگایا جائے۔ اگر عید کے دنوں میں آزاد رکھا گیا تو وہ چند دن اور بھی آزاد رہنا چاہے گا اور اس طرح آزادی کا راستہ کھولنے سے سال بھر عبادت میں خلل رہے گا۔

**ف** یہاں سے حق کل کے الہی سلام کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ وہ سلام میں اُن آلات لموسے کی پرہیز نہیں کرنے جن کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ دیگر ادب سلام کی فوکیار عایت کریں گے کہ سامعین سب اہل ہوں۔ ناخس کوئی نہ ہو۔ مسئلے والا بھی اہل ہو۔ صاحب دل ہو۔ مضمون بھی لغو نہ ہو ورنہ ہو بلکہ حمد و ثناء یا کلام معرفت ہو اور سلام بھی بحالت اضطراب ہو یا ہوا کہ بدن اُس کے قبض کسی طرح مرتفع ہی نہ ہو گا ہو۔ وغیرہ مثل من الشرط الحاق ذکرھا الغم الزیج مستحسن القول یتقبلون احسنہ ط

ایام تشریق کو ایک اہم فضیلت  
(۱۱۷) ایام تشریق ابتلاء و امتحان کے ایام ہیں بھی ہے کہ یہ ایام حضرت

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتلاء و امتحان کے ایام ہیں (پس ان میں اس ابتلاء کو یاد کر کے نمود و لعب سے بچنا چاہیئے) پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر کرم فرمایا کہ محنت (دراز مائش) کو نعمت سے اور کمزوری بڑی نعمت سے بدل دیا اور جنت سے ایک دُنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے یہ میں آیا اور حضرت ابراہیمؑ کو بانی سنت انجیل بنا دیا گیا کہ اب قیامت تک کی تمام کُریا یوں کا ثواب اُن کو بھی ملتا رہے گا۔)

ان دو دُصلوں کی وجہ سے یہ ایام تمام ایام سے افضل ہو گئے اور اللہ سبحانہ جب اپنے بندوں میں سے کسی پر کوئی احسان فرماتے ہیں اس کو نازل نہیں کرتے پس اُن کے لیے اس فضیلت کو باقی رکھا اور اس میں یہ زیادتی فرمائی کہ نعمت کو بھی باقی رکھا یعنی (ہمیشہ ہمیشہ کو) اُن کے لیے کُریا بانی اور اُس کے متعلقات مشروع کر دیئے گئے (کہ نماز بھی پڑھیں۔ بکسیر بھی عید کی نماز میں زیادہ کیوں اور ہر نماز کے بعد بلند آواز سے بکیرات تشریق کی پابندی کریں) اور محنت (دُشقت) کو بھی اُن سے مرتفع کر دیا۔ یعنی بچوں کے ذریعہ کرنے (کے حکم) کو (قبل از عمل ہی منسوخ کر دیا گیا۔ اب ان کی ہر جائیدادوں کی قربانی واجب کر دی گئی)۔

کیا ایام تشریق میں ہر عمل دوسرے ایام کے اعمال سے افضل

ہے ؟ یا خاص اعمال ہی افضل ہیں ؟

یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و احادیث میں اللہ و لام جنس کا ہے کہ اس فضیلت میں زائسن و مستحبات علی اختلاف الدرجات سب مساوی ہیں یا لام حد ہے جس سے مخصوص اعمال مراد ہیں ؟ تو لفظ کا صیغہ (اور اس کی صورت) دونوں کو ممکن ہے۔ پس ان ایام میں جو فرائض ادا کئے جائیں گے وہ بھی دوسرے ایام کے فرائض سے افضل ہوں گے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے متعلق فرمایا ہے من شہد حافی

جلسۃ فکاحہ مقام لیلة " جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اُس نے رات بھر نماز پڑھی " اور عشاء کے متعلق فرمایا ہے : من شہد حافی جلسۃ فکاحہ مقام نصف لیلة " جس نے عشاء جماعت سے پڑھی اُس نے گویا اُڑھ رات نماز پڑھی " خود کیونکہ یہ بھی جماعت سے ادا کی گئی ہے اور وہ بھی مگر دونوں کے ثواب میں اُڑھوں کو کافرق ہے۔ اس کی وجہ بجز اُس کے کچھ نہیں کہ صبح کی نماز میں عشاء کی نماز سے زیادہ مشقت ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت بہت لوگ جنازہ کی حالت میں اور غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں۔ عشاء کے وقت یہ بات نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایام تشریق کے اندر لوگ کھانے پینے اور راحت کرنے، بیویوں سے مشغولی ہونے کے سبب زیادہ غفلت میں ہوتے ہیں۔ اس علت پر نظر کر کے یہ ایام اور دنوں سے افضل ہو گئے اور ان میں عمل کرنا مطلقاً جماد کے مشابہ ہو گیا کیونکہ جماد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرق اور نفل، اور ان ایام میں بھی ہر طرح کے اعمال ادا ہوتے ہیں۔ فرائض بھی سنن و مستحبات بھی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نام عدد کے لیے ہو جس سے اُن اعمال پر اشارہ ہو گا جو احادیث میں مذکور بیان ہوئے ہیں کہ یہ دن کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ نفل کو عموم پر رکھا جائے کہ اس میں زیادہ نفل ہے۔ اس صورت، میں ان حدیثوں کا جو خاص اعمال پر دلالت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ ان دنوں میں فرائض کے بعد جن اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اُن میں سب سے مقدم وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ یعنی قربانی کرنا، ذکر اللہ کرنا، صدقہ کرنا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور اعمال نہ کئے جائیں۔ بخاری اس بات کا تا ئید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جامعہ ابوہی افضل دیکھی اُڑھ نے ان ایام میں کوئی عمل قربانی سے افضل نہیں کیا، تو آپ نے ان مخصوص اعمال کو فضیلت کے

طور پر بیان فرمایا ہے اور جن اعمال کو افضلیت کے طریقہ پر بیان کیا جائے۔  
 اُن کے ساتھ دوسرے اعمال بھی جمع ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی ان اعمال (مخصوصہ) پر  
 قادر نہ ہو (مثلاً قربانی کی وسعت میں مدد دے کر مکتا ہے) تو فرائض سے زیادہ  
 کچھ نیک کام کر لے۔ جسے اپنے کو عزم نہ رکھے (مثلاً ذکر اللہ اور تلاوت قرآن  
 اور نوافل بھی کی کثرت کرے)۔

قولہ فی الوجہ الاول وفضلت ایضا من نوع انفرادی ایام  
 التشریع الی قولہ فلا یجلی فیہ من الخیر الملائم علی التفاضل -

(۱۱۸) فضیلت جہاد و مجاہدہ  
 حدیث میں فضیلت جہاد پر بھی دلائل  
 دایم تشریح کے عل کی فضیلت سن کر (عزم کیا ولا الجہاد (یا رسول اللہ !  
 اور کیا جہاد بھی اس... ہے افضل نہیں) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
 سے فضیلت جہاد ثابت نہ ہو چکی ہو تو مجاہد اس طرح سوال نہ کرتے (معلوم  
 کہ جہاد کی فضیلت اُن کو پہلے سے معلوم تھی) اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے :

اعمال البر فی الجہاد کبیرۃ فی البحر -

• نیک اعمال جہاد کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے سامنے ایک گلی پانی۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی  
 چند قسمیں قرار دی ہیں اور جہاد کی اعلیٰ قسم میں اُس صورت کو بیان فرمایا  
 جو دوسرے گونہوں میں شمرنا کمزور ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (الادجل) خرج یحضر  
 بنفسه و عائلہ - مگر وہ شخص جو جہاد میں نکلا اور اپنی جان و مال کو خطرے  
 میں ڈال دیا، حالانکہ دوسرے مواقع میں جان و مال کو خطرے میں ڈالنا کمزور  
 ہے۔ پھر اس پر سب نہیں بلکہ اس صورت کی افضلیت کو اس پر موقوف کیا گیا  
 کہ ان کو خطرے میں ڈال دینے کے بعد ہلاکت متحقق بھی ہو جائے۔ چنانچہ

ارشاد ہے فلم یرجع بشئ (کوہرمان میں سے کچھ لے کر واپس نہ ہوا) حالانکہ ارشاد ہے  
 فرماتے ہیں : ولا تقوا ما یذککم الی التعلکة اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو  
 (جس سے معلوم ہوا کہ جان و مال کو قصداً ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے)۔  
 مامور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے۔ چنانچہ یہ ہے کہ جو  
 اُسی کی نوع سے کچھ زیادتی کرتا ہے وہ زیادہ تعریف و مدح کا مستحق ہوتا ہے جیسا  
 توکل مامور بہ ہے کہ شرط ایمان ہے۔ اس میں بیشی زیادتی ہوگی اتنی ہی مدح ہوگی۔  
 چنانچہ ارشاد ہے :

من توکل علی اللہ حق توکلہ = جو اللہ پر توکل کرے پورا توکل :۔  
 اسی طرح تقویٰ کے بارے میں ارشاد ہے "اتقوا اللہ حق تقاۃ" اللہ  
 سے ڈو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے (اسی طرح ایثار خصال ایمان سے ہے۔  
 اُس میں بھی اُسی درجہ مدح ہوگی جبکہ زیادہ ارشاد کیا جائے۔ چنانچہ حق تقاۃ فرماتے  
 ہیں : ویشرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة = اور وہ دوسروں کو  
 اپنے اُلو پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے رہیں) اور اس کا نتیجہ کیا جلتے قویت  
 فکیریں ملیں گی۔ اب سمجھو کہ جہاد کا شروع ہونا چاہو مگر ہلاکت نفس کی طرف ؛ بعضی ہے۔  
 تو جو نفس جہاد کے موقع پر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے۔ اس کو دوسروں پر  
 فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ یہ مامور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی ہے اور  
 مامور بہ میں زیادتی کرنا اخلاقی اور صدق کی دلیل ہے اور اخلاص و صدق تمام خصال  
 سے بلند تر ہیں۔ نیز خدا نے خداوندی مامور بہ کو پوری طرح بھالانے سے حاصل  
 ہوئی ہے تو اُس میں زیادتی کرنا طلب رضا میں نرنی کرنا ہے۔ جیسا کوئی نے  
 (حق تقاۃ سے) غرض کیا تھا و جعلت الیلۃ رب لترضی (اے اللہ ! اور  
 میں آپ کے پاس جلدی کر کے آگیا تاکہ آپ راضی ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوا  
 کہ مامور بہ میں زیادت موجب زیادت رضا ہے اور اسی پر زیادہ مدح ہوتی ہے)

اسی لیے جب شاہ سوار کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں قادرِ احدی بڑا احدی  
سوار ہے اور یہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی مدح ہے۔ کیونکہ احدی کا اپنے کو خطرہ نہیں ڈالتا  
ہے اور اسی سے اُس کی شہسوارِ مکارہ ہر روز ہے۔

احوالِ فیضِ بدوں مجاہدات کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس میں سوچنے  
ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تم احوالِ فیض تک بدون نفسِ فیض کے ہلاک کرنے  
اور مجاہدات سے اُس کو خطرے میں ڈالنے کے میں پہنچ سکتے۔ اسی سے تم  
اشکِ کو پہنچ سکتے ہو۔ جب (اس مُردار) کیلئے دُنیا کا طالب یوں کہتا ہے جی

احوالِ ملکِ ادا موتِ ظلمتِ رات میں ملک لے لے ہو گا کیا اُسی  
کی طلب میں مر جاؤں گا۔ اگر مقررہ شمار کیا جاؤں۔ حالہ کہ دُنیا کی مسکنت  
میں رہنا تو کلامِ الہیہ فناء ہونے والی ہے (اس کو بقا نہیں) اور اگر موت  
میں (موت کا) غالبِ اہتمام یہ ہے کہ اس سے پیشہ کی کلفت ہی نصیب  
ہوگی۔ نواب۔ مہارے نزدیک اس شخص کی طلب کا کیا حال ہو چاہیے جو  
درِ ابرقہ میں پہنچ کر مقصدِ موت سے توجہ دات بادشاہ کے نزدیک۔ مرفوز  
ہو از سلطنتِ بادشاہ۔ وہ تو یوں لے گا۔

وہوئی یا عدالی فی حوالہ خدمتِ شہادی وید کرامِ علوی فتقواء شہادی  
وہوئی یا عدالی فی حوالہ خدمتِ شہادی وید کرامِ علوی فتقواء شہادی  
وہوئی یا عدالی فی حوالہ خدمتِ شہادی وید کرامِ علوی فتقواء شہادی

ترجمہ) اسے لامت گرد (نامحوا) مجھے پورے در۔ میں نے اُس کی بہت  
میں کیا کو ہلے طاق رکھ دیا ہے۔ اسی کے ذکر سے میرا دل ہلکا ہو گیا اُس کا تقویٰ  
یہ ہر شاہ ہے اور اعلیٰ کی تیراں تیار کر لو جو ترپ (حاصل کرنے) کے لیے  
بیزاری کے ماتھے تلے دانی ہو، اور اپنی جانوں کو بدون کسی رکاوٹ اور اٹکاو کے

ہمیشہ مکرور اور انسوؤں کے بہنے کے وقت وہ اہل محبوب کا یقین رکھو۔ قولہ الحجۃ  
 الثانیۃ فیہ دلیل علی فضیلة الجہاد الی قولہ عند ضیغ الا دھم الغزاد۔  
**ف** جاہ کو خطرہ میں ڈالنا جہاد کے سوا اور سب موافقہ میں ہاں نہیں۔ جہاد کے  
 موافقہ پر جائز ہے کہ اگر جہاد کا موضوع ہی یہ ہے کہ قتال کے ذریعے اللہ کا  
 رول بٹھایا جائے اور ذہن بدن جان کی بازی کے شیں برکت تو وہاں خطرے میں  
 بہنے کو ڈال دینا جائز کہ محمود ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے  
 جہاد کے موقع پر تنہا ہزاروں پر حملہ کیا۔ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور جہتوں کو ار  
 کہ نکل آئے۔ یہ تادمہ ہست ہی نہیں ہے کہ محمود میں اُسی کی نوع سے زیادتی  
 کہ محمود ہے۔ دوسری نوع سے زیادتی کرنا محمود نہیں۔ لہذا غار میں جتنا بھی خضوع و  
 خضوع ہو گا محمود ہو گا۔ مگر اوقات میں زیادتی کرنا کہ جن اوقات میں سرِ رعیت  
 کے خلاف سے منہ کیا ہے اُن میں بھی غار پڑھنے لگے مذموم ہے کہ یہ دوسری نوع کی  
 زیادت ہے اسی طرح فرائض کی رکعات میں زیادتی کرنا مذموم ہے کہ حدود  
 سے تجاوز ہے۔ دعتی ہذا القیاس۔





## حدیث

### جواز التنفل علی الدابة فی السفر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز (یعنی تہجد) پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں اُس کا رُخ ہوتا اور سر سے اشارہ کرتے تھے۔ مگر فرائض (سواری پر) نہیں پڑھتے۔ دتر اُس پر پتھر یا کرتے تھے۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر فطریں پڑھنا سفر میں جائز ہے خواہ حمار شرح کا نزع قبل کی طرز ہو یا نہ ہو۔ اس پر ہند و جوہ سے کلام ہے۔

حدیث سے نفل نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے (۱۴۱) نماز نفل کی فضیلت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی نماز نفل کو ترک نہیں کیا۔ حالانکہ سفر میں بوجہ مشقت کے فرائض کے اندر تخفیف ہو جانی اور اُن کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نفل کو بدستور سابق مستحب قرار دیا اور اُس کے لیے نماز کا تمام باقی رکھا جس کا بھاننا مطلوب ہے۔

نماز کو کسی وقت کیوں ساقط نہیں کیا گیا یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ نماز کو مرنے اور نعت اور سفر

میں کیوں باقی رکھا گیا۔ حالانکہ اُس کی صورت (ان خُندوں کی وجہ سے) بدل جاتی ہے  
 جیسا کہ معلوم ہے مگر کسی حالت میں بھی جب تک عقل باقی رہے ناز چھوڑنے کی اجازت  
 نہیں دی گئی تو (جواب میں) ہم کہتے ہیں واللہ اعلم اس میں دو حکمتیں ہیں ایک یہ کہ  
 ناز کفر و ایمان میں فارق (الذمیز) ہے اور ایمان کی علامت ہر حال میں مطلوب ہونا  
 چاہیئے جیسا ایمان ہر حال میں مطلوب ہے مگر یہ کہ عقل ہی زائل ہو جائے تو اُس  
 وقت انسان مکلف نہیں رہتا اسی طرح ناز بھی بجز ذوال عقل کے کسی حال میں  
 ساقط نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ناز بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان وصلہ ہے یعنی  
 اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے (اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے بندہ اور  
 درمیان وصلہ برائے اس کا (ہر حال میں) بندہ ممتاز ہے اسی لیے ناز ہر حالت میں)  
 باقی رکھی گئی اور مقرر کے موافق طرح طرح سے اُس میں تخفیف کر دی گئی۔ جیسا  
 سب کو معلوم ہے (کہ سفر میں چار فرض کے روانہ جاتے ہیں۔ جماعت اور شن  
 مؤکدہ و کاکا کہ ساقط ہو جاتا ہے۔ بیماری میں قیام کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر بیٹھنے کی  
 طاقت نہ ہو نو لیٹ کر ناز پڑھ سکتا ہے۔)

اسی حقیقت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (استعينوا  
 بالغدوة والروحلة وخط من الدابة - مرد حاصل کرو شیخ کے وقت اور  
 شام کے وقت اور رات کی تاریکی میں کچھ عبادت کر کے (اس سے بھی یہی مراد  
 ہے کہ ان اوقات میں نماز کا کچھ معمول ہونا چاہیئے۔) کیونکہ بندہ ضعیف کے  
 لیے بڑی استغاثت اُسی چیز سے ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے  
 تعلق کو بڑھانے والی ہو۔ اسی سے اُس کو اپنی اُمید کے موافق بہترین نازہ  
 حاصل ہو گا۔

عبادت کسی بھی وقت ساقط نہیں اور جو کچھ ہم نے ناز کے بارے  
 میں کہا ہے اسی کے شاہجہدیت

کی شان بھی ہے، ذکر وہ بھی کسی وقت ساقط نہیں بلکہ بندہ کو ہر وقت عبادت میں رہنا چاہیئے) کیونکہ حکمت، رہنمائی اس کو مقتضی ہے کہ ہم سے عبادت اور اس کا ورام مطلوب ہو۔ اسی کے واسطے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي**۔ میں نے جن و انسان کو بس اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، حالانکہ حق تعالیٰ ہم سے بھی مستغنی ہیں اور ہماری عبادت سے بے۔ لیکن کسی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حکمت اس کو مقتضی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

**الذَّيْءُ يَعْلَمُ السِّرِّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**

”یعنی وہی جانتا ہے آسمان و زمین کے پیدا کرنے کی حکمت کو“

اسی طرح ہمارے پیدا کرنے اور تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کی حکمت کو بھی وہی جانتے ہیں، رہا یہ کہ حکمت اس کو مقتضی کیوں ہوئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے جو مختلف باتیں بیان کی ہیں ان میں ہر ایک کے لیے دلیل عقلی کی ضرورت ہے اور دلیل قطعی نبوت، ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کے ذریعے اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا۔ پس ہمارے ذمہ اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے ایک ذرہ کو بھی بدون کسی حکمت کے عین پیدا کیا۔ اب اگر کسی نے طریق سے یا احتمال کے طور پر کوئی حکمت (کسی کی) عقل میں آجائے اور اصول شریعت کے دائرہ میں نہ ہو تو اس سے ایمان میں قوت ہوگی۔ چنانچہ اگر اس معاہدے موافق ایمان لایا جائے جو ہم نے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور تمام چیزیں کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو (مزدور و حاجت اور غرض سے) منزہ اور

عہ اور مجاور ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہے اصل ہے یسنا کت کثرا مخفیا فخلقت الملقن لا یعرف اگرچہ محققین کے نزدیک اس کا محض یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

پاک بھی سمجھا جائے جیسا ان کی شان کے مناسب ہے تو یقیناً اس سے ایمان اس قدر بڑھ جائے گا کہ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی یہ دولت عطا فرمائیں۔  
 (اس تمہید کے بعد) پھر اسی مضمون کی طرف عود کرتے ہیں جس پر ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ہم کو جس کام کے لیے پڑا کیا گیا اور جو ہم سے مطلوب ہے وہ دوام عبادت ہے۔ مگر ایک تو نطفۂ انسان ضعیف البشیان ہے پھر اس کو بشری ضرورتوں کی بھی احتیاج ہے۔ جیسے کھانا، پنا (سونا) وغیرہ جس کو ہم اپنے اندر بذاتہ محسوس کرتے ہیں تو دابہ تکوین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو کسی لطیف حکمت کے ساتھ جمع فرما دیا ہے جس پر بدون انبیاء و انی اور اللہام درحمانی کے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی تھی۔

ذکر اللہ تمام عبادات میں اعلیٰ ہے یہ کہ قواعد شریعت سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمام عبادات میں اعلیٰ اور عذاب الہی سے زیادہ نجات دینے والی چیز ذکر اللہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ عبادت یعنی ذکر اللہ کو ہماری تمام حرکات و سکنات میں مقرر فرما دیا جن میں سے بعض (مقامات) میں تو ذکر اللہ واجب ہے۔ بعض میں مستحب ہے اور مستحب میں بن بعض کا استحباب مؤکد ہے بعض کا غیر مؤکد۔ چنانچہ آپ نے ہمارے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کھانے پینے، جماع کرنے، کپڑا پہننے، کپڑا اتارنے، بستر پر بیٹھنے، ٹہریں داخل ہونے، قضاء حاجت کو جانے، وہاں سے نکلنے اور شکار کرنے اور حلال جانور کو زہک کر لے اور کسی جگہ سفر کر کے جانے اور منہم بالشان مسالے میں گفتگو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا کریں اور ہر موقعہ کے مناسب ذکر کرنے کا طریقہ بھی آپ نے بتلا دیا۔ ان میں سے بعض مقامات ایسے ہیں کہ اگر وہاں اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ شے ہم پر حرام ہو جاتی ہے۔ اُس کا کھانا جائز نہیں ہوتا۔ جیسے حیوان کو ذبح کرتے ہوئے یا شکار پر کتا یا تیر جھوڑتے ہوئے بسم اللہ کن ضروری ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ سِرًّا ۖ

اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اُسے مستکھاؤ ۝

اسی لیے اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کو مانتے اور ذبیحہ کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں اُن کو بھی ذبیحہ کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہی ہے جیسا ہم کو ہے اور محسوس اللہ کو نہیں مانتے (کیونکہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کے ساتھ بھلا کا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے) تو اُن کا ذبیحہ ہمارے واسطے ہرگز حلال نہیں کیونکہ نسبت میں تباہ ہو گیا ہے۔ اور بعض لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے جیسے بیت اللہ میں جاتے ہوئے، گھر میں داخل ہونے کے وقت، بستر پر لیٹتے ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

بعض احوال میں اللہ کا نام لینا مستحب ہے جیسے کسی کا کام بناتے ہوئے خداداد دنیا کا کام ہو یا دین کا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی کام کرنے والا آتا جیسے کپڑا سینے والا یا اور کوئی نیکو کرنے والا اور آپ اُس کے حوالہ کوئی کام کر دیتیں تو درمیان میں دریافت کرتیں کہ تو نے کام کرتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں بسم اللہ کر کے میں نے کام شروع کیا ہے تو اُس کو کام پورا کرنے دیتیں اور اگر یہ کہتا کہ میں نے بسم اللہ کر کے کام شروع نہیں کیا تو کام پورا کرنے سے پہلے ہی اُس کو اٹھا دیتیں کہ اللہ کا نام پہلے کیوں نہیں لیا تو ان مواقع میں اور جو اُن کے مشابہ ہوں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب ہے اسی طرح زندہ سے بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

تم اس عجیب حقیقت اور رسل و مطہرات طریقہ میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ضعف کی رعایت کر کے کتنا آسان راستہ عبادت کا مقرر کر دیا کہ

بندہ ہر وقت جہد میں بھی مشغول ہو سکتا ہے اور اپنی ضروریات زندگی کو بھی پورا کر سکتا ہے) اے یلحد من علق دھوا لطیف الخیرۃ - کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تمہاری حالت کو) نہ جانے کچھ حالانکہ وہ تو بڑا باریک ہیں اور خبردار ہے۔ مگر یہ مقام اُسی کو حاصل ہوتا، بلکہ اُس کی جو بھی وہی پاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنتِ نبویہ کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ پھر جس حقیقت کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کو اپنے اس ارشاد سے اور بڑھا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے۔

من ذکرنی فی نفسہ ذکرته فی نفسی ومن ذکرنی فی ملأ

ذکرته فی ملأ فین منہ ومن تقرب الی بشیر تقربت منہ

ذرا من تقرّب الی ذرا من تقرّب الیہ باعاد من امانی یمشی ایّتہ

حرو لہ۔ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے میں اُس سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک باشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو ہاتھ سے زیادہ بڑھتا ہوں جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں ۛ

(مطلب یہ ہے کہ بندہ جب میری طرف متوجہ ہوتا ہے میں اُس سے

زیادہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اس مقصود کو سمجھانے کے لیے اس عنوان خاص سے بیان کر دیا گیا جس کا ظاہر مروجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دل سے مسافت سے اور حرکت و سرعت سے منزہ ہیں) نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وحلی جنوبہم (وہ اہل

عقل کون ہیں؟ وہ ہیں) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوتے ہوئے بھی بیٹھتے ہوئے بھی، لیٹتے ہوئے بھی، اس اشارہ میں غور کرو کہ ذکر پر ایسا دوام ہونا

چاہیے) کہ بندہ کی کوئی حالت بھی ایسی نہ ہو جس میں وہ مستقل عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اگر عبادت کا یہ طریقہ (یعنی ذکر) شروع نہ ہوتا تو دنیا سے بالکلیہ علیحدگی کے بغیر دوام عبادت کا تصور ہی نہ ہو سکتا اور یہ صحت ہماری فطری احتیاج کے منافی عملی قواعد تھے۔ اس لیے اس عجیب طریقہ کے ہماری احتیاج کے ساتھ عبادت کو جمع فرمادیا کہ ذکر کو بھی عبادت کی اعلیٰ قسم بنا دیا، اور اس طرح ہم کو تمام جہلاتوں کی طرف اپنے فضل و رحمت سے آسان اور نزدیک راستہ سے چمپا دیا اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کمانے کے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

اس باب کی حدیثیں ہم نے یہاں بیان نہیں کیں۔ کیونکہ یہاں ہمارا مقصود اس غیر کی طرف رہنمائی کرنا اور (مخاطب کے) دل میں اس (اہم مضمون) کو زندہ رکھنا کہ اس کی قدر کی جائے ورنہ جتنی حالتوں کے متعلق ہم نے ذکر کی تاکید کی ہے ان سب کے بارے میں متعدد وجہیں وارد ہیں۔ ایک (دوم) نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے (ہماری) عمر دلائی اور توفیق الہی نے مدد کی تو انشاء اللہ ان سب حادثات کو مستقل کام میں لکھیں گے تاکہ واقفیت حاصل کرنے والوں کو آسانی ہو۔ بعونہ و فضلہ ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی حقیقت کی وجہ سے صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اس خاص حالت ہی کی وجہ سے اُن کو خواص کہا جاتا ہے۔ اس لیے صوفیہ نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا ہے کہ اگر تم ہماری محبت میں رہتے ہو تو عاشق تو جہاں بھی جاتا ہے محبوب کے ذکر کے ساتھ جاتا ہے (ہم تم کو بھی ہر حال میں ہمارا ذکر کرنا چاہیے) کیونکہ دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور عہد سلوک میں وہ کتاب حضرت شائد نے لکھی ہے یا نہیں؟ اللہ اعلم ہے تو یہاں ہوتی ہے یا نہیں؟ لیکن اس باب میں جس جہیں بہت کچھ کتاب ہے کہ حضرت حکیم الامت نے تہذیب قرأت عند اللہ و صلوات الرسول میں اس کا بہت اچھا خلاصہ جمع فرمادیا ہے۔ (نماز عبادت مقبل میں ناشر۔)

حضور (دُرُوب) حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے انا جنس من ذکر فی میں اس کا ہر نشیمن ہوا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر تجھ کو کچھ فعل ہے تو سمجھ لے کہ تجھ سے کیا قصہ کیا گیا ہے اور اے مسکین تو کیا ہے اور کون ہے (تو اللہ کا محبوب ہے یا نہیں) اور محبوب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل بھی تیرے پاس ہے یا نہیں؟  
 قوله الوجه السادس فيه دليل على افضلية التفضل الى قوله  
 ومن انت يا مكين -

**ف سہولت ذکر اور دوام ذکر کا طریقہ** شارح نے اس مقام پر جس کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے اس لیے اس کو کھول کر بیان کرنا چاہتے ہوں کہ تم فوراً اپنے ذہن کو تو دیکھو کہ یہ ایک لحظہ خیالات، ضرورت، خواہش اور دماغوں سے غائب بھی رہتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر دریا بہے گا اور پلا آ رہا ہے، ایک لاشنا ہی مبداء سے شکل رہا ہے، اس کی کیفیت میں غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یا تو اچھے خیالات ذہن میں آتے یا بُرے؟ اس کی آمد کسی طریق سے روکی نہیں جاسکتی۔ کون سی فرت اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

خیالات ایک نامعلوم سرزخم سے ظہور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فسانہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے، نہ ان کے فنا کرنے پر۔ لیکن انسان کو انہی طاقت ضروری ملتی ہے کہ اپنی توجہ بُرے خیالات کی طرف سے ہٹا کر اچھے خیالات کی طرف مبذول کر دے یا علم نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہیں خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے یہی بجا ہدہ کی حقیقت ہے۔ ذہن میں سلبی خیالات اضطراری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ



کے اختیار میں ہے کہ ان خیالات کو گلے لگالیں اور معزز سماں کی طرح عزت و وقار سے دل میں جگہ دے دیں یا یہ کہ ان کے ذہن میں اُتے ہی ایجابی خیال کو ان کی سرکوبی کے لیے لے آئیں اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت کے مقابل کر دیں۔

ان الدین اتقوا اذا سجد طائف من الشیطان تذکروا فاذا قام صبرون۔  
 ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابل میں نور ہی کامیاب ہو گا۔ کیونکہ ظلمت نور ہی کی غیبت کا نام ہے۔ نور کے نہ ہونے ہی سے ظلمت پیدا ہوتی ہے جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے آسکتی ہے؟

شروع علیہ السلام نے یہی طریقہ ہم کو بھیا ہے کہ تم اس پر تو قادر میں ہو کہ سبھی خیالات کو ذہن میں نہ لے دو مگر اس پر قنہ ہو کہ ایجابی خیال کو ان کے مقابل کر دو۔ ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جو تمام محامد و محاسن کے جامع اور تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اور طہائنت و سرور اور علو و قوت و عزت و سلطنت کے مبداء ہیں۔ اگر تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اُس میں جانے کی کوشش کرو گے تو ہند و دوز میں حق تعالیٰ کی صفات کا اپنے اندر ظہور دیکھو گے۔ فطرت انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس کے خیال اور ذہن میں رہتا ہے وہی ذلت و اُسی کی خواہش میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس قانون کو ماننے کے بعد تم ہرگز سلبی خیالات پر توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے بلکہ ایجابی خیالات ہی کو دل میں جانے کی کوشش کرو گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کے لیے بھی حق تعالیٰ سے غرض نہ کر سکتے ہو۔

کیست زو بہتر بگو اے بیچارے

تا بدین دل شاد باشی یک نفس

اگر چشم بصیرت کھل ہوئی ہے تو پھر کیا حق تعالیٰ کی توبہ سے بہتر اور کسی کی توبہ ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت گو وہ بظاہر

کسی ہی طہریب اور دل کش کیوں نہ ہوں نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار ہونا ہے۔ اور ظلمت سے ضیق۔ غم و وزن اور غم کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ ظلمت میں کوئی چیز بھی اپنی صحیح خود و خال میں نظر نہیں آ سکتی۔ پس ظاہر نظر میں اشیاء کی یہ دلفریبی نفس کا دھوکہ ہے۔ التباس ہے قوت وادہ کی اختراع ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ قلب پر چھا جاتا ہے۔ ابھی اعتماد تھا ذرا دیر بعد خوف طاری ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا۔ کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی۔ اگر چشم بصیرت کھل جائے اور ظلمت کی جگہ نور دل میں جلوہ گر ہو جائے تو تمام اشیاء اپنی اصلی حالت پر نظر کرنے لگیں گی۔ حیاتِ طیبہ نصیب ہو گی۔ طہیضت و ہر قلب حاصل ہو گی خوف و وزن زائل ہو جائے گا۔ استقلال و استحکام عطا ہو گا۔

الاب ذکر الله تطلئن القلوب من عمل صالحا من ذکر و انشی و  
هو مؤمن فلتنجیت فی حوۃ طیبۃ ط

پس ہم کو نور قلب حاصل کرنا چاہیے جس کا ذریعہ ذکر اللہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پھر حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے غاد کروا اللہ ذکر اکثر احوال و کلا یزال لسانک و لسانک ذکر اللہ پر توجہ اعمل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو اور مقصود اس سے رعدا و قرب الہی کے سوا کچھ نہ ہو۔ جب دل کی توجہ ذکر الہی کی وجہ سے خرافات دنیا سے ہٹ کر ایک مرکز پر مرکوز ہوگی تو خود بخود فاسد اور پریشان کن خیالات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ خیالات کی پراگندگی موقوف ہوتے ہی ایک روحانی کیفیت اور طہانیت سے قلب معمور ہو جائے گا۔

اس دور کے حاصل ہو جانے کے بعد تمام چیزوں سے استغنا ہو جائے گا نہ کسی چیز کے حصول سے لذت ہوگی نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج۔ ہاں کسی چیز سے لذت ہوگی تو اللہ کی نعمت سمجھ کر ہوگی۔ اگر رنج ہوگا تو اللہ کی ندامتی کے خیال سے ہوگا۔

مگر اللہ تعالیٰ کی رضا و عدم رضا کا طریقہ مشہور ہی و حدیث میں تمہارے سامنے ہے  
اپنے اعمال کو اُن سے جانچ لینے کے بعد پھر دُنیا کی کسی چیز کے فتنے سے  
رج نہ ہو گا۔

اذا نصیت منی کوام عشیحتی      فاعزال غلبانا علی الناس  
ایک طریقہ کا ذکر یہ ہے کہ مختلف حالات مختلف اوقات کے متعلق جو دعائیں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اُن کی پابندی کی جائے اس طرح  
کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے غفلت دل میں راہ نہ پائے گی۔ کیونکہ اُن کی پابندی  
اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں جھی رہے۔ پہلے پہل  
اس پابندی میں کسی قدر دشواری اس لیے ہوتی ہے کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی  
یاد پوری طرح نہیں جھی۔ پھر ہر موقع پر دل میں خود بخود اس دُعا کا تھاپنا پیدا  
ہونے لگتا ہے جو حضورؐ نے اس موقع کے لیے ارشاد فرمائی ہے۔ ان دُعاؤں  
کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اپنی ہر حالت ہر کیفیت اور دُنیا کی ہر شے کے متعلق یہ  
عقیدہ دل میں راسخ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے اللہ کی مشیت  
سے ہو رہا ہے۔ دُنیا میں جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور محکوم ہے۔  
وہی رب اور حاکم ہیں۔ اُن کے سوا کوئی رب ہے نہ مؤثر نہ نفع دینے والا ہے  
نہ ضرر دینے والا۔ چونکہ ہمارا سابقہ رات دن ان ہی اشیاء سے رہتا ہے۔  
یہی ہمارے سامنے ہیں۔ یہی ہمارے دل و دماغ میں بسی ہوئی ہیں۔ ان ہی  
کی محبت سے ہمارے قلوب بہرے ہوئے ہیں۔ مگر سب قالی اور ذوال پذیر ہیں  
ان کا زوال و فنا ہمارے گھون و غم کا باعث ہوتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ مخلوق  
کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن کو منتقل کریں تاکہ ہر طرف حق تعالیٰ ہی کا جلوہ  
نظر آئے۔ ہر شے کی سبلی جہت سے توجہ کو ہٹ کر ایجابی جہت یعنی جہت حق کی  
طرف انتقال کریں۔ اس طرح یاد حق دل میں قائم ہونے لگے گی۔ اب ہمارے  
ذہن میں شے نہ ہوگی حق ہوگا اور اُن تمام انوار سے قلب معمور ہونے لگے گا

جو اللہ تعالیٰ کی طرف دُعا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بہت جلد معلوم ہو  
جائے گا کہ سادت و مسرت کا سرچشمہ خود ہمارا دل ہے۔ حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ  
خود ہمارا قلب ہے۔ کسی اپنی دل نے کہا ہے ۛ

شونے جاناں بھی آنکھ اٹھاتا ہے باہر دل  
مگر نہ بھکائے دیکھ رہا ہوں بہا بہر دل

دوسرا کہتا ہے ۛ

بیابا و تماشا نے خوش نظارہ کن !

چرخ شگفتہ بدل از نسیم کوئے جیب

عابد شیرازی کہتے ہیں ۛ

خلوت گزیرہ را تماشا چہ حاجت

جون کوئے دوست بہت بھرا چہ حاجت

آفاق میں حق تعالیٰ ظاہر ہیں ہر شے کے ساتھ جنت حق کو جو ہے مگر علم صحیح  
کے استعمال سے وہم و التباس کو دور کرنے اور نظر کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات و اوقات کے لیے جو خاص خاص اذکار  
و اذکار تعلیم فرمائی ہیں اُن کا مقصد یہی ہے کہ اُن کی پابندی سے نظر کی اصلاح ہوئی  
نقطہ نظر بدلے تو معلوم ہوا کہ نفس و آفاق میں حق تعالیٰ نماں و عیاں ہیں۔ اُن سے  
ہی تعلق قائم کرنا اُن ہی کی یاد کا دل میں جمانا تمام مشقوں اور سعادتوں کا  
حاصل کرنا ہے۔ اللہ سے غفلت و ذہول اور غفلت میں استغراق و انہماک تمام  
بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے ۛ

عشق با مردہ ناسد پا نثار عشق را با حی و باقیوم دار

مگر ریزی برائید راختے ہم ازا بنما پشت آید آفتے

نہ بکھنچے بے دود بے دام نیست جو بخلوت گاہ حق آرام نیست

مگر سے باہر قدم نکالو تو اللہ کو یاد کرو۔ پا نثار میں جاو تو اُس کو یاد کرو

دکان کو لو تو اللہ کو یاد کرو۔ سب میں تدم رکھو تو اللہ سے دُعا کرو۔ باہر ڈو تو اُسی سے فضل کی درخواست کرو۔ بیوی بچوں کو دیکھو تو اُسی کی نعمت کا شکر کرو۔ کھانا کھاؤ تو اللہ کے نام سے شروع کرو۔ کھانا کھا چکو تو اُسی کی نعمت کا شکر یہ یاد کرو۔ سونے کا ارادہ کرو تو موت کو یاد کر کے اللہ کی حفاظت کا دامن پکڑو۔ جاگو تو نئی زندگی عطا ہونے پر اللہ کی حمد کرو۔ اسی طرح ہر حالت ہر وقت اور ہر کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور حکومت و طوت کا مشاہدہ کرو خود اپنی ذات کو اپنی ہستی کو بھی اللہ کی مخلوق و محکوم سمجھ کر دیکھو۔ اللہ سے غافل ہو کر اپنی ہستی پر نغز نہ کرو۔ یہ مراقبہ راسخ اور کامل ہونے کے ساتھ ہی خایینا تو لو انتم وجہ اللہ اور غمت اقراب الیہ من جبل العید کے معنی کی ابتدائی فہم حاصل ہونے لگے گی اور زبان حال سے یوں کہنے لگو گے۔

محسن خویش از دہنے خواباں آشکارا کردہ  
پس بچشم عاشقان خود راتا شا کردہ

جعلنا اللہ وایاکم من راقب اللہ فوجہ اُمین !



## باب شصت

### حدیث

## اشرط الساعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
لا تقوم الساعة حتی یبغض العلم وتكثر الزلازل ویقلب الزمان  
تقلع الفتن ویکثر المخرج وهو القتل حق ۛ ۛ ۛ یكثر فیکم المال فیبغض ۛ

ۛ ۛ ۛ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت  
قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ علم کو بھگایا جائے اور زلزلے کثرت سے آئیں اور  
زمانہ قریب قریب ہو جائے (یعنی کھٹے کھٹے) اور فتنے ظاہر ہوں اور کشت و خون  
زیادہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تم سے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے کہ بچنے لگے۔  
شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ پانچ چیزیں جو یہاں مذکور ہیں قرب قیامت کی  
علامت ہیں۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرتی ہیں۔

یہ علم جو دنیا سے اٹھایا جائے عام منقول ہے یا غیر منقول؟ تو اللہ تعالیٰ  
(۱۲۰) کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ اس سے اس نور کی طرف اشارہ ہے

علم حقیقی وہ نور ہے جس کو رب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضانِ فہم ہوتا ہے  
جس کے خدیبے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

(فیضان) فہم ہوتا ہے۔ کیونکہ کہیں تو ہمیشہ رہیں گی بلکہ زیادہ ہوتی رہیں گی۔ لیکن فہم دہش میں نہیں ہوتا ہے گا۔ یہاں تک کہ (کسی وقت) بالکل ہی اُٹھ جائے گا۔ اس پہلے بھی ہم ایک حدیث کی شرح میں گفتگو کر چکے ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اُٹھائیں گے کہ لوگوں کے دلوں سے اُس کو نکال دیں (بلکہ اس طرح اُٹھائیں گے کہ مخلد کو دُنیا سے اُٹھا لیا جائے گا) قولہ منہا هذا العلم الذی یقبض حالہ ما یراد بہ الی قولہ ینزعہ من العباد۔

ف معلوم ہوا کہ علم حقیقت میں نور ہے جو دل میں حل اور تقویٰ کی برکت سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۳۱) آیات الیہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ زلزلے کثرت سے آئیں گے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اس میں (یعنی خیامت کے قریب بکثرت زلزلے آنے میں) کوئی ایسی حکمت ہے جس کو ہم سمجھ سکیں یا ہم کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ حکمت تو یقیناً ہے اور (اللہ تعالیٰ کی) علوت جاریہ کے مقتضی پر نظر کر کے وہ حکمت ظاہر بھی ہے مگر یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں یہی حکمت ہے (اس کے سوا کچھ نہیں۔ ممکن ہے کہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ نہ ہو کچھ اور حکمت ہو) بہر حال شریعت کے قبض (اور اُس میں غمخیز) کرنے سے ہمیں زلزلہ کی دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ عادیۃ اللہ نون جاری ہے کہ زلزلہ دو وجہ سے آتا ہے ایک انتقام کے لیے جب وہ کسی سے انتقام لینا چاہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ زلزلہ سے بہت لوگ ہلاک اور برباد ہوئے ہیں حتیٰ کہ ہمارے زمانے تک بھی ایسا ہو رہا ہے۔ چنانچہ جس وقت میں افریقہ میں تھا تو قواتر کے ساتھ یہ خبر پہنچی کہ افریقہ کی ایک بستی میں زلزلہ آیا جس سے وہاں کی پوری آبادی زمین میں دھنس گئی اور وہ لوگ

اسی قابل تھے کیونکہ اُن میں فساد بہت بڑھ گیا تھا۔ دوسرے اُن لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ کیونکہ زلزلہ بھی قدرت کی (نشانیں) میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہاں رسول بالافیات الا تنحیوہا (اور ہم ان نشانوں کو ڈرانے ہی کے واسطے بھیجتے ہیں) اور یقیناً قرب قیامت میں فساد بڑھ جائے گا تو اُس وقت زلزلے بطور عذاب کے بھی آئیں گے اور اس لیے بھی کہ جن کی تقدیر میں سعادت ہے وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قیامت بہت بڑے زلزلے کے ساتھ آئے گی۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَذُکَّا ذُکَّةً وَلَعْدَةُ نِزْحٍ تَعَالٰی فَرَاغَ مِنْہِمْ :

وَلَعْدُ اخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَافُوا لِرَبِّہُمْ وَمَا يَقْبِضُونَ  
حَتّٰی اِذَا فُتِنُوا عَلَیْہِمْ بِاَیَّاذِ عَذَابٍ شَدِیدٍ اِذَا هُمْ  
فِیْہِ مَبْسُوْنٌ ۔

وہ اور ہم نے اُن کو عذاب سے پکڑا اسودہ اپنے رب کے سامنے نہ بھیجے نہ عاجزی نہ داری کہنے لگے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے سخت عذاب کا دروازہ اُن پر کھولا یا تو اب وہ سٹ پٹائے رہ گئے ۱۱

مطلب یہ ہے کہ اول اُن کو معمولی عذاب سے پکڑا گیا تاکہ حجت تمام ہو جائے اور (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ جب اس پر بھی باز نہ آئے تو عذاب سنگین نے اُن کو آلیا۔ پس (صانع) حکیم کی مُنت ہی ہے کہ پہلے تھوڑا سا عذاب بھیجتے ہیں تاکہ جس میں غیر کی اہلیت ہو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور جو عذاب ہی کے لائق ہیں اُن پر تھوڑا عذاب نازل ہو۔

اسی قاعدہ کے موافق قیامت سے پہلے بہت زلزلے آئیں گے۔ کیونکہ حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ بندوں کو اول ڈرا دیا جائے۔ اگرچہ اس سے اُن لوگوں کو نفع نہ ہو گا جس کے لیے عذاب ناگزیر ہے وہ برابر اپنی بدی میں ترقی کرتے رہیں گے تو اُن کو سخت بلا کا سامنا ہو گا حکمت بالغہ فنا تغنی النذر مغرم قیامت



کا زلزلہ بہت سخت ہو گا جس سے تمام زمین ایک دم ٹکٹے ہو کر دیزہ دیزہ ہو جائے گی تو اس سے پہلے بہت سے زلزلے آئیں گے تاکہ اُنہ کی کثرت سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی قسم کا ایک بڑا زلزلہ بھی آنے والا ہے۔ قولہ ویکتزلزل کل فہل ہذا فیہ محض من الحکمۃ الی قولہ بیعد الزلزلۃ العظمیٰ من چنسا۔ آیات النیر سے عبرت حاصل کرنا صوفیہ کا خاص مذاق ہے وہ ادنیٰ ادنیٰ فتنے سے بھی گھبرا کر اشد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

## (۱۲۲) ایمان و عمل صالح سے وقت میں بھی برکت ہوتی ہے اور عمر و مال میں بھی

زمانہ کے قریب قریب ہونے (اور گھٹنے) کا کیا مطلب ہے آیات نقصان حتیٰ ملاوہ یا نقصان باطنی؟ دونوں احتمال میں اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد ہیں کیونکہ آثار میں دونوں پہچانگ الگ اشارہ وارد ہے۔ نقصان باطنی تو واقع ہو چکا ہے اب ہم کو نقصان حتیٰ اور نقصان باطنی (کی حقیقت) کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور آثار میں جو اشارہ دونوں کے متعلق وارد ہے اُس کو بھی بتانا ہے تو (مجھ کو) نقصان باطنی کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں نقصان واقع ہو گا۔ کیونکہ انسان کی عمر ہی اُس کا راس المال (اور قیمتی سرمایہ) ہے اور اس کا نفع یہ ہے کہ عمل اچھا ہو اگر با برکت کاموں میں لگی ہوئے لگے تو زمانہ ناقص ہو گا کیونکہ اُس سے فائدہ کم ہو گا۔ جیسے درخت اور پہل کی حالت ہے کہ اگر پہل میں کمی ہو تو کٹا جاتا ہے کہ یہ درخت ہتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ يَكْفِيكَ مِنْ الْخَوْفِ وَالْجُودِ وَنَقَصَ مِنْ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

”ہم تم کو کمزور آوازیں گے کسی قدم نہیں سے اور فتنے سے اور مال و جان اور

ثمرات کے نقصان سے“

(معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا نقصان بڑی مصیبت ہے جو بطور ابتلا کے اللہ تعالیٰ

کی قسم سے درد ہوتی ہے بطور نعمت کے نہیں آتی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس دن میرے علم کے اندر کچھ ترن نہ ہو اور نہ میں کسی پر کوئی احسان کروں تو اُس دن آفتاب کا طلوع ہونا میرے واسطے ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی بغیر عمر کی کوئی قیمت نہیں ہوتی (کہو نہ) وہ اُس میں اپنی بگڑی کو بنا لیتا ہے اور بگڑی کو بنانے کا طریقہ بجز توبہ اور عمل صالح کے کیا ہے کہ اس سے ذریعہ وہ اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور توبہ عمل کا ذخیرہ۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قلوب پر دُنیا کی محبت تذاب ہو اور اسی میں دال ٹخنوں پر دُنیا کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دی جاوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیہ حدیث میں) اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے :

بقولہ انتم فی زمانہ و ذکر من صفات اہلہ انہم یدعون اہلہم  
قبل اہوائہم و سیأتی زمان و ذکر من صفات اہلہ انہم یدعون  
فیہ اہوائہم قبل اہلہم۔

”تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہش (نفس) پر عمل (صلح) کو مقدم کیا جاتا ہے پھر ایک زمانہ آنے کا جس میں خواہش (نفس) کو عمل (صلح) سے مقدم کیا جائے گا۔“  
وقال علیہ السلام من ابتداء بحفظہ من دنیا فانه حفظہ من آخرۃ ولہ  
مثل من دنیا لا ما کتب لہ ومن ابتداء بحفظہ من آخرۃ نال من  
آخرۃ ما احب ولہ یفتنہ من دنیا و ما کتب لہ۔

”نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دنیا کے حق کو مقدم کرے گا اُس سے آخرت کا حق فوت ہو جائے گا اور دُنیا میں سے اُن ہی نے گنجائش کے لیے مقدم ہے اور جو آخرت کے حق کو مقدم کرے گا اُس کو اوت میں سے کسی خواہش کے موافق ملے گا اور دُنیا بھی جتنی مقدم ہے فوت نہ ہوگی۔“

وقال علیہ السلام من شر ما لیس فیہ و ذکر فیہ و یقن العمل۔

نیز فرماتے صحابہ قیامت میں مجھ کا بیان فرمایا ہے کہ اُس وقت عمل کم ہو جائے گا۔

اور اس مضمون میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ تو اس تقریر سے (وہ بات واضح ہو گئی جو نقصان) باطنی کے متعلق ہم نے عرض کی تھی اور یہ توفیق اور نفل کے طریقہ پر (حکام) تھا۔ وہ ہے عزرات اہل معاد (صوفیہ کرام) تو ان کے طریقہ پر (نقصان منوی) کا بیان یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں وقت ایک تلوہ ہے اگر تو اس کو نہ کاٹے گا وہ تجھے کاٹ دے گا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کو عمل (مال) میں نہ گزارو گے تو وہ تم کو (اس) مال سؤل ہی میں غم کر دے گا۔

أَجَلُ دُنْيَا كَلِمَاتٍ أَوْ دُنْيَا مَسْأَلَةٍ مِّنْ مِّمَّا يَكُونُ لَهَا حَقٌّ

یہ تو اعمال آخرت کا بیان تھا اور اب تو اعمال دنیویہ میں بھی نقصان کا سبب ہوگی اور تمام مسألات میں اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ چنانچہ اہل صنعت میں سے کوئی بھی اپنی صنعت میں اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا جو پہلے آدمیوں کے شغل سانگیا ہے۔ اسی طرح کار اور کاشت کار حتیٰ کہ بادشاہ بھی اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے علاوہ تمام دنیوی اسباب و ذرائع میں بہت ہی نقص واقع ہو گیا ہے جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق و احکام کے بھلانے میں کوتاہی اور ششقی کرنے لگے اور باہم ایک دوسرے سے مکر و فریب کرنے لگے ہیں اس لیے ان کے بدن اور مال اور نفل (بہر چیز) سے برکت اٹھ گئی اور سب پر اس طرح وبال آگیا کہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے ہیں، چنانچہ لوگ تہمت کرتے ہیں کہ یہ بے برکتی کہاں سے آگئی؟ حالانکہ ہم نے طلب (اور محنت) میں کوشش کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ زبان حال ان (کے سوال) کا جواب دینی ہے قل ھوں عند الفسک۔ کہہ دو کہ یہ سب کچھ تبدیلی ہی ذات سے ہے۔ کیونکہ یہ صفات (اور یہ حالات جو تمہارے اندر ہیں) تقاضائے ایمان کے خلاف ہیں۔ ایمان تو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ (محتاج) ہے ولا تخافوا ولا تحزنوا ولا یؤخركم عن العمل کسل ولا مہم ولا جملہ امور واد کو تو اعباد اللہ انجانہ نہ باہم حد کو نہ ایک دوسرے سے نفی

دیکھو نہ بیچہ موڑ کر چلو اور اسے اللہ کے بندہ! میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اپنے بھائی مومن کے لیے وہی چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے: اللہ فی ہون العبد ما کان العبد فی ہون اخیه۔ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندہ کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کرتا رہتا ہے۔ یہ حضرات ملت کا بڑی طریقہ تھا۔

## ہمدی اور خیر خواہی خلق سے مال میں برکت ہو کا عجیب واقعہ

چنانچہ میں نے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی ملک پر قبضہ کیا تو خزانہ میں گیسوں کے دانے بھی دیکھے جو اُس گیسوں سے بہت بڑے تھے جو عام طور پر لوگوں کی نظروں میں رہتا ہے۔ بادشاہ نے اُس کے متعلق تفتیش کی مگر یہ گیسوں کس نے خزانے میں رکھے اور کس لیے رکھے، تو ایک بوڑھے نے جس کی عمر لمبی ہو گئی تھی بتلایا کہ میں اس کی حقیقت سے واقف ہوں۔

بات یہ ہے کہ ایک جوان اور بوڑھے نے شرکت میں کھیتی کی مٹی جب کھیتی کٹ گئی اور فرس تیار ہو گئی تو دونوں نے اس کے دو حصے کر لیے (پھر) ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس غلہ کو باری باری اٹھانا چاہیئے۔ ایک دوسرے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے حصہ کا پہرہ دوں گا۔ پھر میں اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤں گا۔ تم میرے اور اپنے حصہ کا پہرہ دینا۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق اول بوڑھے نے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھایا اور جوان پہرہ پر رہا۔ بوڑھے کے بال بچے بہت تھے تو جوان اپنے دل میں کہنے لگا یہ بوڑھا آدمی ہے اس کے بال بچے بھی ہیں مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے تو وہ اپنے ڈھیر میں سے کچھ گیسوں نکال کر اُس کے ڈھیر میں ڈال دیتا۔ پھر جب جوان کے اٹھانے کی باری آئی اور بوڑھا پہرہ پر جو اُن اُس نے اپنے دل میں کہا یہ جوان آدمی ہے لوگ اس کے پاس ملنے لانے کو زیادہ آتے ہیں۔ مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ اُس نے بھی اپنے ڈھیر میں سے گیسوں

نکال کر جو ان کے ڈھیر میں ڈال دیئے۔ غرض دونوں یہی کرتے رہے کہ جو ان اپنے پہرہ کے وقت بٹسے کے ڈھیر میں اپنے گیسوں ملنا دبا اور بڑھا اُس کے حصّہ میں اپنے حصّہ سے ڈالنا دبا نتیجہ یہ ہوا کہ (دونوں باری باری گیسوں اُٹھاتے رہے اور غلّہ (میں برکت ہونے لگی کہ پہلے سے) بڑھنے لگا حتیٰ کہ گیسوں کا دانہ بھی بڑا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ برکت ہوئی) دونوں ڈھوٹے ڈھوٹے خاک گئے غلّہ کے اُٹھانے سے عاجز ہو گئے اللہ یہ بھی دیکھا کہ غلّہ کا دانہ بہت بڑھ گیا ہے۔ عام طور پر جتنا بڑا ہوتا ہے اُس کی حد سے بھی نکل گیا ہے تو ہر ایک نے دوسرے سے قسم دے کر پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیا کرتا رہتا ہے (جو غلّہ میں اتنی برکت ہو گئی) تو ایک نے دوسرے کو بتلایا کہ میں تو تیرے پیچھے ایسا کرتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں بھی یہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ قطعہ بستی میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اُس نے کسی کو بھیجا تاکہ اس گیسوں میں سے تھوڑا سا بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ جب بادشاہ نے یہ گیسوں دیکھا تو کہا اس میں سے کچھ انگوٹھ کے طور پر، شاہی خزانہ میں رکھ دیا جائے تاکہ بعد والوں کو اس سے جہرت اور نصیحت حاصل ہو تو دیکھو جب ان دونوں نے ادب کے ساتھ حقیقتِ ایمان کا حق ادا کیا تو ان پر ایمان کی برکتیں نازل ہو گئیں۔ حق تعالیٰ شاد فرماتے ہیں :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَىٰ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفُتَحُّوا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

۷۷ اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لے لیتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ۷۷

ادب نہ دیا ایمان ہے نہ دیا تقویٰ تو وہ پہلی سے برکتیں بھی نہیں دے رہی (وہاں حتیٰ نقصان تو وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا کیونکہ رات اور دن کے گھنٹے بدستور اپنے حال پر ہیں) اگرچہ یہ فرق ضرور ہو گیا ہے کہ ان گھنٹوں میں جتنا کام پہلے لوگ کر لیتے تھے اب اتنا کام نہیں ہو سکتا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حتیٰ نقصان کی بھی اطلاع دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ سالِ مبینہ کے برابر ہو

جانے گا اور سینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن ایک گھنٹہ کے برابر ہوگا (الیٰ اخرا لہ ریٹ) اس علامت کا تصور ابھی باقی ہے۔ وقولہ ویکثر الزلازل فہل هذا فیہ معنی من الحکمۃ الی قولہ فہذا مبالغہ بقی خروجہ " اعمال صالحہ اور تقویٰ سے وقت میں برکت ہونا صوفیہ کے نزدیک جیسا ہے ہے۔

مستبرطین سے پتہ چلا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی عہدِ کرام کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور مغرب تک ختم کر لیتے تھے بعض ہزرگانِ سلسلہ نے غوثی عمر میں اس قدر کام کیا ہے کہ ان کی تصانیف کے اوراق کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن ہزار صفحے ہوئے۔ آج کل تو اتنے صفحات کا مسودہ سے نقل کرنا بھی دشوار ہے۔ ان حضرات نے ان کو لکھا بھی تھا اور تصنیف کے طور پر لکھا تھا جس میں عبارتِ اُفرسی اور تہ تیرو تامل اور تلاش و تحقیق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان ایام میں سے بچپن اور طالب علمی اور سفر و مرض کے ایام بھی نکال دیئے جائیں جن کا مستثنیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ اوسط ایک ہزار صفحوں روزانہ سے بھی بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(۱۳۳) عظیم شریعت اور دین داری قتلِ ناحق سے منع ہے اور علمِ فطرتِ دین کی جڑ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ قتل کی کثرت ہوگی۔ اس سے قتلِ ناحق مراد ہے کیونکہ حدودِ الدنیا کی وجہ سے قتل ہونا تو بہتوں کے لیے بھی رحمت ہے اور مخلوق کے لیے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی زمین میں اللہ کی حدود میں سے ایک حد کا قائم کیا جانا اس سے بہتر ہے کہ اس پر سینہ بھر بارش ہوئی رہے۔ ایک روایت میں (سینہ بھر کی جگہ) چالیس دن وارد ہے اور قتلِ ناحق کی کثرت علمِ اُدرہ کی کمی ہی سے ہوتی ہے اور قیامت کے قریب یہ دونوں کم ہو جائیں گے تو قتلِ ناحق کی کثرت ہونے لگے گی، اس کی تائید رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہے کہ قاتل کو خبر نہ ہوگی کہ اُس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو پتہ نہ ہوگا کہ اُس کو کس وجہ سے مارا گیا۔ قولہ علیہ السلام ویکثر المرحوم وھراقتل الی قولہ ولا المقتول فیما ذاق قتل۔

**ف** اے کل قاتلِ ناسخ کی جس قدر کثرت ہے بیان سے باہر ہے۔ کافر سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ باہمی جنگ میں صرف فرج ہی پر حملہ نہیں کرتے بلکہ کئی بیٹوں پر بے دریغ بم برساتے ہیں۔ جس سے سختی ہے کُن وہ رحمتِ بلا وجہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جس میں عورت و مرد، بڑھے، جوان، بچے اور بڑے سب ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ یہ تو کافروں کا حال ہے۔ اب مسلمانوں کا کیسے۔ اُنہوں نے بھی کافروں کی دیکھا دیکھی یہی طریقہ عمل اختیار کر لیا ہے۔ جب کوئی ہمارے کسی بات پر حکومت کے برسرِ پیکار ہوتی ہے تو وہ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے جس سے ریل گاڑی گر پڑتی ہے حالانکہ اُس میں ناکرہ مکٹ و مسافر سوار ہوتے ہیں۔ کوئی اُن سے پوچھے کہ مسافروں نے تمہارا کیا ہنگامہ اٹھا جو اُن کے ہلاک کرنے اور ٹوٹنے کو تم نے جائز سمجھ لیا

یہاں سے معلوم ہوا کہ علمِ دین اور سچی دین داری ہی سے دُنیا میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ علوم و دیوبند سے دُنیا میں فساد ہی بڑھتا ہے۔ آج کل علومِ دُنیا کی اشاعت ہر جگہ بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ جاہل اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں مگر کسی طرح فساد میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ دن بدن بڑھتی ہے اگر اس کی جگہ علمِ دین اور دینداری کو ترقی دی جاتی تو یقیناً دُنیا فساد سے پاک ہو جاتی۔ ظہر الفساد علی السہر

والبحر بما اکسبت ایدھا الناس لبذ یقہم بعض الذی عملوا العلم یرجعون۔ اس حقیقت پر سب سے زیادہ یقین و اعتقاد حضرت موفیہ کو ہے اُن کے نزدیک اعمالِ سیئہ اور قلبِ دین سے آفات و بلیا سے کانزلی اور اعمالِ صالحہ و تقویٰ و استغفار و توبہ سے ان کا منہ بچ ہونا بدیہیات سے ہے۔ پہلے زمانے میں عامہ مسلمان کو بھی اس کا پختہ اعتقاد تھا۔ مگر اب اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے

مولانا فرماتے ہیں :

ابرنا بد اپنے منع زکوٰۃ و زنا افتد بلا اندر جہات

(۱۲۴) غلبہ حرم کے ساتھ کثرت مال بڑا فتنہ ہے رسول اللہ

کایہ ارشاد کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جانے کی کر سننے لگے۔ یہاں مال سے چاندی سونا ملو ہے اور کچھ نہیں۔ اگرچہ عرب کے محاورہ میں اُونٹ پر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اپنے عرت میں دوسری چیزوں کو بھی مال کہتے ہیں اور اس شخص کی ایک دلیل تو اسی حدیث میں موجود ہے اور ایک دوسری حدیثوں میں ہے۔ اس حدیث میں تو حضور کایہ ارشاد ہے کہ مال بننے لگے گا اور یہ صفت حقیقتہً اُن ہی چیزوں میں استعمال کی جاتی ہے جو زمین سے نکلتی ہیں۔ مال ہو یا پانی (وغیرہ) کبھی بھانڈا اور چیزوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے مگر حقیقت چھوڑ کر لفظ کو بھانڈا پر بلا دلیل محمول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ لفظ کو ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کوئی مصادیق شرعی موجود نہ ہو اور یہاں کوئی بھی مصادیق نہیں ہے۔

دوسری حدیثوں میں جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نذرنا (کا پانی ایک جگہ) سے (بچے گا اور ہاں) سونے کا پاٹھا ہر ہو گا۔ لوگ اُس پر باہم قتال کریں گے۔ یہاں تک کہ ہر شخص میں سے ننانوے قتل ہو جائیں گے عرت ایک بچے گا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ زمین اپنے غنائوں کو اگل دے گی مگر یہ اُس وقت ہو گا جبکہ لوگوں میں حرم بڑھ جائے گی اور حرم کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا۔ پھر مشرقی زمین کو حکم دیں گے کہ اپنے خزانے نکال دے اور اُس وقت مال بھر پڑے گا، یہاں تک کہ ہڈی اپنا صدقہ (اور زکوٰۃ) لے کر نکلے گا تو اُس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا جس کو دینا چاہیے گا وہ کہ دے گا کہ اگر تم یہ صدقہ لکھتے تو ہم لے لیتے آج تو ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ ان حدیثوں سے مال کے



ظاہر ہونے اور پہنے کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی کہ زمین اپنے خزانے اٹھ دے گی اور سونے کا پہاڑ (نہروں سے) نکلے گا اور اس کی جو قلت بتلائی گئی ہے مینی حرص کے ساتھ مال کی قلت وہ تو ہر زمانہ میں موجود ہے (تو اس فقرہ کے ظہور کا ہر وقت اغریض ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آفتاب بھی طلوع نہیں ہوتا مگر اُس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں اُن میں سے ایک تو کہتا ہے اللہ اعط لمنفق خلفاً اے اللہ! مال خرچ کرنے والے کو (اُس کے مال کا) عوض دیجئے۔ دوسرا کہتا ہے اللہ اعط الممسك تلفاً اے اللہ! مال بچ کرنے والے کو بربادی دیجئے۔ یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب قلت مال کا سبب حرص ہے تو پھر (غلبہ حرص کے وقت) مال (زمین سے) کیوں نکلے گا (کیونکہ اس قلت کا مقتضا، تو یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں حرص کا غلبہ باقی ہو مال کی قلت نہ ہو بلکہ قلت ہی رہے) جواب یہ ہے کہ مال کے ظاہر ہونے اور زیادہ ہونے میں فقرہ زیادہ ہے بالخصوص جبکہ اُس قلت کو بھی اُس کے ساتھ ٹالیا جائے جو اوپر مذکور ہوئی کہ صدقہ قبول کرنے والا بھی کوئی نہ ملے گا۔ اس سے بڑھ کر فقرہ کیا ہو گا کہ مال کے پاک ہونے کی کوئی حد نہ ہوگی محض وبال جان ہی ہوگا) اور خود مال کا زیادہ ہونا اور پہنے لگنا بھی بہت بڑا فقرہ ہے (کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَاسْخٍ اِنَّ رَاٰهُ اسْتَفْتٰی رَبَّہُ فَاَنسٰنٌ مَّرْکُوسٌ) ہو جاتا ہے جب وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے تو جب تک غلبہ حرص کے ساتھ مال کی قلت ہو فقرہ کم ہے۔ اگر مال زیادہ ہو فقرہ زیادہ ہوگا) اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں (قیامت کی) جو علامات بیان کی گئی ہیں اُن کی تصدیق کی جائے اور ان امور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین کر کے ایمان کو قوی کیا جائے اور ان فقروں سے بچنے کے لیے وہ عمل کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ فقروں کا ذکر فرمایا تو عرض کیا گیا آپ ہیں کیا حکم دیتے ہیں اگر ہمارے سامنے یہ فقیر آجائیں تو آپ نے فرمایا اجتنبوا الی الامیہ والاعمال الصلہ تم ایمان لےو اعمال کرو کی پادھ و صرندو۔ چنانچہ ان میں سے اکثر علامات اب ظاہر ہو چکی ہیں تو کیا صلیق صدق

میں اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق کوئی اپنی بھات کی تیاری کرنے والا ہے؟  
 یہاں ایک نمونہ دیکھو بھی ہے وہ یہ کہ جب ان حضرات کو معلوم ہو گیا کہ ان  
 بڑے بڑے فتنوں سے بھی بھات ایان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے تو انہوں  
 نے یقین کر لیا کہ چھوٹے چھوٹے فتنوں سے تو اعمال صالحہ اور ایان کے ذریعہ بدرجہ اولیٰ  
 بھات حاصل ہوگی تو انہوں نے ایان اور عمل صالحہ کے سوا کسی کام میں اپنے کو  
 مشغول نہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اُن ہی میں لگ گئے۔ جب اُنہوں نے دیکھ لیا کہ  
 اس دُنیا کا فائدہ لاد ہی ہے تو اُنہوں نے اول کو آخر کر دیا اور آخر کو اول کر  
 دیا دینی دُنیا کو مغرور اور آخرت کو مقدم کیا، اس لیے فرمایا ہے کہ جب یہ دُنیا کا  
 گھر باقی نہ رہے گا تو اس کا سامان بھی فائدہ ہوگا۔ پس ایسے گھر کے لیے کام کرو  
 جس کو فنا نہیں اور جس کا سامان بھی باقی رہنے والا ہے اور اپنے اوقات  
 کو نفع سے آباد رکھو۔ اُن کو (عمل سے) خالی (چھوڑ کر برباد) نہ کرو۔

وقوله عليه السلام حق يكثركم المال فيفيض المال هنا

المراد به الفضة والذهب الى قوله ولا تدعه بحالیا۔

حضرت شریفی کا حرم و ہوا سے منزہ ہونا اور کثرت مال کا طالب نہ ہونا  
 ف مشاہدہ ہے۔ یہ حدیث اُن کے مذاق کی تائید کرتی ہے۔



## باب شصت ویم

### حدیث

## ان لنفس علیٰ حقہ و لا ملک علیٰ حقہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم رات بھر نماز میں اقیم کرتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا بے شک میں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ اگر تم ہمیشہ ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں (اندکھ) گڑ جائیں گی اور تمہارا بدن لاغر ہو جائے گا۔ (جس سے تکلیف ہوگی) اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے گمراہوں کا بھی تم پر حق ہے پس روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو (رات کو نماز میں) اقیم بھی کیا کرو اور سوا بھی کرو۔

شرح ظاہر حدیث ہمیشہ رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے سے منافعت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ بشر اس سے عاجز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۵) بدو ن تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہ لگانا چاہیئے

کسی شخص پر کوئی حکم پوری تحقیق اور تفتیش کے بعد لگانا چاہیئے کیونکہ رادی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رات بھر نماز پڑھتے اور ہر

دن روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضورؐ نے عبد اللہ بن عمرؓ پر اس روایت سے کوئی حکم نہیں لگایا بلکہ پہلے اُن سے دریافت کیا۔ اگرچہ حضورؐ جانتے تھے کہ جس نے آپؐ کو خبر دی ہے وہ بھی سچا ہے کیونکہ حضرات صحابہؓ کے سب مقام صدق اور دیانت پر فائز تھے مگر تحقیق کا ایک پہلو باقی تھا کہ خود اُس شخص سے بھی دریافت کیا جائے تو حضورؐ نے اس پہلو کو نہیں چھوڑا بلکہ اُن سے دریافت کرنے کے بعد جب اُن کی زبان سے خود سُنی لیا تب یقین کیا۔ پس آپؐ کے اس دریافت کرنے میں چند مسائل شرعیہ پر مہلت ہے ایک تو وہی جس پر ابھی اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تحقیق روایت کے مستحق قاعدہ شرعیہ مقرر کر دیا جائے کہ ملوی لٹہ اور صادق بھی ہو جب بھی دوسرے پر کوئی حکم اُسوقت تک نہ لگایا جائے جب تک خود اُس سے مسائل کی تحقیق نہ کر لی جائے (اور تیسرے) یہ کہ یہ مظلوم کیا جائے کہ اس وقت اس عمل کے مستحق اُس کی کوئی خاص نیت تھی جس کو زبان سے ظاہر نہیں کیا اور اسی لیے وہ نقل میں نہیں آئی یا کوئی خاص نیت نہ تھی۔ نیز یہ بھی مظلوم ہو جائے کہ یہ عمل کسی شرط پر مستحق تھا یا نہیں؟ اور اس شرط کا علم داوی کو تھا یا نہیں یا مروی حضرت سے یہ بات ویسے ہی کہہ دی تھی اس پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا یا سلیے آپؐ نے دریافت کیا تاکہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جاوے کہ آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت احتمالات ہیں جن کو دفع کرنے کے لیے سوال کیا گیا واللہ اعلم۔ اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ سنت کی چند قسمیں ہیں۔ اُن میں سے ایک سنتِ تروہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے گو اُس کے ثبوت کا یقین نہ ہو۔ مثلاً دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کیونکہ اُن کے متعلق غلطی کا بھی احتمال ہے اور سچا ہونا بھی ممکن ہے مگر ہم کو اُن کی شہادت پر حکم نافذ کرنے کا امر ہے جبکہ اُن کا معاملہ ہونا مستیقن ہو۔ پس جو شخص کسی حکم کو اس حال میں نافذ کر دے کہ شریعت کے موافق اس کے سبب کا پورا ثبوت نہیں ہوا تو اُس کا یہ فعل سراسر گمراہی ہے اگرچہ نفس الامر میں اُس کا فیصلہ بعینہ حق کے موافق ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم کو غیب پر حکم لگانے کا امر نہیں کیا گیا۔ بجز اللہ عزوجل پر ایمان لانے کے کہ یہاں غیب پر حکم لگانے کا امر کیا گیا ہے۔

قوله الوجه الاول منها ان الحكم لا يكون الا على اكل وجود التحقيق والتثبت في قوله  
الاف الايمان به عز وجل حيث امرنا به -

**ف** حضرت موفیہ میں جو علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں وہ روایات پر عمل کرنے  
میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بدون تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہیں  
دلائے۔ معنی موفیہ جو علم ظاہر کے جامع نہیں ہیں، حُسنِ سخن کی بناء پر روایات میں  
تساہل کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابوں میں ضحاک اور احادیث موصوٰفہ و کثرت  
سے پائی جاتی ہیں مگر محققین موفیہ کی یہ شان نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲۶) ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں کے جزئیات احوال سے باخبر رہنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی نگرانی میں کچھ رعیت ہو خواہ چھوٹی رعیت  
ہو یا بڑی اُسے اپنی رعیت کے جزئیات احوال کو معلوم کرنا چاہیئے اور رعیت میں سے  
جس کو بھی کسی کے احوال کی کچھ خبر ہو اُس پر واجب ہے کہ سردار کو اُن احوال سے مطلع  
کر دے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) عبد اللہ بن عمرو سے  
فرمایا ہے کیا مجھ کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم مات بھرنا نہ پڑھتے ہو۔ الخ اگر آپ نے خود  
اس کو دریافت نہ کیا ہوتا اور صحابہ کے نزدیک یہ بات سنی شدہ نہ ہوتی کہ اُن کو  
اپنے اور دوسروں کے جن احوال کا علم ہو اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
مطلع کرتے رہیں تاکہ اُس کے متعلق حکم الہی معلوم ہو جائے تو حضور کو کوئی بھی یہ خبر  
نہ پہنچاتا کیونکہ آپ کی ہیبت صحابہ کے دلوں میں بہت سختی یہاں تک کہ وہ اس تنہا  
میں رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہات نہ آکر اچھے کچھ دریافت کرے تو حضور جو کچھ جواب میں  
فرمائیں اُس کو سنیں اور اُس سے فائدہ حاصل کریں۔ (تو بدون آپ کے دیانت  
کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی بات حضورؐ نہ پہنچاتا) قوله الوجه الثالث فیہ  
دلیل علی من یمن کا مستطیع بعبارة صغریٰ و کبریٰ الی قولہ فیستفیدون۔

**ف** اس دلیل و استدلال میں نذر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے

مستحق حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے **مَنْ رَأَى هِدَايَةَ هَابِهُ وَمَنْ خَالَطَ بِشَاشَةَ آجِهِ**۔ جس سے واضح ہو گیا کہ بروقت کے پاس رہنے والوں پر زیادہ ہیبت غالب نہ ہوتی تھی بلکہ محبت غالب ہوتی تھی۔ احادیث و سیر کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت صحابہ بلا تکلف آپ کے سامنے ہر قسم کی باتیں کر لیا کرتے تھے نہ کہ غلام اور باندیاں اور مسلمانوں کے بچے بھی آپ سے بے تکلف تھے اور یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ اس تنہا میں رہتے تھے کہ کوئی دیبائی ان کو آپ سے کچھ سوال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ ہیبت کی وجہ سے آپ کے سامنے بات نہ کر سکتے تھے صرف یہ معلوم ہوا کہ سوالات نہیں کر سکتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے بمعین بے تکلف سوالات سے ایک وفد آپ کو ایذا پہنچی تھی کیونکہ وہ سوالات بے عزت تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا قَدْ تَعْلَمُونَ** جس میں اس قسم کے سوالات سے ممانعت کر دی گئی۔ اس کے بعد صحابہ سوالات میں احتیاط کرنے لگے اور کسی مائل دیبائی کے آنے اور سوال کرنے کی تنہا کرنے لگے تھے۔ کیونکہ دیبائیوں کے سوالات سے ضد پر کھڑی نہ ہوتی تھی۔ دیکھو کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ہوئی سو اس کے متعلق کثر العیال میں تاریخِ حاکم کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اُن کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ عبداللہ رات بھر ناز پڑھتے ہیں اور رات کو روزہ رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عبداللہ رات کو نماز بھی پڑھا کر دے اور سو یا بھی کرو (اور دن میں) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو اور اپنے باپ عمرو بن العاص کی اطاعت کرو۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی والدہ نے بھی اُن کی شکایت کی تھی کہ عبداللہ نے تو دنیا کو ترک ہی کر دیا ہے اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ بیویوں کو چھوڑ دیا ہے اُن سے کچھ مطلب بھی نہیں رہا۔

ختمِ صحابہ کو وفد دیکھتا ہے ہر آپ کی ہیبت غالب ہو کر درجول کھل کر ملتا ہے اُس پر ہیبت غالب ہوتی تھی

گوشت کھاتے ہیں۔ ص ۶۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن مسعود کے جزئیات احوال کو خود دریافت نہیں کیا بلکہ اُن کے والدین نے شکایت کی تھی اور اُن کے والدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت کا ایسا تعلق تھا کہ حضور کی ہیبت اس قسم کی باتوں سے اُن کو مانع نہ تھی۔ یہ تو اس دلیل و استدلال پر کلام تھا باقی حضرت شاری کا مدعا اس دلیل پر موقوف نہ نہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ مدعا ثابت ہے کہ ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں کے احوال و اقوال کی خبر گیری کرنا چاہیے البتہ تجسس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں تجسس سے نسی وار د ہے۔ ماتحتوں کے احوال و افعال کی خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام اُن کے سپرد کر کے بے فکر نہ ہو جائے بلکہ تحقیق کرتا رہے کہ وہ اس کام کو کس طرح انجام دیتے ہیں اور اگر اُن کے دوسرے احوال کے متعلق کوئی شکایت پہنچے تو اُس کی پوری تحقیق کر کے اُن کو تنبیہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲۷) عبادت میں فرائض کو مقدم کرنا چاہیے حدیث سے معلوم میں فرائض (مستحبات و نوافل پر) مقدم کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تمہاری جان کا تم پر حق ہے۔ تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے (تو آپ نے حقوق نفس اور حقوق اہل کو شب بیداری اور صوم دہر پر مقدم کرنے کا امر فرمایا ہے)

اس جگہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نفس کے حق سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح اہل کے حقوق کیا ہیں؟ اور اہل سے یہاں کون مراد ہے؟ سو حق نفس کے بارے میں حضرت فقہاء اور اہل معاملات (یعنی صوفیہ کرام) میں اختلاف ہوا ہے۔ فقہاء تو یہ فرماتے ہیں کہ حق نفس یہ ہے کہ جن مخلوق کی وجہ بشریت کے نفس کو عبادت ہے اُن کو پورا کیا جائے (جیسے کھانا پینا، سونا، بیوی کے پاس مانا اور کسی وقت نفس

کو راحت بھی دی جائے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسری حدیث) میں فرمایا ہے رَفَعُوا الْقُلُوبَ سَاعَةً - دلوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد آرام بھی دیا کرو۔ نیز آپ کا ارشاد ہے ان الحبب لا یفنا قطع ولا ظہر لا یغف - تیز دوڑانے والے نے نہ تو مسافت بھی کوٹے کیا نہ سواری کو سلاست رکھا (کیونکہ برابر تیز دوڑانے کا نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ جانور چلنے سے رہ جاتا ہے) مگر ان حضرات کے نزدیک بھی اس حلقے کے پورا کرنے کی شرط یہ ہے کہ سنت کے موافق پورا کیا جائے اور اہل معاملات (مونیہ کرام) فرماتے ہیں کہ نفس کا تم پر حق یہ ہے کہ اُس کو مولیٰ کے ہوا سے الگ کر دو (اس صورت میں یہ حدیث ایسی ہوگی) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصراخاٹ ظالما او مظلوما (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُس کو ظلم سے روک دے (حالانکہ ظلم سے روکنے میں کوئی گنہگار ہو گا مگر اُس کا حق نفرت اسی طرح ادا ہو گا اس کی ناگواری کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہوا سے منقطع کر دینا اگرچہ اس کو ناگوار ہو گا مگر اس کی خیر خواہی کا حق اسی طرح ادا ہو گا خوب سمجھ لو) اور دونوں قولوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ اس صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ تعلقات قلبیہ میں تو حق نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہوا سے اُس کو منقطع کر دو اور اسباب (ظاہر) میں حق نفس یہ ہے کہ خلاف شرع اسباب سے اُس کو مجبور کر دو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ قلوب کو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ہوا کی سے لگاؤ نہ رہے (یہ صریح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب رہے) اور اسباب ظاہرہ میں جو تعصبات بھی جو شرعیات کے مطابق ہو جس کی رفعت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ اس طریقہ کی شاہد آثار نبویہ میں حضرت مساذکی حدیث ہے جب اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ مین بیجا تاکہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں پہنچے اور لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سمت کو روانہ ہو گئے جیسا کہ اُن کو امر کیا گیا تھا۔ پھر کسی موقع پر دونوں کا اجتماع ہوا تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ حضرت



ابوموسیٰ نے فرمایا: میں اس کو (نماز میں) کھڑا ہو کر بھی پڑھتا ہوں۔ بیٹھ کر بھی پڑھتا ہوں۔ لیٹ کر بھی پڑھتا ہوں۔ وقفہ وقفہ سے پڑھتا رہتا ہوں۔ رات بھر نہیں سوتا۔ حضرت مساند نے فرمایا کہ میں تو درات کو نماز میں کھڑا ہو کر پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور جیسا تیمام سے ثواب کی امید رکھتا ہوں اسی طرف سونے میں بھی ثواب سمجھتا ہوں۔ پھر دونوں اس اختلاف کا خود فیصلہ نہ کر سکے اور کسی نے دوسرے کی بات کو افضل نہ مانا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس اختلاف کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا اے ابوموسیٰ! مساند تم سے زیادہ سمجھدار ہیں جو قیام (بیل) بھی کرتے ہیں اور سوتے بھی ہیں (اسی کے مناسب) بعض بزرگان طریق کی حکایت ہے کہ ایک دفعتان کو مناجات اور نفل (خداوندی) کی خاص حالت میسر ہوئی تو دعا کی کہ یہ حالت میرے لیے ہمیشہ رہا کرے تو اُن سے (بطریق الہام کے) کہا گیا کہ تم بشر نہیں ہو اور بشریت کے دہیتے ہوئے یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی ہے۔

در بزم عیش یک دو قدح در کش و برود یعنی طبع دار دو سال دوام را (معاذ) پس جب تم ہمارے حکم اور نئی کی طرف رجوع کرتے ہو ہمارے حکم کو بالالذہ اور جس نفل سے تم کی گئی ہے اُس سے باز رہو (تم ہمیشہ ہمارے پاس رہو گے) یعنی قرب کا مدار احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ تم اپنے اعمال کو شریعت کے موافق رکھو بہر حال میں مقرب رہو گے۔ احوال ہوں یا نہ ہوں اگرچہ عادت اللہ یہ ہے کہ استقامت اعمال سے استقامت احوال بھی عطا ہو جاتی ہے مگر احوال کے لیے دوام لازم نہیں رہا یہ کہ یہاں اہل سے کون مراد ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ یہوی بچے وغیرہ جن کا نفع مرد کے ذمہ ہے سب ہی مراد ہوں کیونکہ اگر انسان ہر وقت عبادت میں مشغول رہے گا۔ ان کے حقوق کا ادا کرنا دشوار ہو جائے گا۔ حالانکہ ان حقوق کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اہل سے مراد یہوی مراد ہو کیونکہ شوہر و عورت کا حق یہ بھی ہے کہ اس سے مقارب کرے اور روزہ اور شب بیداری کی کثرت اس میں کمی کا باعث ہوگی جس سے ایک حق واجب

میں غلط واقع ہو گا۔ مگر عام معنی پر حدیث کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ فائدہ ہے (اور اس حدیث میں بل کو زہر پر محمول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد اور ماں باپ وغیرہ کا حق بندہ کے ذریعہ نہیں بلکہ یہ کہا جانے لگا کہ چونکہ صحابی کے والدین نے خاص طور پر یہ شکایت کی تھی کہ عبداللہ کو تو نہ دنیا سے واسطہ نہ ہوئی سے مطلب۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خصوصیت کے ساتھ ہوی کے حق کی تاکید فرمائی بقیہ حقوق میں کوتاہی کی کسی نے شکایت نہ کی تھی تو یہاں اُن کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔ دوسرے مواقع پر بہت احادیث میں حضورؐ نے جملہ اہل حقوق کے حقوق پر تنبیہ فرمادی ہے) قول: لوجه السادہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاولیٰ فی العبدۃ تعدیہم الا فرائض انی قوله وحملہ علی الامداد انی لانہ اکبر فی العبادۃ

ف یہ ہے اصلی اور حقیقی تقصوت کہ فرائض کو فرائض و مستحبات پر مقدم کیا جائے لیکن آج کل کے جاہلوں کا تقصوت یہ ہے کہ نماز قضا ہو جاوے، روزہ قضا ہو جاوے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ قضا نہیں ہو سکتا۔ بیٹھے جاہل حرفی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے تیس برس سے ہوی بھڑوں کی کھدیت نہیں دی تھی۔ بیٹھے اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم سے کسی بزرگ کا کوئی عرس فوت نہیں ہوتا برابر ہر عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی وجہ سے اُن کی صد ہا نمازیں ریل کے سفر میں قضا ہو جاتی ہیں یا بے وضع پن سے پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان جاہلوں کے نزدیک نماز روزہ میں وہ ثواب کہاں جو عرس اور قوالی میں ہے استغفر اللہ ملاہون ولا قوۃ الا باللہ۔ ان لوگوں نے کیسا شریعت اسلامیہ کو مسخ کیا اور کس بُری طرح تقصوت کو بدنام کیا ہے۔ یاد رکھو نہ یہ لوگ مٹوئی ہیں نہ ان کو تقصوت کی ہوا لگی تقصوت تو اس کا نام ہے کہ دل نذر ذکر سے غافل ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے اور احوال میں شریعت کی پوری پوری موافقت ہو۔ جس کو یہ دولت حاصل ہے وہ مٹوئی ہے ورنہ مذمتی اور جاہلی ہے۔

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ مدارِ قرب احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ یہ بات اب ضرور

کھنے کہ ہے۔ حضرت حکیم الامتہ دہلوی نے اپنے ملاحظہ و ملاحظات میں بار بار اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور تکمیل میں سستی کرنا چاہیے کہ قرب اسی سے عطا ہوتا ہے۔ ایک دندہ بھان اشرفیہ سے غلوں کے ساتھ کھنے سے تو قرب ہو گا مگر گھنہ بھر کے استغراق اور دن بھر کے جوش و خروش سے کچھ بھی قرب نہ ہو گا۔ کیونکہ احوال کو قرب میں دخل نہیں وہ تو صرف سموات اعمال کے لیے عطا ہوا کرتے ہیں تاکہ سالک کی ہمت مل کے لیے بلند رہے خود مقصود نہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے دسترخوان پر چٹنی کہ وہ غذا کے لیے نہیں ہوتی ہے خود مقصود نہیں ہوتی۔ انسان کو چٹنی کے ذریعہ غذا سے پیٹ بھرنا چاہیے۔ اگر کوئی چٹنی کی لذت پا کر اُسی سے پیٹ بھرے گا تو یقیناً نقصان اٹھائے گا اور سب اس کو احمق بتلائیں گے۔

(۱۲۸) حدیث میں (انسان کی) بشری کمزوریوں پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ تکلف کے ساتھ قدر تحمل جیسی سے زیادہ عمل کرنا اکثر ضرر اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے ان پر متنبہ فرمایا ہے (فانك ان فعلت ذلك، هجعت عينك و نقصت نفسك) اگر تم ایسا کرو گے تو ہتھیلی (اندر کو) گڑ جائیگی اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے گا۔ اس کلام کا پرشکوہ عنوان بتلا رہا ہے کہ طبیعت انسانی اپنے ضعف کی وجہ سے اس عمل کا مکمل نہیں کر سکتی جس کا ان صحابی نے ارادہ کیا تھا۔ اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صحابہ کو وصال موم سے منع فرمایا تھا (و مال موم یہ کہ دنگا مار روزہ دنگا چلا جائے۔ درمیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھائے) صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے رات کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حسی طور پر آپ (نبی) کھانا کھاتے تھے کیونکہ اس مرتبہ میں آپ کا وصال باقی نہ رہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جیسی کھانے پینے والے کو (غذا سے) حاصل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ایک بزرگ صی وصال کا ارادہ کرتے ایک روٹی

اپنے ٹیکے کے نیچے دکھاتے تھے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت کے باہر گئے تو کسی درویش نے وہ روٹی ٹیکے کے نیچے سے نکال لی۔ جب بزرگ واپس آئے اور ٹیکے کے نیچے روٹی کو نہ پایا تو بڑھا چلا یہاں سے روٹی کہاں گئی؟ درویش نے کہا حضور! آپ جیسے شخص کو اس روٹی کی ضرورت ہی کیا ہے (وہ تو کئی دن سے ویسے ہی رکھی ہوئی تھی، ہم نے اُس کو الگ کر دیا کہ جب کھاتے نہیں تو فضول رکھنے سے کیا فائدہ؟) فرمایا ادب کی رعایت کرو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس وقت میری جو حالت تم دیکھ رہے ہو یہ میری طبیعتی (اور فطری) حالت ہے (ہرگز نہیں) بلکہ محض فضل الہی اور فیض ربانی (اس کا سبب) ہے تو اگر کسی وقت مجھے حالت بشری کی طرف لوٹاؤ (اباؤ) (اور یہ فیض و برکت وہی جائے) اس وقت اگر میرے پاس یہ روٹی ہوگی تو میں اس سے دشمن کو روٹی نہ سکوں گا (یعنی بھوک کو جو کبھی ہلاکت کی طرف منطقی ہو جاتی ہے اسی لیے اس کو دشمن کہہ دیا گیا یا شیطان کو دفع کر سکوں گا جو فیض و مدد باطنی کے بند ہونے کے وقت سالک کو بہکاتے آتا ہے کہ لو تمہاری محنت و ریاضت کی وہاں یہ قدر کی گئی کہ مدد بند کر دی گئی اب تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو اُس وقت روٹی ٹیکے کے نیچے سے نکال کر اُس کے دوسرے کو دفع کر دیا جائے گا کہ میرے مالک نے ایک مدد بند کر دی تو دوسری مدد تو اُس کی طرف سے موجود ہے کہ اُس نے مجھے روٹی کھا کر دی ہے جس سے بھوک کو دفع کر کے قوت حاصل کر سکتا ہوں)

اسی حقیقت کی بناء پر احکام کو اصلی اور اثری حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ مثلاً تین وقت کے فاقہ کے بعد مُردار کو حلال کر دیا گیا کیونکہ طبیعت انسان کی اصلی وضاحتی کمزوری کی وجہ سے اس مقدار سے زیادہ فاقہ کا تحمل نہیں کر سکتی۔ اگر اس سے زیادہ کا تحمل کیا جائے گا تو انسان کی حالت میں خلل واقع ہوگا جس سے بعض دفعہ موت کی نوبت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔

• اللہ تعالیٰ کو تمہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم شکر کرنے رہو

اور ایمان لے آؤ ۛ

تو کسی حالت میں انسان کو ہلاکت میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب خدا نے اجازت دے دی ہے بے تکلف مُردار کھا کر اپنی جان بچائے اور قوت حاصل کر کے ایمان اور عمل صالح میں ترقی کسے۔ عہدیت اور ہندگی اسی کا نام ہے۔ اس وقت طبعی نفرت پر عمل کر کے مُردار سے احتراز کرنا اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا خدا کی بندگی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی بندگی ہے۔ عاشق کی شان یہ ہونا چاہیے۔

سچوں طبع خواہد ز من سلطان دیں

خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عشق و محبت کی شان یہ ہے کہ اگر ایک وقت محبوب سر پر تاج شاہی رکھے تو جیسا اُس وقت خوش ہو کر محبوب کا شکر یہ ادا کرتا ہے اسی طرح اگر دوسرے وقت تاج شاہی سر سے اتار کر ایک ہنگی کے ملنے مجبور و نیاز کا حکم دے تو اس حکم کو بھی خوشی سے جلا چوں و چرا بہالائے۔

عاشقی چیت بگو بندہ جانوں بدون

دل بدست دگرے داؤں و حیران بودن

پھر اگر انسان کو کسی وقت اس سے زیادہ قوت عطا ہو جائے (کہ تہی وقت سے زیادہ فائدہ کرنے سے بھی اُس کو منفع اور کمزوری نہ ہو) تو یہ معنی فضل و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لیے دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لیے کھانے پینے سے قوت عطا کر کے کا قانون مقرر کیا ہے اسی طرح اپنے خاص بندوں کے لیے بدون کھانے پینے کے قوت اور ہمت عطا کرنے کا قاعدہ جاری کر دیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہوا کسی کی طرف التفات نہ کریں۔ تو جو شخص اس شان کو (یعنی وصالِ صوم کو) اختیار کر کے ان لوگوں کی حریم کرنے لگے ملاحظہ کریں اس کو یہ فیض حاصل نہیں ہوا تو اُس کی حالت میں ضرور غلط واقع ہوگا اور یہ شخص اس آیت کا مخاطب ہوگا وَلَا تَلْقُوا بَابَهُ الْفِتْنَةُ اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالو۔ مگر یہ کہ کسی کے ساتھ اس وجہ سے

لطفت (کامیاب) ہو جانے کے بزرگوں کے ساتھ اُس کو شبنم ہے۔ اُن کی حالت کی تصدیق (اُس کے دل میں) ہے تو اور بات ہے لیکن غالب یہی ہے کہ اس شخص کو (ابتداء میں) دشواری پیش اُسے گی۔ پھر بزرگوں کی حرمت کی وجہ سے دشواری اُٹھادی جائے گی۔

قوله في الوجه السابع فيه دليل على ضعف البشرية  
الى قوله ثم يميل عنه للحرمة -

(۱۲۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین میں جس عمل کو مستحب کہا گیا ہے وہ بھی ہر حال میں مطلوب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صحت و انظر و قد و نجد و روزه بھی رکھو انظار بھی کرو۔ رات کو اٹھو بھی اور سوؤ بھی۔ اس کے اشارہ سے مستحب کا مطلوب ہونا مفہوم ہو رہا ہے اور اشارۂ کلام اور غوی کلام کا وہی حکم ہے جو نفس کا حکم ہے۔ مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا تو گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے ضمن میں یہ فرما رہے ہیں کہ اداء حقوق (زور و غیرہ) میں ایسے مشغول نہ ہو کہ مستحبات کو بالکل ہی نظر انداز کر دو بلکہ فرض اور مستحب دونوں کو بھالائے نہ ہو۔ اگر تم قواعد شریعت میں غور کر دے گے تو سب کو اسی انداز پر پاؤ گے (کہ فرائض اور مستحبات دونوں ہی کے اہتمام کا حکم کیا ہے)

پس جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اپنے محبوب پر نظر رکھتا ہے (کہ فرائض میں کوتاہی ہو رہی ہے یا مستحبات میں) جس سے کامیابی کا راستہ اُس کو نظر آ جاتا ہے۔ اس لیے (ایک بزرگ نے) فرمایا ہے کہ تمہارا اپنے نفس پر نظر کرنا جو اسے حجاب ہو جاتا ہے (یعنی ایسا شخص دوسروں کی خبر گیری اور نصرت نہیں کرتا نہ اُن کے حقوق ادا کرتا ہے) اور اپنے نفس کے جو دوسری چیزوں میں مشغول ہو جانا اپنے نفس سے حجاب ہو جاتا ہے (کہ ایسا شخص اپنے نفس کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا دوسروں ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ پس مذہب حق

blogspot.com

دوسروں میں مشغول ہونہ ہر تن اپنے نفس میں مشغول ہو، بلکہ دوسروں کا حق بھی ادا کرے اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کرے (پھر اگر تم کو اپنے نفس کی اصلاح و فکر سے مجب ہونے لگا (اپنے کمالات پر نظر کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگا) تو دوسروں سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اور اگر (اصلاح نفس میں اس طرح لگے رہے کہ) اپنے نفس (کے کمالات) سے اندھے بن گئے تو اپنی ذات سے بھی تم کو خیر حاصل ہوگی اور دوسروں سے بھی فائدہ پہنچے گا۔

قوله الوجه الثامن فيه دليل على ان المندوب على الدين  
مطلوب على كل حال الى قوله كانت خيرها وخير ما سواها -

ف اپنے نفس سے اسی کو نفع پہنچتا ہے جو اس کی فکر اصلاح سے محنت نہ کرے اور ہمیشہ اس کو ختم سمجھے اور دوسروں سے نفع اس کو پہنچتا ہے جو اپنے کو سب سے کمتر سمجھے۔ پانی نشیب کی طرف جاتا ہے، بلندی کی طرف نہیں چڑھتا اور اگر کسی اتفاق سے بلندی پر جاتا بھی ہے تو نشیب کو بھر کر جاتا ہے یہی حال فیض باطن کا ہے۔

ہر کجا پستی است آب آسپا رود  
ہر کجا مشکل جواب آسپا رود



## باب شصت و دوم

### حدیث

## الاستخارة فی الامور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم (اس تاکید سے پہنچاتے تھے جیسا قرآن کی سورت (اہتمام کے ساتھ) سکھایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ جب کسی کو کسی کام کا فکر (وترود) ہو تو دو رکعتیں نفل پڑھے اُن کے بعد یہیں کہے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغِیْرُكَ بِطِبِّكَ وَ اَسْتَعِیْذُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْتَدْفِئُكَ مِنْ قَضَائِكَ الْعَلِیْمِ ۚ فَاَتَمَّتْ تَعِیْدُكَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَدَامُ الْغُیُوبِ . اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَلْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اَجَلِهِ فَاقْدُرْ لِّیْ وَ یَسِّرْ لِّیْ ثُمَّ بَارِكْ لِّیْ فِیْهِ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَلْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ اَجَلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْ عَنِّیْ مَا وَاقَدْتُ لِّیْ الْخَیْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَوْضِیْئْ بِہٖ . قَالَ وَ یَسْمٰی حَاجَتَہٗ ۔

ترجمہ : اے اللہ! میں آپ سے تجریر طلب کرتا ہوں آپ کے علم کے وسیلے سے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت کے بغیر اور مانگتا ہوں آپ سے آپ کے لئے فتنل کا ہر خطرہ کیونکہ آپ قادر ہیں میں قادر نہیں آپ جانتے ہیں اللہ میں نہیں جانتا۔ آپ تو علم کامل فرمائیے



ہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے غیر ہو (یعنی مقصود کا نام لے یا مقصود کرے) میرے دین میں بھی دنیا میں بھی اور انجام کار میں بھی تو اُس کو میرے لیے تجویز کر دیجئے اور میرے لیے آسان بھی کر دیجئے۔ پھر اُس میں میرے لیے برکت (ترقی) بھی دیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے ضرور (یعنی مقصود کا نام لے یا مقصود کرے) میرے دین میں اور دنیا میں اور انجام کار میں تو اُس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھے (بھی) اُس (کے خیال) سے ہٹا دیجئے اور جہاں کہیں بھی غیر ہو اُس کو میرے لیے مفید فرما دیجئے۔ پھر مجھے اُس سے راضی رکھئے۔“

فرمایا اور (درمیان میں) اپنی حاجت کا نام بھی لے (ترجمہ میں تو اُس کا موقع بتلا دیا گیا اور اصل دعائیں اُس کا موقع لفظاً هذا الامر ہے)

تشریح ظاہر حدیث بتلا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا نے استفادہ پر تشریح ترفیع دیا کرتے تھے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-

موصوفی نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی کام کے لیے استفادہ کیا اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے (کسی جانب) کوئی فیصلہ کر دیا (مثلاً وہ مقصود پورا کر دیا یا اُس سے دل کو ہٹا دیا یا ایسے اسباب پیدا کر دیئے جس سے وہ مائل خود ہی ہٹ گیا) اور بندہ اُس فیصلے سے راضی نہ ہو تو یہ اُن کے نزدیک کائنات میں سے ہے (یعنی بڑا گناہ ہے) جس سے توبہ کرنا اور باز آنا واجب ہے کیونکہ یہ سودا و بے رحمی کا یہ ارشاد ہے ظاہر ہے کیونکہ جب بندہ میسکین نے اپنے ایسے بڑے آقا نے جیل کی طرف رجوع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کے لیے جو صورت مناسب ہو تجویز کر دی جائے پھر اللہ کی تجویز سے کیوں راضی نہیں ہوتا؟ یہ حالت تو نفاق کے مشابہ ہے بلکہ یہی تو عین نفاق ہے کیونکہ اس نے اپنا فقر اپنی احتیاج علی ہر کی (اور زبان سے) مسائل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور دل میں اُس کے خلاف تھا اس حالت کو اُس کے اس قول سے کیا تعلق اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخْبِرُكَ بِحَبْلِکَ ذَاکَ یا اللہ! میں آپ سے تجویز غریب کرتا ہوں آپ کے علم کے واسطے سے اللہ سے تجویز کی درخواست کرتا پھر

اُس کی تجویز سے مامنی نہ ہونا دیکھ کر ہونا یہی تو نفاق ہے)۔ ایک حدیث میں یہ معصوم وار دھجوا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں کسی پر اُس شخص سے زیادہ غضب ناک نہیں ہوتا جس نے مجھ سے کسی معاملہ میں استغاثہ کیا۔ میں اُس کے متعلق ایک فیصلہ کروں پھر وہ میرے فیصلے سے ناگوار ہی ظاہر کرے۔ اوکا قال

قوله بعد شرح الفاظ الحديث وقد ذكر أهل الصوفية إنه من استغاثة في شئ إلى قوله قنانه فكرهه او كما قال -

(۱۱۹) ہر لمحہ فقر و احتیاج و رجوع الی اللہ کو لازم کر لینا چاہیئے

اس میں صوفیہ کے لیے بہت بڑی دلیل ہے جو ہمیشہ کے لیے فقر و احتیاج اور ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی طرف کیسوتی کو اختیار کئے ہوئے ہیں کیونکہ جب خدا ہی دیر کی احتیاج سے (جو استغاثہ میں ظاہر کی جاتی ہے) اتنا بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ بندہ کی دو رکعت ناز اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفیع بن جاتی ہے) تو اگر یہ حالت دائمی ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟ (خود ہی سمجھ لو)۔

اُن دعاؤں پر خود دیکھتے آں دعا از نصیحت گفت داورست  
اُن دعا حق کی کند چوں او فاست آں دعا بار اجابت از خداست  
چوں خدا از خود سوال و گد کند پس خطے خوشین چوں رد کند  
صوفیہ میں سے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کسی درویش کو کوئی حاجت پیش آتی وہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے (بہت جلد) پوری ہو جاتی۔ اس پر کوئی درویش عرض کرتا کہ حضرت اللہ تعالیٰ کی طرف التجا لے جانا بھی کتنی بڑی دولت ہے تو اُن کا جواب یہ ہوتا تھا کہ تم اس سے ہٹے ہوئے کب ہو، جو اُس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہو (التجا تو وہ لے جاوے جو اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو اور تم تو ہر وقت

اُس کی طرف متوجہ ہو) ان بزرگوں کے الفاظ میں غور کر دیکھ کہ اس طرح اصول شریعت کے موافق حد اعتدال پر کسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بعضوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس موقع کے لیے کیا تاحدہ ہے (کیا جواب مناسب ہے مگر اللہ تعالیٰ وقت پر اُن کی مدد فرماتے ہیں۔ اُن کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو موقع کے مناسب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کو جس دروازہ سے نکل دیا جائے اُسی کو نکال دے اور جب ساری غیر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان ہو لے تو اس دروازہ سے کسی وقت نہ ہٹنا چاہیے کہ رجحان کی ضرورت ہو۔ جیسا ان بزرگ نے فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے من شغلہ ذکر من مسائق اعطیہ افضل ما اعطی السائلین جس کو میری یاد مجھ سے سوال کرنے اور دُعا کرنے)۔ سے روک دے۔ میں اُس کو مانگنے والوں سے بھی زیادہ دینا ہوں۔ پس اپنی بعیرت کی آنکھ سے دیکھو کہ تم کس سے دروازے پر کھڑے ہو؟ اور کس (عظیم الشان) جنت کی طرف متوجہ ہو رہے ہو؟ اُس کا ادب ملحوظ رکھ کر دعا کرو اور جو مانگتا ہو مانگو پھر انشاء اللہ محروم نہ ٹوٹے)

قوله فهذا القوم دليل لاهل الصوفية الى قوله باب من

تفت واني جهة تقصير -

۱۔ دہلئے استخارہ کے الفاظ کو بھنسا ادا کرنا اور میں طرح حدیث میں وارد ہیں اُسی طرح یاد کرنا چاہیے۔ معنی بھی یاد ہوں تو بہت اچھا ہے تاکہ عدل و عدل سے اضطراب کے ساتھ ہو۔

۲۔ استخارہ واجب یا محرمات و مکروہات میں نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب کا بھالنا ضروری اور محرم (مکروہ) سے بچنا لازم۔ پھر اُن میں استخارہ کا کیا مطلب؟ استخارہ صرف مباحات میں ہو کر تا ہے اور مستحبات میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ دو مستحب میں سے ایک کو کرنا چاہتا ہو اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسا میرے واسطے زیادہ بہتر ہو گا۔

مث مشورہ یہ ہے کہ استخارہ میں جس جانب دل مائل ہو اسی طرف خیر ہوتی ہے۔  
 اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔ مگر حدیث میں اُس کا کچھ ذکر نہیں اس لیے استخارہ کے بعد جس شق  
 کو بھی اختیار کرے گا اُس میں خیر ہوگی خواہ وہی جانب ہو جس کی طرف دل زیادہ مائل تھا  
 یا دوسری جانب ہو۔ غرض استخارہ کے بعد جس جانب پر عمل کی توفیق ہوگی اسی میں خیر ہوگی۔  
 مث اس میں شک نہیں کہ اگر استخارہ کے بعد کسی جانب دل زیادہ مائل ہوگا کہ  
 استخارہ سے پہلے اُس طرف زیادہ میلان نہ تھا تو بظاہر یہ علامت اس کی ہے کہ  
 اسی جانب کو اختیار کرنا بہتر ہے مگر وجہ اور لزوم کی علامت نہیں اس لیے اُس  
 کے خلاف کو بھی اختیار کرنا جائز ہے۔ کچھ گنہ یا عذر کا اندیشہ نہیں۔ بعض لوگوں کا جو یہ  
 خیال ہے کہ استخارہ کے بعد جس جانب دل زیادہ مائل ہو اُس کے خلاف کرنا جائز نہیں یا  
 اُس میں عذر ہو گا غلط ہے اسی طرح جب تک دل کسی ایک طرف مائل نہ ہو استخارہ کو یکبار  
 کہتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔

مث استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو جائز یا دو مستحب کاموں میں تردد ہو  
 کہ ان میں سے کس کو اختیار کروں تو استخارہ کر کے جس شق کو دل چاہے اختیار کر لے  
 اُس میں عذر نہ ہو گا۔ پھر جس شق کو اختیار کر لیا اُس کو حق تعالیٰ کی تجویز سمجھ کر اُس سے  
 راضی رہنا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں خیر ضرور ہوگی جو اکثر تو مشاہدہ میں  
 آجائے گی اور اگر کبھی اُس کے مشاہدہ میں نہ آئے تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب  
 ہیں اُن کے علم میں سب سے پہلے خیر ضرور ہے گو میری سمجھ میں نہ آئی ہو۔ استخارہ کے بعد  
 جس شق کو اختیار کر لیا گیا اُس سے ناگوار نہ اور نا راضی اور یہ خیال کہ مجھے دوسری شق  
 اختیار کرنا چاہئے تھی اسی میں خیر ہوئی۔ بہت بُری بات ہے جس پر حدیث میں  
 وحید وارد ہوئی ہے۔

## باب ثمت دوم

### حدیث

### ما بین بیتہ ومنبر علی اللہ علیہ وسلم

”اور سر پہ وہ منبر علیہ السلام، منبر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میری طرف چڑھو گا“

تاکہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کے درمیان جنت شرح کا ایک دروازہ ہے اور منبر حوض پر ہے اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے آیا ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ کہ یہ قطعہ جنت کا دروازہ ہے؟ کیا زمین کا یہ ٹکڑا بیسہڑیا سے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس میں دنیا سے اٹل کرنے سے جنت میں ایک دروازہ کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ مگر اس باب میں مختلف ہیں کسی نے پہلے قول کو نیا کسی نے دوسرے کو اور واللہ اعلم۔

بہتر یہ ہے کہ دونوں کو جمع کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر شے ہر دلیل قائم ہے اور نظر و قیاس سے بھی ہر ایک کی تائید ہو رہی ہے (تو اُس نے ترک کی کوئی وجہ نہیں) اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ قطعہ خود جنت ہی کا ٹکڑا ہو جیسا جبرود جنت کا بکھر ہے۔ نیل و زرات جنت کی شرب ہیں اور ہندوستان کے بعضے

عہد اس مضمون کا ترجمہ بطور تلامذہ کے اس لیے کر دیا گیا کہ مفید حقیقی ہے اور حجاز اس میں کوئی ثابعت کو نہیں ہے اس نے نہیں دیا۔



۱۔ باب فضیلت کے تھے اُس میں تو سب برابر یا تو سب قریب تھے، اس لیے حضرت  
 عمر رضی اللہ عنہ جب دفتر (بیٹ الی) میں صباہ کے نام لگے تو سب سے مقصود  
 کو نبی جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھے چہرۂ اکو جو ہجرت میں ستم  
 تھے چہرۂ اکو جو ہجرت میں مقدم تھے۔ چہرۂ بالی (لوگوں کو قرآن کے اعتبار سے مقدم و مؤخر  
 یکساں کہ جس کے پاس قرآن کا جتنا حصہ ہوتا اسی۔ جو سوائے اُس کو دور ہو دیا جانا یہ بیان کہ  
 کہ روایات میں آیا ہے کہ اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ نے اللہ نے عرض کیا کہ آپ  
 نے جبار بن ابی بکر کو کچھ پر فضیلت کیوں دی؟ فرمایا اس لیے کہ اُس کے باپ  
 یحییٰ باپ سے پہلے اسلام لائے تھے۔ ان سب کے بعد اللہ و رسول کے ساتھ محبت  
 کا حصہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آیا؟ جنہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 نبی سے کوہدیا نہ کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس  
 کے لیے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے؟ اُس نے انہیں نے قیامت کے لیے کوئی بڑا  
 عمل تو نہ یاد میں کیا مگر نبی اللہ سے اور اُس کے رسول سے محبت نکلتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا  
 جبرہ جاتوا ان کے ساتھ ہو گا میں سے تو محبت نکلتا ہے۔

(تفسیر) لگے کہ کوہدیا نہ ہو کہ تمہاری محبت کھن دلو سے ہی کی محبت ہو۔ کیونکہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزیں میں ہیں ہوں وہ ایمان کی علامات پا  
 لے گا اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ و رسول اُس کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں  
 اس حدیث پر شروع کتاب میں کلام گزر چکا ہے۔ غرض جنتی مرتبہ کا مسلمان یا ان کو  
 اتباع ہے پھر جس کا دل چاہے اپنے کو ذلیل کرے یا معزز بنائے۔

(۱۳۱) دنیا کی جو چیزیں ضروریات انسانی میں داخل ہیں وہ دنیا نہیں، بلکہ  
 ثواب ہی ثواب ہیں جب کہ بقدر ضرورت ہوں۔

یہ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ضروریات بشریہ سے ہیں وہ دنیا میں اصلاً داخل  
 نہیں، بلکہ ثواب ہی ثواب ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ اگر اللہ

میرا منبر (جس میں گہرا درد منبر کو حضور نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور آپ کی طرف دُنیا منسوب نہیں ہو سکتی تو معلوم ہوا کہ گہرا درد منبر دُنیا میں داخل نہیں) کیونکہ اگر توجہ کی ضرورت کی چیز ہے وہ آدمیوں سے اُس کو چھپاتا ہے اور بعض اوقات لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہونے کی ضرورت ہوتا ہے جیسے یحییٰ کے پاس جانا اور قضاء حاجت کرنا وغیرہ وغیرہ) اور بادشاہ اور دھوپ کی تخلیف سے پہنانا ہے اور اُس میں خلوت کے ساتھ اپنے لب کی عبادت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دُنیا کے جس سامان کی بھی انسان کو ضرورت ہو جس سے آخرت کے کاموں میں مدد ملتی ہو وہ سب ثواب ہی ثواب ہے بشرطیکہ ضرورت کے موافق ہو (زیادہ نہ ہو) ورنہ خواہش نفس کے لیے ہو گا اور نفسانیات میں شامل ہو کہ دُعا قسم میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازدواج مطہرات کے گہروں کو مسجد نبویؐ میں شامل کیا۔ عین صبا نے فرمایا کاش! ان سکانات کو اُن کے حال ہی پر چھوڑ دیا جاتا (مسجد میں شامل نہ کیا جاتا) تاکہ اس اُمت کے بچے لوگ بھی اپنے نبی کے گہروں کو دیکھ لیتے کہ وہ کس شان کے تھے۔ (پھر ان کی سادگی اور بے تکلفی یاد قدر ضرورت کے موافق ہونے سے بہت حاصل کرتے) اُن کی بلند ی نہ آدم سے صرف ایک باخ کی لمبائی کے برابر زیادہ تھی۔ اس طرح آپؐ نے فرمایا ہے میرا منبر سو منبر جس سے اگرچہ کچھ ترخی ہے مگر حضورؐ نے منبر صرف دین کی ضرورت کے لیے بنوایا تھا تاکہ تمام حاضرین اللہ تعالیٰ کے احکام کو سن سکیں اس لیے وہ ثواب ہی ثواب تھا۔

غرض انسان کو جس چیز کی اپنے دین کے لیے احتیاج ہو اور اُس میں دین کی مصلحت ہو وہ دُنیا میں ہے اگرچہ ظاہر میں سامان دُنیا کے مشابہ ہو۔ اسی علت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی اُسی وقت بنوائی جب آپؐ سے عرس کیا گیا کہ سلاطین روم کسی کے خط کو بدون صبر کے نہیں پڑھتے (اور درودِ اسلام کے لیے سلاطین عالم کے نام خطوط بھیجنے کی ضرورت تھی) تو آپؐ نے اس (دینی) غرض کے لیے انگوٹھی بنوائی۔ اس لیے علماء نے انگوٹھی پہننے میں اعتدال کیا





## باب شصت و چہارم

## حدیث

## کراہۃ الرسول ان یدیت عنہ ذلہ ذہب اویسی

عقبہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو وہ میری سے کھڑے ہو گئے اور اپنی اندھا دھن میں رہے کسی کے پاس تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کے چہرے سے آپ نے محسوس کیا کہ ان کو آپ کے جدی اٹھ جانے سے تعجب ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس کچھ سونا ہے تو مجھے پسند نہ ہوا کہ شام کو یا صبح کو وہ ہمارے پاس رہے اس لیے میں نے اس کے تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر جو بات یاد آئے اس پر عمل کرنا جائز ہے جب کہ وہ بات ایسی ہو جس سے نماز میں نقصان نہ آتا ہو بلکہ صلاح و کمال حاصل ہوتا ہو اور نماز کو فاسد کرنے والی بھی نہ ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۳۲) ایک طاعت میں مشغولی کے وقت دوسری طاعت کو سوچنا جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک طاعت میں مشغول ہوتے ہوئے دوسری طاعت کا ارادہ کرنا (یا اس کو سوچنا جائز ہے مگر اس میں تفصیل کی ضرورت ہے کہ کس چیز

کایا دکر نانا ناز کو فاسد کرتا ہے اور کس کا یاد کرنا فاسد نہیں کرتا جس کے لیے اُن  
خواطر کا اذہم کا جاننا ضروری ہے جو ناز کے اندر انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں  
اور وہ چار قسم کے ہیں۔ نفسانی شیطان  
خواطر و وساوس کے اقسام

خواطر ربانی تو ناز کے قبول ہونے کی علامت ہیں اور ناز پڑھنے والوں کا  
یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ (کر ناز میں اُن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات  
وارد ہو) دنیا (کی زندگی) کے اعتبار سے یہی مناجات کی حقیقت ہے (اور آخرت  
کے اعتبار سے مناجات کی حقیقت اس سے بھی اعلیٰ ہے) اور اس درجہ کا پایا  
ہونے والے کچھ لوگ ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اسی شان  
میں تھے اُن سے جب کوئی سرید یہ کتا کہ میں نے ناز میں یا ناز کے بہرہ فراموشی کے  
لیے دعا کی تھی تو وہ اُس سے دریافت کرتے کہ تُو نے دُعا کے قبول ہونے کے  
مستحق کوئی جواب اور حضورِ رب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطاب  
بھی نہ آیا اگر وہ کتا کہ ہاں سنا ہے تو سمجھ جائے کہ اس کو خصوصیت والوں کے  
درجات میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور اگر کتا کہ میں نے تو کچھ نہیں سنا تو اُس  
کو وہاں میں شمار کرتے اور فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اذہم کے ساتھ  
غلو بہ قلبی دعا کرے۔ یہ اور اپنی درخواست کا جواب نہ سننے پر تو محال ہے۔ اُن کے  
نزدیک یہ عزت و کرامت کی نہیں۔ سے تھی کہ اُن کا حال دُعا کی تھاکر کہ ان کو حضورِ رب  
کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب اور جواب مسرور ہوتا تھا اور اس محبت  
میں ناز سے محاب کو جس قدر راحت ملے گی ظاہر ہے) اسی حقیقت کی بناء پر جناب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی جملۃ۔ میری آنکھ کی  
شہید کہ از میں رکھی جاتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں ارعنا بعایا بلال اسے جل: ہم کو  
ناز سے راحت پہنچاؤ۔ کیونکہ مجاہدہ کی پیاس شرب مناجات کی شہد کہ سے  
بجھ جاتی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گری (شوق و محبت) کو

سکون ہوتا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فكثر ما فيه الدعاء  
فضمين ان يستجيب لكه۔

• بندہ کو اپنے رب کا زیادہ قرب سجدہ میں حاصل ہوتا ہے تو سجدہ میں دعا بت  
کیا کرو یہ دعا اس آہل ہے کہ قبول کی جائے یا

کیونکہ اس میں قرب و اتصال (رک شان) ہے اس کو اہل قرب ہی سمجھتے ہیں اور  
اُن ہی کے ساتھ یہ حال مخصوص ہے۔ اے اللہ! ہم آپ سے درخواست کرتے  
ہیں کہ ہم کو بھی اس درجہ کا اہل بنا دے ورنہ (کم از کم) ہم کو اُس کی تصدیق سے  
تو محروم نہ فرمائیے۔

اور خاطر ملے وہ ہے جو کسی خیر کی طرف انسان کو رغبت دلائے جیسے وہ بات  
جس حدیث میں مذکور ہے۔ پھر یہ خاطر کبھی تو ایسا ہوتا ہے جس پر تم کو عمل کرنا چاہیے  
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شغور کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی نماز کا اعلیٰ درجہ ہے یا اُس  
سے نماز کے اندر دوسرے شغل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں نماز کا سن ہی زیادہ  
ہو گا۔ جب محمول اس میں آنا مشغول نہ ہو کہ اُس سے نماز (کے ارکان و واجبات)  
میں خلل واقع ہو جائے کہ اس صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ جیسا حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک بار آپ نے حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کو مغرب کی نماز  
پڑھائی اور اس میں قرأت نہ کی۔ بعد میں آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا کہ  
آپ نے نماز میں قرأت نہیں کی (فرمایا) کوہ اور سجدہ کیا تھا کیا گیا اچھا تھا۔ فرمایا  
تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ: شام کی طرف ایک لشکر کے تیار کرنے (کے خیال) میں رہا  
تو گویا کوئٹہ کے مقامات پر متعین کیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نماز کا  
اعادہ فرمایا۔ اس لیے علماء میں اختلاف پڑا ہے کہ اگر دو کوہ و سجدہ پوری طرح ادا  
ہو گیا ہو اور قرأت نہ کی گئی ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں (ضعیف و شاذ)  
کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ قرأت بھی ارکان صلوٰۃ ہے جس کے ترک سے نماز

باطل ہو جاتا ہے) اور اگر رکوع و سجدہ میں کچھ نقصان نہ گی ہو تو اعادہ (بالاتفاق) ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک اعرابی سے جس نے نماز میں رکوع و سجدہ پوری طرح نہ کیا تھا، جلدی جلدی نماز پڑھی تھی) فرمایا اور جمع فصل فائزہ لتصل لو تو پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ کیونکہ اس صورت میں ارکان کے اندر نقص رہ گیا ہے اور اگر خاطر نفسانی ہو تو اگر وہ ایسا خیال ہے جو نماز کے منافی ہے جیسے کسی جائز خواہش کو سوچنا (خواہ کھانے پینے کی قسم سے ہو یا بیوی بہنوں کا خیال ہو وغیرہ وغیرہ) تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ نماز سے اصل مقصود (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور حضور قلب اور لذاتِ نفس سے الگ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان الله لا يقبل عمل امرئ حتى يكون قبله مم جوارحه۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضاء کے ساتھ نہ ہو) کہ جس طرح اُس کے اعضاء قیام و رکوع و سجدہ وغیرہ میں لگے بٹھتے ہیں۔ اسی طرح اس کا دل بھی قیام و رکوع و سجدہ میں مشغول ہو کہ دل بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سماعت قیام عرفی معروض کرتا ہو۔ اللہ کے سامنے مجر و نیاز کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتا ہو) اب اگر قلب ان مشغولوں میں مشغول ہو تو وہ کہاں اور نماز کہاں؟ ہاں اگر یہ نفسانی خطرہ ایسا ہو کہ دل میں آیا پھر الگ کر دیا گیا اور اُس کی طرف التفات نہ ہو ان شاء اللہ معزز ہو گا۔ بشرطیکہ تکبیر تحریرہ اعضاء کے ساتھ (حضور قلب سے) کہی گئی ہو۔ کیونکہ ہمیں بُرے خیالات کے دفع کرنے کا حکم ہے۔ نماز میں بھی اللہ نماز سے باہر بھی۔ مگر نماز میں اُن کے دفع کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اُنہی علت کی وجہ سے جو اُپر نہ ذکر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے احدث مع الذنب توبة السر بالسر والعلانية بالعلانية۔ گناہ کے ساتھ جلدی سے توبہ کرو۔ مخفی گناہ سے مخفی طور سے توبہ کرو اور علانیہ سے علانیہ کرو (پس جب کوئی بڑا خیال دل میں آئے

میں سے فوراً توجہ کو ہٹا لو یہی اُس کی توجہ ہے۔ اور اگر وہ خیال ناجائز شہوت (حرام خواہش) کا خیال ہو تو نواز بالکل نہ ہوگی۔ کیونکہ طاعت اور مصیبت جمع نہیں ہوتی ہیں۔ جب ہم سے حضور خدا کے فوت ہونے پر یہ کچھ کہا گیا ہے جس کا اُپر مذکور ہوا کہ اللہ نے ایسی نواز کو قبول نہیں فرماتے (تو اس بُری حالت کا تو کیا بُرہ پنا؟ اور اگر شیطان خطرہ ہو تو (اُس کی دو حالتیں ہیں) اگر اُس کی طرت دل میں ہوگی اسی میں لگ گیا۔ اُس کی طرت توجہ ہوگی تو نواز ناسد ہے کیونکہ یہ بھی نفسانی خطرہ کی جنس سے ہے جو حرام خواہش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ تاہم یہ ہے کہ جو خیال ظہورانی ہو وہ نفسانی ہوگا اور جو مصیبت کی قسم سے ہو وہ شیطان ہوگا۔ اور اگر اُس کی طرت انفات نہ ہو اُس سے استفادہ نہ رہا اور توجہ کو ہٹا دیا تو امید ہے کہ انشاء اللہ نواز ناسد نہ ہوگی (یہ دوسری قسم ہے)۔

خواہش کی ایک قسم وہ ہے جو بطلان اور جواز کے درمیان ہے یہ وہ خواہش ہیں جو کثرت کے ساتھ دل میں آتے ہیں اور ان کے دفع کرنے سے غفلت کی جاتی ہے اور ان میں (تعمداً) دل کو مشغول بھی نہیں کیا جاتا۔ ان کے متعلق ناس پر کوئی دلیل ہے کہ ان سے نواز ناسد ہو جاتی ہے نہ اُس کے قسم پر کوئی دلیل ہے۔

قرآن متعابجوازا لافرمادھن عمل طاعة وهو فی آخری الی قوله  
فقد دلیل لنا علی الفساد ولا علی ضدہ -

ف خواہش فی کی ایک قسم سے اور خواہش شیطان سے مطلقاً نواز کا ناسد ہو جاتا مگر یہ کام نہ ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک ان سے نواز ناسد نہیں ہوتی ناقص ہو جاتی ہے یعنی کامل درجہ میں قبول نہیں ہوتی اگرچہ درجہ سمیت میں قبول ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو تبارک صلوٰۃ اللہ علیہ کی جاتا نواز مانا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک اگر کان کے ترک سے نواز ناسد ہوتی ہے اور لاپرواہی کے ترک سے واجب اداء اور ترک شوش سے مستحب الامارہ ہوتی ہے۔

ف شروع کا دینی درجہ یہ ہے کہ نواز میں تعمداً کوئی دنیوی خیال نہ لایا جائے

بلکہ اپنی طرف سے نماز ہی کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ اگر بلا قصد دوسرے نے تو خوشحال کے لیے معز نہیں اور داخلی درجہ یہ ہے کہ ان قبیلہ اللہ کا نیک قراء اس طرح عبادت کر دیجے خدا کو دیکھ رہے ہو۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے مددگار ہیں۔

(۱۲۳) نماز کے بعد کچھ دیر مصلیٰ پر بیٹھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ نماز کے بعد (کچھ دیر) مسجد میں قیام کرتے تھے (نور مباحثہ سے لکھتے ہیں کہ ہوا جاتے تھے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی گھر میں تشریف لے جانے سے تعجب کیا۔ اگر یہ بات حضور کی عادت (شریفہ) کے خلاف نہ ہوتی تو صحابہ اس پر تعجب نہ فرماتے۔

قوله وفيه دليل على ان عادة سيدنا صلى الله عليه وسلم كانت الإقامة بعد الصلوة الى قوله لم يتعجب منه۔

اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صحابہ بھی نماز کے بعد فوراً مسجد سے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر رہتے تھے۔ کیونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے واپس تشریف لائے ہیں تو صحابہ بہ ستور اپنی حالت پر تھے۔ یہاں سے حضرات صوفیہ اور محققین علماء کی تائید ہو گئی جو نماز فجر اور عصر کے بعد کچھ دیر تک تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اہل ظاہر نے جو اس عمل سے انکار کیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اشارات کلام تک رسائی نہیں ان کا ظہر حدیث سے آگے نہیں بڑھتا۔

(۱۲۴) جو کسی بات کی طرف دعوت دیتا ہے وہی اُس پر غالب ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کسی غیر کی طرف بلاتا ہے اکثر اوقات وہی غیر اُس پر غالب ہوتی ہے تاکہ عمل قول کے موافق ہو۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا ہے ملائکہ

اُس کو ڈھادیئے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ایک ناز کے بعد دوسری ناز کا انتظار کرنا ربا ط ہے (یعنی سرسرا طام کی حفاظت کے مثل ہے) چنانچہ حضورؐ نے اس بات کی ترمیم دی ہے تو آپؐ کی حالت پر بھی اسی کا غلبہ تھا۔ مجاہد نے جب اس کے خلاف دیکھا تو اُن کو تنبیہ ہوا۔ **قوله وانی هذا دلیل علی ان یکن من یدھوالی تعمیر یطلب فیک الخیر علیہ الی قوله فلما رأوا منه غیر ذلک تمھبوا۔**

یہاں سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کی دوسروں کو ترمیم دی جلتے اُس پر خود بھی اکثر اذیت مل کر تاپا جا رہی تھی۔

## (۱۲۵) حتی محبت یہ ہے کہ اپنی محبت کی تشویش کو زائل کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ عدوت کے خاتمہ کرنے سے دوستوں کو تشویش ہوتی ہے۔ جبکہ اُن کو اس کا جب معلوم نہ ہو۔ چنانچہ مجاہد نے اسی وجہ سے تنبیہ کیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی محبت کی کوئی تشویش کو بھی حتی الامکان مٹا دینے کی کوشش کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس واقعہ میں خود) واپس تشریف لائے اور مجاہد کو بتلادیا کہ اس وقت (خلافتِ عدوت، جلدی گھر والوں کے پاس کیوں تشریف لائے گئے تھے۔

**قوله وفیہ دلیل علی مخالفة العادة تقتضی التلویش علی الإخوان**

**الی قوله واخبارہم بسبب سرعة رجوعہ الی اہلہ۔**

اس کا، بنامِ حضرت صوفیہ کو سب سے زیادہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ

**ف** حق معاشرت میں دین کا بڑا جزو ہے۔

## (۱۲۶) ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے گو اُس نے صریح طور سے اپنی حالت ظاہر نہ کی ہو اور سوال بھی نہ کیا ہو کیونکہ سیدنا



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے چہروں میں قہر کے آثار ملاحظہ فرمائے تو ان کو اپنے ذہن کا سبب بتلا دیا۔

## کیفیت قلب کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قلب میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بات اُسی پر مبنی وہ کھتی ہے جس کے دل میں نور نہ ہو اور نور سے مراد وہ خاص نور ہے جو وارثانِ رسول کو عطا ہوتا ہے۔ وہ دنیویں تو ہر شے ان کو اپنے ایمان کے موافق دکھانے لگے اور حاصل ہوتا ہی ہے مگر وہ حالات قلبیہ کے ادسا کُن ہیں کائنات میں ہوتا۔ اس کے لیے خاص نور، مروت ہے جو کمالِ ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس سے منسوب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈال کر ان کے دلوں کی حالت پر استدلال فرمایا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے الملوہ من غفل جنور اللہ (مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب وہ اللہ کے نور سے دیکھے گا تو چہرے کی علامات سے اُس پر دل کی حالت کھنسی نہ رہے گی۔ اب اگر اُس کا ایمان قوی ہوا تو وہ اصحاب کشف سے ہو گا نہ (دوسروں کے) دلوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے ہی۔ جیسا چہروں کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

قوله وفيه دليل على العلم به ينظر من اشخص بدن انصاح رسول  
الى قوله كمال بعرون اوجوه باعين دؤسهر۔

اں کو فراموش نہ کرنا چاہیے جو احوال و نفسیہ میں سے ہے مگر مزاحمہ میں سے نہیں اس لیے جس کو عطا ہو جائے نعمت الہی کا شکر ادا کرے اور اُس کے فوت سے غمگین نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ حالات اور کیفیات اختیار سے باہر ہیں اور اختیار اختیار یہ کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے۔ شکر کے حکم سے ثبوت ہوتا ہے کہ قوتِ بیان کے لیے کشف الازم ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اہل طریقت

کا اتفاق ہے کہ وہ بت کے لیے کشف لازم نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

## ۱۶۷) کسی ضرورت اپنے نیک عمل کا بیان کرنا ریا نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ (اپنے کسی) نیک کام کا ذکر کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس سے حالت اخفاء نہیں بدلتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سحابہ کی حالت (ضرورت) کا ذکر فرمایا تو ارناؤ تشریف کی ضرورت سے (اپنا وہ نیک کام ظاہر فرمایا جو آپ نے گھر جا کر کیا تھا تاہم ان کے قلوب مطمئن ہو جائیں کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی نیک کام کو چھپا کر رکھے پھر (بلا ضرورت) اس کو (لوگوں کے سامنے) بیان کر دے تو وہ عمل و فترت کے دونوں طرف مشغول کر دیا جاتا ہے۔ ہے کہ اب وہ ثواب نہ ملے گا جو اخفاء عمل سے ملتا ہے بلکہ ملامت کا کام کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کو دوبارہ بیان کر دے تو وہ دفتر بیاہ کی طرف مشغول کر دیا جاتا ہے اب ثواب باطل ہو کر گناہ لکھا جاتا ہے) اور اگر کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے جیسی یہاں موجود تھی یا اس کے مشابہ اور کوئی ضرورت ہو اور اخفاء سے اپنی تعریف اور ثناء کی نیت نہ ہو تو اُمید ہے کہ نیک اپنی حالت پر رہے گی (ثواب اخفاء باطل نہ ہو گا)۔

**شیطان کا ایک بڑا کید** اہل توفیق نے تصریح کی ہے کہ شیطان کی چانوں میں کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دے تاکہ تیری افتاء کی جگہ اور دوسروں کے عمل کا بھی تجھے ثواب ملے (چنانچہ وہ ایسا ضرور کرتا ہے اور اس طرح دیار میں ٹھٹھا ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس خیال میں رہتا ہے کہ مجھے ثواب ملے گا جو کہ حمل مرکب ہے۔

قولہ و فیہ دلیل علی جواز ذکر المعروف الی نیکون جہلا مرکبا۔

انتہاء کے لیے اپنے اعمال کا ظاہر کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ اس کا کام ہے جس کی نظر مخلوق سے اٹھ جائے اور مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

(۱۲۸) اپنے مال کو گھر والوں کی تحویل میں رکھنا جائز ہے <sup>حدیث سے</sup> معلوم ہوا

کہ اپنے مال کو بیوند کے پاس رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ سونا تھا مالا کہ وہ آپ کی بیوی کے پاس تھا اس لیے بعض اذراج کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا (کسی حدیث سے) پتہ نہیں ملا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کی آپ نے خود محتاجت کی ہو اور آپ کے سوا گھر والوں میں سے کسی کو اس کا بھرتہ ہو۔ اکثر یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک کام میں دوسروں کو نائب کر دینا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا (فوائد فقہیہ پر نیابت طاعت مالیک کے ساتھ مخصوص ہے)۔

قوله وفيه دليل على ان يترك ماله عند اهله الى قوله  
معلن عليه دين اهله \* وقوله فامرت بفسقة -

معنی حضرت مولیٰ کا اسی پر عمل ہے کہ وہ پیر پر اپنے پاس نہیں رکھنے مگر **ف** والوں کی تحویل میں رکھتے ہیں۔ اگر ان کے گھر والے دیندار و پابندار ہوں تو ایسا کرنا درست ہے۔ جیسا حدیث سے معلوم ہوا اور خود محتاجت کرنا چاہیے۔ جیسا ولا تو قوا السنہاء اموالکھ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو اپنے احوال نہ دوسرے کی تفسیر مہر توں اور پنجوں سے کی گئی ہے جس کو محتاجت مال کا سلیقہ نہ ہو۔

(۱۲۹) دن بھر مال کو اپنی ملک میں رکھنا خلافت زہد نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو دن بھر اپنی ملک میں رکھنا جائز ہے اس سے متناہجہ باطل نہ ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ شام کو یا صبح کو سونا ہمارے پاس رہے اور ایک دن رہنے سے آپ **ج** غراہت ظاہر نہیں فرمائی اور اس سے زہد کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوا چونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مرث کر اہست کا اظہار فرمایا ہے اور کہیں کے در کتاب میں لکھا نہیں ہوتا جس سے مال جمع کرنے کا جواز بھی معلوم ہو رہا ہے۔ بشرطیکہ (شبہ بھی مطلق نہ کرتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زہد باتوں سے نہیں ہوتا) صرف مال سے ہوتا ہے اور مستحق ہونا مطلوبی و نہ پر معنی تو یہ ہے کہ دل کو مال سے تعلق نہ ہو اور مستحق یہ ہے کہ مال کو غنیمت نہ کرے مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا۔

قوله فيه دليل على بقاء المال على ملك صاحبه طول يومه الى قوله واما الحسى فهو الخبز وجمعه كالحاصل سيدنا صلی اللہ علیہ وسلم حنا۔

(۱۳۰) اُن موفیہ کی دلیل جو رات کو اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے موفیہ کی بھی دلیل ہے جو کسی معلوم شے پر رات نہیں گزارتے (یعنی رات کو وہ اپنے علم میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ ناگوار ہے کہ شام کو یا رات کو ہلکے پاس سوتا ہے۔ میں نے اس طریق کے ایک بزرگ کو دیکھا ہے کہ دن میں اُن کے پاس جو کچھ نعمت آتیں رات کو اُن میں سے کچھ نہ رہتی تھی بلکہ دن اُن کی زیارت کو بڑی جماعت آگئی اور اُس دن نعمت میں بہت بڑی خوشیوں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں تمام نعمت کو شیخ بڑا بھر کر دوں گا تو اس جماعت کے لیے کچھ بھی نہ بچے گا وہ سب کو اپنے پاس سے الگ کر لیں گے اور یہ بہت بڑا مجمع ہے صبح کو ان کے ہاتھ کے لیے ہی کچھ نہ بچے گا جس دن کے واسطے ایک اچھی مقدار شیخ کو اطلاع کئے بغیر نہ لینا چاہیے جو اس کو انہیں کفایت کر سکے۔ چنانچہ اُس نے یہ فرمایا کہ اگر کچھ نعمت بچ جائیں اور ان کو ملنے کو دیا۔ لوگوں نے کہا یا اور جو کچھ سے بچا جائے اس کے موانع افراد و مائت میں اُس کے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ جب شیخ کو ان کے پاس کچھ نعمت نہ آئیں اب وہ خادم کھڑا ہوا اور دسترخوان بھی کرا اُس نے بہت سا کانا مسافروں کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے یہ پہچان کر کے سے آیا؟ اُس نے سدا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ حضرت اگر میں بمانا کرتا اور اپنے

معمول کے موافق سارا بچا ہٹوا کھا نا خیرات کر دیتا ( تو آج اس جماعت نے کھانے کو کچھ بھی نہ ہٹوا۔ شیخ نے فرمایا: (سبحان اللہ! کسی اُلٹی سمجھ ہے) تمہاری اس حرکت نے ہی تو ہم کو آج کی فتوحات سے محروم کر دیا (اگر تم سب بچا ہٹوا کھا نا خیرات کر دیتے اور اللہ کے ساتھ جو معاملہ چاہا تھا اُس کو نہ بدلتے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ نہ بدلتے جس نے کل اتنی بڑی جماعت کے کھانے کا اپنے خزانے سے انتظام کیا تھا وہ آج اس سے عاجز نہ تھا مگر تم نے غلاتِ معمول کھانا بچا کر آج کی فتوحات کا سدوازہ بند کر دیا) غرض جو کوشش کرتا ہے وہ (مقصود کو) پا ہی لیتا ہے اور جو غلوں سے کام کرتا ہے اُس سے اخلاص کے موافق معاملہ کی جاتا ہے پس (اخلاص کامل اختیار کر دو گنہگار پر کھنے والا بڑی گمراہ نظر والا ہے اور معاملہ ایسے کریم کے ساتھ ہے جو وعدہ کا پورا اور فنی اور مبراہن ہے۔ اس لیے کہ تم نے اُنہی کے جس ماسبتہ سے چاہو پہنچو۔ اللہ تعالیٰ کو حقیقت کا پورا علم ہے (وہ دونوں کے سادروں اور فتنوں سے خبردار ہیں۔ مجلس اور غیر مجلس مومن اور منافق وہاں نہیں چھپ سکتا) قوله وفيه دليل واهل العرفه للذين لا يثبتون على معلوم الى قوله فقد بان الحق بالحقيقه علم۔

**ف** شیخ سے اختلاف حال کر کے غمگینانِ خلق کو بدلتا بڑا بُرم ہے اس سے فتوحاتِ بند ہو جائیں اور نظامِ نبی بے بکند پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو اس خرید کی طرح اُنندہ کے شائق کوئی دوسرے پیدا ہو تو اسلام یہ ہے کہ شیخ کو اپنے دوسرے مسئلے کر کے یہ عرض کر دے کہ میری رائے میں کل کے واسطے کچھ بچا دینا سب ہے۔ اگر شیخ اس رائے کو قبول کرے بچائے نہ قبول کرے تو اُس کے قول پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید نہ لے کہ اُنندہ آج سے زیادہ فتوحات ہوں گی اور اگر بالفرض فتوحات نہ ہوں تو ایک دن کے فاقہ سے مرمت تو نہ آجائے گا۔ اتنی سی بات کے لیے شیخ کے معمول کو بدلتا اور اختیارِ مال سے اُس کو مکند کرنا بے گزنا سب نہیں۔

## باب شصت و پنجم

## حدیث

## قضاء النافلة في وقت الكراهة

کریب (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے  
 (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھنے  
 کے متعلق سوال کیا (کہ یہ جائز ہے یا نہیں) حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن)  
 دیکھا کہ آپ نے جب عصر کی نماز پڑھ لی اور میرے گھر میں کثرت لائے تو دو رکعتیں  
 پڑھنے لگے اس وقت میرے پاس انعام کے قبیلہ جو حرم کی کچھ عورتیں بیٹھی تھیں قرآن  
 نور آپ کے پاس نہ جاسکی بلکہ میں نے ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور اس کو  
 سمجھایا کہ تو صندوق کے پہلو میں (آپ کے پاس) جا کر کھڑی ہو جانا۔ پھر عرض کرنا  
 کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ انہیں نے تو آپ سے یہ سنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں  
 سے منع فرماتے تھے اور اب (میں) نہیں دیکھتی ہوں کہ آپ (عصر کے بعد) یہ دو رکعتیں پڑھ  
 رہے ہیں؟ اس پر اگر آپ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ چنانچہ لڑکی نے  
 ایسا ہی کیا۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی جب آپ  
 نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے ابوسید! کی بیٹی (حضرت ام سلمہ) وہ ہیں؟ تم نے عصر کے  
 بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبد قیس  
 کے کچھ لوگ آئے تھے انہوں نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول کر دیا جو غرض کے بعد

(پڑھی جاتی) ہیں سو یہ دو رکعتیں وہی (ظہر والی) ہیں (حصر کے بعد والی نہیں ہیں جن سے صحیح کیا گیا ہے)

مشاعر کا ہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حصر کے بعد نفل نماز جائز ہے جبکہ ہر تشریح کے بعد کی سنتیں فوت ہو گئی ہوں۔ امام شافعی کا مذہب تو یہ ہے کہ حصر کے بعد مطلقاً نفل نماز جائز ہے خواہ ظہر کے بعد کی سنتیں فوت ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔ مگر حدیث میں اس قول کے لیے کچھ حجت نہیں۔ درود سے ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز دوسروں کی نفل جیسی نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب کوئی عمل کرتے تھے اُس پر دوام کرتے تھے تو آپ کی نفل نماز دوسروں کی نفل نماز کے مثل (واجبہ ہوتی تھی)۔ دوسری حدیث کے کھریج الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے مجھے ظہر کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا تو میں نے اُن کی قضاء کی ہے اور قوت کلام کا درجہ اہل زبان کے نزدیک انھیں کے برابر ہے اور اس کلام کی قوت اور شوکت بیکار ہی ہے کہ آپ کا یہ نفل اُس نفل کا ناقص یا ناسخ نہیں ہے۔ جو حصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے مشق سے پہلے سے موجود تھی بلکہ آپ کا یہ نفل خاص علت کی وجہ سے تھا جو حدیث میں مذکور ہے اور نہ ہی اپنے حال پر رہا ہے۔ اُس کا حکم بھی دائمی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی منقہ

عہ نہ آئے اور بخلاف اس کی روایت میں یہ بھی ہے فقہت یا رسول اللہ افترضا اذا افتتننا حال ۵۰

حالت ہم ملزمتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بھی ظہر کی دو رکعتوں کی (حصر کے بعد) قضاء کریں جو کبھی ہم سے فوت ہو جاوے۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ کذا فی اعلام السنن ۴۵

عہ اس حدیث کی تشریح میں علامہ شمس الدین عظیمی نے طویل کلام کیا ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ بیان اس لیے بیان کر دیا تاکہ وہ میان جہتہ کو معلوم ہو جائے کہ فقہ اور اجتہاد کے کئے میں محقق مرید کا اثر کر لینے سے اجتہاد کا درجہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ پس ائمہ مجتہدین کا قول کسی حدیث کے خلاف دیکھ کر اُن پر طعن کرنا نازیجات ہے کیونکہ وہ ظاہر میں ہی خلاف ہوتا ہے انتہا میں خلاف نہیں ہوتا ہے۔

اللہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے امام مالک (اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کا مذہب یہ ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے نوافل کو اپنے فرائض کا لازم کر لیا تھا۔ دوسرے ایسا نہیں کر سکتے اُن کو بھی پر عمل کرنا چاہیے جس کا حکم باقی اور مستمر ہے البتہ لفظ حدیث پر بحث کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر کے نوافل کو اپنے فرائض کا لازم کر لے۔ پھر کسی عذر کی وجہ سے ظہر کی رکعتیں رہ جائیں اور عذر انا تمتد ہو جائے کہ ظہر کا وقت نکل جائے تو اُس کو عصر کے بعد اُن کی قضاء جائز ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تفسیر یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ابھی اقتداء ہے۔ لیکن اس شخصیت میں بھی ایک سوال پھر باقی رہے گا وہ یہ کہ عصر کے بعد نوافل ظہر کی قضا کرنا ہر عذر میں جائز ہے خواہ کیسا ہی عذر ہو؟ یا اسی عذر کے ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ آیا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو مشلمان کرنے میں مشغول تھے اُن کے دل میں اصولِ شریعت کو جا رہے تھے جس کے لیے آپ بھوٹ ہوئے تھے۔ اگر ہم عموم کے قائل ہوں تو ہر عذر میں اس فعل کو جائز کہا جائے گا اور اگر اسی عذر کے ساتھ حکم کو خاص کریں تو جب تک کسی کو ایسا ہی عذر واقع نہ ہو اس فعل سے منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو ایسا عذر پیش آنا شاذ و نادر ہی ہے خصوصاً اس زمانہ میں تو شاید ہی کسی کو ایسا عذر پیش آتا ہوگا اور اگر پیش بھی آئے تو اُس کی جگہ عذرِ مکرر و مسلسل حکم ہے کہ نوافل کو بطور نذر کے اپنے ذمے لازم کر لینا مناسب ہے یا نہیں؟ سمجھا ہوا ہے کہ جیسا کہ سترہویں باب میں اگر یہ صورت افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت فجر اور عصر کے بعد نوافل سے منع فرمایا تھا اسی وقت یہ بھی بتا دیتے کہ اگر کوئی ان نوافل میں بغیر پڑھنا چاہے تو وہ نذر کے طور پر اپنے ذمے کچھ رکھیں لازم کر لیا کرے پھر اُن کو ان اوقات میں پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ سے بھی اس کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے نوافل کو بطور نذر کے اپنے ذمے لیا ہو اللہ تعالیٰ اعلم حالاً۔



دوسرے اس خدمت کو انجام دینے والے بہت مل جائیں گے۔ ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرا اس خدمت کا انجام دینے والا نہ ملے تو (جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر) یہ بہت ہی نادر ہے اور (مثل مشہور ہے) التادر کا ملحد صحراس کے لیے کوئی حکم نہیں مقرر ہو سکتا۔ اسی بنا پر واللہ اعلم امام مالک (و ابو حنیفہ) نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (اور نساہی کی حدیث میں جو زیادت ہے وہ اس تخصیص کی مرکا توثید ہے)

(۱۳۱) چھوٹے بڑوں کے فعل پر سوال وارد کر سکتے ہیں حدیث سے کہ مفعول فاضل پر (یعنی خود اپنے بزرگ پر) سوال (وارد) کر سکتا ہے جب اُس سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اُس کی عادت مانہ (احد ہمیشہ کے معمول) کے خلاف ہے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اسی بنا پر) استفہام کیا تھا اور (ظاہر ہے کہ) حضور کے زمانے میں اور بعد میں بھی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھوٹے ہی ہیں۔

قوله فيه دليل على جواز استفهام المفعول على الفاضل الى قوله

بالنسبة اليه عليه السلام مفعولون -

مگر چوتوں کو بزرگوں کے کسی فعل پر سوال نہایت ادب سے کرنا چاہیئے جیسا حضرت ام سلمہ نے کیا۔ مرنہ میں بعض حضرات قتال بالعدوت مشہور ہیں وہ اپنے بزرگوں پر بھی گرفت کرتے تھے۔ یہ حدیث اُن کی دلیل ہے مگر یہ درجہ اسی کے لیے ہے جس کو طرق آداب کی رعایت معلوم ہو۔

(۱۳۲) سوال سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق لازم ہے یہ بھی معلوم

سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو عمر کے بعد دو کہتیں پڑھتا ہوں اکیہ رہی ہوں اس قول سے تحقیق مانا ہی

معلوم تھی کہ اگر یہ نماز کوئی اور نماز ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں اور غشاء سوال کی تحقیق اس لیے ضرور ہے کہ (شاید وہاں کوئی ایسی بات موجود ہو جو ظاہر میں کی غرض سے مخفی ہو جس کے معلوم ہو جانے کے بعد سوال وارد ہی نہ ہو) جیسا یہاں (واقفہ) حدیث میں ہو گا کہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی نماز کو عصر کے بعد کی رکعتوں پر معمول کیا تھا۔ جس سے مانست ہو چکی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قضاء نماز تھی عصر کے بعد نفل نہ تھی۔

**سوال میں تاخیر مناسب نہیں** تاخیر مناسب نہیں بلکہ بعدی کرنا ہی بہتر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ہے (خصوصاً جب کسی فعل پر سوال ہو تو ابتداء فعل کے ساتھ ہی سوال کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر وہ فعل نسیان یا غفلت ہو رہا ہے تو اس کی تلافی ہو سکے۔ کام کر لینے کے بعد بجز استغفار کے تلافی نہ ہو سکے گی) چنانچہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاتِ عادت ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سوال میں تاخیر نہیں کی نہ اس کا انتقاد کیا کہ آپ نماز سے خارج ہو جائیں تو سوال کروں گا کہ اُس وقت سوال میں بعدی کی حاجت نہ وہ خود بھی مشغول تھیں کہ معانوں کی نگہداری کی وجہ سے خود دریافت کے لیے نہیں جاسکیں باندی کو بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز میں مشغول تھے (مگر سوال اس نماز ہی کے متعلق تھا اس لیے مؤخر نہیں کیا گیا۔ اگر کسی اور عمل کے متعلق ہوتا تو نماز سے فراغت تک مؤخر کرنا لازم تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فعل پر انکار نہیں فرمایا تھا (تو ثابت ہوا کہ جس مسئلہ میں اشکال واقع ہو اس پر ابتداء عمل ہی میں سوال کرنا درست ہے)۔

قوله فيه دليل على ان الاستفهام لا يكون الا بعد التحقيق الى قوله والله ينكر هو عليه السلام عليها بعد -

(۱۲۲) نمازی سے اس کی نماز کے متعلق بات کر سکے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز

کی حالت میں نافذی سے نہیں ہانسی کی نسبت سوال کیا جا رہا ہے جس کا مرتبہ نماز کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت امام مرتضیٰ نے نماز ہی میں آپ سے سوال کیا۔ کیونکہ اگر نماز سے فراغت تک سوال کو ٹھکرایا جائے تو سوال بے فائدہ ہو جاتا (کیونکہ مقصود سوال سے یہ تھا کہ اگر آپ بخیر لے سے یہ نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کو ترک کر دیں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصود نماز سے بعد حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

نماز میں اشارہ سے بات کا جواب دینا درست ہے کہ نماز میں سوال کا جواب اشارہ سے دیا جاسکتا ہے۔ اس سے نماز ناسد نہیں ہوتی (اور ناسد بھی نہیں ہوتی) بشرطیکہ شعوراً سا اشارہ ہو (جس میں عمل کی شرک نہ ہو) کیونکہ سوال اللہ علیہ السلام سے جب باندی نے (نماز کے اثناء) جستجو کی تو آپ نے دست مبارک سے اُس کو اشارہ کیا کہ مجھے کھڑکی چڑ جائے۔

احکام شرعیہ دریافت کرنے کے لیے جاہل کو مقصد بنا سکے ہیں،

بشرطیکہ اُسے آداب بتلا دیئے جاویں یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ دریافت کرنے کے لیے کسی نادانقت (ان پڑھ) کو قاصد رکھتے ہیں بشرطیکہ اُس کو اُن آداب کی تعلیم کر دی جائے جو اس حکم کے (دریافت کرنے کے) متعلق (شرعاً ضروری ہیں)۔ چنانچہ حضرت امام مرتضیٰ نے جب اس باندی کو بھیجا تو اُس کو سب کچھ بتلادیا کہ تجھ کو کیا کتنا چاہیئے اور کس طرح کرنا چاہیئے۔

تو نہ وہیہ دلیل علیٰ جواز السؤال لمن عرف فی العلوۃ الی قواہ ما تقول وما تفعل ۔

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان کی (جڑی) حرمت ہے (اُس کا احترام کرنا چاہیے) دیکھو حضرت ام سلمہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے (اور بلا واسطہ سوال کرنے) سے اسی بات نے خود کو اکابرہ بن عوف (کی خاطر بردہ) میں مشغول تھیں جو ان کی زیارت (اور ملاقات) کو آتی تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کا ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کسی محرم یا مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھ لیتے جو آپ کے بعد عورتوں نے ابھدو کی ہیں تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے تو جب (ان حرکتوں کی وجہ) ان کو مسجدوں سے روک دیا گیا تو اور مقامات سے بدرجہ اولیٰ روک کا جائز نہ تھا۔

### گھردالوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں ریاء کا اندیشہ نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ گھردالوں کے سامنے ضل نماز پڑھنا جائز ہے (یعنی اس میں ریاء کا اندیشہ نہیں نہ یہ غلویت کے متافی ہے۔ کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزتِ علمِ سلطہ کے سلسلے نماز پڑھنے کی قوائی کو آپ کی نماز کا علم ہی نہ ہوتا دہیں یہ جو کہا گیا ہے کہ ذوالن سجدہ میں نہ پڑھے جائیں بلکہ گھر میں پڑھے جائیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں گھردالوں سے چپ کر چھے جائیں اور راز اس میں یہ ہے کہ ریاء کا غلو وہاں ہوتا ہے جہاں مل کے دیکھنے والے ایسے لوگ ہوں جن کا اپنے سے افضل ہونا طبعاً گوارا نہیں ہوتا بلکہ ان پر اپنی فوقیت اور نفیست کی طبعاً خواہش ہوتی ہے اور اپنے گھردالوں پر فوقیت و نفیست کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ ان کا فضاہل و نیوہ یا دنیہ میں بڑھ جانا انسان کو طبعاً گوارا ہے۔ کسی کی جبری یا بچے اُس سے بھی زیادہ صاحبِ ولایت و نفیست بن جائیں تو اُس سے اُس کو طبعاً نفی ہوئی ہے ناگواری نہیں ہوتی اس لیے ان کے سلسلے نفلیں پڑھنے میں ریاء نہیں ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو مسجد اور گھر ہر جگہ برابر تھے آپ کو کسی جگہ بھی ریاء کا غلو نہ تھا مگر آپ کا مل اس طریقہ پر چوکرتا تھا جس کے اجتماع میں اُمت کے لیے

بھی کچھ خطرہ نہ ہو خوب سمجھ لو)

قوله فيه دليل على ان العيصت حرة الى قوله ما عشت به۔

**ف** حورقوں کا باہم ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جانا عام حالات میں تو کچھ زیادہ بُرا نہیں بشرطیکہ غیبت و شکایت کی باتیں نہ کریں۔ نماز کو وقت سے مؤخر نہ کریں لیکن تقریباً ۱۵ من قبل نماز کا جمع ہونا مطلقاً سے غالی نہیں۔ اکثر بے پردگی بھی ہوتی ہے اور نمازی بھی برباد ہوتی ہیں۔

(۱۳۵) بلا ضرورت نمازی کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے **حدیث**

بلا ضرورت نمازی کے پاس (کھڑا ہونا یا بیٹھنا) مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کو اشارہ کیا کہ آپ کے پیچھے کھڑی ہو جائے اور معلوم ہے کہ اُس سے کچھ نہ کچھ تشویش (ضرورت) ہوتی ہے۔

قوله فيه دليل على كراهة القرب من المصل الى قوله تشویش ما۔

**ف** آج کل لوگوں میں عام مرض ہے کہ کسی سے ملنا ہوتا ہے اور وہ نماز میں مشغول ہے تو اُس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت حکیم امت دہلوی رحمہ اللہ کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوتی ہے۔ یہ حدیث اُن کی حجت ہے۔

(۱۳۶) اگر نمازی سے کوئی ضروری بات نماز ہی کے اندر

کہنا ہو تو اُس کے پہلو میں کھڑا ہو کر کہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز ہی کی حالت

میں نماز سے کچھ کہنا ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ نمازی کے پہلو میں قریب جا کر بات کرے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے باندی سے یہی فرمایا کہ حضورؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر عرض کرنا۔ قیاس فقہی بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ اگر یہ شخص پہلو میں کھڑا ہو کر بات کرے گا تو نمازی کو مشغولیت سے دیکھ کر اسے پہچاننے کا

اور ادنیٰ اشارہ سے جواب دے دیکھا۔ اگر سامنے کھڑا ہو گا تو وہ اس کو اپنے  
اُٹے سے ہٹائے گا کیونکہ وہ سامنے گزرنے والا ہو گا اور اس کے لیے دفع کا حکم  
ہے) اور اگر پیچھے یا کچھ دور کھڑا ہو گا تو بعض دفعہ پہچانا دشوار ہو گا اور پہچان  
بھی لیا تو دور ہونے کی وجہ سے اُس کی بات پر توجہ نہ ہو سکے گی جس سے نمازی  
کو تشویش (اور پریشانی لاحق) ہوگی اور ایسی حالت میں اشارہ سے جواب دینا  
بھی بعض دفعہ آسان نہ ہوگا۔

قوله فیرا، علیٰ اہل ادب من یسألنی قولہ لا ینکح الاہل البہقۃ  
سہمان افتر: ای اُدا ب ہیں جن کی شریعت نے تشویش اور پریشانی سے  
بہانے کے لیے تعلیم کی ہے ان اُدا ب کو دیکھ کر بے ساختہ ہر شخص شریعت  
اسلام کی نسبت یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے ۔

زفر قی تا بقدم ہر کہا کہ می نگرم  
گر کشد دامن دل می کشد کرجا اینجا

شریعت نے تو مسلمانوں کو ادنیٰ ادنیٰ تشویش سے بہانے کا اس قدر اہتمام  
کیا ہے مگر اب حواس اور خواہش سب ہی اُس سے بے پرواہ ہیں اُن کی حرکات سے  
کسی پر پریشانی کا پھانڈ بھی ٹوٹ پڑے تو پرواہ نہیں کرتے اسی کا نتیجہ ہے کہ باہم  
وہ الفت و محبت باقی نہیں جو کبھی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی قالہ اللہ سبحانہ :

(۱۳۷) عورتوں سے علم حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اس کی اہل ہوں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں سے (شریعت یا طریقت کا) علم حاصل  
کرنا جائز ہے۔ کیونکہ راوی نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ مسئلہ (مذکورہ) دریافت  
کیا اور اُن پر اُمت کو یقین دہانے کے لیے (عورتوں سے علم حاصل کرنے میں) یہ شرط ہے کہ اُن  
میں اس کی اہلیت ہو چنانچہ حضرت ام سلمہؓ میں یہ اہلیت (بدرجہ کمال) موجود تھی اور  
یہ شرط مردوں سے علم حاصل کرنے میں بھی ہے مگر ان میں بکثرت قابل ہوتے ہیں

اس لیے تعریض کی ضرورت نہیں۔ عورتوں میں قابل کم ہوتی ہیں اس لیے شرط کی تعریض کر دی گئی، اور اس سے حضرات سلف (صالحین) رضی اللہ عنہم کا اہتمام بہرین بھی ظاہر ہے، ذکر اُن کو دین کا کس قدر اہتمام تھا کہ راوی کو جس بات کا علم نہ تھا اُس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (بے فکری کے ساتھ اُس کو مالا نہیں، بلکہ حکم شرعی معلوم کرنے کی فکر میں رہے) اور یہ حضرات بھی ایسے ہی تھے خدا اُن سے راضی ہو کہ ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن کا (بلکہ مہینوں کا) سفر کرتے تھے اسی لیے کہی گئی ہے کہ اذاکھا ظ بالحدیث اہتمام نفی العنان لظ قدر وان اُضعت لُنا خطرت فی الوجہ خطر۔ جب تک تم کو دین کا اہتمام ہے تو بلند مقامات میں تمہارے لیے عزت ہے اور اگر دین کو براؤ کر دیا تو پھر جو حالت بھی تم کو پیش آئے اُس میں ضرر (بھی خطرو) ہے۔ قولہ وفيہ دلیل علی جوازہ: العلم جازنا ان قولہ قد اخطا فی الوجہ بہ خطر۔

اس سے اُن صورتیہ کی حجت ظاہر ہو گئی جنہوں نے بعض بزرگ عورتوں سے استفادہ کیا ہے پہلے زمانے میں جب مسلمانوں کے دن پہلے تھے عورتیں علوم ظاہرہ و باطنہ دونوں میں مردوں کی طرح کمال حاصل کرتی تھیں۔ آج کل مسلمان عورتوں نے علم کی طرف سے ایسی غفلت برتی ہے کہ گویا کبھی ان کو علم سے کُسر ہی نہ تھا اگر کچھ عورتوں کو علم کا شوق ہوتا بھی ہے تو اسکولوں میں انگریزی پڑھنے کا شوق ہوتا ہے جو روز بروز ترقی پا رہا ہے مگر اس کو علم کتنا ہی علم کی توہین ہے آج کل جہل کا نام لوگوں نے علم رکھ دیا ہے جی۔

علیکہ رہ بحق تنہاید جمالت مست

مردوں کو بھی آج کل علم دین کا اہتمام نہیں البتہ اگر کسی کے دس پانچ لڑکوں میں کوئی کو دین سے واقف ہوتا ہے جس سے استقامت پاس کرنے کی امید نہیں ہوتی اور اس لیے اس کی تعلیم بہرہ ور پیر فریب کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا تو مری بکری خواہ خضر کے نام اُس کو عربی پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں پھر ہمارے

بھائی شکایت کرتے ہیں کہ آٹھ کل رازی اور غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ بھلا ان نفلانوں اور بے وقوفوں کو کوئی رازی اور غزالی کیونکر بنا دے گا۔ جو علم دین کے واسطے چھانٹ چھانٹ کر بھیجے جاتے ہیں۔ قوم کو کچھ تو انصاف کرنا چاہیے اور اپنی اس غفلت اور بے حسنی پر کچھ تو شرمنا چاہیے کہ دین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟ اس بے پرواہی کا نتیجہ مست کچھ ہمارے سامنے آچکا ہے تو اس غلطی کا اعادہ نہ ہونا چاہیے۔





## باب شصت و ہشتم

### حدیث

## سبعة اوامر وسبعة نواہی

حضرت ہمام بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم فرمایا، اور سات سے منع فرمایا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا ہم کو حکم دیا اور بیچار کی عیادت کا اور دعوت کرنے والی کی دعوت منظور کرنے کا (مُراد و میر کی دعوت ہے)، اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور قسم پورا کرنے کا اور سلام کا جواب دینے کا اور چھینکے والے کو دُعا دینے کا (بشرطیکہ وہ بھی اول اللہ تبارک کی حمد کرے یعنی الحمد للہ کہے تو سننے والوں کو یہ حدیث اللہ کہنا چاہیے اگر وہ حمد نہ کرے یا اُہستہ کرے تو دُعا دینا لازم نہیں۔ اور ہم کو چاندی کے برتن (استعمال کرنے) سے منع فرمایا اور سونے کی انگوٹھی (پہننے) سے اور خمر و دیباچ اور پادچہ فسی و استبرق اور سُرخ (ریشمی) ردائوں سے بھی۔

حدیث کا لاابری مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں شرح کا حکم دیا ہے اور سات سے منع فرمایا ہے (مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ امر و نہی کا ان ہی میں انحصار ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ صحابی کو اُس وقت ان امور کے متعلق حکم شرعی ظاہر کرنے کی ضرورت کسی وجہ سے زیادہ معلوم ہوئی تو اُن کے شمار کے ساتھ بیان فرمادیا کیونکہ شہادہ کر لینے سے مضمون کا یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے)

اب سوال یہ ہے کہ جن امور کا اس حدیث میں حکم ہوا ہے کیا سب کا ایک ہی درجہ ہے؟ اور وہ درجہ کیا ہے؟ وجہ ہے یا استحب؟ اسی طرح جن امور سے نئی وارد ہوئی ہے وہ سب حرام ہیں یا مکروہ؟ جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا یہاں امر ہوا ہے سب واجب نہیں بلکہ بعض واجب ہیں۔ بعض مستحب۔ چنانچہ جنازہ کے ساتھ جانا مستحب ہے کسی کو اس کو واجب کہنا معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اگر جنازہ کا اٹھانے والا اور نماز پڑھ کر دفن کرنے والا کوئی نہ ہو تو جو لوگ اس حالت سے واقف ہیں اُن پر فرض میں ہو جائے گا۔ اسی طرح عیاد کی عیادت مستحب ہے اور اگر کوئی بیمار داری کرنے والا نہ ہو تو فرض کفایہ ہے (اور جن کو علم ہو جائے کہ کوئی بیمار کو نہیں پوچھتا اُن پر فرض میں ہے) دعوت کا قبول کرنا مطلقاً واجب نہیں مرنے و دعوت و لمیمہ کا قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا مسود لعل نہ ہو جو شرفاً حرام ہے۔ اگر ایسی شخصیت ہو تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس شخصیت میں واجب بھی ہے اُس میں بھی کرنا واجب نہیں۔ مرنے شرکت واجب ہے کھانے میں اختیار ہے خواہ کھاؤ یا نہ کھاؤ (اور کھانا کر کے مبارکباد دے کر واپس آجاؤ کھانے سے حذر کر دو)

اس کے علاوہ اور دعوتوں میں تفصیل ہے بعض کا قبول کرنا مستحب ہے بعض کا مباح بعض کا حرام (تفصیل علماء سے معلوم کی جائے یا کتب فقہ کی مراجعت کی جائے)

مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے اسی طرح قسم کا پتہ کرنا واجب ہے (اگر اپنی ہی قسم ہے تو اُس کے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ اگر دوسرے نے قسم دی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ اُس کا پتہ کرنا واجب ہے یا نہیں اور حق یہ ہے کہ اگر اُس نے کسی امر واجب کی قسم دی ہے تو پتہ کرنا واجب ہے مثلاً میں کہے کہ تجھے خدا کی قسم نماز ضرور پڑھا کر اور اگر کسی مستحب کام کی قسم دی ہے تو قسم کا پتہ کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کام کی قسم دی ہے تو اُس کا پتہ کرنا مکروہ یا حرام ہے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا البتہ اگر کسی نے

الحج کو سلام کیا ہے تو ہر اک پر جواب واجب نہیں سب پر فرمنا کفایہ ہے ایک کا جواب سب کی طرف سے جواب ہو جائے گا اور سب ہی جواب دے دیں تو بہتر ہے اور پیچھے والے کو دُعا دینا سُنتے ہو کہ وہ ہے جو شرطاً مطلوب ہے (اور معین کے نزدیک واجب ہے اُسی تفصیل سے جو سلام کے جواب میں گُزری اور اسی شرط سے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اُس نے حمد بھی کی ہو)

اور جن چیزوں سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ سب حرام ہیں۔ تحریر و دیباچہ اقدس و استبرق۔ یہ سب دینی کپڑوں کی اقسام ہیں جو مردوں کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اسی طرح سونے کا گونچی خوردوں کو جائز ہے مردوں کے لیے حرام ہے اور ریاں سے مظلوم ہوا کہ نہی عز ماحور ہے اشد ہو تا ہے (یعنی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز سے منع کرنا کسی کام کا حکم کرنے سے زیادہ سخت ہے) کیونکہ نہی عز تو سب حرام ہوتے ہیں بشرطیکہ نہی بطریق تقدم کے ہو اور ماحور بہ سب واجب میں ہوتے ہیں واجب ہوتے ہیں یعنی مستحب تو وہ افضل (اور صل) ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا امرتکم بامر فاقامتہ ما استطعتم وما نہیتکم عنہ فلا تقربوا۔ جب میں تم کو کسی کام کا حکم کروں تو جتنا بجا ہو سکو بجا ہو اور جس سے منع کروں اُس کے پاس نہ جاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتوں کا امر کیا گیا ہے وہ سب واجب میں بلکہ بعض مستحب بھی ہیں۔ اور واجبات سب تمہاری طاقت و استطاعت کے موافق ہیں (طاقت سے زیادہ نہ واجب نہیں کیا گیا) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے لا تکلفن الله نفساً الا بمعہا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام تکلف نہیں فرماتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ واجبات میں سے جس کو تمہاری طاقت چاہے ادا کرو اور جس کو جی نہ چاہے چھوڑ دو۔ یہ کوئی عقلمند بھی جسے دو کا ایک سے زیادہ ہونا مظلوم ہے، نہیں سمجھ سکتا۔ تجسید کہ کسی کے دل پر ہمارے نفس ہی غالب ہو گئی ہو (تو وہ جو چاہے کھلے)۔

اور اگر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ منی حرام ہیں بشرطیکہ منی بطریق لزوم کے ہو، یہ شرط اس لیے ہے کہ بعض دفعہ منی کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہوتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ منی کراہت کی وجہ سے یا شفقت کی وجہ سے ہے جیسا (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو) وصال سے منع فرمایا تھا (وصال یہ ہے کہ روزہ پر روزہ رکھا جائے۔ درمیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھا یا جائے) اسی طرح اور جو منی اس کے مشابہ ہو کہ قرینہ سے اس کا شفقت کے لیے ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے حوت ثابت نہ ہوگی مگر منی میں ایسا قرینہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر منی لزوم ہی کے لیے ہوتی ہے اور امر میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ استحباب یا ارشاد کے طور پر حکم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ امر سے وجوب پر استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے اور منی سے استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت نہیں بلکہ منی حوت قرینہ کی محتاج ہے۔

اس میں غرض یہ کہ بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ آٹا کے امر کا مستغنی (۱۳۸) یہ ہے کہ اس کی تعمیل کی جائے، کسی ثبوت سے بھی ہو (خواہ واجب کفر میں کرو یا مستحب کفر) کیونکہ غلام کے ذلتے تو مولیٰ کے حکم کا بجا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں (غلام کو اس بحث کی ضرورت نہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے) چروہ اس سے آگے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ مولیٰ کے حکم کو غلاموں کے حق میں احسان اور عنایت سمجھتے ہیں کہ ان کا اتنا درجہ تو بڑا کہ ان سے سوال اور خطاب ہوا۔

جیسا حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا کہ تجھے حکم ہو اے کہ تم کو (غلام سورۃ) پڑھ کر سنائوں۔ حضرت ابی نے عرض کیا اور میرا دیاں تو کربوا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر حکم دیا ہے) فرمایا ہاں تمہارا نام بھی لیا اور تمہارے باپ کا بھی۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ اس خوشی میں کہ میرا اتنا درجہ ہو گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لینے) رونے لگے

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے ) اور کبھی خوشی کے جملے بھی انھوں  
میں اُتسوا جاتے ہیں ۔

مفتش در صحن وصل این نالہ و فریاد حیت  
گفت مارا جلوہ موشوق در این کار داشت

اور اسی لیے ( کہ مثنوی کو محفل حق تہلے سے خطاب اور سوال و جواب کی تنہا ہے  
در جہتِ عالیہ کی تنہا نہیں )

حضرت راہبہ رویہ نے ( ایک بار ) جبکہ بعض لوگوں نے اشتیاقِ موت پر اعتراض کیا  
کہ موت کا اشتیاق تو اُس کو ہونا چاہیے جسے نہیں ہو کر مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتوں  
گا ۔ جس کو یہ یقین نہ ہو وہ کیونکر موت کا اشتیاق ہو سکتا ہے ) فرمایا تو کیا وہ مجھے  
دعائیں گے بھی میں یوں بھی نہ کہیں گے کہ یا امة السوء فطنت کذاہ کذا ۔  
اسے بُری بندی ! تو نے ایسا ایسا کیا تھا لوگوں نے کہا ہاں ( اگر مواخذہ ہوا تو یہ تو  
ہو گا ہی ) فرمایا تو میرا مقصود یہی ہے ( میں اس سے زیادہ کی طالب نہیں میں وہ  
مجھ سے غیب کر میں پھر چاہے گالیاں ہی دے لیں ۔

ہم گفتی و خرسندم عتاک اللہ لکھو گفتی  
جواب تجھی زید لب لعل شکر غارا

۔

اجبت حبیبین حب الہوی

و حب لائب اہل لذا کا

فاما الذعرب هو حب الہوی

منشغلین بذکر لک عبا سوا کا

واما الذعرب انت اہل لہ

فلک شکر لک المحجب حق ارا کا

نہیں آپ سے دو طرح کی بہت رکھتے ہیں ۔ ایک ماثقنا نہ ( جس کا ثناء دل

کا آپ پر اُجا ہے (دوسری محبت اس لیے کہ واقعی آپ محبت کے قابل ہیں۔  
 سو پہلی محبت کا اثر تو یہ ہے کہ آپ کی یاد میں مستغرق ہو کر میں نے سب کو  
 (دل سے) بھلا دیا ہے اور دوسری محبت کا مقصد یہ ہے کہ آپ میرے آگے  
 سے پردے اٹھا دیں تاکہ آپ کو (میں بھر کے دیکھ لوں) یا یہ مطلب ہے کہ  
 دوسری محبت اس لیے ہے کہ آپ نے میرے سامنے سے پردے اٹھا دیئے ہیں  
 یہاں تک کہ میں آپ کو نگاہِ بصیرت سے دیکھ رہا ہوں اور مشاہدۂ قلب نے بے  
 دیا کہ واقعی آپ ہی محبت کے قابل ہیں۔ دوسرا کوئی اس قابل نہیں مگر یہ کہ وہ آپ ہی  
 تک پہنچانے والا ہو مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم )  
 قولہ ونبہ دلیل لاصل الصوفیۃ الی قولہ حتی ادا کا



## باب ثمت و ہنتم

### حدیث

## وفاۃ الرسول و فضل ابی بکرؓ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفات نبویہ کے قصہ میں) روایت ہے کہ حضرت ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ (حجرۃ نبویہ) سے باہر آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے (جس کا ذکر آئے آئے کیا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا بس بیٹھ جاؤ۔ اُنہوں نے (بیٹھنے سے) انکار کیا اور برابر تقریر کرتے رہے، تو ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا جس میں توحید و رسالت کی شہادت تھی تو سب لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر کو چھوڑ دیا یعنی اُنکی طرف متوجہ نہ ہوئے) شہادت توحید و رسالت کے بعد حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔

۱۸۱ بعد۔ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو (وہ) شہنشاہ ہے کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تو و وفات ہو چکی اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو (وہ) جان لے کر (اللہ زندہ ہے وہ کبھی غم نہ کما۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الی الشاکرین۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں ہیں) اُن سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تم اپنی ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹ جاؤ گے اور جو (دین سے) پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان

نہ کرے گا اور (جو اس حالت میں مہر و شکر کرے گا تو) اللہ تعالیٰ شاکرین کو ضرور جزا دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اس آیت کو کوشن کر) بہذا لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ جانتے ہی نہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بھی نازل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھا تب اُن کو یہ آیت یاد آئی، پھر تو لوگوں نے اس آیت کو کوشن کر یاد کر لیا۔ اس کے بعد ہر شخص اس آیت کو پڑھتا ہوا پھرنا تھا۔

شہرِ خاہر حدیث یہ ہے کہ صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دی۔ شہرِ اس آیت کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۳۹) عارف اپنے مقام خاص کے مقتضا پر کلام کرتا ہے یہاں پہلے سوال پڑتا

ہے کہ اس نازک موقع پر ان دونوں حضرات میں اختلاف کیوں ہوا۔ حالانکہ دونوں جس درجہ پر ہیں ظاہر ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت کو تلاوت کیا تو صحابہ کو یہاں مظلوم ہوا کہ گویا اس آیت کو اس وقت سے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے اختلاف کا سبب مسافت تک مظلوم نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ مظلوم ہو کہ دونوں کی حالت اس وقت کی تھی اور دونوں کا خاص مقام کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حالت تو اس وقت یہ تھی کہ جب ان کو سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا خبر دی گئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ازبہر ہلکا خبر سے گھبرا گئے تو حضرت عمرؓ نے تمنا فرمایا کہ اگر کسی کی زبان سے یہ بات نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو اس تمنا سے اُس کا غائر کردوں گا (حضرت کی وفات میں ہوئی بلکہ) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو (بطور معراج کے) اُٹھالیا ہے آپؐ ابھی واپس آئیں گے اور بعض لوگوں کو قتل



کر دیں گے۔ بعض کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (وفات کی خبر  
 سُننے کے بعد) ذرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے نہ آپ کو دیکھا (بلکہ خبر سُننے ہی  
 تو در نکال کر لوگوں کو اس قسم کی گفتگو سے منع کرنے گئے) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ  
 اس وقت (ایک ضرورت سے) مدینہ کے باہر گئے ہوئے تھے جب اُن کو یہ خبر پہنچی  
 تشریف لائے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ کے چہرہ  
 مبارک کو کھول کر دیکھا۔ جھوڑکی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں  
 باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہیں  
 اس کے بعد باہر آئے اور حضرت عمرؓ بار بار اپنی اُسی بات کو دُہرا رہے تھے۔ حضرت  
 صدیقؓ نے اُن کو بیٹھ جانے کا حکم دیا (غروہ نہ مانے) پھر حضرت صدیقؓ نے  
 وہ خطبہ شروع کر دیا جس کا مضمون حدیث میں مذکور ہے (یہ تو اُن حضرات کی  
 اس وفات کی حالت تھی) اور اُن نے اُنکے اُنکے خاص حالت وہ نئی جو رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بتلائی ہے انا مدینۃ النساء و ابو بکر بابہا  
 و انا مدینۃ الشجاعت و عمر بابہا و انا مدینۃ الحیاء و عثمان بابہا و انا مدینۃ  
 العلم و علیؓ بابہا۔ دُہیں سخاوت کا شہر ہوں ابو بکر اس کا دروازہ ہیں، میں  
 شجاعت کا شہر ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں، میں حیاء کا شہر ہوں عثمان اس کا دروازہ  
 ہیں، میں علم کا شہر ہوں علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

ف اس حدیث کی صحت میں محدثین کو کلام ہے اور (ظاہر ہے کہ) شجاعت سے  
 مراد دین میں شجاعت (اور پہنچائی) ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 آپ کو فاروقی کا خطاب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسلام لانے کے دن ہی  
 حق اور باطل میں فیصلہ کر دیا تھا کہ اُسی دن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اعجاز ہوئے  
 مکی اور (یہ بھی ظاہر ہے کہ) سخاوت کی زیادتی یقین کی قوت ہی سے ہو سکتی ہے  
 اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابو بکر زیادہ نماز اور روزے کی  
 وجہ سے تم پر فوقیت نہیں لے سکتے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے بڑھ گئے جو اُن کے

دل میں ڈالی گئی ہے اور وہ چیز کیا ہے ؟ قوت یقین ہی تو ہے اور جس کا یقین قوی ہو گا اُس کو حوادث کی قوت و شدت سے حرکت و اضطراب نہیں ہو سکتا۔ (وہ بر حالت میں کوہ و قار بنا رہتا ہے) وہ اپنے ہر کام کو یقین پر مبنی کرتا اور تمام حالات کی پوری تحقیق کر لیتا ہے اور جس کا مقام قوت دین ہو گا جس کا (دوسرا) تمام شجاعت ہے وہ اپنے ہر کام میں پوری احتیاط اور قوت کو ملحوظ رکھے گا (تمام حالات کی پوری تحقیق کے درپے نہیں جوتا بلکہ عمل میں ہر منزل پہلو کی رہایت کا اہتمام کرتا ہے) چونکہ حضرت عمر شجاعت اور قوت دین کے مقام پر تھے جب اُن سے کہ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور لوگوں کی حالت اضطراب کا شہادہ کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے بلکہ ہر احتمال پر نظر کر اُن کو یہ بھی احتمال ہوا کہ حقیقتہً آپ کی وفات ہو گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہوا کہ بطور صراح کے وفات ہو اور آپ واپس آ جائیں گے اور وقتی حالت کا مقتضایہ تھا کہ اس واقعہ کو اسی پہلو پر محمول کیا جانے جس میں پوری احتیاط ہو یعنی صراح کی حالت پر، تاکہ لوگوں میں جو اضطراب اور زلزلہ سا پیدا ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے اور اس احتمال پر نظر کر کے) اُن میں کسی قدر سکون پیدا ہو جائے۔ پھر (بعد تحقیق کے) اگر یہی پہلو صحیح نکلا جس پر واقعہ کو محمول کیا گیا تھا تو سبحان اللہ اور اگر وہ پہلا پہلو نکلا کہ حقیقتہً آپ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ حقیقت سکون کی حالت میں اُن کے سامنے آنے لگی کیونکہ صدر کی بات پر جب کچھ مدت گزر جاتی ہے نفس کو سکون ہو جاتا اور دل مضبوط ہو جاتا اور (کسی قدر) مطمئن ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصبر عند الصدمة الاولى (مبروہ ہے جو صدر کی ابتدائی حالت میں ہو۔ اسی وقت مستقل مزاج اور غیر مستقل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور جب صدر پر مدت گزر جاتی ہے تو اُس وقت تو سب کو بے اختیار مبرا آ جاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اسی بات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا بلکہ انہوں نے لوگوں کے سامنے

تقریر شروع کر دی تاکہ اُن کا اضطراب اور زلزلہ کم ہو جائے (اگر وہ پہلے حضورؐ کے پاس پہنچ جاتے اور حقیقی وفات کا مشاہدہ کر لیتے جیسا حضرت صدیقِ دینیؓ نے مشاہدہ کیا تو اُن کو اس بات کے کہنے کا موقع نہ رہتا (جس سے لوگوں کو اضطراب کی حالت میں سنبھال لیا گیا) کیونکہ اب یہ بات جھوٹ ہوئی اور حضرت عمرؓ اس سے بُستہ دور تھے۔ (کہ جھوٹ بات مُنہ سے نکالیں اور تحقیق سے پہلے ہر کچھ اُنہوں نے کہا اُس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی حضورؐ کی وفات محقق نہیں ہوئی احتمال ہے کہ یہ بھی معراجی حالت ہو اور ممکن ہے کہ اس احتمال کے ہوا و مرا احتمال ان کے ذہن ہی میں نہ آیا ہو کیونکہ اُن کا خیال یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے هو الذی ارسل رسولہ بالحدیث وہ یمہ الخ لیظهر علی الدین کلمہ میں جس غلبہ کی خبر دی ہے، وہ حضورؐ کے سامنے ہی ہو گا جیسا آیت سے بتا دیا ہے اور وہ غلبہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تو ابھی حضورؐ کی وفات نہیں ہو سکتی۔)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب حضورؐ کی زیارت کر کے وہ باہر گئے تو فرمایا کہ موت کے وقت جو ہاتھ رکے (آرمیوں میں سے) جس قسم کی بُرائیاں کرتے تھے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے وہی اس وقت اُٹھ ہی ہے تو یہ حضرات تو وفات سے پہلے ہی موت کی بُرے علامات کو پہچان لیتے تھے تو کیا حقیقی وفات کے بعد آپ کو دیکھ کر اُنہیں کچھ شبہ ہو سکتا تھا؟ یہ ناممکن ہے پس حضرت عمرؓ (اسی لیے خبر وفات سُن کر حضورؐ کے پاس نہیں گئے بلکہ آپؐ نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا جو اُن کی اپنی اصلی حالت کا مقتضا تھا۔ جب صاحبِ یقین بزرگ تشریف لائے تو وہ اس حادثہِ عظیم سے مضطرب نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے سے پہلے کوئی بات نہیں کرنی چاہی (سیدھے) حضور ﷺ سے اس پہنچنے آپؐ کا چہرہ بدکھول کر دیکھا جب ان کو محقق ہو گیا کہ واقعی سچے سچے آپؐ کی وفات ہو گئی ہے تو غور کیا کہ اس کے وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم اُن کو اور سب مسلمانوں کو کیا ہے؟ تو فوراً قرآن کی آیت دل

میں مائی جس میں اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد حکم موجود تھا جو قرآن میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ پس وہ حکم کے سامنے ٹھک جھک جھٹے اور دل سے منقاد ہو گئے۔ پھر باہر آکر لوگوں کو بھی اللہ کے حکم کے سامنے ٹھک جانے کی ترغیب دی۔ غرض دونوں جرہوں نے اپنے مقام ارفع کے مقتضی پر عمل کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی باتوں میں حکمت اور مصلحت رکھی تھی حضرت عمرؓ کی بات سے تو منافقین ہم بخود رہ گئے اُن کو یہ موقع نہ ملا کہ فوراً دشمنانِ دین کو اطلاع کر کے بھوکا دیتے اور حضرت صدیقؓ کے زبردست یلغ خطبے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ اضطراب جاتا رہا اور مردانہ وار اس صدر کو برداشت کر کے حکمِ الہی کی تعمیل میں سرگرم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ آیت پڑھتے سنا تو میرے پرچے نہ اٹھ سکے (فوزِ بکر پڑا)

**کمالِ یقین کی عکاسی ہے کہ نازک موقع پر بھی سنتِ نبویہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے**  
 اس واقعے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دین کی قوت اور یقین کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی مستقل رہے اور اتنے مستقل رہے کہ اپنے کلام کو اسی قاعدہ سے شروع کیا جو سنتِ نبویہ کا مقتضا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ منہم بائشان امرو میں کلام کو اللہ سبحانہ کے ذکر و ثناء سے شروع کرتے تھے۔

فیہ دیسل من قوۃ الی بکر حف الدین الی قولہ بذکر اللہ سبحانہ والثناء علیہ

باہم ایک دوسرے کا ادب کرنا بھی دین کا جز ہے صحابہ کا باہم ایک دوسرے کا ادب ملحوظ رکھنا بھی معلوم ہوا۔ یہ بھی دین کا جز ہے چنانچہ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ (ناک میں کچھ بولوں) اس سے زیادہ کچھ نہیں

کہا کہ تم غلط کر رہے ہو۔ حضرت کی وفات معراجی نہیں بلکہ حقیقی وفات ہے تم نے دیکھا نہیں ہے میں حضورؐ کو دیکھ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ اور بیٹھ جانے کو اس لیے کہا کہ اُن کی تقریر کے ساتھ اپنی تقریر شروع کر دینا ادب کے خلاف تھا۔ مطلب یہ تھا کہ میں تم کو جو کتنا تھا کہہ چکے اب میں کچھ کنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ جائیں !

قوله وفيه دليل على تأدب الصحابة الى قوله وللعبد عليه فيقال شيا

ضرورتِ دین کے لیے ترکِ ادب بھی ادب ہی ہے نیز اسی سے یہ کہ ادب کی رعایت اسی وقت تک ہے جب تک دین کی ضرورت (فوت) نہ ہو اور اگر (ادب سے) دین کی ضرورت (فوت ہوئی) ہو تو اب ادب کی رعایت نہ ہوگی بلکہ اس وقت ترکِ ادب ہی ادب ہو گا دیکھو جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقِ رضی اللہ عنہ کی بات ممانی (اور خاموش نہ ہونے) اور حالتِ نازک تھی تو انہوں نے سیدھے سہرے جاکر اپنا خطبہ شروع کر دیا اور دین کی (ضرورت کی وجہ) سے اُن کا ادب چھوڑ دیا۔ (کیونکہ گفتگو کا ادب یہ ہے کہ جب تک ایک شخص بول رہا ہے دوسرا اپنی تقریر شروع نہ کرے مگر محدثِ حال کی نزاکت اور دینی ضرورت نے حضرت صدیقؓ کو مجبور کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی گفتگو کے ساتھ ہی اپنی تقریر شروع کر دیں پھر بھی اتنا ادب ملحوظ رکھی کہ حضرت عمرؓ کے سامنے گفتگو کر رہے تھے حضرت صدیقؓ نے وہاں تقریر شروع نہیں کی بلکہ مسجد کے اندر منبرِ نبویؐ پر تقریر فرمائی) اور اسی دینی ضرورت نے حضرت عمرؓ کو حضرت صدیقؓ کا ادب ملحوظ رکھنے سے روکا تھا کہ جب انہوں نے ان سے خاموش ہونے کو فرمایا خاموشی نہیں ہوئے (برابر بولتے رہے) کیونکہ وہ اپنے نزدیک اپنی گفتگو کو دینی ضرورت پر مبنی سمجھ رہے تھے کہ اس وقت منافقین کو دبانے کے لیے یہی کہنے کی ضرورت ہے کہ حضورؐ کا وصال نہیں ہوا جب سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی اس کے بعد حقیقی کی جانے گی کہ حضورؐ کی واقعی وفات ہو گئی یا بیماری سے غشی آگئی ہے

قوله وفيه دليل على تأدب الصحابة رضي الله عنهم بعضهم مع بعض الى قوله ويصمت حين اشد اليه بالسكوت .

بعض لوگ ادب کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے بزرگ کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکلے۔ یہ صحیح ہے مگر خلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس سے ظاہر ہو کہ کہنے والا اپنے بزرگوں کا مخالف ہے ان کو بزرگ نہیں سمجھتا یہ مطلب نہیں کہ شرعی مسائل میں ان کی رائے سے اختلاف بھی نہ کرے۔ اگر مسائل شرعیہ میں اختلاف کو بھی بے ادبی میں داخل کیا جائے گا تو کیا نمود؟ اللہ امام محمد بن حسن اور امام ابو جعفر سے بے ادب تھے جنہوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ سے بات سے مسائل میں اختلاف کیا۔ یہ عا شاہد کلا یہ ہرگز بے ادبی میں داخل نہیں اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضرت عمر کے نزدیک اس بات کی ضرورت تھی جو وہ کہہ رہے تھے اس لیے حضرت صدیق کے خاموشی کرنے سے خاموش نہ ہوئے اور حضرت صدیقؓ کے نزدیک حضرت عمر کی بات کی ضرورت اس وقت تک تھی جب تک حقیقت واضح نہ ہوتی تھی۔ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد صحابہ کو سنبھالنے اور اطمینان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن میں مشغول ہونے کی ضرورت تھی اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ کو خاموش رہنے کے لیے فرمایا کہ اب تمہاری بات کا وقت نہیں رہا میں حقیقت پر مطلع ہو کر آیا ہوں۔ اب اس کے مقتضی پر عمل کرنا لازم ہے۔ پس ہر اک نے دینی ضرورت کو ادب پر مقدم کیا۔

ہمدے اکابر کمال بھی حضرات تھے ان کی اس سنت پر خاک وہ ضرورت دینہ کو ادب پر مقدم کیا کرتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اپنے بزرگوں سے بعض امور میں اختلاف کرتے تھے مگر مذہب کے عزائم سے تاکہ اختلاف رائے مخالفت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ افسوس! آج کل اس طرز پر لوگ نہیں چلتے۔ اختلاف رائے کو مخالفت و مخالفت کا پیمانہ بنا لیتے ہیں اور تقریر و تحریر میں دوسرے کے ایمان و نیت پر بھی ہلا کر سنے سے نہیں چڑھتے۔ یہ لوگ دائرہ علم و تقویٰ سے غار ج ہیں خالی اللہ اللہ کی ۔

## ۱۴۲) پریشانی کے وقت کلام مختصر اور دلیل مستحکم بیان کرنی چاہئے

حدیث سے معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت اور دین کی پہنچ کا امتزاج یہ ہے کہ مشکلات کے وقت کلام موجز (مختصر) کیا جائے اور حجت (دلیل) مؤثر و مستحکم بیان کی جائے۔ دیکھو حضرت صدیق کا یہ خطبہ من کان منکم یعدہ محمدان محمد احمد اقدمت الخ کس تقدیم الخ اور غایت درجہ بیخ ہے مگر مختصر بھی ہے (طویل نہیں) اور قاعدہ ہے کہ جس پر حقیقت شکست ہو جاتی ہے وہ زیادہ فیہ جوڑی باتیں نہیں کیا کرتا چند جملوں کی میں حقیقت کو واضح کر دیتا ہے، اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین و احکام کے لیے سب سے بڑی تقاضی حجت کتب اللہ ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور اسکی پر حق کا مدار نہ ہوتا تو صحابہ سب کے سب سرختم نہ کر دیتے اور ان ہی آیتوں کو بار بار نہ دہراتے۔

قوله وخیه دلیل علی ان من النضاحۃ والبلاغۃ الی  
قوله یکررون الّا ھی -

## ۱۴۳) حتی واضح کرنے کے لیے کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے تاکہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے دیکھو حضرت صدیق نے ایسا ہی کیا ہے فرمایا کہ تم میں جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو سچ لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرچکے ہیں اور جو اللہ وحدہ کی عبادت کرتا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو دیوم ہیں وہ نہیں مر سکے۔ حالانکہ حضرت صدیق کو قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے والا نہ تھا مگر آپ نے ایسی بات کو جو یقیناً محال تھی ایسی بات سے مل کر بیان کیا جو سب کے نزدیک محقق اور یقینی تھی تاکہ اسی طرح حق ملے اور ابن حق ثابت قدم ہو جائیں۔ قوله خیه دلیل علی جواز تقسیم المقام بدین

الحق والی الی قولہ تاکیدیہ الحق وتثبیت لاهلہ ۔

یہ بھی حضرات صوفیہ کی دولتوں میں سے ایک دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ قوت دین انہی کے فصاحت و بلاغت کلام بھی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا دہلوی، مولانا جامی، شیخ احمدی، حافظ شیرازی وغیرہم کی فصاحت و بلاغت معلوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی فصاحت و بلاغت کا دُنیا نے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت کے برابر مؤثر بیان کسی کا نہ ہوتا تھا بلاغت اسی کلام ہے، رنگینی الفاظ کا نام نہیں دقل لعلہ طیف النضہ قولاً بلیغاً حضرت کی شان میں یہ شعر بالکل سچا ہے ۔

ومن لبیان فی القلوب مؤثر وہبک قول القائلین فضول

”اب ایسا بیان کون کرے گا جو دلوں میں اثر کرتا چلا جائے۔ آپ کے بعد تو بولنے والوں کی باتیں فغرا، ہی سی ہیں ۔“

اس مقام پر حضرت صدیق کو حجاب قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ کے سبب نبی کی عبادت کرنے والے ہیں مگر حضورؐ کی خبر و ذات سن کر جو ان کے ہوش اڑ گئے اور ایک حالت اضطراب پیدا ہو گئی اس پر اس عنوان سے تنبیہ فرمائی کہ یہ حالت قوائس کی ہونی چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کو اس قدر پریشان و مضطرب نہ ہونا چاہیئے۔ اہل بلاغت سمجھ سکتے ہیں کہ اس موقع کے لیے اس سے بہتر عنوان حقیقت کو واضح کرنے والا اور گرتوں کو سنبھالنے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ احقر نے اپنے قصیدہ نمونہ ”وسيلة النظر“ میں اسی واقعہ کو اس عنوان سے بیان کیا ہے ۔

ماکان اثبتہ لکل مہمة	کادت تزدل لہا فوات مہمہ
من کان یعبداً احداً فربک	ماکان الحبيب ولا حین تکبر
من کان یعبد ربہ فہو لالہ	الولعہ القیوم نہ یخیر نصیر
هذا الشیث فہل صحت بمثلہ	هذا الوقار وکان خیر وقور



حضرت صدیق ہنر مشکل موقع پر جہاں پہاڑ بھی پہنے کو ہو جائیں جیسے ہی ثابت قدم تھے اُن کے اس بیخ شکمہ پر تعجب کرو جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر دیا تھا جبکہ بڑے بڑے صابر و عبرا اُٹھے تھے فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے محبوب تو مر چکے اب اس سے نکلا کی گنجائش نہیں اور جو رب محمد کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے اللہ واحد قیوم زندہ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے۔ یہ ہے ثابت قدم نہ کرنے کیوں اس کی نظیر کسی ہے یہ ہے وقار و استقلال اور واقعی حضرت صدیق بڑے صاحب استقلال تھے۔ حضرت صدیق میں یہ استقلال ان کے مقام یقین کا ثمرہ تھا اور اسی لیے ان کو سب سے پہلے علیہ منتخب کیا گیا کہ اس وقت ایسے ہی صاحب استقلال کی مسلمانوں کو ضرورت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبائل عرب میں ایک بھل پھیل پیدا ہو گئی تھی اور بعض مرتد ہو گئے تھے تو درختا وقت کو بند کرنے کے لیے بڑے صاحب استقلال علیہ کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت صدیق نے سب سے پہلے اسی فتنہ کا سر پکٹا اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ آپ نے مرتدین کو ذرا مسلت نہیں دی حالانکہ وقت نازک تھا۔ فارس اور روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اسی نزاکت حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مرتدین عرب کو اس دقت چھوڑ دیا جائے ان کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا پہلے بیرون دشمنوں کا انتظام کیا جائے تاکہ لوگوں کی گھبراہٹ کو سکون ہو جائے وہ اس سے پریشان ہیں کہ اپنے ملک میں بھی جنگ کریں اور باہر والوں سے بھی مقابلہ کریں۔ حضرت صدیق نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ مد کیا کہ انہیں کے سانپے فطرت برتا رہے گزند سب نہیں ان کی ہر کوئی سب سے پہلے ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ حضرت صدیق نے فرمایا، تمہیں نہ نہیں سے ضرورت آ ل کروں گا پاس مروت ہوا ہی میرے ساتھ ہو اور کوئی نہ ہو۔ یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کی اُن کی مدد کے لیے بھیج دیا کہ دندہ تمام مسجد ہوا سے بھر گئی اور جو لوگ حضرت

صدیق کی رائے کے خلاف تھے اُن کے چہروں پر خاص طور سے ہوائے لنگریاں  
 بدیں جس سے گہرا کردہ سب مسد سے باہر نکل گئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ  
 تعالیٰ نے اس قتال میں حضرت صدیقؓ کا شروع صدر کر دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے  
 پھر اٹھ نٹالے نے میرا بھی شہر صدر کر دیا۔ چنانچہ ایک سال میں سرحدین کا فتنہ فرو ہو  
 گیا۔ پھر حضرت صدیقؓ نے ایک ہاتھ فارس کی طرف بڑھایا ایک۔ ہاتھ یام کی طرف  
 اندرون طاقتوں سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ نقشہ جنگ حضرت صدیقؓ ہی نے  
 بنادیا تھا۔ اس کی تکمیل بعد میں ہوئی حضرت عمرؓ کا مقام شجاعت اور شہادت  
 لی الذین تھا تو حضرت صدیقؓ کے بعد مسلمانوں کو اُن کی حاجت تھی تاکہ حضرت صدیقؓ  
 کے بعد ہونے والے فتنے پر نزات کی ساتھ بڑھنے پڑے بائیں۔ چنانچہ آپ کے زمانے  
 میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ اسلام تمام اطراف میں پھیل گیا اور بلند ہو گیا۔  
 پھر قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو کمال کے بعد زوال ہوتا ہے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت  
 کی طرف مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ ان کی خلافت میں چھ سال کے اندر بہت زیادہ  
 فتوحات ہوئیں اور مملکت اسلام کمال درجہ پر پہنچ گئی پھر آخری ۱۰ سال میں زوال  
 کے آثار پیدا ہونے لگے اور زوال شروع ہونے کے وقت مقام صبر و تقسیم و حیا  
 کی ضرورت ہے اور یہ حضرت عثمانؓ کا خاص مقام ہے۔ انہوں نے رعایا کی آراوی  
 اور طلبِ اطاعت اور بے باکی اور طلبِ احترام خلیفہ پر کر دی زوال کا سرچشمہ ہے۔  
 غایتِ علم سے کام لیا جو کمال حیا و کاستی تھا پھر باغیوں کی بغاوت پر صبر و تقسیم  
 سے کام لیا خود اپنی جان دے دی۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں اٹھائے  
 اور جس نے ایسا کرنا چاہا اس کو روک دیا اس میں اُمت کو سبق تھا کہ جب دمایا  
 میں بے باکی و آزموی پیدا ہونے لگے اس وقت خلیفہ کو علم سے کام لینا چاہیے۔  
 اور رعایا باغی ہو جائے تو اپنی اسلامی برہموری۔ یہ جنگ دکرنا چاہیے۔ پھر حضرت علیؓ  
 کی خلافت کے مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ ان کا مقام علم تھا اُمت کو ضرورت تھی کہ باغیوں  
 کے عقل منقلب احکام کا علم ہو۔ آخر میں اسی طرح نقل ہوتا رہا موقوفہ ہم پر ہم ہونے لگا۔

لوگ ہنات کیا کریں گے اور خلیفہ کو قتل کر دیا کریں گے تو خلیفہ اور خلافت کا رُعب جلتا رہے گا اور بہت جلد حکومت اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اس وقت حضرت علی نے اہل تاویل سے قتال کیا اور مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ اہل تاویل اور بدعتین وغیرہمیں کے احکام سے مطلع کر کے قولا وعلما میں کو داغ فرمایا یہاں تک کہ ائمہ کے لیے احتمال وجمال باقی نہ رہے۔ غرض ہر شخص کا ایک مقام معلوم ہے اور مسلمانوں کو سب ہی کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے ہم پر بھی فضل فرمائیں اور ایسے اعمال کی توفیق دیں جن سے ہم اُن کے قریب پہنچ جائیں اور قیامت میں اُن ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور متقین کی جماعت میں بلا منست و مشقت کے عافیت کے ساتھ اپنے فضل سے داخل فرمائیے آمین (اس تقریر کا اثر حقہ حضرت شریح کے کلام سے ماخوذ ہے چونکہ اس میں کوئی مسئلہ فقہوت کا نہ تھا مگر مضمون عجیب تھا اس لیے فائدہ کے ضمن میں بیان کر دیا گیا۔ سبحان اللہ حضرت شریح نے بڑی خوبی سے مقاماتِ خلافت و ارباب پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان رہ گیا کہ وہ بھی خلیفہ راشد ہیں اور ان ہی کی خلافت پر تیس سال مدتِ خلافت علی منہاج السنۃ تام ہوئی ہے تو کتنا چاہیے کہ حضرت علیؑ کے بعد مسلمانوں کو امام حسن کی خلافت کی طرف احتیاج ہوئی جن کا خاص مقام سیادت تھا جس کا مقتضایہ ہے کہ جب قوی نزاعات کا طاقت سے خاتمہ نہ ہو تو سردار اپنی سے معالاز و روش سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ امام حسنؑ نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کو اپنی شانِ سیادت سے صلح و اتفاق و اتحاد کی طرف واپس کر دیا۔ اپنے کو خلافت سے معزول کر کے حضرت علیؑ کو خلافت سونپ دی۔ اسی لیے اس سال کو عام الجماعت کہا جاتا ہے کہ اس سال مسلمان پھر سے متفق و متحد اور مجتمع ہو گئے جس کی برکت سے صدرِ عالمِ خلافت اسلامی باقی رہی اور ترقی کرتی رہی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱۴۵) معائب میں بڑی تسلی قرآن کی تلاوت دیکھ کر سے ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ معائب میں تسلی کا سب سے بڑا ذریعہ بار بار قرآن کی آیات کو دہرانا (اور کثرت پڑھنا) ہے یہی حق ہے اور ٹھیک ہوتی بات ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **يَوْمَ نُنْزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ صَاحُوشًا وَدُجَاةً لِلْعَوْنِ**۔ ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو غمگینوں کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اس کی ایک شاہد و غایہ بھی ہے کہ غم اور پریشانی کے وقت اس سے تسلی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ (اسی لیے) معائب نے بار بار اس آیت کو دہرایا شروع کر دیا (۱۴۶) حضرت صدیق نے اپنے غلبہ میں پڑھی تھی کہ ایک شخص بھی ایسا دریا جس کی زبان سے وہ آیت نہ سنی گئی ہو۔ کیونکہ اس آیت کو سن کر انہیں اللہ کا حکم تو معلوم ہو گیا تھا پھر بار بار دہرانے اور تکرار کرنے میں اس کے سوا کیا فائدہ تھا کہ وہ اس سے اپنے رنج و غم میں تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قوله فيه ولسل على ان اكبر التسلي في المعائب قوله لو كتب الله الى

قوله اما التسلي بها على ما هو فيه من الحزن واليأس

فذكر الله تعالى التسلي حاصل ہونا صرف اللہ کا مشاہدہ ہے وہ الہامی ذکر اللہ تعالیٰ القلوب کا مکمل آنکھوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ذکر اللہ کی اعلیٰ فروغ اور تلاوت قرآن ہے اور مصیبت کے وقت خصوصیت کے ساتھ آیت اللہ وانا الیہ راجعون کا تکرار اور معنی و مطلب سمجھ کر بار بار پڑھتے رہنا بڑی تسلی کا ذریعہ اور دل کو سنبھالنے والا ہے۔

(۱۴۷) مخاطب کو اسکی مصیبت کی بات بتلانا چاہیے اگرچہ وہ جانتا بھی ہو

یہاں سے معلوم ہوا کہ جن بات میں مخاطب کی مصیبت ہو اسے بتلانی چاہیے اگرچہ ہم کو معلوم ہو کہ وہ اس بات کو پہلے سے جانتا ہے کیونکہ حالات ہمیشہ آنے

کے وقت انسان کا دل حادثہ سے ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ جانی پہچانی بات سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ دیکھو صحابہ کو کبھی کو یا اکثر کو یہ آیت معلوم تھی اس کے نزول کا دن اور شان نزول بھی معلوم تھا مگر حادثہ (وفات نبویؐ) کے دفعہ پیش آ جانے سے قلوب ایسے پریشان ہو گئے کہ اسی آیت سے ذہول ہو گیا جو پہلے سے جانی ہوئی تھی۔ ہر اس شخص کا تو کیا حال ہو گا جسے پہلے سے کچھ بھی خبر نہ تھی اور ایسی مصیبت کا سامنا ہو گیا جو تحمل سے باہر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

میں عزریٰ مصابغہ اجر لعاب۔ جس نے مصیبت زدہ کو تسلی دی اسے بھی اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کو وہ باتیں یاد دلانا ہے جو اس وقت یاد کرنی چاہئیں جس سے اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے تو اس کی تسلی سے جتنا اس کا غم ہلکا ہو گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی علم فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یہ مصیبت پیش آئی اور اس پر صبر کرتا (تو جتنا ثواب اس وقت ملتا وہی مصیبت زدہ کو تسلی اور دلدادہ دینے سے ملے گا کہ اس نے اس کو صابر بنا دیا ہے اور کسی کو صابر بنا دینے کا بھی وہی حکم ہے جو درد صبر کرنے کا ہے:

لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الدَّالِ عَلَى الْخَيْرِ كَمَا تَحْلَهُ اُسى کے مناسب معنی حکماء کا یہ قول ہے جو حکمت پر مشتمل ہے کہ آدمی چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو عالم ہے اور اس کو اپنا عالم ہونا بھی معلوم ہے (یہ مطلب نہیں کہ علم کا مدعی ہے بلکہ اس کو احکام شرعیہ مستحضر ہیں اور ان پر نظر ہے اور جانتا ہے کہ اس وقت کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے) اس سے علم حاصل کرو، دوسرا وہ جو جاہل ہے اور اسے اپنا جاہل ہونا معلوم ہے اس کو بتاؤ اور تعلیم دو۔ تیسرا وہ جو جاہل ہے مگر اسے اپنے جاہل کی خبر نہیں (بلکہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے) اس سے دور بھاگو کہ اس کی فلاح کی اُمید نہیں یوں کسی کو غلاتِ مالتِ فلاح نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ چوتھا جو عالم ہے مگر اسے اپنا عالم ہونا معلوم نہیں (یعنی پریشانی یا اور کسی وجہ سے اس کا ضمیر اُس کے ذہن میں حاضر نہیں رہے اس لیے وہ حالتِ حافزہ کے متعلق اپنے

کو جاہل سمجھتا ہے) تو اس کو یاد دلاؤ اس سے تم کو بھی نصیح ہو گا (اور اس کو بھی)۔  
 قوله وفيه من اللّٰقه ان يذكروا الشخص بالشئ الذي له فيه معلية الى  
 قوله فذكروه تستقوا به ۔

**ف** حضرات مولویہ کا اس پرچہ راعی ہے وہ برابری اور قیامت و جنت و  
 نار کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو  
 قصور مل سکتا ہے مگر غلبہ اشتغال و زیورہ کی وجہ سے ان سے  
 ذہول ہو جاتا ہے ۔

## (۱۴) امتحان کے وقت دل کی حالت کھل جاتی ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ امتحان کے وقت انسان کے دل کی حالت کھل جاتی ہے۔  
 دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جو (مسلمانوں کے لیے) بڑی مصیبت تھی اُس  
 نے سب لوگوں کے دلوں کی حالت کو واضح کر دیا کچھ لوگ (جو برائے نام مسلمان ہوئے تھے)  
 مرتد ہو گئے اور بہت لوگ (جو سچے مسلمان تھے) ثابت قدم رہے۔ بعض لوگ کسی قدر  
 غمزدگی میں مبتلا ہوئے پھر وہیں آئے تو آزمائش سے زبانی وعظوں کی حقیقت کھل جاتی  
 اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے اَلْحَبَّاسَاتُ آفَتْنَ كَمَا  
 اَيَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ وَلَقَدْ فُتِنَا الَّذِيْنَ مَنَ قَبْلَهُمْ فَلَيَحْلِلْنَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ  
 صَدَقُوا وَلَيَحْلِلْنَ اَلَّذِيْنَ كَذَبُوا ۝۱۴۰ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کو اتنا کہ  
 دینے پر کہ ہم ایمان لے آئے چھڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش دکھی جائے گی۔  
 (غزور آزمائش ہوگی) اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی ہے پھر تعجباً اللہ تعالیٰ  
 تجھ کو جھوٹوں سے الگ کر کے رہیں گے ۔

اس میں مرنے کی جُت ہے جنہوں نے اپنے طریق کو امتحان اور میری پر قائم  
 کیا ہے کہ انسان راحت اور تخلیق ہر حالت میں ثابت قدم رہے اسی لیے فرماتے  
 ہیں جس کو یہ خوشی حاصل کرنا ہو کہ اس کو کبھی کسی ناگواری کا سامنا نہ ہو تو کسی ایسی

چیز سے دل کو وابستہ نہ رکھے جس پر خدا کا لہ بڑھ ہو (مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے دل کو اور اپنی توقعات کو وابستہ نہ کرے) کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہونے والی ہے (مراد غیر اللہ ہے اللہ غیر اللہ وہ ہے جو تعلق مع اللہ سے مالم ہو پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو وابستہ کرنا منع نہیں کہ آپ سے وابستگی تو اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہے مگر حضور سے اللہ تعالیٰ کے برابر وابستگی نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ بھی تو واسطہ ہی ہیں اصل مقصود تو حق تعالیٰ ہیں۔ پس اصل اور واسطہ میں فرق ہونا چاہیئے اسی طرح مشائخ طریق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مالم نہیں بلکہ سوسل ہے مگر وہ بھی معرفت و وصل کا واسطہ ہیں تو یہاں بھی اصل اور واسطہ کا فرق ہونا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو)

قوله وفيه من الفقه ان هذا لا متعان يعرف المرأما احقى عليه  
جنانہ الی قولہ لان ما سواہ مزدجل مفقود۔

ف صوفیہ کے طریق کا امتحان پر مبنی ہونا یہ ہے کہ مشائخ طریق غالبین کے امتحان کرتے ہیں کبھی طلبہ دلچسپی کے لیے سختی کرتے ہیں کبھی اعتیاد و قیام کا امتحان کرنے کے لیے سختی کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر طالب معلق ہی ٹھہرتا ہے ٹھوکانیں ٹھہرتا۔ دوسرے یہ کہ صوفیہ خود اپنا امتحان بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی غریب آدمی کی خدمت کر کے دلچسپی میں کہ نفس میں ناگواری پیدا ہوتی یا اپنے حال پر رہا۔ بعض دفعہ عمدہ لباس پہن کر غور کرتے ہیں کہ نفس میں ٹھیکر عید ہوا یا اپنے حال پر رہا وغیرہ وغیرہ۔ مگر شریعت کے خلاف کام کر کے نفس کو آزمائش نہیں۔ مثلاً عورتوں کو گھومنے لگے کہ دیکھو نفس میں شہوت پیدا ہوئی یا نہیں واصل۔ خدا تعالیٰ شریعت نے جس کام سے منع کر دیا ہے اس کا ارتکاب امتحان کی واسطے بھی حرام ہے اور جن بزرگوں سے ایسا منقول ہے یا روایت غلط ہے یا غلطہ حال تھا جس کی تقلید جائز نہیں۔

ف ایک بد صورت مرد، گلگلی لے فرمایا کہ اگر راحت چاہتے ہو تو اللہ کے سوا کسی سے توقع نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی توقع نہ کرو یہ وہی بات ہے

جو حضرت شدر نے یہاں بیان فرمائی ہے اور اس کا مطلب اُوپر لکھ دیا گیا کہ اصل توحید اللہ تعالیٰ سے رکھنا چاہیئے۔ باقی سب سے اسی قدر تعلق اور تعلق رکھی جائے جو واسطہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچانے والے ہیں پس فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے لا الہ الا اللہ لا ادب سواہ۔

**ف** استخوان کویقت دل کی اصلی حالت کا کھل جانا مث ہر ہے بعض لوگ اسی وقت تک اللہ اور رسول کے عاشق ہیں جب تک راحت و آرام میں ہیں اور اگر کبھی کوئی مصیبت پیش آگئی تو ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں کہ ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ آج کل مسلمان ایسی آزمائش کے دوسرے گزر رہے ہیں۔ بعض جگہ پر مسلمانوں پر سخت مظالم و مصائب کا نزول ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ادب مسلمانوں کے ایمان کو سلامت و محفوظ رکھے۔

اللہم اماننا من العنوا والعاغیة فی الدنیا والاخرۃ ۔





## باب شخصیت دہشتم

### حدیث

### جواز بکاء الرحمة علی المیت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عاجزادی نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ میرا ایک بچہ مرد رہا ہے آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس سے میرا سلام کو اور (میری طرف سے) اکہدو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کا ہے جو وہ لے لیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ دے دیں اور اللہ کے پاس ہر چیز کی منت مقرر ہے۔ پس تم صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ عاجزادی نے پھر پیام بھیجا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں آپ ضرور تشریف لائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہ اور صفاؤ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت لوگ آپ کے ہمراہ چلے (جب گھر پر پہنچے) تو بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا راوی کا گمان ہے کہ صحابی نے یہ بھی فرمایا کہ اُس کا سانس پرانی مشک کی طرح (لول رلا) تھا تو وہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ببادک) آنکھیں (آنسوؤں سے) بہہ پڑیں تو حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا یہ رحمت ہے، جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے غم دلوں ہی پر تو رحمت فرماتے ہیں۔

شرح ظاہر حدیث اس پر مال ہے کہ رحمت کی وجہ سے روٹنا جائز ہے اس حدیث پر چند وجوہ سے مکتوب ہے۔

(۱۴۸) کسی کی موت کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیئے موت کی تکلیف کے وقت

بزرگوں کو بلانا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے صدمہ کو بھڑپا کہ اُن کے بیٹے کی موت کے حادثہ میں تشریف لائیں اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اور ہر زمانے میں تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

قوله منها استحضار ذوق افضل من معالجة الموت الى قوله افضل للباد۔

(۱۴۹) مصیبت زدہ کی تسلی کی جائے مصیبت زدہ کو مہر کی تلقین کی جائے اور اس کو تسلی دی جائے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی سے فرمایا قلتصبر و لتختب پس مہر کرو اور ثواب کی طلب کرو۔

قوله دليل على مراجعة صاحب المصيبة بالتصبر الى قوله و لتختب۔

یہ امور صوفیہ کے اخلاق میں داخل ہیں اُن کی دینیت ہے کہ میت کے پاس نزع کے وقت کسی عاتل و صالح کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے حاجی کلب

کے ایک مرید کا انتقال ہونے لگا تو وہ نزع کی حالت میں اپنے بھتیجی کا رو بار کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے مگر وہ اپنی دکان اور تجارت کی باتوں میں مشغول تھے۔ اُن کے بھائی بہت ہوشیار کھدایت تھے۔ انہوں نے کمان پر مرنے لگا کر کہا بھائی صاحب کیا باتیں کر رہے ہو؟ حاجی صاحب تم کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ پس حاجی صاحب کا نام سن کر فہرہ ذہن دوسری طرف منتقل ہوئی۔ کہا حاجی صاحب کے لیے قالمین بچھاؤ تعظیم سے بٹلاؤ پھر جو ذکر و شغل حاجی صاحب نے بٹلا دیا تھا اس میں مشغول ہو گئے اور ذکر اللہ کرتے کرتے ختم ہو گئے۔ پس بزرگوں کو کسی کی موت کے وقت بلانے میں بڑی عظمت ہے ان کی میت

کو بھی قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل بیت کو بھی تقویت ہوتی ہے۔

(۱۵۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو بُلا یا جانے تو اس کو یہ بھی بتلادیا جائے کہ کیوں بُلا جا رہا ہے (کیا کام ہے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ و سلم کی صاحبزادی نے اس طرح پیام بھیجا کہ میرا بچہ مر رہا ہے آپ تشریف لائیے تو انہوں نے تشریف اُدری کی درخواست بعد میں کی پہلے بچہ کی حالت سے اطلاع دی۔

قوله وفيه دليل على ان من السنة ان يخبر الذي يستدعى الى قوله  
الا بعد ما اخبرته بعوت بنها۔

**ف**حسب معاشرت اور ادب کلام بھی اسلام کا بڑا جزو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کو اصلاً پریشانی اور کلفت نہ ہو المسلم من سلم المسلمون من لسانه و بعد میں ادب کلام بھی داخل ہے کہ بات صاف، ہولی چاہیئے، ہر معاملہ صاف ہو نا چاہیئے۔ اس جزو کی طرف عوام تو عوام بہت سے غصہ کو بھی توجہ نہیں جعفر اقدس حکیم ہمارے قدس سرہ نے اپنے تجدیدی کارناموں میں جہاں اور بہت ہی عظیم اشان عہ آج بھٹے ہم پر ہم اور دستِ برہم کے حضرت کے عظیم تہ قدس سرہ اور نور و شرفہ ہم سے کیا جا رہا ہے کیا کون اس دلت طلبہ پر کیا گزری ہے۔

تقدیرِ تعلیمی از رائیٹ راجا و کلت لہاشم الجبال خزل  
کے ہم خاک نہ ہوں گے وہ کے خاک نہ کریں گے تقدیر کے لئے جس وہ کہ بڑا دل ہی بھی گئے  
وہ یکم سے پہلے وہ بہدو طریقی ہدیٰ وہ ہوائے تھے دوانے دل وہ مکان اپنی فرحانے

۱۶ رجب شرف سے آئے والی بات کو دو جہ کی طرف کے بعد مشا و کے وقت آفتابِ شہدائت غروب ہو گیا۔ دروازے کھلتے حضرت زبیر زین العونی ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب کون بہت و شفقت کے لئے ہوا کی نظر کر کے لے پکڑے گا۔ کون دستِ شفقت سر پہ میرے گا۔ کون ملی دلی کوتاہیوں پر تجھ کرے گا۔ اور کون عظیم قہر اور کمالِ بلا کی تہنیں کو سہی نے گا۔ کون اپنی بابرکت ہنس اور تضحیٰ غفلت سے تھیک دلوں کو کند کرے گا۔ ہاتھ پائے اللہ وانا الیہ راجعون۔ ہ  
قدّر نفوسا لوکان یبقی لکان لہ عقل وھیل + اب بجز اس کے کہ  
ایانہ ما شہدائے صوفیاء

اسی غد میں اہتمام دی ہیں اُن ہی میں سے ایک کھانا سر یہ ہے کہ باب حسن معاشرت کو زور دے فرمایا۔ اس کے لئے کاداب معاشرت کے ہم سے مستقل کتاب تالیف فرمائی۔ ”بہشتی زبیر“ اور تعلیم الدین“ میں سلیقہ کی باتوں اور کاداب کے لیے جواب قائم فرمائے۔ اپنے قیمتی مخطوطات میں شب و روز اس پر تنبیہ فرمائی۔ انتہا یہ کہ وصال سے چند گھنٹے پہلے قریب مغرب کے دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ کیونکہ محرت کو محسوس ہو گیا تھا کہ مغرب کے بعد وصالی محبوب کی گھڑیاں آنے والی ہیں (کسی نے جواب دیا: دس منٹ باقی ہیں۔ فرمایا مغرب کے آنے میں یا جانے میں؟ عالم نزع میں بھی ادب کلام کی تعلیم زبان فصیح ترجمان سے جاری رہی کہ اتنا کہ کافی نہیں کہ دس منٹ باقی ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ مغرب کے آنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ اللہ اللہ اصلاح و تعلیم اور پابندی اصول اخیر لٹریچر حیات تک بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ واقعی آپ کے لیے بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے غلوب و حال میں لقب حکیم الامت محمد زالمات العا فرمایا تھا۔ ایک حکیم امت اور مجدد کی یہی شان ہونا چاہئے تھی کہ جس کام کے لیے دُنیا میں تشریف لائے تھے آخری وقت تک اس کو انجام دیتے رہیں۔ حقوق العباد اور امانات کا جس قدر اہتمام تھا زبان کی طاقت سلب ہونے سے پہلے اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔ مطلق حالت و واقعات کے لیے احقر کا رسالہ حیات اثرات ملاحظہ فرمائیے اللہ عزوجل کسی رسالہ میں شائع ہو جائے گا۔

بہر حال حدیث میں کلام کے اس ادب پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کو بُلا یا جائے تو اس کو جہ بھی بتا دی جاوے کہ کیوں بُلا یا جا رہا ہے؟ محض اتنا کہ کافی نہیں کہ آپ کو بُلا یا ہے اس سے متنبہ والے کو پریشانی ہوگی کہ نہ معلوم کیوں بُلا یا ہے اور میں کام کو بُلا یا ہے وہ ایسا کام ہے بھی یا نہیں جو بدو نہ ہو سکتا ہو اسی طرح بعض لوگ حضرت حکیم الامت (علیہ السلام) سے ملنے حضرت کے تذکرہ سے دل بہانیں اور محرت کے پتہ ریشہ درجات اور ترکی متاع لکھنا کریں اور محرت کی حاجت و نصیحت کو شعلہ داہنا نیر قہقہ کی کا صورت ہے۔ ایسی حالت میں علماء و محدث و تصنیفات کے دوا دہاج غرر اور دھڑے بھائی زندہ ہیں۔ اہل سلسلہ کو من سب کا احترام کرنا یوں کہنا ہے حق کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ختم ۷۴

قدس سرہ سے صرف اتنا عرض کرتے کہ توبہ دے دو یا ایک توبہ کی ضرورت ہے تو صاف فرمادیتے کہ میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ جب وہ اپنی لعلی پر تہنہ ہو کر عرض کرتا کہ فلاں کام کے لیے توبہ کی ضرورت ہے تو فرماتے کہ تم نے پہلے اس طرح کیوں نہیں کیا تھا؟ جانو آدمہ گھنٹہ کے بعد پوری بات کہہ کر توبہ مانگنا۔ آپ نے دیکھا کہ اس آداب کی تعلیم حدیث میں موجود ہے۔ مگر حدیث پڑھنے والے ان احکام کو اس سے نہیں سمجھتے بس! میں رفیع یدین اور قرأت فاتحہ وغیرہ اختلافی مسائل ہی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان اتفاقی مسائل پر توجہ نہیں کرتے۔

(۱۵۱) چھوٹا بڑے کو قسم دے سکتا ہے جسے کو بھی قسم دے سکتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹا اپنے چنانچہ حضور کی صاحبزادی نے دوسری مرتبہ جو پیام بھیجا اس میں قسم دے کر عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے ضرور تشریف لائیے۔ اس کو باب حلفت اور یمن میں شمار نہ کیا جائے گا بلکہ طلب اور رغبت میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم دوسرے پیام کے بعد بعض قسم دینے کی وجہ سے تشریف لے گئے یا اور کوئی وجہ تھی یا دوسری وجہ کے ساتھ یہ بھی ایک وجہ تھی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی بار کے جلنے پر آپ کیوں تشریف نہیں لے گئے حالانکہ آپ تو غیر صلہ کے ساتھ بھی رکت اور حسن خلق کا معاملہ فرماتے تھے اپنی بیٹی کے ساتھ نوازدہ زیادہ اس کا غور ہونا چاہیے تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم کا پہلی بار جلنے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ ایسے موقع پر بتایا جائے تو جانا واجب نہیں اس کو دعوت نکاح اور دعوت ولیمہ پر قیاس نہ کیا جائے (کہ وہاں دعوت کے بعد جانا ضروری ہے) دوسرے آپ کو یہ بھی خیال ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا (بلند) درجہ ہے کہیں اس کی وجہ سے صاحبزادی کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ کے آنے سے بچنے کی موت مل جائے گی یا کچھ دنوں کے لیے حضور

ہو جانے گی۔ اس لیے انہوں نے آپ نے اُن کو بتلادیا کہ اس معاملہ میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ چنانچہ کلمہ سمجھا ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجن صبی اللہ تہلے جو کچھ لے لیں وہ بھی ان ہی کا ہے جو کچھ دیں وہ بھی ان ہی کا ہے اور ہر شخص کی ایک مدت اُن کے یہاں مقرر ہے۔ پھر ان کو اس موقع و حالت کے احکام بھی بتلادیتے کہ تم کو صبر کرنا اور ثواب حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیئے۔

اسامہ مالک نے منطامیں (اسی کے مناسب) ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عالم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، اُس کا انتقال ہو گیا تو اُن کو سخت صدمہ ہوا حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا بھٹنا چھوڑ دیا (اغادۂ علی کا دروازہ بند کر دیا) حالانکہ وکال (علم و فضل کی وجہ سے لوگ اُن کے (بہت) محتاج تھے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ ان کے پاس سوالات آتے تو خادم سوالات کو لے کر گھریں جاتا اور ان پر جواب لکھوا کر لاتا اور لوگوں کے حوالہ کر دیتا۔ جب کچھ مدت تک یہی حال رہا تو ایک عابدہ نیک بانی کو بھی اطلاع ہوئی وہ اُن کے دروازہ پر پہنچی اور غلام سے کہا کہ مجھے ایک ضروری بات پوچھنی ہے مگر بالمشاورہ پوچھوں گی بواسطہ نہیں کہہ سکتی۔ غلام نے کہا کہ میں تم کو اندر نہیں بھیج سکتا۔ چنانچہ سب لوگ تو (اپنا اپنا جواب لے کر) چلے گئے۔ یہ بانی دروازہ ہی پر بیٹھی رہیں۔ غلام نے فریاد سے ان کو بھی جانے کے لیے کہا مگر وہ وہاں سے نہ نکلیں اور کہا جگہ حضرت سے ملنا ضروری ہے جب دیر تک بیٹھی رہیں تب خادم نے (مجبور ہو کر) شیخ کو اس کی اطلاع دی احمد نے گھریں آنے کی اجازت دی تو عرض کیا حضرت میرے کچھ چڑوسی ہیں جن سے میں نے کسی شادی میں جانے کے لیے چند زیورات عاریت لے گئے تھے انہوں نے مجھے وہ زیورات عاریت دیدیئے۔ پھر اُس شادی کے بعد بھی ایک مدت تک میرے ہی پاس وہ زیورات چھڑوئے گئے کہ ان کو استعمال کئے جانوں اور اپنا بناؤ سنگار کرتی رہوں۔ پھر اب وہ مجھ سے اپنے زیورات طلب کرتے ہیں مگر میرا دل واپس کرنے کو نہیں چاہتا (کیونکہ مدت تک پاس رکھنے سے مجھ اُن کی بہت سی ہر گئی ہے) بیٹانے فرمایا کہ اب تم کو ان کا اپنے پاس رکھنا

جائز نہیں۔ کیونکہ وہ تو عادیات تھے (تعدادی ملک نہ تھے) اور عادیات کو بخیر خدا کرتا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ کیا حضرت! میں نے تو ایک دن کے لیے مانگے تھے (انہوں نے برسوں میرے پاس رکھ پھڑسے) اب کیونکر وہ اب تو مجھے اُن سے محبت ہو گئی ہے) فرمایا اب تو واپسی میں اور جلدی کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے احسان پر احسان کیا (کہ ایک دن کی جگہ برسوں تمہیں استعمال کرنے کی اجازت دی) ان بی بی نے کو ششش کی کہ وہ کچھ تو گنجائش نکال دیں مگر وہ سختی پر سختی کرتے چلے گئے (کہ اب انکار کی اصطلاح نہیں) تو ان بی بی نے عرض کیا حضرت! پھر آپ کی بیوی بھی تو اللہ تعالیٰ کی عادیات ہی تھی جو چند روز کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھی۔ پھر اپنی چیز لے لی۔ تو آپ کا یہ رنج و غم اور لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ جانا کس لیے؟ (آپ نے اللہ کی امانت کو خوشی کے ساتھ کیوں واپس نہیں کیا؟ رنج و غم کو لے کر کیوں بیٹھ گئے؟) اس پر ان بزدل نے اپنی حالت میں خود کیا دلائل بھجھائے کہ میں نے غلطی کی (اور بی بی کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت سے گھر کے باہر آنے لگے) اور افاداتِ علمی کا دروازہ کھول دیا۔ سبحان اللہ! حضراتِ سلف کی عورتیں بھی کسی بھگداز میں کہ بڑے بڑے علماء کو سبق دیتی تھیں اور اس زمانے کے علماء بھی کیسے تھے کہ ایک عورت کے متنبہ کرنے سے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے۔ اب تو ہم اپنے شیخ کے کہنے سے بھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے فالی اللہ المشتکی من فساد القلوب (-)

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بکھانے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ اپنے اور پرانے سب کو یکساں طور پر حکمِ شرعی سے مطلع فرادیں (کہ ایسی دعوت پر جانا لازم نہیں) اور دوبارہ بکھانے پر تشریف لے جانا اپنی بیٹی کی قسم پورا کرنے کے لیے بھی تھا اور اسی شفقت و رحمت کے مقتضاء پر عمل کرنے کے لیے بھی جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھی اور عاجزِ ادبی کے لیے بھی جبکہ اس بات سے اطمینان ہو گیا جس کا پہلے احتمال پڑا تھا اس میں اپنی طرفی کی بھی دلیل ہے (جودلدی اور)

جز تقویٰ کے قائل ہیں (مگر دلدادی کے لیے یہ حدود بھی ہیں جن پر حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اول منسہ مختلہ کا انسداد کر دیا جائے پھر دلدادی کی جائے۔)

قوله وفيه دليل على جواز القسم على الخل الى قوله يقولون بجهلنا لتقویٰ۔

(۱۵۲) اہل فضل کے کرم سے قطعی طور پر ناامید نہ ہونا چاہیئے

حدیث میں اس پر اشارہ ہے کہ اہل فضل کے فضل (و کرم) سے قطعی طور پر ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ وہ (ایک دوبارہ) جواب بھی دے چکے ہوں۔ چنانچہ حضورؐ کی صاحبزادیؑ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا۔ مگر نہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے بار انگارہ فرما چکے تھے مگر وہ اس انکار سے قطعی مایوس نہ ہوئیں۔ دوبارہ پھر درخواست کی (یہ تو حقوق کے فضل و کرم کی طبعی حق تو اس ذات کے فضل و کرم کی طبعی کسی ہونے چاہیئے جس کا خل ہی کوئی نہیں؟ اسی لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ گنہگار بندہ (ایک دفعہ) اللہ جل جلالہ سے دعا کرتا ہے وہ اعراض فرماتے ہیں۔ وہ دوبارہ پھر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اب بھی اعراض فرماتے ہیں وہ پھر دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے فرشتو! کیا تم میرے اس بندہ کو نہیں دیکھتے؟ کیسا بار بار مجھے پکار رہا اور دعا کر رہا ہے؟ وہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی نہیں جس کو پکارے (اللہ جس سے کچھ مانگے) میں تم کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی دعا قبول کی۔

فہم نے اللہ والوں کے فضل و کرم کا کھل آنکھوں مشاہدہ کیا ہے جو ان کو لگا پڑتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔

تا دم آخر دے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود  
بکھ اللہ وہ دم آخر میں بھی امیدواروں کو بشارتِ عالیہ و مبارک باد سے کامیاب فرما دیتے ہیں والحداد تکفیه الاشد دھج! بلغم میں صریح العبادۃ جب اللہ والوں کے فضل و کرم کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا کیسا پوچھنا؟ ان سے تو کسی حال بھی مایوسی جائز نہیں برابر عرض و معروض میں لگا رہنا



چاہیے۔ انشاء اللہ محروم نہ رہے گا۔ افسوس ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دُعا کی طرف سے بہت غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں بڑی تاکید سے ارشاد ہوا ہے **لَنْ يَهْلِكَ مِمَّ الدُّعَاءُ أَحَدٌ**۔ دعا کے ساتھ ہرگز کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا۔ دوستو! دعا کا التزام رکھو اور یہ جان کر دعا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو پکارا جائے۔ کوئی نہیں جس سے کچھ مانگا جائے۔ کوئی نہیں جس کو حاجت دعا بکھا جاوے۔ کوئی نہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔ انشاء اللہ محروم نہ رہو گے۔

(۱۵۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنی کے گھر میں بدون بلائے جانا جائز ہے بخلاف ولیہ (وغیرہ خوشی کے مواقع کے) (کہ وہاں بدون بلائے نہ جانا چاہیئے) یہ احمد سے معلوم ہوا کہ سعد بن عبادہ و معاذ بن جبل و ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور جنہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ وسلم کے ساتھ چل کھڑے ہوئے حالانکہ حضورؐ نے ان سے کچھ نہ فرمایا نہ صاحبزادی نے اُن کو بلایا نہ ان حضرات نے اجازت طلب کی۔

افسوس ہے آج کل دنیا و غم کے گھر جانے کے لیے بھی بعض لوگ بلانے کے منتظر رہتے ہیں۔ حالانکہ گھر والا اس وقت خود اپنی پریشانی اور غم میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو کسی کے بلانے کی فرصت کہاں ہوتی ہے؟ مسلمان آج کل ترقی کے تو طالب ہیں مگر اس کی بنیاد کو جو کہ اتفاق و اتحاد ہے خود اپنے ہاتھوں ہی سے کاٹتے جاتے ہیں۔

چھوٹ مسلم کو کر رہی ہے تباہ      آہ! لوہے کو کھا رہا ہے زنگ  
اڑ کے وہ آسمان پر پہنچے      ہم بھی ٹھک اٹھا ہے جس ہنگ

(۱۵۴) موت کی شدت یا خفت شقاوت یا سعادت کی علامت نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی شدت اور خفت کو شقاوت یا سعادت کی علامت نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ بچہ (جس کی موت کا حال حدیث میں ہے) مکمل

ذمہ (بلکہ معصوم تھا) بایں ہمہ اس پر موت کی شدت ہو رہی تھی اس میں جو کچھ حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے موت فناء (اجانم کی موت) کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دو گروں میں سے ایک میں جبری پہنچا دیتی ہے (تو اس کو بری علامت نہ سمجھنا چاہئے اور بعض احادیث میں جو ایسی موت سے پناہ مانگی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کو وحیت وغیرہ کا موقع نہیں ملتا۔ نیز ایسی موت سے اندوں کے دلوں پر سختہ و سختی گئی ہے اُن کے دل دہل جاتے ہیں) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچا تھا تو اس پر موت میں کٹتی کی جاتی ہے تاکہ اس درجہ پر پہنچ جائے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطراب سے بھی ترقی ہوتی ہے فی جہت لمن قال بہ۔

(۱۵۵) ادب یہ ہے کہ بڑا آدمی گفتگو کی ابتداء کرے یہ ہے کہ بڑا آدمی پہلے گفتگو کرے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ نے اول گفتگو کی۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا سب ہی دیکھ رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کا ادب کیا۔ کیونکہ اُن کی عادت سے یہ بات معلوم ہے کہ گفتگو شروع وہی کرتا تھا جو سب مقدم (و مسلم ہو) پس حضرت سعد بن عبادہ نے گفتگو کا افتتاح کیا (کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ادب (و تہذیب) کی رعایت ضروری ہے اور یہ کہ سوال سے پہلے بزرگوں کا نام بھی (ادب سے) لیا جائے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ما هذا؟ یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ تو پہلے حضور کا نام ادب سے لیا پھر ادب سے سوال کیا اور سوال میں بھی اختصار و ملحوظ رکھا اس فن پر کچھ زیادتی نہیں کی۔

(۱۵۶) آنسو نکلنے کی عام وجہ صبح نہیں بلکہ اسکی حقیقت رحمت و رحیم ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ آنسوؤں

کی حقیقت اور اُن کے سبب کے متعلق جو باتیں لوگوں نے بیان کی ہیں سب انہیں لوگوں نے اس کے متعلق پانچ چھ باتیں یا اس کے قریب بیان کی ہیں جن میں سے ایک بات کو (عام طور سے) اچھا سمجھا گیا ہے کہ گناہوں کی شرمندگی سے دل کو پسینہ آتا ہے (وہ آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے نکلتا ہے) اسی سے اور باتوں کو بھی بتایا گیا ہے مگر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بتلادیا ہے کہ یہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے جس کو رحمہل بندوں کے دل میں ودیعت کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فانما رحمہ اللہ من عبادہ الرحماء (کہ اللہ تمنا لے اپنے بندوں میں سے رحمہلوں ہی پر رحم فرماتا ہے) اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہ آنسو اس رحمت کی وجہ سے نکلتے ہیں جو رحمہل مومنوں کے دلوں میں رکھی ہوئی ہے تو جیسا کہ علوم میں کچھ (کی طاقت) اس نور سے پیدا ہوتی ہے جو علماء کے قلوب میں ہوتا ہے اسی طرح یہ آنسو ان رحمہلوں کی آنکھ سے بہتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت ہے یہ بھی حکیم کی ایک حکمت ہے۔

فانما رحمہ اللہ من عبادہ الرحماء سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تمنا لے اسی پر رحمت فرماتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت (کاملہ) ہے یعنی رحمہ والوں کے سوا کسی پر رحمت نہیں فرماتے۔ اب یا تو اس کو ظاہری پر رکھ جائے اور کلام کے حصر و تنظر کر کے دوسروں سے رحمت کی نفی کر دی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حصر مقصود نہ ہو بلکہ اہل رحمت کے لیے حکم رحمت کو ثابت کرنا مراد ہو۔ دوسروں سے نفی مراد نہیں۔ جیسے بولتے ہیں انما ابلیس یوسف بن حسین تو یوسف علیہ السلام ہیں۔ جس سے ان کے لیے من و جمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دوسروں سے نفی کا قصد نہیں ہوتا (اہل بلاغت کی اصطلاح میں یوں کہنا چاہیے کہ حصر حقیقی مراد نہیں بلکہ حصر اضافی ہے یعنی دوسروں سے خاص درجہ حسن کی نفی مقصود ہے مطلق حسن کی نفی نہیں۔ اسی طرح یہاں پر رحمہلوں کے لیے خاص درجہ کی رحمت ثابت کر کے بے رحموں سے اس درجہ کی نفی کی گئی ہے مطلق رحمت

کی نفی نہیں کی گئی، اور کبھی ایسے کلام سے (جس میں لفظ اتنا لایا گیا ہو) صرف استحقاق کا بتلانا مقصود ہوتا ہے، صحر کا قصد نہیں ہوتا نہ حقیقتہً نہ اضافتہً (یسے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ان الذین آمنوا وھاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ۔ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور ہاجر ہو گئے اور جنہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، ان لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔) (یہاں بھی کلام میں صحر بے کیونکہ خبر کے معرّف ہونے سے نفی صحر پیدا ہو جاتے ہیں مگر) مطلب یہ ہے کہ ان کو وعدہ اللہ کی امید کا حق ہے اور دوسرے جو رحمت کے امیدوار ہیں وہ بلا وجہ امیدوار ہیں تو یہاں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے (ایک یہ کہ صحر مقصود ہو مگر صحر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کہ یہی لوگ اپنی اُمید میں حق بجانب ہیں۔ دوسرے کو امیدوار ہیں مگر اُن کی امید بلا سبب دوسرے یہ کہ) مقصود (صحر نہیں بلکہ) ان لوگوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ استحقاق رحمت کا حکم بیان کر دیا گیا۔ دوسروں سے نفی مقصود نہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کچھ جھونکے (وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں جس کو اللہ چاہتے ہیں) (ان کی ہوا) پہنچا دیتے ہیں (اس کے لیے مہاجرین و مجاہدین کو نا شرط نہیں بلکہ ایمان بھی شرط نہیں۔ بعض دفعہ کافر کو بھی رحمت کا جھونکا لگ جاتا ہے تو اس کو ایمان کی توفیق ہو جاتی ہے) خواہ اس میں رحمت (کا مادہ) ہو یا نہ ہو۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ (قیامت کے دن) انبیاء و رسل اور ملائکہ اور علماء و صالحین شفاعت کریں گے پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے انبیاء، شاعت کر خیم، بلکہ شفاعت کر چکے نیک بندے شفاعت کر چکے۔ اب ارحم الراحمین کی شفاعت باقی ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (اور بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر) بعض ایسے آدمیوں کو جہنم سے نکالیں گے جن کو (انبیاء و رسل کے خیال میں) قرآن نے جہنم میں بیکس کر دیا تھا۔ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو سب کے سب کافر سمجھا کر جہنم میں چھوڑ دیے گئے۔ اسی لیے کوئی اُن کی شفاعت نہ کرے گا مگر وہ واقع میں کافر

نہ تھے مومن تھے۔ لیکن ایمان اتنا کمزور اور نفعی تھا کہ انبیاء و صلحاء کو بھی ان کے ایمان کا پتہ نہ لگے گا۔ ارم الراحمین عالم الغیب ان کو خود اپنی رحمت سے کسی کی شناخت کے جنم سے نکالیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رحمتِ مطلقہ رحمدلوں کے واسطے مخصوص نہیں۔ البتہ اگر رحمت سے مراد ایمان ہو اور ایمان سے مراد ایمانِ کامل ہو تو یہی لوگ حقیقت میں رحمت کے مستحق ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اس رحمت کے ساتھ اہل ایمان ہی مخصوص ہیں یعنی کاملین اور ایسی رحمت سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خشوع کی مدح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ پس حدیث اپنے ظاہری معنی پر معمول ہوگی کیونکہ اس صورت میں حکم ان ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسروں سے جن میں ایمان نہیں مطلقاً رحمت کی نفی ہے اور مومنین سے مطلقاً نفی نہیں بلکہ خاص رحمت کی نفی ہے۔ ورنہ مطلق رحمت ان کے لیے یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ لِمَنْ يَشْرِكْ بِهِ وَلِيَغْفِرَ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ اللہ تعالیٰ اس گنہ کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے اس کے سوا (اگر گناہوں کو) جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے (پس ہر مومن کے لیے استحقاقِ مغفرت ثابت ہے اور مغفرت بھی رحمت کا ایک فرد ہے۔)

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو اس کی آنکھیں اس کے اختیار میں ہوتی ہیں جب چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ بقا ہر دونوں صورتوں میں تعارض ہے کیونکہ اُنسوا لیسوا برابر ہیں (ایک حدیث میں ان کا سبب رحمت کو قرار دیا گیا دوسری میں نفاق پر مبنی کیا گیا) جواب یہ ہے کہ ہاں ظاہر میں تعارض مسلم ہوتا ہے مگر شرط پر نظر کرنے کے بعد کچھ تعارض نہیں رہتا۔ کیونکہ جس اُنسوا کا سبب کمال نفاق فرمایا گیا ہے یہ وہ ہے جو بجا بھاپنے

اختیار سے نکالا جائے اور رونے کے موقع پر روک لیا جائے جیسے ہر زمانے میں لوگ ان مسکینوں کی حالت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جو غلطے بنا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں پھر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ ہم ایسے تھے ہم ویسے تھے اور یہ تمام بیان غلط اور جھوٹ ہوتا ہے جس کا حمد ہوتا ان لوگوں کو جو ان کے اصول و فروع سے واقف ہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے پھر جب وہ اپنا پورا حال بیان کر چکے ہیں تو بے تحاشا رونے لگتے ہیں۔ بادش کی طرح اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر نادانقت لوگ گمان کرتے ہیں کہ اُس نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے (بھلا جھوٹ باتیں کر کے بھی کوئی اس طرح رویا کرتا ہے) پھر اس پر ترس لیا کہ ہر ذرت سے صدقہ و خیرات کی بادش ہونے لگتی ہے۔ ایسے واقعات ان لوگوں سے بہت منتقل ہیں چنانچہ وہ کتاب جو بنو ساسان کی طرف منسوب ہے جس میں اُن کے حالات (عروج و نزول) کا ذکر ہے وہی اس کے ثبوت کو کافی ہے (دکر رونما اختیاری بھی ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر روتے ہیں ان کا روننا بناوٹی ہے) لوگ اُن کی حالت کا برابر معائنہ کرتے ہیں اور جس رونے کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے (کہ اُس کا منشاء رحمت ہے) یہ وہ ہے جو کسی سبب سے پیدا ہو۔ مثلاً موت کو یاد کر کے یا کسی کے حال پر ترس کمانے سے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اس موقع پر نکلے جبکہ آپؐ نے بچہ کو موت کی سختی برداشت کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ وہ کس (معلوم) تھا یا اللہ کے خوف سے رونانا ہے یا اور کسی حالت کے سوچنے سے رونے لگے۔ جیسا منتقل ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بہت زیادہ رورہی تھیں۔ پوچھا اے فاطمہ کیوں رورہی ہو؟ عرض کیا کہ میں قبر میں جانے کو سوچ کر رونے لگی (کہ دیکھئے وہاں کیا حال ہو؟ اللہ! اللہ نبی کی عاجز راوی کو تو قبر کا اتنا فکر اور ہم لوگ آج کل کیسے بے فکر ہیں) تو یہ سب ایک ہی قسم کا روننا ہے۔ جس کو ایمان کامل کی حقیقت منتہی ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، نونا

پراشادہ کیا ہے، جنس پراشادہ نہیں فرمایا (مطلب یہ ہے کہ جو روٹا میرے اس روٹنے کی قسم سے ہو اُس کا منشاء رحمت ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر روٹنے کا منشاء رحمت ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں کچھ تضاد منظر رہا جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعد بن عبادہ اور جو صحابہ اُس وقت تھے ان میں سے کسی کی آنکھ سے بھی آنسو نہیں نکلا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روٹے اور آپ کے روٹنے کا منشاء کمال ایمان تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق سب سے زیادہ کامل ایمان والے ہیں۔ اسی لیے آپ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام والنجیۃ) کے انتقال کے وقت فرمایا تھا قد مع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب۔ ”آنکھیں رو رہی ہیں دل تلگین ہے مگر (زبلیں و دل) سے ہم ایسی بات نہ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناگوار کرے۔“ کیونکہ موقوفہ پر روٹنا اور غم کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی تلافی کے اسباب کو ترک کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔

**ف** حقیقت یہ ہے کہ عطار کی طویل تقریر سے بھی یہ مقام پوری طرح حل نہیں ہوا۔ یہ اشکال ہنوز باقی ہے کہ اگر ایسے مواقع پر روٹنا کمال ایمان کا مقتضی ہے تو کیا یہ حضرات صحابہ ان صوفیوں سے بھی ناقص الایمان تھے جن کے روٹنے کو شاعر نے کمال ایمان میں داخل کیا ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ضرور ناقص تھے مگر دوسروں کی نسبت سے ہرگز ناقص نہ تھے۔ پس اگر ایسے موقوفہ پر روٹنا صوفیوں کے کمال ایمان کی دلیل ہے تو یہ دلیل صحابہ میں کیوں نہ پائی گئی۔ جو کچھ میر تقی میر میں حدیث کا مطلب آیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ فان کان موہا فسن الله ورسوله وان کان خطاء فسن نفسی۔ میرا خیال یہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اس وقت دل سے ضرور روٹے اُن کے دلوں پر بھی رقت طاری ہوئی مگر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ روٹنا کمال صبر کے منافی ہے شدت ضبط سے کام لیا اس لیے اُن کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے۔ جب

دول اللہ علیہ السلام کو روئے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا (کیونکہ وہ تر روئے کو مطلق صبر کے غلات سمجھتے تھے) حضورؐ نے بتلادیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آنا صبر کے غلات میں صبر کے غلات جزاع فزع ہے کہ چلا کر روئے اور زبان سے بیان کرے اور ایسے موقع پر آنکھوں سے آنسو نکل آنا جبکہ اپنے عزیز کا انتقال ہو رہا ہو دلی ہمدردی اور رحمت کا متقاضی ہے۔ بعض دفعہ دل ہمدردی اور رحمت کے غلبہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسو کا نکلنا رحمت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر آنسو بہنے لگیں تو ان کا منشاء قلبی رحمت ہے اور اس سے حضراتِ مہابہ بھی خالی نہیں دل اُن کے پی پسکی رہے تھے مگر وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ حضورؐ نے بتلادیا کہ اتنے ضبط کی ضرورت نہیں زبان کو اور دن کو قابو میں رکھنا چاہیے کہ دل میں اللہ کی شکایت پیدا نہ ہو، اس کے حاکم و حکیم ہونے کو دل میں مستحضر رکھے اور زبان سے کوئی بے جا بات نہ نکلنے پائے۔ پس اب حدیث پر کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ شرط کا ایان ایسے موقع پر دل سے رونما دل کا پسینا ہے اور صحابہ اس سے محروم نہ تھے آنکھوں سے آنسو نکلنا شرط کمال ایان نہیں کیونکہ وہ اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیار یہ پر کمال ایان موقوف نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس موقع پر آنسو نکل آئیں تو یہ بھی مذموم نہیں نہ صبر کے غلات نہ بلکہ اسی رحمت قلبی کا اثر ہے جو شرط کمال ایان ہے اور یقیناً دل میں اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی و رحمت کا ہونا کمال ایان کا متقاضی ہے۔ ان کی وفات پر دل مفرور گھٹنا چاہئے ورنہ قنات ہوگی و ابعاد الناس من اللہ القلب القاسی سجد لآدی اللہ تعالیٰ سے بُت دور ہے۔ اس تقریر کے بعد یہ اشکال بھی حدیث پر نہ رہا کہ دوسری حدیث میں تو آنسوؤں کو کمال نفاق سے سبب بتلایا ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے اس ارشاد کا کہ یہ آنسو رحمت کے ہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر آنسو رحمت ہی سے نکلتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر آنسوؤں کا نکل آنا رحمتِ قلب کی وجہ سے ہوتا



ہے۔ نیز مدیٹ میں انسوؤں کی حقیقت کا بیان نہیں مگر سبب قریب کا بیان ہے۔  
شاعر علیہ السلام کو ان چیزوں کی تحقیق سے کوہ غرض نہیں بلکہ سبب قریب بنگلادیا  
مقصود تھا تا کہ اس کو مبر کے خلاف کہنے کا شبہ دفع ہو جائے۔ واللہ اعلم

اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ گریہ زاری بہت کرتے ہیں۔ کیونکہ (۱۵۷) نبی علیہ السلام نے گریہ کو اس دمت کا اثر قرار دیا ہے جو قلوب میں رکھی گئی ہے۔ چنانچہ بعض مثنویات منقول ہے کہ وہ بہت رو دیا کرتے تھے جس سے اُن کی آنکھوں میں آشوب ہو جی۔ لوگ کسی طبیب کو لائے اُس نے کہا میں اس شرط سے علاج کر سکتا ہوں کہ جب تک آشوب کا اثر باقی رہے آپ دفنا موقوف کر دیں۔ فرمایا ایسی آنکھ کس کام کی جس سے رو یا نہ جائے۔ بخدا میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا اور مجھے تمہاری دعا کی بھی ضرورت نہیں بلکہ روتے روتے مر جاؤں گا اور بھلا غزوہ کی تسلی کا سامان آنسوؤں کے سوا بھی کسی چیز میں ہے ؟

**ف** اُد پر بتلایا جا چکا ہے کہ رحمت کا اثر حقیقت میں دل کا درنا ہے۔ اُنسوؤں سے  
 درنا نما در نہیں۔ اگر کسی کا دل دروتا ہو اُنسو نہ نکلتے ہوں اس کو پریشان نہ ہونا  
 چاہیے کیونکہ مقصود حاصل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر دل کے رونے کے  
 ساتھ آنکھیں بھی رونے لگیں تو اس میں ظاہر و باطن کا اجتماع ہے اور یہ صورت  
 افضل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے ورجل ذکر اللہ تعالیٰ  
 ففاضت عینا لا کہ قیامت میں جن سات شخصوں کو عرضش کا سایہ نصیب ہو  
 گا ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا تو  
 اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کا درنا  
 بھی پسند ہے اسکا لیے ایک حدیث میں ہے فان مد تبکوا فنبکوا  
 کہ اگر تم کو درنا آئے تو رونے کی صورت ہی بنالیا کرو۔ اسی وجہ سے  
 خلیفہ کو گریہ و زاری محبوب ہے اور اس میں وہ اپنی آنکھیں جاتی رہنے کا  
 بھی پر راہ نہ کرتے تھے۔ ۱۰ مترجم

(۱۵۸) موت کو یاد رکھنا چاہیے جو یقیناً آنے والی ہے کا بڑا ناز و

یہ ہے کہ اس یقینی موت وقت کو یاد رکھا جائے (یعنی موت کو جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اس کے ملنے سے پہلے سامان کی تیاری کر لی جائے، کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کسی عزیز سے موت کو نہیں روک سکے اور خود اپنے سے بھی نہیں روک سکے تو دوسروں کا کیسے ہو چکا؟ جس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کل نفس ذائقة الموت کہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بعض حکماء نے خوب فرمایا ہے ۔

ولولایت الدنيا تندمرنا ههنا لكان رسول الله حيا و باقيا

فحببنا يا هذا اذا كنت حاقلا مقيلا وكن فيها لوازل و اعيانا

اگر دنیا کی زندگی کسی کے لیے ہمیشہ رہا کرتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور زندہ باقی رہتے۔ پس اگر تو حاقل ہے تو تجھے اتنا کافی ہے کہ دنیا کو قیل و قال کی جگہ سمجھ اور اس میں اپنے تو خڑا راہ کو محفوظ کر لے اور بدون سامان کے موت کے مزہ میں جانے سے بچتا رہ کہ تیرے ہاتھ ققوے سے خالی ہو اور موت کا وقت آجائے (اللہ کا تابعدار بندہ بن جا کیونکہ موت یقیناً کسی کی کسی وقت دفعہ آجائے گی۔ قولہ و ههنا اشارة و هي ان اهل الفضل لا يقطع لئلا يأس منه الى قوله فالحمام للث معا جثی ۔

ف مراقبہ موت و ذکر موت صوفیہ کا خاص شعار ہے، یہی چیز ہے جس نے اُن کی نگاہ میں دنیا کو حقیر کر دیا ہے۔ اسی نے اُن کے لیے ترک لذات و مہادات کو آسان کر دیا ہے۔ اس پر بعض نوجوانوں نے اعتراض کیا ہے کہ صوفیہ یہ فیلولو دہر کے پٹنے کو کتنے جی جھونکا تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ راحت کم کر دکھام زیادہ کر دو۔ ۱۲

عہ شدہ ڈاکٹر ذکی مہدی صحری صنعت کتاب و اخلاق منظران ۳۰ -

نے اسلام کا جو نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے یہ وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ وہ اسلام تو فتوحات اور حصولِ سلطنت کا دین ہے جس کے لیے علاقہ دنیا کا بقا لازم ہے اور مصوٰفہ نے جو اسلام پیش کیا ہے اس میں ترکِ علاقہ دنیا لازم ہے جو رہبانیت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دنیا کی محبت اور اُس کے علاقہ دل میں باقی رکھ کر فتوحات اور حصولِ سلطنت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔ بلکہ قلب کو حبِ دنیا اور اس کے علاقہ سے پاک کرنے کے بعد جہاد کی تعلیم دی ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يَّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ** خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں جہاد کرنے والا کون ہے؛ یعنی جو شخص نام و نمود یا محبت قوم و ملت وطن کے لیے قتال کرتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں۔ اب ہم کو بتلایا جائے کہ یہ درجہ اخلاص و غلو اس شخص کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل حبِ دنیا اور علاقہ دنیا سے پاک میں۔ پس مؤیدِ جہاد فی سبیل اللہ کے شکر نہیں بلکہ نام و نمود اور غرضِ نفسانی کے لیے جہاد کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے چاہی وہ حالت بناؤ جو مما بہ کی تھی **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يَّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ** و **اِقَامَ الصَّلٰوةَ وَاَتٰ بِالزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَغَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَاَلْاَبْصَارُ** وہ ایسے لوگ تھے جن کو بیع و شراء اور دنیا کے تمام کاروبار اللہ کی یاد سے نازک پابندی سے زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتے تھے۔ وہ اس دن سے ڈرتے تھے جس میں آنکھیں اور دل الٹ پٹ ہو جائیں گے **الَّذِيْنَ مَكَانَهُ فِى الْاَرْضِ قَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتٰوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ** یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر سلطنت عطا کر دیں تو نازکی پابندی کریں، زکوٰۃ دیں نیک کاموں کا اجر کریں۔ بُرے کاموں سے روکیں۔ یعنی جہاد سے اُن کی غرضِ محض اللہ کا بولی بالا کرنا اور زمین کو فواہش اور فساد سے پاک کرنا تھی۔

وَالَّذِيْنَ مَكَانَهُ فِى الْاَرْضِ قَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتٰوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

اُن پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ وہ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اُن کے دلوں میں ایسی الفت پیدا ہو گئی کہ اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی ہو گئے اور یہ صفت بدوں اتفاق کے نہیں ہو سکتی اور اتفاق خود غرضی اور ذاتی منافع سے قطع نظر کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ محبت دنیا و علاقہ دُنیا سے پاک ہو جائے اس لیے ارشاد ہے لایوں احد کہم حتیٰ بحب لاغیہ حایب لفضہ۔ کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنے بھائی کے واسطے وہی نہ چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے۔ صحابہ کی یہی شان تھی دینوٹرون علی انفسہم ولو کان بہم خصامة۔ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ خود ان کو کیسا ہی فائدہ ہو اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے کرتے تھے۔ وطنیت یا قومیت کے جذبہ سے نہ کرتے تھے۔ صوفیہ مسلمانوں کو ایسا ہمہ برد بنانا چاہتے ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے کام کرنے والے ہوں۔ مگر لوگ اُن کی تعلیم کا ٹھکانہ اڑاتے اور دوسرے طریقوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ اور برابر ناکامی کا ٹنڈ دیکھتے ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ صوفیہ محققین رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے طر وچ کا وہ کون سا زمانہ ہے جس میں صوفیہ جہاد سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے ہندوستان میں تو صوفیہ نے بڑے بڑے کامائے کئے ہیں اور تاریخ گوہ ہے کہ اُن ہی کے دم سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی ہے۔

**ف** یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صوفیہ نے جو مہادہ نفس اور ترک لذات و ترک علاقہ کی تعلیم دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ساری طر ترک لذات اور ترک علاقہ ہی میں گزار دے۔ بلکہ متوازنہ و دونوں کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اچھی طرح پیوست ہو جائے۔ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کسی کام میں خواہش نفس کا نبیل نہ ہو جو کام ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ قل ان صلاتی و نسکی و معیای و صلاتی



دکھ ہے۔ ایک نے مدرس کو اور تبلیغ و اشاعت اسلام سے کسی کو بھی سرکار نہیں۔ یہ جو دے شک خلافتِ سنت ہے۔ صوفیہ کو لازم ہے کہ اپنی خانقاہوں سے اصحابِ نفوسِ قدسہ کو مختلف مقامات میں تبلیغ احکام و اشاعت اسلام کے لیے تینیات کریں۔

قلماء پر فرض ہے کہ ایک جماعتِ بے‌غبن کی تیار کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتے رہیں جن کا کام تفصیلِ چندہ نہ ہو بلکہ خدمتِ اسلام و تبلیغ احکام ہو۔ اگر اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے تو اُمید ہے کہ نئی زندگی ملی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔



## حدیث

### الرؤیا فی تعذیب العصاة

سمرقہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (صبح) پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تھا تو عرض کر دیا کرتا تھا آپ کچھ تعبیر ارشاد فرمایا کرتے۔ عادت کے موافق ایک بار ہم سے پوچھا کہ رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔ فرمایا آج کی رات میں نے دیکھا ہے کہ وہ شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارض مقدس کی طرف لے چلے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنجیر ہے، اس بیٹھے ہونے کے نکلے کو اس سے جبریاً رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر دوسرے نکلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کر رہا ہے اور وہ نہ اس کا دست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے آگے چلو، ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر بٹھا جو لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر ایک شخص بڑا بھاری پتھر لیے کھڑا ہے۔ اس سے اس کا سر زور سے چھوڑتا ہے۔ جب وہ پھر ملتا ہے پتھر لڑھک کر دھج جاگرتا ہے وہ اس کو اٹھانے کو جاتا ہے تو لوٹ کر واپس نہیں

۷۷ مراد بیت المقدس ہے۔ کلاً تاریخ ۱۲

آنے پا کر اس کا سرا جھاغما جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہوا۔ آسے اور وہ پھر اس کو اسی طرح پھوڑا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے پہلے اور ایک غار پر پہنچے جو تودر کی طرف تھا نیچے سے پوڑا اُپر سے تنگ اس میں آگ جل رہی ہے اور بہت سے نکلے مرد اور ننگی عورتیں اس کے اندر (بھرے ہوئے) ہیں جس وقت آگ اُپر کو اٹھتی ہے وہ سب بھی اُپر کو اُٹھتے ہیں۔ یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ جب آگ نیچے کو نیچے جاتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک نر پر پہنچے جس میں خون بھرا ہے ایک شخص اس میں کھڑا ہے نر کے درمیان کندہ پر دوسرا شخص کھڑا ہے اس کے سامنے پتھر پڑے ہیں۔ جب وہ پہلا شخص کنارہ کی طرف آتا اور نر سے نکلنا چاہتا ہے دوسرا اس کے ٹھٹھ پر پتھر مارتا ہے اور جہاں سے آتا ہے اسی جگہ لوٹا دیتا ہے۔ جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح پتھر نر پر مار کر واپس کر دیتا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟ بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز باغ میں پہنچے جس میں بڑا درخت تھا اُس کی جڑ میں ایک بزدل بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس بست سے نیچے تھے اور درخت کے پاس ہی ایک اور شخص تھا جن کے سامنے آگ تھی وہ اس کو بھڑکا رہا ہے۔ یہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھے اور ایک گھر میں لے گئے جس سے زیادہ خوبصورت مکان میں نے نہیں دیکھا اور اس میں بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔ پھر اُس سے نکال کر دوسرے گھر میں لے گئے، وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ اس میں بھی کچھ بڑھے تھے کچھ جوان تھے۔ میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا۔ اب یہ بتلاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یہ کیا تھا ؟ بولے ہاں اب بتاتے ہیں۔ وہ شخص جس کا کلمہ چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا آدمی ہے جس کی ثبوت بات لوگ سن کر تمام جہان میں پھیلاتے ہیں۔ اس سے قیامت نکلا۔



یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا۔ وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر سوتا ہے اور دن میں بھی عمل نہیں کرتا۔ اس سے قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں دیکھا ہے وہ زانی ہیں۔ اور جس کو آپ نے خُون کی نہر میں دیکھا ہے وہ خودخور ہے اور درخت کی جڑ میں جن بزرگ کو دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد جو بچے دیکھے یہ لوگوں کی اولاد ہیں (جو بچپن میں انتقال کر گئے) ان کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں، اور جو شخص آگ میں کاربایا ہے وہ مالک دارِ دفعہ جہنم ہے اور جس گھر میں آپ پہلے گئے تھے وہ علمِ نمونین کا مقام ہے اور یہ دوسرا گھر شہداء کا ہے اور میں جبرائیل ہوں۔ یہ دوسرے میکائیل ہیں۔ اب ذرا اپنے سر کو اوپر اٹھائیے۔ میں نے سر اٹھایا تو اپنے اوپر بادل کی طرح ایک چیز دیکھی۔ کیا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے اپنے گھر میں جانے دو۔ کہا ابھی آپ کی کچھ عثر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا۔ اگر آپ کی عثر پوری ہو جاتی تو اپنے گھر میں پہنچ جاتے۔

تشریح ظاہر حدیث بتلوا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نازکے بعد شمرح صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اور آپ اُن کی خواہوں کی تعبیر بھی دیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس دن حضورؐ نے اپنے اس خواب کو بیان فرمایا اُس دن کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۹) خواب کا اور اُس کی تعبیر کا اہتمام یہاں چند سوالات ہیں نازی ہیں یا کوئی ایک ناز۔

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کے خواب دریافت فرمایا کرتے تھے اس میں کیا حکمت ہے؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب کس لیے بیان فرمایا ؟  
 جواب یہ ہے کہ بظاہر نماز سے بچنے کی نافرمانی ہے۔ کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ  
 میں دائی منکھ الیلۃ مذویا۔ آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ؟ بچنے کی  
 نماز کے بعد ہی بولے جاسکتے ہیں اس سے یہ علی مسند بھی مستحب ہوا کہ امام غازیوں  
 کی طرف منہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں یہ بھی قیام کے  
 قائم مقام ہے بلکہ (جن نمازوں کے بعد سنت ہو کہ نہ ہو ان میں امام کا اپنی جگہ پر  
 نمازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا) یہی سنت ہے اس سے اُن لوگوں کا رد ہو گیا جو  
 کہتے ہیں کہ امام کو اپنی جگہ سے کھڑا ہو جانا لازم ہے۔ یہاں تک کہ بعض مشفق امام  
 نماز سے فارغ ہوتے تھے ایسے (گھبرا کر) کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوئی چوٹ کی  
 ٹھکیت سے کھڑا ہوتا ہے اور اس کو وہ دہی کہتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح دو  
 عظیم اہتان غیر اُن سے فوت ہو جاتی ہیں۔ ایک تو ہلکے کا استغفار کرتا رہنا۔ جب  
 تک نماز کی جگہ بیٹھا رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہلکے ہر  
 اس شخص کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے جب  
 تک حدیث نہ کرے وہ کہتے رہتے ہیں اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ ۔  
 اے اللہ ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ! اس پر رحم فرما۔ دوسرے اس  
 سنت کی مخالفت ہوتی ہے جو اسی حدیث میں مراحۃ مذکور ہے کہ حضور جب نماز  
 سے فارغ ہوتے ہماری طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ  
 کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر حضور کھڑے ہو کر متوجہ ہوا کرتے تو حدیث میں اس  
 کا ذکر ضرور ہوتا۔ کیونکہ حضرات صحابہ نے اس سے بھی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے۔  
 تاکہ اُنہیں آپ کی اقتداء کرے (اگر اس جگہ قیام ثابت ہوتا تو صحابہ ضرور بیان فرماتے)  
 میں اُنہیں میں جن بڑے مقتدا علماء سے ملا ہوں ان کو نماز کے بعد قیام کرتے ہوئے  
 نہیں دیکھا بلکہ وہ بدون قیام کے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے (مترجم  
 کہتا ہے کہ ہماری اکابر علماء کا مل بھی علماء ائمہ کے مطابق ہے ۔)

دہا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل پر دوام فرماتا رکھ ہمیشہ روزانہ لوگوں سے یہ پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب اجزاء نبوت سے ہے (مگر ایک جزو کے وجود سے کل کا وجود نہیں ہو جاتا۔ کل کا وجود جملہ اجزاء کے اجتماع سے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو قرآن کا ایک جزو یاد ہو جائے تو اس کو حافظ قرآن نہ کہا جائے گا۔ جب تک پورا قرآن حفظ نہ ہو خواب ہو گا)۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس کے اہتمام (اور نگہداشت) کی ترغیب دیتے تھے۔ کیونکہ جب حضور کو اس کا اہتمام تھا تو ہم پر آپ کا اتباع واجب ہے اگرچہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے بھی نہ ہوتا چاہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے (تو اب تو زیادہ اہتمام چاہئے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ابتداء غیر اسی سے ہوئی ہے۔ کیونکہ نبوت سے (۶۷۰ء) پہلے آپ سوتے ہوئے تھے خواب دیکھتے تھے (جو کہ نبوت کی تسدید تھی) جیسا کتاب کے شروع میں پہلی ہی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے وحسب العهد من الایمان اپنے رفیق سے اچھا براؤ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن عہد کی (رعایت) کرنے والا کون ہو گا؟ آپ کا ایمان تو سب سے زیادہ قویٰ کامل ہے۔ رہا آپ کا (خواب شن کر) تعبیر دینا۔ سو اس میں صحابہ کو تعلیم تھی کہ کو تعبیر خواب کا طریقہ بتلانا تھا۔ کیونکہ جس کو یہ علم آجائے وہ بھی اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے ذلکما معا علمنی دینی۔ یہ علم (تعبیر) ان علوم میں سے ہے جن کی میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے اور انسان کو جو بات عدا یہی دہی تھی کہ حضرت جبریل رحمۃ اللہ علیہ آخر تک تسبیح ہاتھ میں رکھتے رہے کسی نے پہچان کر حضرت اب تو آپ کو تسبیح کی اہمیت نہیں دہی تو فرمایا اسی کی برکت سے تو عبادت نہیں دہی تو کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں؟ اوکا قال ۷۷ ط ۷۷



افغانا احلام پریشان خیالات ہی پائے۔ اہ

معنی جھوٹے جہانے مشائخ جواپنے زمانہ کی حالت سے واقف نہ تھے معنی سنت

موفق کہہ کر اپنے متعلقین کے خواب روزانہ اہتمام سے سنا کرتے تھے اور ان

کے متعلقین ایسے جوتے جوتے خواب روزانہ تعین کیا کرتے تھے کہ جن کے نام

نہ پاؤں۔ مگر وہ سب کی تصدیق کرتے تھے اور اگر کوئی مرید یہ کہتا کہ میں نے خواب

میں فلاں بزرگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہر سے اتنی رقم لے کر

ہمارے مزار پر آؤ تو یہ حضرت نور احمد رقم اس کے حالہ کر دیتے تھے۔ پس خواب

کے معاملہ میں شیخ کو اس قدر بھولا نہ بننا چاہیے۔ اگر حکیم الامت کے سامنے کوئی

ایسا خواب بیان کرنا۔ اول تو کسی کو اس قسم کی جرأت ہی نہ تھی تو وہ یقیناً یہ جواب

دیتے کہ وہ بزرگ جب خود مجھے حکم دیں گے اس وقت رقم دوں گا۔ اس کی کیا وجہ ہے

خواب میں تم سے تو کہہ گئے اور مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔

**ف** اللہ کی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا بطور شکر کے ان کا اظہار لازم ہے

واما بعدہ ر بٹ فہ رٹ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا

اظہار کرتا ہوں کہ اس ناچیز کے خوابوں کی بابت حضرت اقدس سیدی سیدی مرشدی

مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ مولوی ظفر احمد

کے خواب تو واقعات ہوتے ہیں اور حضرت سیدی حکیم الامت نور اللہ مرقدہ

نے بنہ کے معنی خواب اپنی مجلس میں بطور استدلال کے بیان فرمائے اور

متعدد خواب تربیت السالک میں نقل کرائے ہیں اور الحمد للہ کہ جبرہ کو حق تعالیٰ

نے علم تعبیر سے بھی مناسبت عطا فرمائی ہے۔ الحمد للہ الحمد للہ

الشکر حمد انکبیرا کا محبت و ترقی۔

**ف** مولانا کہ ایسا کس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرین و غات میں مجھ سے فرمایا

کہ مولانا ایسی تدبیر کر دو کہ مجھے نیند آئے کیونکہ آج کل مجھے جب نیند آتی ہے

اچھا خواب آتا ہے اور اچھا خواب بہت کم چالیسواں صتر ہے۔ معنی لوگوں کو

غواب میں ایسی تر تہی ہوتی ہے جو ریاضت و تہجد سے بھی نہیں ہوتی۔ ان پر غواب میں علوم و کتب کا لقا ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل میرے اُپر غواب میں علوم کا لقا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تحریک تبلیغ (بہارِ غامس) بھی غواب میں کچھ پر شکست ہوئی تھی۔

## (۱۶۰) گناہ کا خیال آنے پر اُن وعیدوں کو یاد کرنا چاہیے

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے جن کو اس پر ایمان اور تصدیق حاصل ہے ایک بڑا فائدہ ہے بشرطیکہ تصدیق حقیقی ہو کہ سچے دل سے وہ حضورؐ کے اس غواب کو وہی الٰہی سمجھتے ہوں (وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت نفس یا شیطان کی طرف سے (اُن گناہوں میں سے جن کا عذاب یہاں مذکور ہے) کسی گناہ کا ارادہ دل میں آئے اس وقت اس ہلاکت نیز منزل کو یاد کرے تو نفس سرکش سے رُک جائے گا اور ایسے ہی فوائد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس تفصیل سے مطلع فرمایا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو عذاب کا بعض اجمالی علم ہو مقدار و کیفیت کی خبر نہ ہو وہ اُس کے برابر نہیں جو تفصیل سے باخبر ہے اس کو پلے سے زیادہ خون ہو گا۔

چنانچہ ایک عابدِ ناہد کا قلعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے بعض شیطان آدمیوں کو حسد تھا وہ ان کی بابرکت حالت سے (دل ہی دل میں) جلتے تھے تو چاہا کہ (کسی ترکیب سے) ان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیں تو اُنہوں نے ایک بہت ہی حسین جیلِ عورت کو (اس کام کے لیے) تیار کیا۔ اُس کو خوب چچی پڑھا دی کہ تو پلے اس سے یہ کہنا پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنا اس کے بعد اُس کو بنا سنوار کر عابد کے پاس لے گئے (اور وہاں جا کر) اُس میں جھگڑنے اور لڑنے لگے جیسے یہ عورت اُن میں سے ایک کی بیٹی ہے اور اُس کے بد سے میں جھگڑا ہے (شوہر کہتا ہے کہ اس کو میرے گھر کیوں نہیں بھیجتے؟ باپ کہتا ہے کہ ابھی یہ رُفعت کے قابل نہیں اور تو نے بھی تو میری شریف پوری نہیں دیکھی؟)

پھر لڑائی جھگڑے کے بعد، عابد کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ حضرت اُمّہ ایک رات کے لیے آپ اس لڑکی کو اپنے گھر کے ایک کونہ میں جگہ دے دیں کل کو (جب ہمارا فیصلہ ہو جائے گا) ہم اُسے لے جائیں گے اور اسی قسم کی دوسری باتیں بنائیں۔ عابد نے انکار کیا تو یہ لوگ اصرار پر ہزار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عابد نے اُن کی بات مان لی اور محبت کی صورت تک نہ دیکھی (ویسے ہی بدون دیکھے اُس سے کہہ دیا کہ جاگھر میں کسی جگہ آرام کر۔

جب رات زیادہ گزر گئی اور یہ عابد برابر اپنی عبادت میں مشغول رہا (محبت کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا) تو وہ بناؤ سنگار کے ساتھ فتنہ اس کے پاس پہنچی اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے تو گھر میں تنہا ڈر لگتا ہے۔ آپ کے پاس تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ مقصود یہ تھا کہ اپنا چہرہ عابد کو دکھائے اور منہ کھول کے اُسکی کے پاس بیٹھے (تاکہ محبت دیکھ کر اس کی شہوت کو بھانج جائے) چنانچہ پاس بیٹھے کہ اس نے (دوسرا دھڑا کر کے) عابد کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ پھر کچلے لفظوں میں مقصود ظاہر کر دیا کہ میں تو آپ پر عاشق ہوں تنہا نہ وصل مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ یہ لڑنے جھگڑنے والے میرے باپ یا شوہر کچھ نہیں ہیں بلکہ سب میرے دوست آشن ہیں۔ میں نے ہی اُن سے درخواست کی تھی کہ اس بہانے سے مجھے آپ تک پہنچا دیں (اور بے حیائی کے کلمہ پر اُس کو اُجھلنے لگی۔

جب عابد نے اُس کی طرف سے اس قسم کی کوشش (اور کشش) دیکھی تو کہا اچھا شہزادی دیر کی مجھے نسلت دے۔ پھر جراثیم تیل ڈالا اور اس میں مولیٰ سی جتی ڈال۔ جب اس کی لوتیز ہو گئی تو اُس میں اپنی انگلی دے دی اور کچھ دیر تک برابر اُسے آگ میں رہنے دیا۔ جب انگلی خوب جلنے لگی اور آگ کی شعلیت ناقابل برداشت ہو گئی تو عابد چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

محبت پر اُس کی اس حالت سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے سچے معاملے سے رُعب طاری ہو گیا اور وہ بھی گناہ کے ادا سے بے رُک نہ گئی۔

جب بُج ہوئی اور وہ شیطان آدمی اُسے اپنی ساتھ لے گئے تو رات کی کیفیت دریافت کی۔ عورت نے سارا ماجرا سُنا دیا (اور بتلادیا کہ واقعی اس شخص کا معاملہ خدا کے ساتھ سچا ہے اس کو پریشان کرنا اچھا نہیں) تو وہ شیطان بھی اپنے ارادہ سے باز آگئے۔ کسی نے (اسی مضمون کو) شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ۷

نفسی مل البر دلیر تقویٰ دلا علی ایسر الحذرۃ

تکلیف تقویٰ - لحد ناد دُردھا الناس والحدیجۃ

میرے نفس کو زمرودی کی سہار ہے نہ تھوڑی سی گرمی کی۔ تو اس کو اُس آگ کی کیونکر سہار ہوگی جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر۔

قوله وفيه فائدة كبرى القول ان من والحدیجۃ -

حضرت مخوفیہ کرام کی یہی تعلیم ہے کہ جب گناہوں کی حریت نفس کا میلان ہو تو ان آیات و احادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں گناہوں پر عید اور عذاب شدید مذکور ہے اور نفس پر یاس و قنوط کا غلبہ ہونے لگے تو آیات رحمت اور ثواب جنت کو یاد کر کے خوف کو معتدل کرنا چاہیئے۔ یہ حدیث ان کی توثیق ہے۔

۱۶۷) قیام لیل واجب ہے یا مستحب حدیث کا یہ جملہ کہ ”جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ

شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے تو وہ رات کو اس سے اعراض کر کے سوتا ہے اور دن میں بھی اُس پر عمل نہیں کرتا قیامت تک اُس سے یہی معاملہ ہوتا رہے گا“ محل اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیام لیل

عہ واد کا تجربہ عام طے سے ایسا کیسا کیا جاتا ہے اسکا صحیح تجربہ سنا ہے مگر جس سے اہل سکائی باقی ہے جیسے سُنی اور باریک چھٹی وغیرہ کو جس طرح دنیا کی آگ ان چیزوں سے سُکتی ہے ورنہ کی آگ آدینا اور پتھروں سے سُکتی ہے۔ لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخَوَافِ حَوَالِہٖ دَمِنَ فَضْلِ الْجِبَارِ وَنَشْلِ الْعَفْرِہٖ

الحاقہ من العزیز الغافلین الدیوانی دارالقرآن آمین ۷۸ -



رات کو بھٹا، کے غار میں قرآن پڑھنا) مستحب ہے اور ترک مستحب پر عذاب نہیں ہوتا تو ترک قیام میل پر عذاب کیسے ہو گا ؟

جواب یہ ہے کہ قیام میل کے واجب ہونے ( نہ ہونے ) میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اُس کے وجوب کے قائل ہیں مگر وہ بدر فراقِ ناقہ کو واجب کہتے ہیں ( زیادہ نہیں ) قدر فراقِ ناقہ اتنی لذت کو کہتے ہیں جس میں دُودھ نکالنے سے پہلے اُونٹنی کے بچہ کو خن سے لگایا جاتا ہے تاکہ وہ دُودھ اُتار دے۔ پھر جلدی سے اُس کو الگ کر دیتے ہیں اور یہ مدت عادتِ دو تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں کم از کم دو تین رکعت ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے مابعد من قیام باللیل ولو قد فراق ناقہ قیام میل ضروری ہے اگرچہ فراقِ ناقہ کے برابر ہو ) اس قول پر تو کسی سوال اور بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ حدیث بھی اُن علماء کی ایک دلیل ہے ( جو قیام میل کو واجب کہتے ہیں )

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ قیام میل مستحب ہے۔ (مفسر و علماء) اسی طرف ہیں۔ اس قول پر بے شک وہ سوال وارد ہو گا کہ ترک مستحب پر عذاب کیوں ہو گا ؟ سو اس کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ جب کسی کو کب ٹر پر عذاب ہو گا تو اُن کے ساتھ مناسبات پر بھی عذاب ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان تجتنبوا کثر ما تنظروا عنہ تکلف علیکم شیئا تکرہ -

”اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے

تو ہم تمہاری شیات (مناسبات) کو معاف کر دیں گے“

جس سے (بطور مضموم مخالف کے) معلوم ہوا کہ اگر کبار سے نہ بچا گیا تو (مناسبات نہ ہوں گے۔ کیوں کہ اُن کے معاف ہونے کی شرط کبار سے بچنا ہے بلکہ اس صورت میں) سب پر عذاب ہو گا اور متفق علیہ مستحب کو چھوڑنا مختلف فیہ مستحب کے چھوڑنے کے برابر نہیں (بلکہ دونوں میں فرق ہے متفق علیہ

مستحب کا چھوڑنا تو گناہ کی کسی قسم میں داخل نہیں اور مختلف ذریعہ مستحب کا چھوڑنا ایک قول پر تو کچھ نہیں مگر دوسرے قول پر گناہ کبیرہ ہے، اس لیے ہم نے ترک قیام میل کو منافی میں شمار کر لیا ہے۔ اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحب ہے، مگر بعض علماء اُس کو واجب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (سب سے پہلے) بندہ کی نماز کو دیکھا جائے گا۔ اگر اُس کو (اچھی طرح) بھالایا ہو تبھا اور اگر نماز میں نقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے (فرمائیں گے) میرے بندہ کے اس عمل کو (اچھی طرح) دیکھو۔ اگر اُس نے کچھ نوافل بھی ادا کئے ہوں تو اُن سے اُس کی نماز کی کمی کو پورا کر دو۔ اسی طرح تمام اعمال کے ساتھ معاملہ ہو گا کہ اگر فرائض کو کامل طور سے نہ ادا کیا گیا ہو اور اُس جنس کی نوافل موجود ہوں اُن سے فرض کی تکمیل کر دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (معنی) بخشش رحمت (کا معاملہ) ہے۔

تو جب اس شخص نے قیام میل کو ترک کر دیا جس سے اُن نمازوں کی تلاقی ہو سکتی تھی جو اُس نے دن میں ضائع کی تھیں تو ترک قیام میل پر عذاب دیا گیا۔ کیونکہ اُس نے وہ کام نہیں کیا جس سے فرض کی تلاقی ہو جاتی تو اس پر عذاب ہونا دراصل اُس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ عذاب تو درحقیقت فرض کے نقصان پر ہو گا مگر قیام میل سے اُس نقصان کی تلاقی ہو کر عذاب مُل جاتا ہے۔ جب عذاب کو ٹلنے والا کام بھی نہ ہوا تو اُنسی کی طرف عذاب کو منسوب کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً اَوْ قِيْلًا -

”رات کا اٹھنا (نفس کو) بہت پھال کر تلہ ہے اور بات کو بہت صاف

(اور سیدھا) کرتا ہے۔“

(تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے میں بڑا مجاہدہ نفس پر ہے اور اُس وقت جو

کچھ پڑھا جاتا یا دُعا کی جاتی ہے یا ذکر کیا جاتا ہے سب دل سے نکلتا ہے اس لیے قیام میل کی بڑی فضیلت ہے اور یہ عمل ایسا ہے جس سے فرض نمازوں کی کوتاہی کی تلافی ہو جاتی اور عذاب ٹل جاتا ہے تو جس نے فرائض میں کوتاہی کی کہ اس افضل ترین مستحب کو بھی ترک کر دیا ہو اُس کے عذاب کو ترک فرض کے ساتھ اس مستحب کے ترک پر بھی حوالہ کیجئے گا، اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم؛ اسی لیے علماء نے ہر فرض کے ساتھ اسی نوع کے نوافل کی تکثیر کو مستحب فرمایا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے فرض میں کچھ کمی رہ جائے (تو نوافل سے پوری ہو جائے گی)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ غام عندہ باللیل (وہ رات کو قرآن سے اعراض کر کے سوتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ سو کر رات کی نمازیں فوت کرتا ہے تو گولفظ عام ہے مگر مراد خاص ہے، یعنی قیام میل مستحب کا ترک مراد نہیں بلکہ نماز فرض کا ترک مراد ہے کہ رات کو قرآن کے احکام سے اعراض کر کے عشاء سے پہلے سو رہتا ہے اور صبح کے بعد تک سوتا رہتا ہے۔ نہ عشاء کی نماز پڑھتا ہے نہ صبح کی۔ اس محورت میں عذاب ترک فرض پر ہوا نہ ترک مستحب پر۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مقصود بطور کن یہ ہے کہ اس شخص کو خدا نے قرآن کا علم دیا تھا پھر وہ دنوں میں اُس پر عمل کرتا تھا نہ رات میں بعد یمن فیہ بالانہاد سے دن میں عمل نہ کرنے کو بتلایا گیا اور نام عندہ باللیل سے رات میں عمل نہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے اعراض کر کے سو رہنا کمال ترک پر دلالت کرتا ہے۔

قوله وهناحيث وهو كيف يقنع العذاب على ترك القيام

بالليل الى قوله لانه ابلغ في الترف

ف اور پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معراج جسمانی سے مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نبوت سے پہلے تھے خواب بطور

تعمیدِ نیت کے نظر آتے تھے اسی طرح معراجِ جہانی سے پہلے خواب میں چند بار معراجِ روحانی ہوئی ہے تاکہ طبیعتِ معراجِ جہانی کی شکل جو جائے۔ یہ حدیث بھی غالباً معراجِ روحانی سے متعلق ہے اور معراجِ جہانی سے پہلے قیامِ یل ہی فرض تھا۔ جیسا سورۃ المزمل کی تفسیر واضح ہے، معراجِ جہانی کے بعد جب پانچ وقت کی نازیہ فرض ہو گئیں قیامِ یل کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ پس اگر مان لیا جائے کہ یہ مذہب ترکِ قیامِ یل ہی کی وجہ سے ہو تو یہ حکم اُس وقت ہے جبکہ قیامِ یل فرض تھا۔

اور چنانچہ جواب یہ ہے کہ قیامِ یل جمہور کے نزدیک بھی واجب ہے مگر قیامِ یل سے مراد تمہد نہیں جو عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر جاگنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریفین میں وارد ہے ما کان بعد العشاء فہو من قیام الطیل۔ نماز عشاء کے بعد جو ناز بھی ہو وہ قیامِ یل میں شامل ہے اور نماز عشاء کے بعد نماز وتر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، تو جو شخص عشاء کے بعد نماز وتر ادا کرے گا اُس کو تاکِ قیامِ یل نہیں کہا جائے گا تاکِ قیامِ یل وہ ہے جو عشاء پڑھ کر سو جائے اور وتر نہ پڑھے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اگرچہ وتر کو واجب نہیں کیا مگر فرائض کے بعد اُٹھ کر اُسن (تلم سنوں سے زیادہ ٹوکہ) فرمایا ہے جس کے ترک کی وہ بھی اجازت نہیں دیتے تو اختلافِ معنی لفظی ہے۔ تلم سن ٹوکہ سے زیادہ ٹوکہ جوٹنے ہوگی وہ واجب ہی ہوگی۔ پس وعید ترکِ سب پر نہیں بلکہ ترکِ واجب پر ہے۔

ہمارے اکابر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی و عمرہ اللہ علیہ نے دو سالہ مالا بد نہ میں نازِ شہد کو سنن ٹوکہ میں شمار کیا ہے اور مواظبتِ نبویہ سے اس پر استدلال کیا ہے اور غالباً اُن سے پہلے ابن ہمام نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا بھی کچھ مدت تک یہی قول تھا۔ لیکن جب اعتراف نے اعلا السنن میں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ قول خلافِ اجماع ہے۔ فقہاء

اور ہمیں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا، جملہ فقہاء نے تہجد کو نوافل میں ہی شمار کیا ہے اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ تہجد کو سنت غیر مؤکدہ ہے مگر قیام لیل بقدر و تر واجب ہے تو حضرت نے اس تحقیق کو پسند فرمایا۔ اہل علم اس بحث کو تفصیلاً اعلام السنن میں ملاحظہ فرمائیں گے تو زیادہ کلفت آئے گا۔

**ف** اس میں شک نہیں کہ صوفیہ کو تہجد کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور اسی لیے حدیث کے اس فائدہ پر تنبیہ کر دی گئی کہ اسی سے صوفیہ کے اس اہتمام کی دلیل نکلتی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ جس کو جو نعمت ملی ہے وقت تہجد ہی میں ملی ہے۔ عارف فرماتے ہیں سے

و دشس وقت سحر از غفۃ بہتہم دادند

و ندر ان غفلت شب آب حیاتم دادند

اس لیے تہجد کا اہتمام مزود کرنا چاہیے۔ اگر کچھ عیال و عورتوں کی ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی کچھ غلیں زیادہ پڑھ لی جائیں کہ اگر تہجد حاصل نہ ہو تو قیام لیل ہی حاصل ہو جائے۔ قیام لیل اور تہجد کا ثواب قریب ہی قریب ہے۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا بھی امر ہے۔ یا ایہا النائم قلہ الیل الا قلیلاً۔ اور تہجد کا بھی امر ہے۔ ومن اللیل فہجد بہ نافلۃ کثیرہ۔ تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر بیدار ہو جائے اور وضو وغیرہ کر کے نماز میں مشغول ہو جائے۔

قیام لیل کے لیے عشاء کے بعد سونا ضروری نہیں۔ فرضی عشاء کے بعد جو نماز بھی پڑھی جائے گی قیام لیل میں داخل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام لیل کی افضل صحت تہجد ہے۔ مگر جس کو سونے کے بعد بیدار ہونے کی ہمت نہ ہو اُس کے لیے عشاء کے بعد ہی کچھ غلیں پڑھ لینا مناسب ہے کہ یہ بھی قائم مقام تہجد کے ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ نے قیام لیلی و رمضان (تراویح) کے لیے عشاء کے بعد ہی کا وقت رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قیام رمضان آخر شب میں کیا مگر چونکہ سب لوگوں کا آخر شب میں جمع ہونا دشوار تھا اس لیے تراویح کا وقت بعد عشاء کے دکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد نظلیں پڑھ لینا بھی تہجد کے قائم مقام ہے اگرچہ اُس کے برابر نہ ہو۔ تو جسے افضل مؤدت کی ہمت نہ ہو اُسے بالکل بھی تو تہجد سے محروم نہ ہونا چاہیے۔ اور پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص رات کو مؤدہ بقر کی دوائیوں کے ساتھ قیام کرے تو یہ دوائیاں اُس کے لیے تمام رات کے قیام سے کفایت کریں گی ۵

تو جو لوگ عشاء کے بعد تہجد پڑھنا چاہیں اُن کو دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی یہ دو آیتیں بھی ضرور پڑھ لینا چاہئیں (آمن الرسول سے آخر سورہ تک) انشاء اللہ وہ تمام رات کی شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ حدیث پر سچے دل سے یقین و اعتماد ہو۔ اسی واسطے میں نے لفظ انشاء اللہ استعمال کیا ہے ورنہ مجھے بعد اللہ اس میں ذرا بھی شبہ اور شک نہیں۔

(۶۲) علم کو حال بنانا چاہیے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو

ہر دم مستحضر رکھے اس حدیث کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو کچھ وعدہ اور وعید مذکور ہے اُس پر ایمان (اور یقین) کیا جائے اور نعمات کا سامان کرنے کے لیے کام کیا جائے۔ اسی فائدہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے معانی پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے اہل طریق (صوفیہ کرام) کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ علم کو حال بناتے ہیں (کسی حدیث یا آیت کو پڑھ کر سرسری طور سے نہیں گزر جاتے بلکہ اُس میں اس قدر تامل اور فکر کرتے ہیں کہ وہ دل پر جم جاتی اور ہر دم اُس کا معنوں مستحضر اور پیش نظر رہتا ہے۔ علم کو حال بنانے کا یہی مطلب ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ قلب اُس حدیث یا آیت کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے

اور یہی علم سے مقصود ہے در نہ معنی لغلی علم ہو گا۔

چنانچہ ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ بہت دنوں تک اپنے شیخ (کی مجلس) سے غائب رہا پھر ایک مدت کے بعد آیا تو شیخ نے فرمایا برخوردار! اتنی مدت تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟ کہا حضرت میں نے آپ سے دو آیتیں سنی تھیں اُن پر عمل کر رہا تھا تاکہ اُن کو اپنا حال بنالوں۔ چنانچہ میں نے اس غرض کے لیے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے تمنا کے لیے مجھ پر فضل فرمایا اور ان دو آیتوں کو میرا حال بنا دیا یا اسی کے قریب کچھ اور الفاظ تھے۔ شیخ نے فرمایا برخوردار وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ کہا۔ ایک تو یہ آیت ہے: **فَمَنْ يَعْلَ مَثَلِ مَنْثَقَلٍ وَذَرَعَ خَبِيرًا يَرَفَعُ حِمْيَلًا مَثَقَلًا وَذَرَعَ شَرِيرًا جَوَزَرًا**۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا۔

دوسری یہ آیت ہے **وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعُهَا**۔ زمین میں چلنے والا کوئی جاندار نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اُس کا رزق ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس کے قرار کی جگہ کو بھی اور اُس کی ودیعت گاہ کو بھی (جہاں وہ بطور لانت رہتا ہے)۔

معنی نے مستقر کی تفسیر ماں کے دم سے اور مستودع کی تفسیر باپ کی پشت سے کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مستقر سے مراد وہ گھر ہو جہاں انسان رات کو قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد جائے دفن ہو جہاں مرنے کے بعد رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تو میں نے نفس کے ساتھ اس بات کے لیے مجاہدہ کیا کہ نیک کاموں کا التزام کرے اُن میں سے ذرہ برابر بھی نہ چھوڑے پائے اور بُرے کاموں کو چھوڑ دے۔ اُن میں سے ذرہ برابر کا بھی ارتکاب نہ کرے اور میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ زمین پر چلنے والوں میں سے ایک جاندار میں بھی ہوں تو میرا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے

تھکنے کو بھی تو آپ میں نے رزق کے ساتھ نفس کے تعلق اور رگہ کو قطع کر دیا اور تھکنے کے وعدہ جیل پر مجرماً نہ کر کے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے چنانچہ حق تعالیٰ عزوجل نے اب میرے لیے رزق کو آسان کر دیا ہے۔ وہ اپنے حسن طبع اور وعدہ کے موافق مجھے روزانہ رزق پہنچاتے ہیں۔

میں نے کہا برغور دار میں ہمارا کہ ہو تم تو عابدین سے فوقیت لے گئے۔ آقاؤں کا غلاموں سے یہی تو مقصود ہے کہ غلام اپنے آقا ہی کے ہو کر رہیں اور اُدھر نظر نہ کریں، اسی لیے کسی کئے والے نے کہا ہے۔

اذا كان وعدك بالرزق لا يخلع وطلبك الامر من غيره لا يعرف  
فحبس تصديق وعد لا يخلع واشتغالي بامر غيره عني لا يعرف۔

”جب رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ خلافی نہیں کر سکے۔ اور کسی دوسرے سے بھی کوئی چیز طلب نہیں کی جاسکتی تو مجھے اُس وعدے کی تصدیق کافی ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا اور اُنکے ماہوار اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول پیری طرف سے نہیں ہوگی“۔

ف۔ صاحبِ حال کے لیے تادک اسباب ہونا ضروری نہیں

علم کو حال بنانا تو سب کے نزدیک ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے وعدے اور وعید میں دل پر جم جائیں کہ ہر دم مستمعز اور پیش نظر رہیں، مگر حال کا یہ اثر کہ ہر صاحبِ حال تادک اسباب بھی ہو جائے ضروری اور لازم نہیں۔ حضراتِ صابغہ سے زیادہ کامل الیقین کون ہو سکتا ہے؟ مگر تم دیکھو گے کہ اجلہ صحابہ بلکہ قریب قریب تمام ترجمہ اسباب معاش میں مشغول تھے۔ کوئی تاجر تھا کوئی کاشت کار، کوئی صنعت و حرفت سے روزی کا تھا، کوئی بیت المال سے وظیفہ لیت تھا۔

ہر حال شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ مسلمان اُن اسبابِ معاش کو ترک کر دیں



جو قدرت نے کسی حکمت سے اس عالم اسباب میں حصول رزق کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے قبضہ میں نفع و ضرر کی طاقت نہیں ہے اور جن اہل حال پر ترک اسباب کا داعیہ غالب ہوتا ہے اُن کو بھی اسبابِ یقینیہ کے ترک جائز نہیں۔ صرف اسبابِ ظنیہ کا ترک جائز ہے۔ تفصیل کے لیے قربتِ اساتذہ علیہم السلام ملاحظہ ہو۔

**ف۔ ترک اسباب کے شرائط** ترک اسبابِ ظنیہ کے جواز کی چند شرطیں ہیں :-

(۱) قلب پر ترک اسباب کا شدید تقاضا ہو جس کی مخالفت دشوار ہو جائے یا سلیح کا حکم ہو۔

(۲) مخلوق سے نظر بالکل اٹھ جائے۔ کسی شخص کے بغرض ملکات ہونے پر یہ خیال دل میں نہ آنے پائے کہ یہ مجھے کچھ ہدیہ دے تو اچھا ہے۔

(۳) ایسا نہ ہو کہ ترک اسباب کے بعد ہر ہدیہ قبول کرنے لگے بلکہ قواعد شرعیہ سے جو ہدیہ واقعی ہدیہ ہو قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے۔

(۴) تارک اسباب کا عزم اور حوصلہ اس قدر بلند ہونا چاہیے کہ سلاطین و اغنیاء سے زیادہ اپنے کو فنی سمجھے۔ کیونکہ اُن کی حاجتیں تو دوسروں کے ہاتھ میں ہیں اور تنوخل کی ہر حاجت خود اسی کے ہاتھ میں ہے کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آئی ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور حاجت پوری ہو گئی۔

(۵) صاحبِ اہل و عیال کو ترک اسباب جائز نہیں مگر یہ کہ اُس کے اہل و عیال بھی اسی کی طرح صاحبِ حال ہوں اور اگر ترک اسباب کے وقت صاحبِ عیال نہ تھا۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد صاحبِ اہل و عیال بن گیا تو اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مگر اُس کے اہل و عیال صاحبِ حال نہ بھی ہوں۔ کیونکہ باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد

ظن غالب یہ ہے کہ اُس کے اہل و عیال کو ترک اسباب سے پریشانی کا سامنا نہ ہوتا اور ان احکام کا مدار ظن غالب ہی پر ہے۔

(۶) اگر کسی کے ترک اسباب سے اُس کے اہل و عیال کو تنگی اور پریشانی فاقہ وغیرہ کی پیش آنے لگے تو اُس پر اسباب میں مشغول ہونا واجب ہے۔ مگر یہ کہ اہل و عیال سب بالغ ہوں اور وہ بھی اس کی طرح صاحبِ حال ہوں تنگی اور فاقہ پر راضی ہوں تو اور بات ہے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو اپنی موافقت پر مجبور کر کے پریشان کرنا جائز نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا محجہ کا رہو گا اور اہل و عیال کو اپنے نفقہ کے لیے قاضی کی عدالت میں اس پر دعوے کرنے کا حق ہے۔ تفصیل کے لیے ایضاً العلوم باب التزکون ملاحظہ ہو۔

**ف۔** شرائط توکل و ترک اسباب پر نظر کرنے کے بعد جو جوان تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ کہنا کہ صوفیہ توکل کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ تعطل کی تعلیم دیتے ہیں بالکل غلط ہے جس حالت میں صوفیہ محققین توکل بصورت ترک اسباب کی اجازت دیتے ہیں اُس وقت یہ شخص ترک اسباب پر مجبور اور اختیار اسباب سے معذور ہو جاتا ہے۔ اسوقت وہ معتدل نہیں ہوتا بلکہ سلاطین سے زیادہ مخفی اور مستغنی ہوتا ہے۔ چنانچہ اُن کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک دفعہ محمد شاہ تعلق نے اپنے امراء و وزراء اور اہل دربار کو منہ کر دیا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں کوئی نہ جانے پائے نہ کوئی اُن کو ہدیہ نہ دروازہ پیش کرے۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ سلطان بھی کانگر جو اسقدر وسیع ہو رہا ہے کہ دونوں وقت تین چار ہزار درویش کھانا کھاتے ہیں اور مخلوق برابر اُن کی طرف کچی چلی آرہی ہے۔ اس کا مدار میرے امراء و وزراء و اہل دربار کے ہدایہ پر ہے۔ اگر یہ ہدایہ اور نذرانے بند ہو گئے تو منکر بند ہو جائیگا اور منکر بند ہونے کے بعد مخلوق کا میلان بھی اس طرف کم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایک مہینہ تک تمام ہدایہ اور نذرانے بند رہے لیکن منکر چر بھی بند نہ ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی پر تھا۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کی فتوحات کا مدار انسانوں کے ہدایہ وغیرہ پر نہیں۔ اگر ساری مخلوق اپنا ہاتھ دھوکے میں نہ ڈالے جب بھی اُن کے کام اُٹھنا شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری مخلوق کو اُن کی خدمت کے لیے مقرر نہیں کیا۔ وہ تو خود ہی اپنے لیے مقرر ہو گئے۔ ان کا مقولہ ہے: "وَمَا تَكُنْ لَكَ دُونَهُ مُلْكًا"۔ یہ تو قریم واقعہ ہے اور ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ تحریک خلافت کا ہندوستان میں بہت زور تھا اور حضرت حکیم الامتہؒ شریعت ہندو کی وجہ سے اس سے الگ تھے تو بعض اہل خلافت نے یہ کوشش کی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں جو لوگ ہدایہ اور نقد لائے بیعت کریں ان کو اس سے روک دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال ہمیشہ سے بھی زیادہ ہدایہ اور نقد لائے گئے کہ پہلے تو اوسط ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا تھا اُس سال تین سو روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو زیادتی کی تھی وہ برابر بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ اخیر میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا تھا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت قدس سرہ کے یہاں قبول ہدایہ سے زیادہ رو ہدایہ کا اوسط تھا۔ وہ ہدایہ قبول کم کرتے تھے واپس زیادہ کرتے تھے۔ کیونکہ شرائط قبول سنت تھیں جن کی پابندی کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے تھے اس پر بھی کسی کے کم کرنے سے اُن کی آمدنی کم نہیں ہوتی تھی سچ ہے۔ وَمِنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۔



## باب ہفت

### حدیث

### لَا حِدَّ لَإِثْنَيْنِ

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
یقول لا حد لانی اثنتین رجل آتاهما اللہ ما لا یسلطہ علیہما  
فی الحق ورجل آتاهما اللہ حکمة فہو یفقی بہا ویعلمہا الناس -

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قابل رشک دو ہی (شخصوں کی) مائیں ہیں۔ ایک وہ  
جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اسے (مادہ) حق میں فرج کرنے کی توفیق  
دی ہو۔ دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ رمی ہو (یعنی قرآن و  
حدیث کا علم دیا ہو) پھر وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اسکی  
تعلیم (بھی) دیتا ہے۔

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں حد جائز ہے ان کے ماسوا  
کسی اور صفت میں جائز نہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے:-

(۱۶۳) حد اور غبطہ کے احکام یہاں حد سے کیا مراد ہے؟  
بظاہر حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ  
مجازاً غبطہ (اور رشک) مراد ہے۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔  
وَنَزَّلْنَا فَلِیْتَنَافِسِ الْمُنَافِسُونَ۔ رشک کرنے والوں کو اکی میں رشک

کرنا چاہیے۔ حسد کی حقیقت یہ ہے کہ جو شئی عادتاً ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اُس کا اپنی طرف منتقل ہونا اور دوسرے سے ذائل ہونا چاہے یہ جائز نہیں۔ اسی کے منتقلی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَاشْتَرَيْنَّ  
 اَللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۔

”مردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور کسب) سے حق ہے اور عورتوں کے لیے اُن کی کوشش (اور عمل) سے حصہ ہے (تو ایک دوسرے کی حالت کی قضا نہ کرے) اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو“

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت دی ہو تو اُس شخص سے اُس نعمت کو طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ جس طرح اُس کو نعمت دی ہے تم کو بھی اپنے فضل سے عطا فرمائے۔ کیونکہ جس کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ خدا کے ذمے نہ کسی کا کچھ آتا ہے نہ کسی کا کوئی استحقاق ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا حَدَّثْتَ فُلَانًا بَعِثْهُ اِذَا تَمَّ لَكَ مِنْهُ شَيْءٌ۔ اگر تم کو کسی سے حسد پیدا ہو تو حد سے بڑھ کر۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ حسد میں ایک سے دوسرے کی طرف نعمت کا منتقل ہونا مطلوب ہوتا ہے اور (انتقال کی دو صورتیں ہیں) کبھی اس طرح سے انتقال ہوتا ہے کہ صاحبِ نعمت کو پہلے سے بھی زیادہ خیر حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس کپڑا دیکھا اُس کو نسا ہوتی کہ یہ کپڑا مجھے مل جائے اور اُس سے مانگ بھی لیا۔ خدا نے کپڑے والے کو اُس سے بھی بہتر (کپڑا یا اور) کوئی چیز عطا فرمادی اور اُس نے یہ کپڑا حاسد کو صدقہ کر دیا یا اُس کے ہاتھ بیچ کر دیا۔ اس صورت میں حاسد کا مقصود بھی پُورا ہو گیا اور محسود کی نعمت میں ترقی ہو گئی (ایسے انتقال کی قضا حرام نہیں)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا اس

طرح چاہے کہ اُس کو مزرہ اور نقصان پہنچے۔ شلکسی کے پاس دینی ساز و سامان دیکھ کر یہ تنہا کی جائے کہ یہ سامان میرے پاس ابھائے اور محسوس ہو جائے یا قتل ہو جائے یا شہر سے نکال دیا جائے وغیرہ وغیرہ ایسے انتقال کی تہہ جائز نہیں) یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اذ لحدث فلا تبعہ لاکہ حسد میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی دوسرے کے نقصان کی تہہ نہ کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ کسی سے حد بالکل ہی نہ کیا جائے (اُس کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا ہرگز نہ چاہو) اگر کسی کی کوئی چیز تم کو پسند ہو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ وہ اپنے فضل سے تم کو بھی یہ نعمت عطا فرماوے۔ اگر اس پر تقدیر نہ ہو اور تمہارا دل اُسی چیز کا بعینہ طالب ہو تو اُس کے مزرہ اور نقصان کی تہہ نہ کرو کہ یہ حد سے تجاوز ہے اور (یہی وہ حسد ہے جو) بہت بڑا گناہ ہے۔

نہیں نے نامہ پنج میں (ایک واقعہ) دیکھا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ساز و سامان بہت کچھ دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر ایک مسکین نے گلی کو چوں میں بازاروں میں یہ مصالح کافی شروع کی کہ اسے اللہ! مجھ پر بھی رزق کا دروازہ اسی طرح کھول دے جیسا خداؤں شخص پر کھول دیا ہے اُس مالدار کا نام لے کر پکارتا۔ تو اُس نے مسکین کو بلایا کہ کیا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ تجھے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے کے واسطے یہی بات رہ گئی کہ مجھ جیسا ہونا چاہتا ہے۔ اگر تو میرا نام لینا نہیں چھوڑے گا تو میری شہرت زیادہ ہو جائے گی (دُنیا میں میری تو فکری کامیابی چاہا ہو جائے گا) جس سے ممکن ہے کسی وقت مجھے تکلیف کا سامنا ہو جائے (چور یا ڈاکو میرے درپے ہو گئے تو بڑی مصیبت ہوگی)۔ مسکین نے کہا میں تو اپنی صدا کو نہیں بدلوں گا۔ میں نہ تجھے گالی دیتا ہوں نہ بُراکتا ہوں (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں) تو جو میرے ہی میں آئے گا، دُعا کروں گا (دُعا سے کسی کو روکنے کا حق نہیں) اُس نے کہا اچھا بتلاؤ روزانہ

اپنے واسطے کتنی رقم چاہتا ہے۔ مکیں نے کوئی مقدار بتلائی۔ بلکہ نے کہا کہ اتنی مقدار روزانہ تجھ کو میرے یہاں سے پہنچ جایا کرے گی تو اپنے گھر میں بیٹھ۔ نہ میرا نام لے نہ کسی سے سوال کر۔

چنانچہ مرتے دم تک اُس نے یہ احسان جاری رکھا کہ ایک دن ہند نہیں کیا تو اس طرح کی دُعا بھی پکڑا دیکھا کہ بازاروں گھروں میں کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں دُوسرے کی نعمت کی طلب اُس کو ضرر پہنچا ہے کہ خواہ مخواہ چور ڈاکو اُس کے پیچھے لگ جائیں۔

قوله هل هذا المصد هنا حقيقة او مجاز الى قوله فبقی بجرع علیہ ذلك المعروف حتی توفی۔

ف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو حسد کی حقیقت مشہور ہے کہ دُوسرے کی نعمت کا زوال چاہا جاتے یہ تو صحیح ہے مگر طلب زوال مطلقاً گناہ نہیں۔ گناہ یہ ہے کہ طلب زوال دُوسرے کے ضرر کے ساتھ ہو۔ اگر ضرر کے ساتھ طلب زوال نہ ہو تو یہ حسد حرام میں داخل نہیں ہو غلات اولیٰ ضرر ہے۔ غلبہ اور رشک میں دُوسرے سے زوالِ نعمت کی تن نہیں ہوتی صرف اپنے لیے اُس جیسی نعمت کی طلب ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے اور اس میں بھی تفصیل ہے جو تفسیر بیان القرآن میں تحت آیت ولا تغنی عن فضل الله به بعضہ علی بعضین مذکور ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۔ چونکہ حسد بھی اُن اِمرانِ قلبیہ سے ہے جس کے ازالہ کا مَوْنِیہ کو بہت اہتمام ہے اس لیے اس تحقیق کو بیان کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ آج کل اس مَرَمِ سے اکثر مَوْنِیہ بھی غالی نہیں۔ الا ماشاء اللہ جہاں کسی کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہو اور لوگ اس کے درپے ہوئے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تعصّب کی بُنیاد اخلاص پر ہے اور حسد کے ساتھ اخلاص کبھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے اس مَرَمِ سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

(۱۶۴) حکمت مراد قرآن و حدیث کی فہم ہے۔ بقا ہر بیان حکمت

کی سمجھ (قرآن و حدیث کی فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یؤت  
الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا جس کو حکمت دی گئی اُس کو بڑی غیر دیدی گئی۔  
علماء نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے۔ اس  
کی دلیل خود اسی حدیث کے اس لفظ میں موجود ہے کہ وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا  
ہے اور (وجود و ظہور) اسلام کے بعد کوئی شخص اپنے فیصلے میں ثواب کا مستحق جب  
ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ  
کرے اور کتاب اللہ کی فہم میں سنت رسول کی بھی فہم داخل ہے۔ کیونکہ دونوں  
حکمت کا معنی ہیں اور دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یہی  
وہ دو قیمتی دہنی چیزیں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
لن تخلوا ما نسکتہم بہما کہ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے  
رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے اور اگر قد مردوں کو بھی ان کی تعلیم دی جائے۔ یہ تو درجہ  
کمال ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے (ان کی) فہم دیا گیا ہو اور اسی پر خود بھی  
عمل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہو وہ تو اعلیٰ مقامات پر فائز ہے۔ یہی  
لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اُس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا  
ثواب ختم نہیں ہوتا۔

ایک دلدل (نیک بڑا یا بڑکی) جو اُس کے لیے دُعا کرتا رہے۔ دوسرے  
صدقہ جاریہ (مسجد و مدرسہ و سرائے و سارے نیکان و غیرہ جو اس کے بعد بھی  
چلتے رہیں)۔ تیسرے وہ علم جس سے اُس کی موت کے بعد لوگ نفع حاصل کرتے  
رہیں اور ان تینوں میں اعلیٰ (و افضل) علم ہے اور وہ علم جس میں یہ اجر عظیم  
(حاصل ہوتا ہے) وہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے۔ یا وہ جو اُن سے



مستنبط ہو (یعنی علم فقہ)۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھتا رہے اور (اس کے بعد کسی جگہ) بیٹھ کر غیر کی تعلیم دیتا ہے اُس کو آسانی بادشاہت میں عظیم (بڑا سردار) کا لقب دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب (دُست) کی فہم سے کیا مراد ہے؟ اگر ادا امر و نواہی اور حلال و حرام کا سمجھنا مراد ہے اور کچھ نہیں تو یہ حکمت تو متقہ میں کو حاصل ہو چکی۔ پھلوں کے لیے اس کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اصول قائم ہو چکے احکام ثابت (وہوں) ہو چکے (اب پھلوں کا کام صرف اتنا ہے کہ ان ہی قواعد و اصول و فروع سے نئے نئے حادثات کا حکم معلوم کرتے رہیں اور گویہ بھی حکمت ہی میں داخل ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمت مجتہدین اور اُن کے اصحاب کے حصہ میں آ چکی ہے) یا یہ کہ ادا امر و نواہی کا علم حاصل کر کے احکام کی حکمتوں و ادا ان کے اسرار کو بھی معلوم کیا جائے۔ قرآن کی امثال و قصص کے فوائد کو سمجھا جائے کہ ہر ہر مثال اور قصہ میں کیا حکمت (اد کیا راز مخفی) ہے؟

اگر یہ مراد ہے تو یہ حکمت توقیامت تک ختم ہونے والی نہیں۔ اس سے پہلے اور پچھلے سب اپنی قسمت کے موافق حصہ لے سکتے ہیں۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔  
لا تنقضي عجائبه ولا يخلق على كثرة الرد ولا يشبع فيه العلماء۔ قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوں گے وہ باوجود بار بار پڑھنے کے پرانا نہیں ہوتا (ہر دفعہ تازہ بہ تازہ معلوم ہوتا ہے) اور علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے (بلکہ برابر نئے نئے علوم حاصل کرتے رہیں گے)۔

اس کی مثال مونس علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

فلما قرأوا الجہان قال اصحاب مونس انا لمدد کون قال کلا ان معی ربی سیہدیہ  
فلادیہ انا مونس ان اعزب بعماک البحر فانخلق نکان کل فرق کالطوف العظیم

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں (یعنی بنی اسرائیل اور قوم فرعون) تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا یقیناً ہم تو پکڑ لیے گئے (کیونکہ آگے سے سمندر ہے اور پیچھے دشمن) فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ یقیناً میرے ساتھ میرا ہر دروازہ ہے۔ وہ مجھے (نجات کا) طریقہ بتلائے گا۔ پس ہم نے (فرز) دینا بھیجی کہ اسے موسیٰ اپنے عدا کو سمندر پر مارو۔ (اُس کا مادہ تھا) کہ فرز اس سمندر بھٹ گیا اور اُس کا ہر حصہ بڑے ہڈ کی مانند (کھڑا) ہو گیا اور درمیان میں ٹوٹک راستہ بن گیا۔ اب مظلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ کس لیے بیان فرمایا اور اس سے کیا بات بھی گئی جس میں ہم کو رموسیٰ علیہ السلام کی تقلید کرنا چاہیے؟

میرے علم میں علماء متقدمین نے اس حقیقت سے غرض نہیں کیا، حالانکہ ہم کو اس فقرہ کا مخاطب بنایا گیا ہے اور یہ واقعات بے فائدہ ہمارے سامنے نہیں بیان کئے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔ ان واقعات کو (لوگوں کے سامنے) بیان کیجئے تاکہ وہ (اُن میں) غور کریں۔ پس اللہ اعلم۔ اس فقرہ کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ کر کے بدون حکم خداوندی کے نہیں نکلے تھے۔ پھر سمندر اُن کے سامنے مانٹ ہو گیا اور پیچھے سے (دشمن کی) جماعت پہنچ گئی۔ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو مارت جاہلہ کے موافق بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ پکڑ لیے گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے (نجات کا طریقہ) مظلوم کرنا چاہا کہ شاید اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کے لیے کوئی خاص ہدایت ہو جس پر دشمن کا سامنا ہونے کے وقت عمل کرنے کا حکم ہو کہ نہ اُن کا یہ کہنا کہ ہم تو پکڑے گئے " جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو انہوں نے دیکھا تھا کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے دشمن ہے اس سے مقصود ہجر اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ (طریقہ نجات کا) ہو اُسے مظلوم کیا جائے (صورت حال سے ان کو مطلع کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ

صورت حال تو اُن کے سامنے بھی تھا۔ پس یہ جزیرہ حقیقت میں انشا ئیر استغفار  
 تھا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے  
 ہوں اُن کے پاس اس زمین کے سوا کچھ نہ تھا کہ جس خُدا نے اُن کو (مصر) بخشنے  
 کا حکم دیا۔ پھر اس حکم کی تعمیل کی توفیق رکھتا تھا کہ وہ اُن کے ساتھ ہے اور وہ اُن کو  
 دشمن کے حوالہ نہ کرے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عادات جاریہ وغیرہ پر نظر نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی  
 قدرت عادت کی پابند نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں۔  
 اس لیے اُنہوں نے (قوت یقین کے ساتھ) جواب دیا کائنات معیہ دہا سیدین  
 ہرگز نہیں (ہیں) کوئی نہیں پکڑ سکتا، کیونکہ میرا خُدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے (بھات  
 کا) راستہ بتلائے گا۔ گو موسیٰ علیہ السلام کے پُر زور جواب کا حاصل یہ تھا کہ اسے  
 قوم! میرے پاس تم سے زیادہ کوئی چیز بجز قوت ایمان کے نہیں ہے۔ مجھے اپنے  
 رب پر پُورا اور سچا یقین ہے کہ وہ مجھے میری اور تمہاری سب کی بھات کا راستہ  
 بتلائے گا۔ چنانچہ وہ جواب سے غافل بھی نہ ہوئے تھے کہ خود اِرحم الراحمین  
 فادھینا اِی موسیٰ ان اعزب بدمالک البحر کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو۔ اس  
 میں فاء تعقیب بتلا رہی ہے کہ جواب کے ساتھ ہی اِرحم الراحمین نازل ہوئی اور یہ کہ  
 ہب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق (خاص) کی خبر دی اُسی وقت اُن  
 کو (طریق بھات کی) ہدایت ہوئی جیسا باعزت و جلال ہستی کی شان کے لائق  
 ہے۔ جب کوئی کمزور اسی پر بھروسہ کرے (اور اُس کی پناہ میں آجائے تو وہ  
 اپنی شان کے مناسب حد کی کتاب) چنانچہ اس کے بعد اُن کا اور اُن کے دشمن کا جو  
 انجام ہوا وہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیا ہے (گو موسیٰ علیہ السلام کے  
 لیے سمندر کا پانی چھٹ کر خشک راستہ بن گیا اور دشمن اُس میں گھسا تو پانی بڑبڑ  
 ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اسی طرح اسے مخاطب: جس کے  
 سامنے یہ فقرہ بیان کیا گیا ہے اگر تو بھی اپنے پروردگار کے حکم کی پوری عزت و تعظیم

کسے گا جیسا تجھ کو حکم ہوا ہے اور خدا کے سوا کسی چیز سے اپنے دل کو نہ اٹھائے گا تو وہ ہر ضرورت کے موقع پر نصرت و کامیابی سے تیری مدد کرے گا۔ ایسے موقع پر تجھ کو عادت جاریہ پر نظر کر کے گھبرانا نہ چاہئے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا (بلکہ یقین کے ساتھ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ ضرور نجات کار، ستر اپنی قدرت سے غلابِ عادت پیدا کر دے گا) پس تجھ کو اپنے ایمان میں موسیٰ القل ہونا چاہیئے اور عقل موسیٰ کا فیصلہ ہی تھا کہ عادت اور اسباب کوئی چیز نہیں، اللہ تعالیٰ غلابِ عادت بھی سب کچھ کر سکتے ہیں، تو تیری ہونٹے نسانی کا فرعون اللہ کی سرانی سے دیسائے ہلاکت میں غرق ہو جائے گا اور ایسے ہی ہر وہ شخص بھی (تباہ ہو جائے گا) جو تیرے ساتھ برائی کا قصد کرے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے حق ہے۔

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ فقرہ اسی وعدہ کی تصدیق کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جو فقرہ وعدہ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اُس سے وعدہ کی تصدیق و تاکید ہی منظور ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ تَصْرَفْ لِلّٰهِ بَصْرًا اِنْ تَصْرَفْ لِلّٰهِ بَصْرًا اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ اُس کے امر کا اتباع کرے اور جس چیز سے منہ کیسے اُس سے دُور رہے (اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کیونکہ ادا امر و نواہی النہی کی پابندی میں بندہ ہی کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نفع نہیں مگر یہ اُن کا نطفہ و کرم ہے کہ اس کو اللہ کی مدد فرمایا)۔

اس فقرہ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی حکم الہی کی تعمیل کرنے والا ہو باقی سب اُس شخص کے مطیع ہوں تو سب کی مدد (اللہ کی طرف سے) کی جائے گی۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحبِ یقین اُن کے سوا کوئی نہ تھا مگر چونکہ وہ سب اُن کے مطیع تھے تو اس

عجیب و غریب نصرت کی برکت سب ہی کو حاصل ہو گئی ۔

اس میں ایک اور بھی اشارہ ہے جو اس مضمون (سابقہ) کو متوجہ کر رہا ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تعمیلِ حکم میں سبقت کی (کہ اللہ کے حکم سے معرے نکل پڑے)، تو انہوں نے پہلے یقین کے ساتھ کچھ لیا کہ حکم دینے والا اپنے بندہ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا جو اُس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے کیونکہ یہ تو وعدہ خدا فی ہے اور وعدہ خدا فی جناب حق میں محال ہے۔ پس جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں حکیمِ اللہ کے موافق کر رہا ہوں جیسا اُن کا حکم ہے (ویسا ہی کر رہا ہوں) اور تعمیلِ حکم کا مشقاً معنی ایمان اور طلبِ ثواب ہے تو اُس کو نصرتِ الہی میں شک نہ کرنا چاہیے اور کچھ بھی دوسرے اور شبہِ دل میں نہ لائے۔ اگر اُس کے دل میں شک نے راہ لی تو تصدیق میں ضعف ہو گا اور تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور ایمان کی کمزوری خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے۔ جو اس کو شعور نہ ہو اور یہ دشمن کی چال ہے۔

(شیطان اسی طرح انسان کو فریب دیا کرتا ہے) بعض دفعہ اس شک ہی کی وجہ سے نفرت میں دیر ہوتی ہے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس کا ضعف یقین بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ شدت عقلی (بڑی بہ کفایت) کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی دشمن کی ایک بڑی چال ہے کہ اسی طرح وہ مومن کو کفر تک پہنچانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے یقین پر جمے رہے۔ جیسا ہم نے ابھی بتلایا۔ پھر اُن کا کیا عہدہ انجام ہوا۔ تو ہم کو بھی اس بات میں اُن کی تقلید کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے

ہیں۔ الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبِيَ اللَّهُ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنْ اللَّهِ وَ

فَضْلُ لِمَنِ سَبَّحَهُمْ سَمُوْدٌ وَتَبِعُوا رِضْوَانُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔  
یہ مومن وہ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کو (قریش نے) بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اُن سے ڈرو اور میدانِ بدر کا رُخ نہ کرو، تو اس خبر نے اُن

کے یقین و ایمان کو (اور بھی) بڑھا دیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ پس (اس یقین کا) انجام یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (کھیا ب) واپس ہوئے اُن کو ذرا بھی کلفت نے نہ چھوا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اُن کو حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والے ہیں۔

**ف**۔ قرآن کی امثال و قصص سے ایسے فوائد معلوم کرنا جن سے مسلمانوں کو اپنی حالت کی اصلاح و استقامت میں مدد ملے علم اعتبار کھاتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا استنباط ہے۔ جیسا آیات احکام سے فقہاء استنباط کرتے ہیں اس کو قرآن کی تفسیر نہیں کہنا چاہیئے بلکہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ان فوائد سے مستفید ہونا چاہیئے۔ بعض ناواقفوں نے صوفیہ کے ان اشارت و اعتبارات کو قرآن کی تفسیر سمجھ لیا ہے یہ اُن کی غلطی ہے۔ تفسیر وہی ہے جو لغت عرب اور محاورات عرب کے موافق کلام کا مدلول ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ہوگا استنباط و اعتبار کھائے گا۔

**ف**۔ قرآن و حدیث میں جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے اُس سے مراد دین کی کچھ ہے یا ہر وہ بات جو دین کے لیے نافع ہو۔ غلط کو حکمت کہنا اور فلاسفہ کو حکماء کہنا بعد کی اصطلاح ہے۔

**ف**۔ قرآن کی امثال و قصص سے اس قسم کے فوائد و لطائف استنباط کرنا جو اس مقام پر مذکور ہیں حضرات مولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وہ حکمت ہے جو قیامت تک ختم نہ ہوگی۔ یہاں سے تعریف کی اہمیت ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۶۵) تمنائے خیر بھی مفید ہے گو وہ خیر حاصل نہ ہو

شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمیں دُنیا یا آخرت میں اُس

سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہم کسی ایسے مالدار کی حالت کی تنقید کریں جو مواقع غیر میں اپنا مال خرچ کرتا ہے یا کسی عالم کی حالت کی تنقید کریں جو علم سے فیصلہ کرتا اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اہلیت عیس تو جو شخص بھی لکھن پڑھنا نہیں جانتا وہ کیونکہ ایک عالم کی حالت کی تنقید کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں کسی طرح اُس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب یہ ہے کہ (تنقید تو محال کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ تو امر ممکنہ ہیں اُن کی تنقید ہر درجہ ادنیٰ ہو سکتی ہے پس) اگر یہ شخص اللہ کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کر کے (چنے دل سے) اُس کی حالت کی تنقید کرے گا اس کو اس کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دُنیا پانچ شخصوں کے لیے ہے (یعنی دُنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں) ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا علم بھی دیا وہ اس مال (کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے) میں اپنے خدا سے ڈرتا ہے۔ (حرام طریقہ سے کمانے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے سے بچتا ہے) اُس سے اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے (زکوٰۃ و صدقہ وغیرہ اور اُن حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے) یہ تو سب سے افضل (واعلیٰ) درجہ میں ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا مال نہیں دیا تو وہ سچی نیت کے ساتھ اللہ سے کتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تا میں بھی غلام (مالدار عالم صالح) کی طرح کام کرتا۔ ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔

ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا علم نہیں دیا اور وہ جمل کی وجہ سے مال میں ٹھوکر کھاتا ہے۔ نہ اُس (کے کلمے اور خرچ کرنے) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نہ اُس سے صلہ رحمی کرتا ہے۔ نہ اُس میں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ حق جانتا ہے یہ سب سے بدتر درجہ میں ہے۔ ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا اور وہ (اپنے دل میں بیوں

کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (جاہلی مالدار) کی طرح کام کرتا (میرے اڑانا اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا) تو یہ اپنی نیت کے ساتھ ہے۔ ان دونوں کا گناہ برابر ہے۔

اس حدیث میں علم سے مراد یہ ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق معلوم ہو اور اتنا علم تو قریب قریب ہر شخص کو ہوتا ہی ہے بجز معدودے چند کے اور جب یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھی مال میں حق ہے مگر اُس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تو اس کو ٹکھا سے دریافت کر کے اُن کے فتوے کے موافق عمل کرنا چاہیئے۔ پس اول تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر اُس کے ادا کرنے کا عزم ہونا چاہیئے۔ پھر اُس کا طریقہ دریافت کرنا چاہیئے۔ پھر طرق واجبہ اور مستحبہ میں مال خرچ کرنا چاہیئے۔ جس کو یہ علم حاصل ہو اُس کو عالم کہا جائے گا (کیونکہ حقوق مال کے متعلق جتنا علم ضروری ہے وہ اس کو حاصل ہے)۔

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ و سلم کی اپنی اُمت کے ساتھ بے انتہا خیر خواہی واضح ہے کہ آپ اُن کو ہر اُس چیز کی ہدایت فرماتے ہیں جس سے دونوں جہان میں نفع حاصل ہے۔ پناہندانِ دوزخیوں میں حسد (اور رشک) کو جائز فرمایا تا کہ رشک کرنے والے کو بھی یہ بلند درجہ حاصل ہو جائے جس کے حامل ہونے کا طریقہ اُس کو معلوم نہ تھا (کیونکہ مفلس اور بے علم آدمی کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ مجھے افلاس اور جہل کی حالت میں بھی مالداروں اور مالکوں کی برابر درجہ مل سکتا ہے)۔ حکایت ہے کہ بنی اسرائیل پر ایک دند سخت قحط ہوا تو اُن کا ایک غلبہ ریت کے ٹیلہ پر سے گزرا اور دل سے یہ تمنا کی کہ اگر میرے پاس ریت کے اس ٹیلہ کے برابر غلہ ہوتا تو بنی اسرائیل پر صدقہ کر دیتا۔ سچی نیت سے تمنا کی حتیٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا معاملہ سمجھا تو اُس نے ماننے کے بجائے پرا اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ فلاں عابد سے کہہ دو کہ میں نے اُس کا صدقہ



قبول کر لیا ہے۔ میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ہم کو بھی طبیعت پر ایسا ہی عمدہ تعلیم سے خیر کے وہ تمام خزانے بخلا دیں جو پہلی امتوں نے حاصل کئے تھے۔ اس طرح اگر کسی شخص کی عمر علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی وہ اگر کسی عالم کی حالت کی تقلید کرے گا اُس کو اس نیت اور عزم کا ثواب ملے گا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیت المؤمنین ابغض من عملہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے زیادہ (اللہ کے یہاں) پسند کی جاتی ہے۔ ایک دین دار بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ایک بیمار بھائی کے پاس (بیمار پرسی کو) گئے تو بیمار نے کہا قصد کر لیجئے کہ ہم سب مل کر حج کو چلیں گے۔ پھر سب ملکر جماد کریں گے۔ پھر سب مل کر سرحد اسلام کی حفاظت کریں گے۔ بزرگ نے کہا بھائی صاحب! آپ کی حالت تو یہ ہے کہ (بستر سے اٹھتے ہوئے ہیں اور ارادے یہ ہیں) کہا اگر زندہ رہے تو ارادہ پورا کر کے رہیں گے اور مر گئے تو ہم کو نیت کا ثواب ملے گا جبکہ نیت نیت ہو (پس دل سے ارادہ ہو) یہ لوگ ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی بات کو سمجھتے ہیں۔

پھر اس کے ساتھ اس تقاضے دو باتیں اور بھی حاصل ہوں گی۔ ایک اپنی عمر برباد جانے پر ندامت ہوگی رک نہیں نے فلاں عالم کی طرح اپنی عمر کو تحصیل علم میں کیوں خرچ نہ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الندم توبہ "ندامت ہی کا نام توبہ ہے۔ دوسرے اس کو اہل خیر سے محبت ہوگی دُوسروں سے اُن کو افضل سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المؤمن مع من احب۔ آدمی اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرے گا۔ (مراد صبیح علی ہے صبیح علی نہیں۔ پس اگر کسی کو کسی کا فریاد فاسق عورت سے عشق بلا اختیار ہو جائے مگر عقلاً وہ اللہ و رسول اور اہل اللہ سے محبت رکھتا ہے تو وہ اہل اللہ کے ساتھ ہی رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اور کبھی کسی بات میں جو اُن سے سُنے گا اُس کو ان کی اتباع بھی نصیب ہو جائے گی۔

اس میں اور اُن میں کسی قدر مشابہت (اور موافقت) ہو جائے گی والتشبهہ ہلکرام فلاح اور بزرگوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنا بھی فلاح (اور لایابی) ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ سچا ہوا تو بطور خرق عادت کے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے علم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ جیسا فتوح الشام میں یونان و روم اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ عربی زبان بالکل نہ جانتے تھے جب مسلمانوں نے اُن کا قلعہ فتح کر کے اُن کو قید کر لیا تو شیخ کو وہ عربی بولنے لگے اور قرآن حکیم کی چند سورتیں حفظ پڑھنے لگے اور اسلام لے آئے۔ مسلمانوں کے امیر نے پوچھا کہ یہ حالت تم کو کیونکر عطا ہوئی؟ ترجمایا کہ میں نے مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ آپ نے مجھ کو عربی زبان سکھادی اور قرآن کی سورتیں یاد کرائیں۔ پھر مسلمانوں کو اُن کے اسلام سے بہت نفع پہنچا۔

یہ حکایت ہم نے صرف اس لیے بیان کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم بطور خرق عادت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے (تو اُس کی تائید اور بے فائدہ نہیں ہو سکتی) یا اللہ تعالیٰ اس (تقنا کرنے والے) کو اُس کی برکت سے اُسی طرح مال دے دیتے ہیں جیسا مال دار کو دیا ہے (تو یہ تمنا بھی بے فائدہ نہیں۔ کیونکہ مال تو صبح و شام آنے جانے والا ہے۔ کچھ بید نہیں کہ اللہ تعالیٰ دم کے دم میں کسی مفلس کو مال دار بنا دے خصوصاً جبکہ اُس کی نیت یہ ہو کہ مال حاصل ہونے پر نیک کاموں میں خرچ کرے گا۔ غریبوں کی امداد کرے گا۔ قربت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا)۔

اگر بطور خرق عادت کے یہ مالدار نہ بھی ہوا تو اس نیت کا ثواب تو اُس کو ملنا ہے گا۔ پس ہم نے جواباً اُدھر کسی تھی وہ (اچھی طرح) واضح ہو گئی کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کے ساتھ غایت شفقت اور رحمت تعلیم پر دلالت ہے (کہ حضور نے اپنی اُمت کو وہ تمام باتیں

بتلا دی ہیں جس سے اُن کو دونوں جہانوں میں فائدہ حاصل ہو، اس حدیث سے چند علمی مسائل اور بھی معلوم ہو گئے۔

ایک یہ کہ حدیث و قرآن کے سمجھنے میں پوری کوشش کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان دونوں ہی میں بڑی خیر و برکت ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کو اپنے ماتحتوں پر کچھ بھی ولایت (اور حکومت) حاصل ہو اُس کو سوچنا چاہیے کہ وہ اُن کو کس طرح اپنے حق تعلیم سے غیر (اور فتنہ) پہنچا سکتا ہے تاکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء (اس سنت میں بھی) ہو جائے۔ اگر اور کسی پر زور نہ ہو تو اپنے نفس پر تو ہر شخص کا زور ہے (تو کم از کم اپنے آپ ہی کو فتنہ اور غیر پہنچانے کے طریقے سوچا کرے)۔

حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ علم سے پورا فتنہ بدون عمل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دینی بھائی کہ ایک شخص کو اللہ تمنا لے نے علم دیا ہے تو وہ اُس کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ (معلوم ہوا کہ عالم کی حالت قابلِ رشک اُسی وقت ہے جب وہ اُس پر عمل کرتا ہو)۔

اور اس میں صوفیہ (کے اس عمل) کی بھی دلیل ہے کہ اُن میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ سوال (پہلے) کرتا ہے کہ تمہارا مقام (آج کل) کون سا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ یہ سوال وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس ترقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو۔ (کیونکہ حضورؐ یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان برابر ترقی میں رہے تنزل نہ ہونے پائے۔ اگر عمل سے ترقی نہ کر سکے نیت خیر ہی سے ترقی کرے) اور تاکہ ایک کو دوسرے کی حالت پر رشک ہو (تو وہ بھی اُس مقام کے لیے کوشش کرے جو دوسرے کو حاصل ہے۔ اگر وہ مقام حاصل نہ بھی ہوا تو کوشش اور نیت کی برکت سے ہی اُس کے برابر ہو جائے گا)۔

اسی لیے (کسی عادت نے) فرمایا ہے جب میرا نفس آپ کا (غلام) ہو جائے  
اور آپ میرے ہو جائیں تو میں دونوں جہان کا مالک ہوں۔ دونوں جہان  
میرے ہیں۔

قوله وقد يقول السامعون اذ بعضهم داعي قائلة لئلا الى قوله

فانا صاحب الدارين وهما لي۔

ف۔ واقعی فقہاء اور صوفیہ ہی سچے حکماء ہیں۔ دیکھو اس حدیث سے اُن  
عجیب و غریب فوائد کو معلوم کرنا کتنی بڑی حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صوفیہ کو  
عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! میری تنانچے دل سے یہ ہے کہ میری بقیہ عمر دربارِ تُو  
اور درسی حدیث میں تمام ہو اور عافیت اور راحت و طمانیت اور دل بھی ہمدرد  
اتم مجھے عطا ہو۔ زندگی دُنیا میں بھی اور موت کے وقت میں اور موت کے بعد قبر میں  
بھی اور میدانِ حشر میں بھی اور اے اللہ! مجھے اور میرے اہل و عیال و باپ  
کو بھی یہ دولتیں عطا ہوں۔

وبنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدارنا وانصرنا

على النجوم الكاخرين۔



## حدیث

### فضل الصدقہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دل میں) کہا میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کروں گا۔ وہ اپنے صدقہ (خیرات کا مال) لے کر نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ چھ کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زنا کار عورت کو دے دیا۔ صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک غنی کو دے دیا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ آج غیوت (غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے چور (کے صدقہ) پر اور زانیہ (کے صدقہ) پر اور غنی (کے صدقہ) پر، تو اُس کے پاس پیام پہنچا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا (بیکار نہیں گیا)۔ اُمید ہے کہ وہ چوری سے باز آ جائے اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ وہ زنا سے بچ جائے اور غنی پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ اُس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت سے غریب نہ رہے۔

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تین مسائل کو جاری رکھنا رفت و درجات کا سبب ہے۔

(دیکھو اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو مسائل کی تھاکہ تین صدقہ کروں گا اُس پر برابر جا رہا۔ ایک صدقہ کے بے محل فرق ہونے کے بعد دوبارہ اور سہارہ صدقہ کرنا تاہا تو اُس کے درجات قرب میں ترقی ہوتی رہی اور ہر صدقہ قبول ہوتا رہا کوئی بھی بیکار نہ گیا اگرچہ بظاہر بے محل صرف ہوا تھا)۔

(۱۶۶) صدقہ نافلہ چھپا کر دینا چاہیے صدقہ کرنا افضل ہے پہلی شریعتوں میں بھی یہ حکم ہماری شریعت کی طرح تھا کیونکہ سیاق حدیث بتلا رہا ہے کہ یہ صدقہ دات کو کیا گیا تھا (اور بعض الفاظ میں اس کی تصریح بھی ہے) منها الدلیل علی صدقۃ السرائی قولہ فاصبح الناس یخمدون۔

فت حوالہ کو اس کلام سے اہتمام ہے مگر یہ حکم صدقہ نافلہ کے لیے ہے۔ فرض کا اخفاء بہترین اُس کو عطا نہ دینا چاہیے جیسا نماز میں نفل کا اخفاء افضل ہے اور فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔

(۱۶۷) اپنے دل سے نیک عمل کے متعلق باتیں کرنا جائز ہے حدیث

معلوم ہوا کہ اپنے دل سے اچھے کام کے متعلق باتیں کرنا جائز ہیں۔ کیونکہ اس شخص نے کہا تھا کہ میں آج مزدور صدقہ کروں گا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کسی سے کہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے دل سے کہا تھا اور اس میں نااندہ یہ ہے کہ نیت اچھی طرح محقق (اور مضبوط) ہو جاتی ہے۔ وغیرہ دلیل علی جواز مفاوضۃ المراءع فیہ الی قولہ تحقیق النیت۔

فت۔ اس سے فقہاء حنفیہ کے اس قول کی دلیل واضح ہو گئی کہ نماز وغیرہ میں زبان سے بھی نیت کر لینا اچھا ہے۔ ابلی خاسر نے اس کو بدعت کہا ہے مگر اُنہوں نے

اس حدیث میں غور نہیں کیا۔

(۱۶۸) عمل میں اخلاص کا اہتمام ہی کامیابی کا وسیلہ ہے حدیث ہے  
کہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا اور آمیزش (نفس و غرض) سے پاک کرنا  
ہی کامیابی کا بڑا وسیلہ ہے۔ دیکھو (اُس شخص نے خاص دھانے حق کے لیے عمل کیا  
تو اُس پر نیسا فضل بجا اور کسی بشارت دی گئی کہ امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا  
ہو، امید ہے ایسا ہو۔ جب اُس نے اپنی سی کوشش خرچ کر دی اور مقدر سے  
جو کچھ پیش آیا اُس پر راضی رہا (تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہر صدقہ قبول فرمایا اور  
اسی کے برعمل ہونے کی بشارت دی) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے لیے  
معرفتِ غیر تلاش کرنا پہلی شرطوں میں بھی مطلوب تھا جیسا ہماری شریعت میں  
ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَحْبِصُوا لِحَقِّكَ  
اپنے صدقات کے لیے معرفتِ غیر تلاش کرو اور اس حدیث میں بھی ہے کہ  
جب اُس شخص نے سُننا کہ اس کا صدقہ غیر مستحق کے پاس پہنچا ہے تو اُس نے  
صدقہ کا اعادہ کیا۔ دُفِیه دَیْسَ عَلٰی اَنْ تَحْقِیْقَ الْعَمَلُ لَنْتَ تَعَالٰی اِلٰی قَوْلِهِ  
فِي غَیْرِ مَسْئُوْبٍ لِّهَا۔

ف۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صدقہ نفل تھا یا فرض۔  
حضرت شارح کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض نہ تھا بلکہ مستحب تھا کیونکہ میری  
دفعہ بھی اُس کا صدقہ بے عمل صرف ہوا تھا۔ پھر اُس نے اعادہ نہیں کیا۔ اگر فرض  
ہوتا تو پھر اعادہ کرتا۔ مگر یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہو گا۔ حنفیہ کا مذہب  
یہ ہے کہ جب صدقہ کرنے والا اچھی طرح سوچ سمجھ کر یہ گمان کرے کسی کو صدقہ دے کہ  
یہ نفیرِ معاذ اور مستحق ہے بعد میں معلوم ہو کہ مستحق نہ تھا تو صدقہ ادا ہو جائے گا  
خواہ فرض ہو یا نفل البتہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صدقہ لینے والا اس کا بیٹا یا  
نکاح یا بیوی یا شوہر ہے تو فرض کا اعادہ لازم ہے کیونکہ صدقہ گھری میں لوٹ آیا

ہے باہر نہیں گیا اور اگر صدقہ نازل ہو تو عادیہ لازم نہیں۔ کیونکہ صدقہ نازل ہر شخص پر ہو سکتا ہے خواہ اولاد و اصول ہی کیوں نہ ہوں اور اُس شخص نے جو صدقہ کا اعلیٰ کیا تو یہ عزیمت تھی اور عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے یا نکلن ہے پہلی انہوں کے لیے اس شخصیت میں عادیہ لازم ہو۔ آج کل صدقہ کے لیے معرفت تلاش کرنے میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔ عام طور سے صدقات و زکوٰۃ کا درجہ سائلوں کو یا چندہ مانگنے والوں کو دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کے زیادہ سختی وہ لوگ ہیں جو خود نہ اپنے واسطے سوال کرتے ہیں نہ کسی حدسہ اور انجن کے واسطے چندہ کرتے ہیں۔

للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ لا یتطیعون ضرباً بالفرسین  
محبہ۔ الجاہل اغنیاء من استغف ۵۔

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرغن وفات میں فرمایا کہ زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے (گو زکوٰۃ فرض اور ہدیہ سنت مگر میں دفعہ سنت فرض سے بڑھ جاتی ہے جیسے تلاوت قرآن سنت ہے اور اُس کا سنت اُس شخص پر جس کو آواز پہنچ رہی ہے فرض ہے مگر تلاوت کا درجہ سماج سے زیادہ ہے۔ اسی طرح ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا فرض ہے۔ مگر ابتداء سلام کا درجہ جواب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر وہ مال کو پاک کرنے والی ہے اور ہدیہ سنت ہے مگر وہ قلبِ مسلم کو خوش کرنے کے واسطے ہے اس لیے اس کا درجہ زکوٰۃ سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا زکوٰۃ دینے والوں پر معرفت کا تفقہ لازم ہے۔ جو شخص جس قدر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ممبر کرتا ہے اسی قدر اہل سوال پر بقدر اُس کے ممبر کے اُس کی امداد لازم ہو جاتی ہے یہ ہیں اصل معارف زکوٰۃ کے۔ مگر یہ اہل اموال سائلین کو اور چندہ والوں کو دے کر کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ جن شخص کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد برکت نہ ہو بلکہ لو کہ اُس نے زکوٰۃ معرفت میں نہیں دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:



یعنی اللہ الہ بادیہی جب الصدقات - اللہ تعالیٰ کو کو مٹا دیتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔

(۱۶۹) ظاہر پر ہی محکم لگایا جائے گا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم ظاہر پر لگایا جائے گا جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ کہ تمام ادیان (سابقہ) میں اُسی پر عمل تھا کیونکہ یہ شخص درات کو نکلا اور ان لوگوں کو (جن پر وعدہ کیا گیا) بظاہر مسکین سمجھا تو اُس نے اُن کی ظاہری حالت کے موافق عمل کیا اور وعدہ دے دیا۔ جب اُس کے گمان کے خلاف ثابت ہوا تو اُس نے عمل کا اعلوہ کیا ۔

حدیث میں اس پر بھی تبصرہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے سچے دل سے کوئی چیز خیرات کرے اور مال عدل طیب ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو سنائے نہیں فرماتے بلکہ اُس کی خیرات کو اُس کی بخشنے سے بہتر معرفت میں پہنچا دیتے ہیں ۔ جیسے حدیث کے آخر میں بشارت کے مضمون سے واضح ہے اور اس میں جو اُمید کا لفظ ہے یہ شک کے واسطے نہیں بلکہ یقین کے واسطے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے ۔ جس سے مقصود تسلی ہے اور تسلی یعنی خبری سے ہو سکتی ہے (مگر مبادرت شاہی میں وعدہ کے موقع پر اُمید ہی کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اُس کا حق بادشاہ پر ہے بلکہ وعدہ شاہی کو معنی فضل و کرم سمجھے ۔

عجیب حکایت اس موقع کے مناسب ایک شخص کی حکایت ہے کہ اُس کے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ کے لیے سو دینار (اثر نیاں) خیرات کرو ۔ وہ ایک ہندو کے پاس گیا اور عمر بن ابی حفص مجھے بتلائے یہ خیرات کس کو دوں ؟ فرمایا کل کو کویر سے شہر پناہ پر پہنچ جاؤ جو شخص سب سے پہلے تم کو ملے اُس کو دو دے دو۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو سب سے پہلے ایک شخص ملا ، جو دُنیا دار (مالدار) مشہور تھا اور اُس کی حالت سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لباس اور ظاہری شان سے فقیر مسکین معلوم نہ ہوتا تھا) اُس نے دل میں کہا کہ اس فحشی کو

حد تک کیونکر دے گا۔ پھر خیال کیا کہ شاید مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان کے ارشاد پر عمل کرنا چاہیے، چنانچہ مال اُس کے حوالے کر دیا۔ مال دینے کے بعد دل میں غلبان پیدا ہوا تو اُس نے کہا بتدائیں بھی اُس کے پیچھے رہوں گا دلچسپ یہ کیا کرتا ہے؟ چنانچہ دُور سے اُس کے پیچھے ہو یا راکر اُس کو خبر نہ ہو، تو دیکھا کہ اُس نے ایک دیراز میں جاگسا پنے کپڑے۔ نیچے سے کوئی چیز نکال کر چھپکی ہے۔ اُس نے وہاں جا کر دیکھا تو مرثیہ ہوئی تشریف نہ لے۔ پھر اُس کے پاس چلا بسا، کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا تو اُس نے دروازہ کے پیچھے کھڑا ہو کر کان لگا۔ اور سنا کہ وہ اپنے بال بھڑ سے کہہ رہا ہے خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے فتوحات بھیجی ہیں اور سارا نقص بیان کیا۔

وہ سب خوش ہوئے۔ پھر وہ بازار گیا اور گھروں کے لیے کھانا خریدا۔ یہ بھی اُس کے پیچھے رہا اور ساتھ ہی خواہ تو کھا۔ نے کو دیکھ کر بالی بھنڈ کی خوشی ہو رہی تھی۔ اُن کی باتیں بھی نہیں تو معلوم ہو کر اب غاف سے تھے۔ اُس نے اس پر ہنس دیا۔ بلکہ جب شخص اُن کے پیچھے سے فارغ ہوا، اُس نے کہا تو قسم دے کر اُس کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا تین دن سے ہمارے گھر میں کسی نہ کچھ شیں غایا۔ سب غاف سے تھے، میرے پاس کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو بچ کر رکھا تھا۔ صرف یہ کپڑے بدن پر ہیں، ہمارے اپنی پردہ پوشی کرتا ہے۔ وہ کہہ لوگ اس شاندار لباس کو دیکھ کر مجھے ماتہ رہتے ہیں۔

آج میں گھر سے نکلا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس کے ذریعہ ان کا غاف ٹھہرے تو میں نے وہ مرثیہ مری ہوئی پانی میں کوتم۔ نے مجھے پھینکے ہوئے دیکھا۔ میں نے (دل میں) کہا اللہ کا شکر ہے آج ہم اس سے کچھ سدا کر میں۔ جو کل کو ہتھ نہاں اور کچھ دے گا۔ میں اُس کو لے کر جا رہا تھا کہ تم نے مجھے وہ رقم دی تو اب مردار ہمارے واسطے حرام تھا۔ میں نے اُس کو پھینک دیا اور کہا۔ سے صبر سے کھانا خریدا، اب تو یہ شخص بڑا خوش ہوا اور جا کر شیخ سے سارا نقص بیان کیا۔

فرمایا برخور وارمن ! جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مُنت (اور عادت) یہی ہے کہ اُس کے واسطے سب سے بہتر اور عمدہ حالت تجویز فرماتے ہیں۔ قولہ دلیہ دلیل علیٰ انہ الملک للظاہر ان قولہ خیر الامور واحسنہا

نوٹ۔ عزیز من ! تمام تر مدار سچائی اور غلوں پر ہے اس کے لیے اہل طریق نے یہ ریاضات و مہاہات تجویز فرمائے ہیں جو صوفیہ میں مانجے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ریاضات و مہاہات خود مطلوب نہیں بلکہ اُن کے ذریعہ صدق و غلوں کی تحصیل مطلوب ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو ریاضات و مہاہات سب بیکار ہیں اور یہ حاصل ہو جائے تو سب کار آمد ہیں اور اگر بدون مہاہدہ ریاضت کے کسی کو یہ دوست نہ جائے تو اُس کو مہاہدہ و ریاضت کی اصل حاجت نہیں۔ پس تھوڑے و کثرت ذکر کا فی ہے۔

نوٹ۔ ظاہر و حکم لگانا صوفیہ کے یہاں بھی معمول ہے۔ پس جو لوگ مشائخ کے اعمال و احکام کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ غلط ہے حقیقت الامر کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لا یعلم الغیب الا هو اور معصوم بجز نبی کے کوئی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو، صوفیہ کو اپنے مشائخ کے ساتھ محبت و عقیدت تو لازم ہے مگر عقیدت کو مذہب سے بڑھانا چاہیئے۔ جب عقیدت حد سے بڑھ جاتی ہے عُقیدت پرستی پیدا ہو جاتی ہے جو تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔

(۱۶۰) تسلیم و رضا کی برکت کیونکہ اس شخص کی کوشش بظاہر ہر دفعہ نام رکھی۔ مگر وہ نیک دل نہ ہو اور ہر دفعہ تسلیم و رضا کی شان سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہے اور اپنے معاملے کا اعادہ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو شہادت سے نوازا گیا۔ دلیہ دلیل علیٰ برکتہ التسليم والرضا ان قولہ قاتلہ ثلاث البشارت۔

فت۔ تسلیم درخا کا دوسرا نام تنوین ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اُس کی درخا پر راضی رہے۔ مونیہ کی یہ خاص شان ہے۔  
غیر تسلیم درخا کو چارہ درکعب شیر زخو سخاۃ

(۱۷۱) مالداروں میں حرص زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر مالداروں میں حرص کا مارہ زیادہ ہوتا ہے۔ رکھو اُس شخص نے آخر میں جس کو صدقہ دیا وہ فنی تھا۔ جو اُس نے صدقہ لے لیا۔ حالانکہ وہ اُس کا ستمی نہ تھا اور اگر مالداروں میں حرص زیادہ نہ ہوتی تو اُن کے پاس مال ہی نہ جمع ہوتا اور لا ماشاء اللہ حقیقہ دلیل علی اذی غلبۃ الشیطان فی الغالب من الغنیۃ والی قولہ ما اجتمع المال لہم فی الغلب منہم۔

فت۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مالداروں میں حرص نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُن کے پاس تو بہت کچھ ہے اُن کی نیت بھری ہوئی ہے۔ دل فنی ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں جو مالدار باقاعدہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں اُن کا تو دل فنی ہوتا ہے مگر جو زکوٰۃ نہیں نکالتے اُن میں غریبوں سے زیادہ حرص ہوتی ہے۔ اس لیے اہل اموال کے ہدایا میں غریبوں کے ہدایا سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ بڈھوں کی نظر جوانوں سے زیادہ پاک ہوتی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ بڈھوں میں شہوت زیادہ ہوتی ہے گو جھوٹی ہی شہوت ہو۔ جوانوں میں شہوت کم ہوتی ہے مگر جب ہوتی ہے سچی ہوتی ہے۔ جیسے بڈھوں کو بھوک زیادہ لگتی ہے گو اُن سے کھایا نہیں جاتا بہت تھوڑا کھاتے ہیں اور یہ جھوٹی بھوک ہے جو اُن کو بار بار ہارستانی ہے۔ اُن کو بھوک کی سہا نہیں ہوتی اور جوان کو بھوک زیادہ نہیں لگتی۔ اپنے وقت پر لگتی ہے اور سچی بھوک لگتی ہے۔ پس بڈھوں سے جوان عورتوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے مگر یہ کہ بالکل گود کا مریرہ ہوگی ہو تو وہ غیر اولیٰ الادبہ من الرجال میں داخل ہوگا۔ یاں

سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنی عورتوں کو پیروں کے سامنے بے پردہ لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت تو بُوڑھے ہو گئے ہیں ان سے پردہ کی کیا ضرورت ہے اور اُن مشائخ کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو عموماً مالداروں کے ہدایا کو غلاموں پر زہنی سمجھتے ہیں۔

(۱۷۲) بندگی کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر قبول کی امید نہ ہو !

اس حدیث میں توفیق کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر اُس کے قبول ہونے کی امید نہ ہو یا قبول نہ ہونا متحقق بھی ہو جائے۔ کیونکہ غلام کو اپنے مولیٰ کی خدمت سے چارہ نہیں۔

دوایم خدمت اِسی سے قبول کی امید کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے واقعات میں مذکور ہے کہ اُن میں ایک عابد نے برسوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو اُس زمانے کے نبی پر وی آئی کہ میرے فلاں بندہ سے کہ دو جتنی چاہے عبادت کرے وہ مجھ ہی ہے۔ نبی نے اس کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ اُس نے کہا میرے پروردگار! کے فیصل پر افرین ہے پھر اپنے گھر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ عبادت کرنے لگا اور عرض کیا خداوند! میں تو آپ کی عبادت اُس وقت بھی کرتا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھ میں کچھ بھی اہلیت نہیں تو اب کیونکر عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دوزخ کا اہل بنا دیا ہے (دوزخ بھی تو آپ ہی کی سے نسبت اب بھی باقی ہے تو مجھ میں کچھ تو اہلیت ہے کہ آپ کے ساتھ کسی قدر تعلق ہو گیا) چنانچہ وہ عبادت میں سرگرم رہنے لگا اور پہلے سے زیادہ کام کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اُن ہی ہینبر کے پاس پہر دم بھیجی کہ اُس عابد سے کہہ دو جو چاہے (غل) کرے وہ جنتی ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے کو (کسی قابل نہیں سمجھا) حقیر و ذلیل جانا) اللہ اللہ خدا کو تو واضح کس قدر پسند ہے۔ یہی راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہے مگر تواضع سے زیادہ دشوار بھی

کوئی چیز نہیں۔ تکبر اور ریاء سب سے اخیر میں صدیقین کے دماغ سے باہر ہوتی ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ لئن اودتہ منی السورۃ کلمہ طیس لہ حکمہ بدوان ابعدتہ۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ میں آپ سے اپنے دل کو خالی کر لوں تو مجھے تو آپ سے چارہ نہیں خواہ آپ رو کر میں (یا قبول کریں)۔

قوله وفيه دليل لاهل المعونة الذين يقولون لا تقطع الخدمۃ الی قوله وان ابعدتہ۔

ف۔ اس شخص نے تو وحی آنے پر بھی عبادت کو قطع نہ کیا مگر وہ وحی قطع کا موجب ہے۔ پھر کسی کو اپنے کشف یا الہام پر اعتماد کر کے عبادت قطع کرنے کا کیا حق ہے؟ ایک بزرگ کے پاس اُن کا مرید آیا اور عرض کیا کہ مجب نہیں ذکر کرنے بیٹھا ہوں یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہے۔ بزرگ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے محبوب کی عادت ہے عشاق کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ کام میں لگے رہو اور اس آواز پر التفات نہ کرو۔ (غالباً کافر سے مراد کافر باطاعات تھا) مگر یہ گھبرایا وہ معنی مشہور پر ہی معمول کرنے لگا) شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک بار وحی میں اُس کو جہنمی کہا گیا دوبارہ جہنمی کہا گیا اور دونوں میں مستقب کی خبر ہے تو ان متعارض خبروں کو کیونکر جمع کیا جائے گا اور اگر ایک کو ساقط کیا جائے تو کلام الہی میں خطا و کذب لازم آئے گا۔ تعالیٰ اللہ مع ذلک علو اکبیر۔

جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک جگہ جہنم میں بنی ہوئی ہے ایک جگہ جنت میں۔ اگر ایمان نصیب ہو گیا تو اُس کو جہنم کی جگہ پہلے دکھلائی جاتی ہے کہ اگر تم ایمان دلاتے تو تمہارا ٹھکانہ یہاں ہوتا مگر اب یہ جگہ کسی کافر کو دی جائے گی اور تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے۔ پھر اُس کو جنت کا درجہ دکھلایا جاتا ہے تاکہ زیادہ خوشی اور قدر ہو۔ اسی طرح کافر کو پہلے جنت کا ٹھکانہ دکھلایا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان لاتا یہاں پہنچنا مگر اب تیرا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ پھر اس کو جہنم کا درجہ دکھلایا جاتا

ہے تاکہ حسرت اور غم زیادہ ہو۔

پس پہلی بار جو وحی میں لکھا گیا کہ جو چاہے کر تو جہنمی ہے۔ اس سے جہنمی حقیقی مراد نہیں بلکہ مہازا جہنمی مراد تھا کہ تیری جگہ جہنم میں بھی تجویز کی ہوئی ہے۔ اگر ایمان نہ لانا اور دوسری وحی میں جہنمی سے حقیقی جہنمی مراد ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ مہازا ہر مومن کو جہنمی اور ہر کافر کو جہنمی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی جگہ جنت اور دوزخ دونوں میں نامزد ہے۔ رہا یہ کہ مہازا جہنمی کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ جواب صوفیہ کے مذاق پر تو یہ ہے کہ یہ دشنام محبت تھی جو عشاق کے استحقاق کے واسطے دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو امتحان کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو اس قسم کے واقعہ سے عاشق کے صدق و خلوص کا علم ہو جاتا ہے اور فقہاء کے مذاق پر جواب یہ ہے کہ لوگوں کو یہ مسئلہ بتلانا مقصود تھا کہ اگر کسی کو اپنے جہنمی ہونے کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عبادت اور تعلق مع اللہ کو قطع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے یقین کے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتلانا تھا کہ خدا کو تو واضح پسند ہے۔

ف۔ اس شخص کے اس قول سے کہ اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنا مددگار کا اہل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے ایک قول کی تائید ہو گئی۔ مولانا کے زمانے میں ریاست راجپور میں ایک ڈاکر مشاغل کو بحالت قہقہہ یہ یقین ہو گیا کہ میں شیطان ہوں۔ غریب بست پریشان بُرا اور اسی پریشان کے عالم میں راجپور ہی کے ایک بزرگ سے ملنے گیا۔ اُن سے اپنا حال عرض کیا کہ حضرت میں تو شیطان ہوں۔ اُنہوں نے بہانے تسلی اور دستگیری کے جواب دیا کہ اگر تو شیطان ہے تو لا حول ولا قوتہ الا باللہ۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی شیطان ہو گیا ہوں کہ اتنا بڑا بزرگ بھی مجھ پر لا حول پڑتا ہے تو اُس نے خودکشی کر لی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ ہم تو ملاں صاحب کو بزرگ اور عارف سمجھتے تھے مگر معلوم

ہوگا کہ وہ تو کورے ہی ہیں۔ اگر وہ شخص میرے پاس آتا اور مجھ سے کہتا کہ میں شیطان ہو گیا ہوں تو میں یہ جواب دیتا کہ پھر کیا ہو؟ شیطان بھی تو اُسی کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی۔ اس جواب کے ساتھ ہی اُس کا قبضہ سہل بہ سہل ہو جاتا اور ہلاکت سے بچ جاتا (سمعتہ من سیدی حکیم الامتہ) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر وحی سے بھی کسی کو جہنمی کہا جائے پھر بھی وہ جنتی ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح پر حرام ہے تو حرم کسی بزرگ یا شیخ کے بڑا کئے سے کسی کو بڑا نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک خود اُس کے اعمال بُرے نہ ہوں۔ اہل طریق اس معاملہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ شیخ کے اقوال کو آیت و حدیث سمجھ کر لے کر لے گئے ہیں خود تحقیق نہیں کرتے حالانکہ مشائخ بھی بشر ہیں بشریت سے بری نہیں۔ اُن کی بہت سی باتیں بشریت سے ناشی ہوتی ہیں جن کو جاننے والے جانتے ہیں۔

ف۔ چور کے متعلق جو کہا گیا کہ اُمید ہے وہ اس صدقہ کی وجہ سے چوری سے باز آ جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کیونکہ انسان عورتانگی اور فقر ہی کی وجہ سے چوری کرتا ہے اور چور کا چوری سے رُک جانا بڑی چیز ہے۔ کیونکہ مسلمان اس کے غمزدہ سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقہ سے بھی افضل ہے اور زانیہ کے متعلق جو کہا گیا کہ شاید وہ زنا سے توبہ کرے یہ بھی اسی وجہ سے ہے کیوں کہ بعض عورتوں کو زنا کاری پر فقر و احتیاج ہی براہِ غیبتہ کرتا ہے جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور زنا کے ذریعہ روپیہ کاتی ہیں۔ ایسی عورت کو جب کچھ رقم دے دی جائے گی تو وہ اس حرکت سے باز آ جائے گی ہیئتہ کو نہیں تو کچھ دنوں کو سہی اور کسی کے ذریعہ زانیہ کا زنا سے توبہ کر لینا صدقہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یعذب اللہ بیک ورجلاً واحداً غیرک من حر النعم۔ تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دہی یہ تمہارے واسطے مرغِ ادبوں سے بہتر ہے (جو عرب کا قیمتی مال ہے) ہاں جو عورتیں غلبہِ مشورت کی وجہ سے زنا کرتی ہیں اُن



کو صدقہ دینے سے یہ اُمید نہیں کہ زنا سے باز آجائیں گی (قلالہ المشدح فلدوجہ) اور گو اس معنوں کو سابق تعقوت سے تعلق نہیں مگر اوپر جو معرفت رکواۃ کی تحقیق اور تعقید کی تاکید کی گئی ہے اُس سے تعلق ہے اور عموماً بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔ لوگ زنا کار عورتوں کو صدقہ نہیں دیتے۔ نہ چوروں کو حالانکہ اُن کو صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے کہ شاید وہ گنہگاروں سے توبہ کر لیں۔

مولانا جمال الدین مرحوم وزیر ریاست بھوپال کو کسی نے خبر دی کہ آج بھوپال میں ایک بڑی خوب صورت دہلی آئی ہے تو فوراً آپ نے اپنے منشی کو اُس کے پاس بھیجا کہ تم کو وزیر صاحب بلاتے ہیں۔ وہ وزیر صاحب کے یہاں پہنچ گئی۔ آپ نے اُس کو ایک دو منزلہ مکان پر ٹھہرا دیا اور کھانے پینے اور دیگر ضروریات رہائش کا انتظام کر دیا۔ اُس کی روزانہ فیس پانچ سو روپیہ تھی۔ یہ فیس بھی ہر دن اُس کو پہنچاتے رہے اور نوکروں سے کہہ دیا کہ اس کے پاس کوئی آٹے جلنے تو اُس کو روکا نہ جائے مگر بھجے اطلاع دی جائے کہ کون آیا اور کون گیا؟ وزیر صاحب کے مکان پر کس کی مجال تھی جو اُس سے ملنے آتا۔ غرض ایک مہینہ تک اُس کو اپنے مکان پر رکھا۔ روزانہ فیس دی۔ مگر کسی کو اُس کے پاس پہنچنے نہ دیا۔ ایک مہینہ کے بعد اُس نے خود ہی اجازت طلب کی کہ میں بھوپال سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ تو آپ نے اُس کو اجازت دے دی اور وہ اسی دن بھوپال سے باہر چلی گئی۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ مولانا جمال الدین وزیر بڑے نیک اور متقی ہیں۔ انہوں نے اس دہلی کو اپنے مکان پر صرف اس لیے رکھا ہے تاکہ بھوپال کے نوجوان خراب نہ ہوں مگر ظاہر میں اُن کا یہ فعل ایسا تھا جو کسی متقی سے نہیں سُنا گیا تو شہر میں بہت کچھ چرمیگوئیاں ہوئیں جب وہ دہلی چلی گئی تو ردِ تیسہ بھوپال نے مولانا سے پوچھا سنا ہے آپ نے مہینہ بھر تک دہلی کو اپنے مکان میں رکھا اور روزانہ فیس بھی دی۔ فرمایا ہاں میچ ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ بانسار میں رہی تو میری ریاست کے نوجوان لڑکے گناہ کر کے تباہ و برباد ہو جائے اُن

کی محنت بھی خراب ہوگی اور رقم بھی ضائع ہوگی تو میں نے اُس کو اپنے گھر پر ایک دو منزلہ کمرہ دے دیا تاکہ ریاست کا کوئی اُس سے قحط نہ ہو اور خدا کے فضل سے ریاست کی عداوت سے میں نے بہت کچھ روپیہ کمایا ہے تو میں نے ریاست کے جرنلوں کو بھٹانے کے لیے ایک صحنہ میں پندرہ ہزار روپے اس پر خرچ کر دیئے۔ مجھے یہ رقم کچھ بھی مملوم نہیں ہوئی اور میری ریاست کے آدمی اس بلا سے محفوظ رہ گئے۔

زمیں پر مولانا کے اس بیان پر بہت گہرا اثر پڑا اور کہا مولانا واقعی آپ نے ریاست کی غیر خرابی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو آپ نے ایسا کام کیا جس کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں برتا پھر مولانا کو ایک بڑی رقم نذر کی اور خلعت شامانہ سے نوازا۔ مولانا جمال الدین مرحوم کی نظر اس نکتہ پر پڑی تھی کہ زانیہ کو صدقہ دینا افضل ہے تاکہ وہ بھی زنا سے بچیں اور مسلمان نوجوان بھی اس بلا سے بچے رہیں۔

افسوس ہے آج کل اہل احوال کو اس طرف توجہ نہیں۔ اُن کو لازم ہے کہ اسمبلی کے ذریعے یہ قانون مسلمانوں کے واسطے پاس کرانیں کہ ہر مسلمان مرد، عورت کو سینا، خمیر وغیرہ دیکھنا جرم ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کو شراب کی خرید و فروخت اور استعمال جرم ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے زنا کاری کو ذریعہ کسبِ معاش بنانا جرم ہے۔

قانونی طور پر ان افعال کو جرم قرار دیا جائے اور ان پر منزائے تازیانہ یا قید خانہ مقرر کرائی جائے اور مسلمان ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے واسطے اسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیے۔ نیز زنا کار عورتوں کو شادی پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو، صدقات وغیرات سے اُن کی خبر گیری کی جائے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک رنڈی کا خط آیا کہ میں نے آپ کی کتاب بستی زبور پڑھ کر زنا سے توبہ کر لی ہے مگر اس

پیشہ کے میرے پاس کوئی زبردستی نہ کرے گا۔ ۱۰۰ لاکھ لاکھیں گے کہ میں اپنی توبہ پر قائم رہوں۔ حضرت انس نے جواب دیا کہ میں تمہارے واسطے دعا کرتا ہوں اور جب تک تمہاری شادی نہ ہو جائے گا ہمارا پندرہ سو روپیہ برابر تمہارے پاس پہنچے رہے گا۔ چنانچہ بہت دنوں تک یہ رقم جاتی رہی۔

(۱۷۲) مسلمان کے پاس جو کچھ بھی ہے عطیہ حق تعالیٰ ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کا تمام سامان جو کچھ بھی (انسان کے پاس) ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطیہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہر کسی کا کچھ حق نہیں۔ اس کی دلیل حدیث کا یہ فقرہ ہے فیسئلہمما اعطاه اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اُسے عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرے۔ تو سب کو عطیہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور یہی حق ہے۔

حدیث سے اس صدقہ کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کے فعل کو صحابہ کے سامنے بیان فرماتا اس کی دلیل ہے کہ حضور اُس کے اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں کہ دو مومن کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے) اور فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کر دیا۔ کیونکہ جب اُس نے صدقہ کی اور تقدیر اُس کی تجویز سے موافق نہ ہوئی (کہ جس کو صدقہ کا مستحق سمجھا تھا وہ مستحق ثابت نہ ہوا) تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تسلیم و رضا سے کام لیا یہ تو حقیقت پر مبنی عمل تھا اور اسی کی برکت سے اُس کا عمل سالم رہا (مناجیح نہ ہوا جیسا بعد میں پیام النبی نے بتلایا) اور شریعت کا ادب یہ تھا کہ اُس نے صدقہ کا اعادہ کیا اور یمن بار اعادہ کیا۔

ہر دفعہ میں شریعت و حقیقت کو جمع کرتا رہا اور بڑا جلد حال ہے جیسا پہلے بھی کئی جگہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے بلا مشقت

کے یہ حال (در فح) عطا فرمائیں۔ (رأین)۔

قوله فيه دليل على ان جميع منافع الدنيا حبة من الله الى قوله  
من الله علينا بها بلا محنة بمنه۔

ف۔ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرنا اہل طریق کا خاص وظیفہ ہے۔

بر کئے جام شریعت بر کئے سخاں عشق

ہر جو سنا کے مدد اند جام و سخاں باطن

اہل طریق کو علماء ظاہر سے اسی امر میں امتیاز ہے کہ وہ شریعت

اور حقیقت دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ علماء ظاہر صرف شریعت کا اظہار کرتے  
ہیں حقیقت کا نہیں۔



## حدیث صدقة المرأة من مال زوجها

”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اذا انفقت المرأة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها اجرها  
بما انفقت ولزوجها اجر بما كسب وللخالف مثل ذلك  
لا ينقص بعضهم اجر بعض شيئا“

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خرچ کرے بشرطیکہ گھر کو بربادی نہ لگائے تو عورت کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کھانے کا ثواب ملے گا اور خالچی کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ ایک دوسرے کے ثواب کو خدا بھی کم نہ کرے گا۔“

مشاعرِ جاہلِ حدیث کا مطلب واضح ہے مگر دونوں جگہ مالک کی اجازت شرط ہے۔  
توضیح: کیونکہ کسی کا مال بدو نہ اُس کی اجازت کے خرچ کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یحل خال امرئ مسلم الا من طیب نفس  
عندہ۔ کسی مسلمان کا مال بدو نہ اس کی خوشی کے حلال نہیں۔ ہاں اجازت میں زبان سے ہی ہونا شرط نہیں بلکہ عرف و عادت بھی کافی ہے۔ جیسے سائل کو روٹی کا ٹکڑا دے دینا یا کسی کو تنگ یا آگ یا پانی دے دینا یا روٹی کے لیے خیر دے دینا کہ

عرفان چیزوں میں عجبی نہیں کی باقی بلکہ عورت کو اجازت اور وسعت ہوتی ہے اور ان چیزوں کا دینا مستحب بھی ہے۔ حدیث میں اس شخص کے متعلق جو کسی کو تنگ دیدے وارو ہٹا ہے کہ اُس کو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس کھانے کو صدقہ کر دے جو اسی تنگ سے تیار ہوا ہے۔

غیر دینے والے کے بارے میں بھی ایسا ہی وارو ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی کسی کو تنگ دے دے تو جتنا کھانا اُس آگ پر پکایا جائے گا اُس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور کسی کو ہانڈی دے دے تو جتنا کھانا اس ہانڈی میں پکے گا جب تک بھی پکنا رہے گا اُس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق بہت احادیث ہیں جن سے بخوشی ہی چیز کے دینے پر بہت ثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان چیزوں سے انکار کرنا عورت اور حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاقوم مکام الاغذائی میں مکام اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ تو عرفا عورت کو ان چیزوں کے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لیے ان چیزوں کا مانگنا معیوب نہیں اور ان میں بخل کرنا سنت معیوب شمار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عادی بہ المرأعہ کتب لہ صدقہ۔ جس چیز کے ذریعے انسان اپنی آبرو کو بچائے اس میں بھی اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ مگر یہ کہ مالک یا شوہر کی طرف سے کوئی علامت ایسی پائی جائے جو عرف کے صریح خلاف ہو۔ اس صورت میں اصل پر عمل کیا جائے گا اور عورت کو ان چیزوں کا دینا منع ہو گا یا اس کی مرضی سے زیادہ دینا منع ہو گا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جب مال شوہر کا ہے تو عورت کو کس بات کا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ عورت بھی اپنے شوہر کی خزانچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخازنہ المدعی یعطی ما اوص بہ طیبۃ بہ نفسہ احد المتصدقین کہ جب خزانچی اُس چیز کو خوش ہو کر دیدے جس کے دینے کا اسے علم

ہوا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہو گا (تو عورت کو بھی خراپہ کی طرح حدت کا ثواب ملے گا۔ رہی خراپہ کی لیے ثواب کی علت تو) کیونکہ جب اُس نے خوشی سے دے دیا اور جس کو دینے کے واسطے کہا گیا تھا اُس کو پریشان نہ کیا بلکہ حکم کے ساتھ فوراً ہی دے دیا تو اُسے سلطان کا دل خوش کرنے کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ دیر کرنے میں (ایک تو لینے والے کو پریشانی ہوتی ہے دوسرے) یہ بھی احتمال ہے کہ دینے والے کی نیت بدل جائے تو دیر کرنا سماج کے حرام کا سبب اور جلدی کرنا احسان کا سبب ہو گا۔ کیونکہ دے دینے کے بعد اگر مالک کی نیت بدلے گی تو یہ بہت بھید ہے کہ وہ اُس کے ہاتھ میں سے واپس لینے کی کوشش کرے تو چونکہ خراپہ کی خوشی کے ساتھ جلدی دے دینے میں مالک کی اعانت نیک کام میں کر رہا ہے اس لیے ثواب کا مستحق ہو گا۔ پھر خراپہ جس قدر سہولت اور جلدت کے ساتھ رقم دے گا اسی قدر لینے والے کو خوشی اور فرست ہوگی جس سے احسان میں زیادتی ہوتی ہے اور جس چیز سے احسان میں زیادتی ہے وہ بھی احسان ہی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ واضح ہو گیا کہ خستہ اپنی بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (یہ کہ خوشی کے ساتھ وہ رقم دے دے جس کے دینے کا اُسے حکم ہوا ہے)۔

نیز ایک اور حقیقت بھی ہے وہ یہ کہ نفس انسانی کی فطرت میں حرص اور بخل ہے۔ اُس کے قبضہ میں دُنیا کا جو سامان بھی ہو وہ اُس کو اپنے ہاتھ سے نکالنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ یہ اُس کی ملک نہیں ہے، تو جب وہ کچھ خرچ کرے گا ثواب ملے گا۔ کیونکہ خرچ کرنے میں نفس کی طبعی حالت کی مخالفت اور حکم الہی کی موافقت ہے۔

دیکھو تمام عالم جانتا ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس دُنیا کا سامان ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اُن کے ہاتھ میں بطور عاریت کے (امانت) ہے

اور اُس میں سے متوڑی مقدار کے خرچ کرنے کا اُن کو حکم ہوا ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی میں برکت کا اور اگر خرچ نہ کریں تو عذاب کی وعید ہے اور باقی مال سے برکت کے اُٹھ جانے کی دھمکی ہے۔ پھر بھی صدقہ واجبہ ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اسی طرح خزاپچی جانتا ہے کہ اُس کے قبضہ میں جو کچھ ہے مالک کا ہے اور اگر وہ مالک کے حکم کے بعد کسی کو دیے میں دیر کرے گا مجرم ہو گا اور اگر جلدی کرے گا سمولت سے دے دے گا تو ثواب ملے گا پھر بھی تم بہت کم لوگوں کو یہاں پاؤ گے جو لوگوں کو پریشان کئے بغیر رقم دے دیں۔ کیونکہ اُن کو مال کے ساتھ تعلق طبعی ہو جاتا ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان جب تک ستر شیطان کے جبر سے نکلے نہیں توڑ لیتا اُس وقت تک صدقہ نہیں کرتا مطلب یہ کہ شیطان اُس کے مال پر دانت بھینچے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب یہ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کو روکتے ہیں اُن کا نہ توڑ کر یہ صدقہ کر پاتا ہے۔  
(الشیطان یعدکم الفقر و یا مریکم بالفخشاء واللہ یعدکم

مغفرة منه وفضلا ط)

مگر مالک اور خزاپچی میں فرق یہ ہے کہ مالک تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اُس کے ہاتھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ قیامت تک اُس کا حساب اسی کے ذمے رہے گا اور خزاپچی یہ سمجھتا ہے کہ مالک اُس کو معزول کر کے اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور اگر مال اُس کے پاس بھی رہا تو اُس کا فائدہ مالک ہی کو پہنچے گا۔ پھر بھی حرص و طمع کی وجہ سے کسی کو دینے میں میل و محبت کرتا ہے۔ اس میں بھی حکیم کی حکمت ہے۔

(هذا خلاصة ما ذكره الامام 7 في شرحه)



(۱۷۳) مخالفتِ نفس میں ثواب ہے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو !

اس حدیث سے مؤفیہ کے طریق کی ثوابی (اور فضیلت) ظاہر ہے کیونکہ رائے کا عمل اسی پر ہے کہ جس کام میں نفس کی مخالفت ہو اور شرعاً ممنوع نہ ہو اس میں ثواب ہے۔ اس قاعدہ کی قواعدِ شرحہ کے موافق جن قدر بھی تحقیق کرو گے انشاء اللہ صبح پاؤ گے کہیں ٹوٹے محاشیں۔ اس لیے اہلِ طریق نے مخالفتِ نفس کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے یہاں تک کہ ایک نعرانی راہب نے اسی واسطے اسلام قبول کر لیا کہ اُس نے مخالفتِ نفس کا جھکڑ رکھا تھا تو ایک مسلمان عالم نے اُس کی حسنِ عبادت دیکھ کر تعجب کیا۔

نعرانی راہب نے اُن سے پوچھا۔ آپ نے میرا حال کیسا پایا ؟  
فرمایا۔ بہت اچھا ہے مگر ایک بات کی کسر ہے۔ کہا وہ کیا ؟ فرمایا بس یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

نعرانی نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا پھر اسلام لے آیا۔ اس پر اُس کے مہربان اے شور کرنے لگے۔ اُس نے کہا، بتلاؤ مجھے تمہارے اندر یہ بھرتہ کس چیز سے حاصل ہوا ؟

سب نے بالاتفاق کہا کہ مجاہدہ اور مخالفتِ نفس کی وجہ سے۔ کہا اسی چیز نے مجھے اسلام پر مجبور کیا۔ کیونکہ جب اس عالم نے میرے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو میرے نفس نے اسی کو قبول نہ کیا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اسلام حق ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے نفس کی مخالفت سے پایا ہے تو میں نے مخالفتِ نفس ہی کے لیے اسلام قبول کر لیا اور سمجھ گیا کہ اسلام دینِ برحق ہے کیونکہ نفس حق ہی سے جاکتا ہے۔ اس کے بعد اُس کا اسلام بہت اچھا ہو گیا۔

”قوله فيه دليل لحسن طريق اهل الصوفية الى قوله

وحسن اسلامه“

فت - اصل مجاہدہ مخالفتِ نفس ہی ہے۔ کیونکہ نفس اکثر شہوات و محرّات کی طرف ماعذب ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا اور سونا بھی چھوڑ دو کہ نفس تو ان کاموں کی طرف بھی راغب ہے۔ کیونکہ یہ رغبت شہواتِ حرام نہیں بلکہ ماسور بہا ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں کی محبت اور دلدادگی بھی رغبتِ حرام نہیں بلکہ ماسور بہا ہے۔ ان چیزوں میں مخالفتِ نفس جائز نہیں۔ البتہ ان میں حدود کی رعایت لازم ہے۔ حد سے زیادہ رغبت میں نفس کی مخالفت کی جائے اور اس کے حدود کا اجمالی علم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واعظ ”حفظ الحدود“ اور ”حقوق البیت“ کے مقدمہ سے ہو سکتا ہے ان کو پیشِ نظر رکھا جائے۔



## حدیث

## اتلاف اموال الناس

بنہاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال اس نیت سے (قرض) لے کہ اُن کو ہضم کر جائے گا اللہ تعالیٰ اُس کو برباد کر دیں گے۔ امام بنہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سلطان نہ ہو اُس کو قرض لینا جائز نہیں۔ اسی طرح جس کے بیوی بچے ہوں اُس کو اپنا تمام مال صدقہ کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے بال بچوں کا حق ہضم کر کے اُن کو پریشان کرے گا، مگر یہ کہ وہ صبر کے ساتھ معذرت ہو، اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقے سے ہو۔ جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنا سدا مال صدقہ کر دیا (اور مگر پر اللہ اور رسول کے نام کے سوا کچھ نہ رکھا) اسی طرح انصار نے مساجد کو ترجیح دی (خود تنگی اٹھائی مساجد کو راحت پہنچائی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خائے کرنے سے منع کیا ہے (خواہ اپنا مال ہو یا دوسروں کا) پس کسی کو یہ جائز نہیں کہ صدقہ کے بعد سے لوگوں کا مال خائے کرے (یعنی صدقہ کرنے کے لیے لوگوں سے قرض لے اور قرض لے کر ادا نہ کرے۔ صدقہ کے لیے بھی قرض لینا ایسے شخص کو جائز نہیں جس کے پاس ادا کرنے کا سامان نہ ہو۔ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں تعلیق یا معلق کہلاتی ہے اور بنہاری کی تعلیقات حجت ہیں جبکہ جسم کے

ساتھ مذکور ہوں کیونکہ وہ دوسرے طرق سے موصول ہوتی ہیں۔

شرح اگرچہ حدیث کا لفظ عام ہے مگر لوگوں کا مال یہی ہے مراد قرض لینا ہے۔  
 کیونکہ قرض لینے کی چند شرطیں ہیں جن کی بہت لوگ رعایت نہیں کرتے جس  
 کی وجہ سے لوگوں کے اموال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فقہانے قرض لینے کے لیے جو  
 شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) اس کے پاس اتنا سامان ہو جس سے ہر حال میں قرض کو ادا کر سکے۔

(۲) یا مضطر ہو کہ اُس پر عین وقت کا فائدہ گزر چکا ہے جس کی وجہ سے دُشروں  
 کے مال میں اُس کا حق واجب ہو گیا ہو۔ کیونکہ ایسے محتاج کو اگر کوئی دینے سے انکار  
 کرے تو اُس کو لڑکھائیاں سے کھانا وغیرہ لینا جائز ہے۔ اگر مالدار مارا گیا تو وہ بُرا  
 منتقل ہو گا اور مضطر مارا گیا تو شہید ہو گا۔ پھر علہ، کا اس میں اختلاف ہے کہ فراخی  
 بسترانے کے بعد مضطر کو وہ مال جو اُس نے جبراً دوسرے سے لیا ہے وہیں کرنا  
 واجب ہے یا نہیں (حنفیہ کا قول یہ ہے کہ واپس کرنا واجب ہے اور یہی قول  
 محمد کا ہے) خلاصہ یہ کہ قرض لینے کی چار صورتیں ہیں جن میں سے تین جائز ہیں۔  
 ایک ناجائز ہے۔

(۱) یہ کہ اُس کے پاس اتنا سامان موجود ہو جس سے قرض کو ہر حال میں ادا کیا  
 جاسکے (زندگی میں بھی مرنے کے بعد بھی) یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اُس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہیں۔ مگر اُس نے  
 قرض دینے والے سے اپنا حال بیان کر دیا کہ میرے پاس اس قرض کے ادا کرنے  
 کا کچھ سامان نہیں اگرچہ میرے پاس آگیا ادا کر دوں گا۔ ورنہ مجھ سے مطالبہ نہ کیا جائے۔  
 یہ بھی جائز ہے گو بعض علما کا اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ  
 جائز ہے۔

(۳) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو مگر اس میں وہ اوصاف  
 مجتمع ہوں جو صدیق اکبر اور مساجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ یعنی

مہر و توفیق اور کثرتِ سخاوت اور بدون ضرورتِ شرعیہ کے قرض نہ لے اور ضرورت سے زیادہ قرض نہ لے۔ اس صورت میں بھی قرض لینا جائز ہے۔ قواعد شرعیہ اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو، نہ ضرورتِ شرعیہ موجود ہو نہ مال والے سے اپنا نکال سکیں بیان کرے اس صورت سے قرض جائز نہیں اور یہی صورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو عادی ہے۔ کیونکہ شرعی ضرورت کو بہت لوگ نہیں جانتے۔ عوام ہی نہیں بلکہ علماء ظاہر بھی نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ قاعدے خود بنا لیے ہیں جن کو شرعی ضرورت میں شمار کر لیا ہے (مثلاً مہل نازی اور نگر خانے کا جاری کرنا کہ جب) ہم سے کوئی ملنے آتا ہے تو اس کو کھانا کیسے نہ کھلایا جائے تاکہ سامان وہ ہے جو قرابت کی وجہ سے ملنے آئے یا اس کا مقصود من طاقت ہو۔ کوئی اور غرض و نیوی یا دینی نہ ہو جیسے طلبِ اصلاح، نفس یا تعلیم و تہذیب ذکر حاصل کرنا یا کسی مقدمہ وغیرہ کے لیے دُعا کرنا یا تحویذ وغیرہ لیکن ان غرض کے لیے مالے والا سامان نہیں ہوتا اور جو سامان ہو اس کے لیے بھی تکلف کرنا اس وقت تک جائز ہے جبکہ دست ہو ورنہ جو کچھ گھر میں موجود ہو وہی سامان کے سامنے پیش کر دینا چاہیے۔ اس سے زیادہ تکلف نہ کیا جائے اور اگر فاقہ ہو تو سامان سے کہ دینا چاہیے کہ میرے یہاں آج فاقہ ہے تم بھی فاقہ کرو۔ جب خدا تعالیٰ دے گا ہم بھی کہیں گے تم بھی کہنا۔ مگر تم کو بھوکے کے علاوہ بھی ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتے سامان نازی اور نگر خانے کے لیے قرض پر قرض لیتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے لوگوں کا مال لینا اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ ہم مضطر ہیں لوگوں کے مال میں ہمارا حق واجب ہو چکا ہے۔ ہم کو قرض لینے میں کوئی مریخ نہیں کیونکہ جو کچھ ہم لے رہے ہیں ہمارا حق ہے۔

اس پر امام بخاری نے یہ قید بڑھا کر تنبیہ کی ہے کہ بدون سامان ادا کرنے قرض لینا اسی شخص کو جائز ہے جو مہر کے ساتھ معروف ہو۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے

وقت خود اپنے دل سے یہ مجھ لے کر نہیں قرین لے کر نفس کو مہابدہ میں ڈالوں گا اور لوگوں کے تنگ کرنے پر صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ ان کا حق ادا ہو جائے اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ سب حدیثِ انفس ہے اور نفس بڑا خیانت کرنے والا ہے۔ مابروہ ہے جس کو عام خود پر لوگ صابر سمجھتے ہوں۔ یہ نہیں کہ خود اپنے دل سے اپنے کو صابر سمجھنے لگے (اور فردتِ ثمریہ وہ ہے جس کو ثمریت کے جاننے والے فقہاء ضرورت کہیں۔ خود تبارا اپنے دل سے کسی فردت کو ثمری ضرورت قرار دینا کافی نہیں) پھر مہرود بال صبر ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ صبر ایثار کی شان سے ہو اور ایثار بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی فانی فردتوں پر مقدم کرتا ہو۔ یہ نہیں کہ شہرت کے واسطے یا غرضِ انسانی کے واسطے صبر کرتا ہو یا مجبوری کا صبر ہو کہ اس کے پاس کچھ ہے نہیں (اس حالت میں صبر نہ کرے قویا کرے) اس حالت میں صبر نہ کرنے یا کم صبر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں یہ فرد ہے کہ صبر کرنا، صبر نہ کرنے سے اچھا ہے۔ اگرچہ ایسا صبر کرنے والا مردوں کی صف میں کھڑا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو اہلِ وفا میں شمار کیا جائے گا۔

مابروہ ہے جو صبر کے ساتھ ایثار میں بھی معروف ہو کہ دُوروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہو اگر یہ خود فائدہ اور احتیاج اور تنگی میں مبتلا ہو۔ ان شرطوں کو دیکھو اور ان میں خود کمزور کیا اس زمانے میں اُن کا وجود کسی میں ممکن ہے؟ (بالکل نہیں) مگر یہ کہ شالہ و تادر (کسی ایک دو میں ہوں تو ہوں) ہیں ہم نے جو فرض کی چار مُحدتیں بیان کیں کہ تین کو جائز اور ایک کو ناجائز بتلایا ہے یہ فقہی تقسیم ہے کیونکہ احکام بیان کرنے والے پر تمامی احکام کا بیان کر دینا فردی ہے۔ تمناؤں میں سے کوئی مُحدتِ مادہ ہی کیوں نہ ہوں جس کا وقوع ممکن نہ ہو۔ اسی لیے یہ تقسیم بیان کر دی گئی۔ دہ نہ پہلی حالت کے اعتبار سے تو صرف دو ہی مُحدتیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں۔ کیونکہ تیسری مُحدت میں

میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت ساجدین و انصار کے ایثار کو دلیل میں بیان کیا گیا ہے آج کل جائز نہیں کیونکہ اُس کی شرطیں اس زمانہ میں عام طور سے مفقود ہیں۔  
(هذا صفة ما ذكره الاشارة في شرحه -)

(۱۷۴) بلا ضرورت قرض لینا ہی ممنوع ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے (اپنا اور) دوسروں کا مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے تو تم کو اس علوم کی شخصیں کا حق نہیں کہ یوں کہنے لگو کہ نہیں تو صدقہ کرنے کے لیے قرض لے رہا ہوں اور یہ اعانت مال میں داخل نہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ بھی سراسر اعانت ہے۔ جب تک تم دوسرے کو صحت صحت نہ بتلا دو کہ میں یہ قرض صدقہ کرنے کے واسطے لے رہا ہوں۔ مزید سے پاس اس کے ادا کرنے کا کوئی سامان بھی نہیں) اگر اشرقتا نے میرے پاس کچھ بھیجا یا تمہارا قرض ادا کر دوں گا ورنہ مجھ پر کوئی مطالبہ تمہارا نہ ہو گا۔ اگر وہ اس پر مدعی ہو جائے تو غیر وہ نہ صدقہ کے واسطے بھی قرض لینا جائز نہیں۔

اس میں علاوہ اس کے کہ تم اپنا دانے سے شارع علیہ السلام کے عام لفظ کو خاص کر رہے ہو ایک علت اور بھی ہے وہ یہ کہ تمہارے ذمہ ہر تو ایک حق لازم ہو گیا اور جو صدقہ تم نے کیا ہے اُس کا قبول ہونا یا نہ ہونا محتمل ہے تو جو حق ثابت ہو چکا ہے اُس سے ایک مشکوک اور محتمل چیز کو نکر تم کو بری کر سکتی ہے۔ (پس یہ خیال ممنوع ہے کہ اگر قیامت میں قرض دینے والے نے مطالبہ کیا تو میں وہ ثواب اُس کو دے دوں گا۔ جو صدقہ سے مجھے ملا ہے۔ کیونکہ ثواب ملنا قبول ہونے کی فرع ہے اور قبول ہونا محتمل ہے) تو شرعاً و عقلاً (کسی طرح) یہ ضرورت جائز نہیں۔ تم کو اس خطرناک صورت کے ارتکاب پر اُن حکایات سے جرأت نہ کرنا چاہیئے جو بعضے بابرکت حضرات سے منقول ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے زمانے میں سنت قحط ہوا تو اُنہوں نے بہت سا مال قرض لے کر اور اُس سے غلہ خرید کر سکینوں کو تقسیم کر دیا۔ جب مال والے اپنے مال کا مطالبہ کرنے آئے بزرگ نے

دعویٰ کے دو رکعتیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے  
ذلیل و سوانہ کیجئے۔ پھر فرمایا ہوسیا اٹھا کر دیکھو کیا اُس کے نیچے کچھ نظر آتا ہے ؟  
انہوں نے ہوسیا اٹھایا تو اُس کے نیچے بہت مال تھا فرمایا اپنے مال کے برابر لے لو۔  
انہوں نے (شمار کیا تو) اُس کو برابر سزا پرایا۔ تو ان بزرگ کے واقعہ میں چند احتمالات  
ہیں ایک یہ کہ اُن کا (مذق کے بارے میں) حق تعالیٰ کے ساتھ خاص معاملہ تھا انہوں  
نے اُسی کے موافق عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من مذق من  
باب خلیل منہ جس کو میں دروازے سے روزی ملتی ہو اُسی کو چٹا رہے اور اہل  
توفیق (میں بزرگان دین) نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ غرقِ عادت  
کے حود پر کوئی دروازہ غیر کاکول دیں تو شرعاً کاکول کے ساتھ مخصوص ہے (دوسرا  
کو اس کی تفسیر جائز نہیں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بزرگ مستجاب الدعوات ہوں اُن  
کی دُعا قبول ہوتی ہو، دروازہ ہوتی ہو اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ساتھ مسلم  
ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا تھا تو اُن کا  
صدقہ قبول ہو گیا بعد جب اللہ تعالیٰ نے صدقہ قبول کر لیا تو وہ حاجت کے وقت  
اپنے بندہ کو مدد کے لئے نہیں تھے حاشا وکلا (اور صدقہ کا قبول ہو جانا صدق  
تیت اور خلوص سے معلوم ہو سکتا ہے)۔

پس جس شخص کو یہ حالت نصیب نہ ہو اُس کو ان جیسے بزرگوں کی تقلید (ایسے  
افعال میں) جائز نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کے حالات (و کرامات) کو تو تسلیم کیا جائیگا  
مگر اُن کی تقلید نہیں کی جائے گی اور نہ اُن پر اعتراض کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلے سے  
انہیں وہ حال نہیں جو ان اعمال کا سبب ہے۔ اسی لیے بعض اہل طریق کا ارشاد ہے  
جب تم نے اپنا سب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور تمہارا دل اُس کے دروازہ  
سے چمٹ گیا اور تمہارا ہاتھ دُنیا سے ڈگ گیا اور تمہارا حال اللہ تعالیٰ کے امر و نہی  
سے مگر گیا (یعنی تمہارا کوئی حال مرضی الہی کے خلاف نہ بچاؤ) تو تم دُنیا سے الگ  
ہو اگر یہ دنیا میں لگے رہے۔ غرض صحتِ حال کی علامت اُنہوں نے یہ بتلائی ہے



کہ ہر طرفِ امر و نہی سے گھرا ہوا ہو۔ یہی سب باتوں کا خلاصہ ہے (یعنی تعینات کا حاصل ہے) اور یہی وہ امر حق ہے جس پر تمام اہلِ حال و اہلِ قال (صوفیہ و علماء متعلق) ہیں (سب کے نزدیک کمال اس کا نام ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اور امر و نہی کی تعمیل میں بدرجہ کمال لگا رہے) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کرے جن پر یہ انعامات ہوئے ہیں۔ انہ دلی حیدرِ قولہ اذا منع رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم مناعة مال الغنیر لعموالی قولہ دلی حیدر۔

ف۔ حضرت حکیم علامہ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک بزرگ پنجاب کے آئے جن پر چار ہزار روپیہ قرض ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے ایک دس کے نام سفارش چاہتے تھے۔ میں نے سفارش کر دی۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کے ذمے اتنا قرض کیونکر بٹھا؟ کہا میرے یہاں لنگر خانہ ہے جتنے بھی مُرید آتے ہیں لنگر خانہ سے کھانا کھاتے ہیں۔ پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کھاتے بھی تھے اور خزانہ بھی دیتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ لوگ لنگر خانہ سے ہفتوں کھانا کھا جاتے ہیں اور کچھ دیتے نہیں اس لیے قرض ہو گیا۔

یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ میں نے اسی واسطے اپنے یہاں لنگر خانہ نہیں رکھا۔ بس جو آتا ہے اُس کو بتلادیا جاتا ہے کہ قیام کی جگہ یہ ہے اور طعام کا انتظام فلاں فلاں کرتے ہیں اُن سے معاملہ طے کر لو۔ لنگر خانہ کر کے کون یہ درو سر مولے کہ کس نے کتنے دن کھایا اور کس نے کیا دیا؟ اب اگر کوئی مجھے کچھ بھی نہ دے تو مجھے دوسرے نہیں آنا اور جو دیتا ہے بڑے خُزوں سے لیتا ہوں کہ اس میں ہدیہ کی شرائط بھی موجود ہیں یا نہیں؟ لنگر خانہ کرنے کے بعد یہ محوِ شاہی ہوتا ہے کہ ہدیہ میں شرائط و غلوں کی تحقیق کی جائے اور ماشاء اللہ۔ دیکھئے یہ بیچارے لنگر خانہ کر کے کس قدر پریشان ہو گئے اور مریدوں نے بھی غضب ہی کیا کہ آئے کھائے اور دیا دلیا کچھ بھی نہیں۔ جب اُن کو معلوم تھا کہ شیخ کے پاس دُزین ہے مہاجر لوہے اور نہ کوئی اور آمدنی ہے، لنگر خانے کا ہمارے مریدوں ہی کے خزانہ

ہر ہے۔ ایسی حالت میں جنتوں ٹھہر کر کھا جانا اور بدوں نندنا نہ دینے چلے جانا شیخ کو تکلیف ہی دینا ہے۔ چنانچہ بے چاروں کو اپنے خناق کے خلاف ایک زمیں کے پاس سفارشل لے جانے کی نوبت آگئی۔

میں کہتا ہوں یہ بھی غیبت ہے کہ ان بزرگ کو قرمن ادا کرنے کی تو فکر ہوئی۔ بیٹے تو اس کی بھی پروا نہ نہیں کرتے اور یہ سمجھ کر کہ ہم نے توحید کے واسطے قرمن لیا ہے اگر ادا نہ ہوا تو کیا بے قیامت میں قرمن والا مواخذہ کرے گا تو وہ ثواب اٹھ کر دے دیں گے جو صدقہ سے ہم کو ملا ہو گا۔ سبحان اللہ! اور اگر ثواب ہی دلا ہو بلکہ عذاب لکھا گیا ہو تو کیا دے دو گے؟ یہ سب نفس کے بہانے ہیں جن سے وہ گٹھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بہانے اور بے ہودہ دلیلیں نہیں چل سکتیں۔

پس سالکین کو قرمن سے بہت بچنا چاہیئے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کے فوتے قرمن بھی نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو قرمن اپنی وسعت و بہمت سے زیادہ نہ کیا جائے اور فکر کر کے جلد ادا کیا جائے تاکہ حدیث کی وعید سے محفوظ رہیں۔



## حدیث

### الا امر بالصدقة علی کل مسلم

ابن بروہ اپنے باپ (بروہ) سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی (صدقہ کے لیے کوئی چیز) نہ پائے (یعنی مفلس غریب ہو تو وہ کیونکر صدقہ کرے) فرمایا اپنے ہاتھوں سے (کچھ) کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا اگر کوئی (اُس کی بھی طاقت) نہ پائے (کہ اُس کو کوئی دست کاری میں آتی ہو) فرمایا وہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کرے۔ عرض کیا اگر اُس کا بھی موقع نہ پائے (خواہ اس وجہ سے کہ اُس کے سامنے کوئی محتاج معیبت زدہ نہیں ہے یا جس قسم کی ہمدردی اُس کو ضرورت ہے اُس سے یہ عاجز ہے) فرمایا تو وہ نیک کام کر تا ہے بڑے کاموں سے بچا رہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔

۵۔ حدیث کا لاہریہ ہے کہ اُس میں صدقہ کا امر ہے اور صدقہ کرنے کے شمع کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے اور بظاہر یہ امر استجابی ہے و جوبی نہیں۔ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں بخلاف ان کے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے لاصدقة الا من ظہر غنی۔ صدقہ نہیں ہے مگر غنا کے بعد۔ اور یہاں ہر مسلمان کا صدقہ بیان کیا گیا ہے تو یہ واجب نہیں نیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیائت کی دو رکعتوں کی بابت فرمایا کہ وہ اس صدقہ کو ادا کرتی ہیں (جو یہاں مذکور ہے) جبکہ صدقہ پر قدرت نہ ہو اور اس حدیث کے آخر میں جو حضور نے یہ فرمایا ہے کہ نیک کام کرنا ہے بُرے کاموں سے بچنا ہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے تو یہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ صدقہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ بُرا کام کرنا اور اچھا کام چھوڑنا کسی حال میں جائز نہیں۔ لیکن (یہ بھی کہا جاسکتا ہے) یہاں نیک کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب سے زیادہ ہیں (اسی طرح بُرے کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو کبائرت کے علاوہ ہیں اور واجبات سے زیادہ کلم کرنا اور کبائرت کے علاوہ صغائر سے بھی بچنا) یہ صدقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھی بات بھی صدقہ ہے اور ماستہ سے تکلیف کی چیز بٹا دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بٹاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے۔ اور کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ دین سارے کا ساما ہی مطلوب ہے۔ فرغن بھی اور ستم بھی اور دونوں کا شریعت میں پورا اہتمام ہے۔ حدیث میں صدقہ کی فضیلت پر بھی دلائل ہیں (هذا خلاصة ما ذكره اشارة في شرحه)۔

### (۱۷۵) تقوٰف کی بُنیاد سخاوت اور ایثار پر ہے

(کے طریق) کی بھی دلیل ہے، جنہوں نے اپنے طریق کی بُنیاد سخاوت اور ایثار پر ہی قائم کی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رات کو اُن کے گھر میں صدقہ کی کوئی چیز ہے (بلکہ رات سے پہلے پہلے اُس کو خیرات کر دیتے تھے) فیہ دلیل اهل الصوفۃ الی قولہ من الصدقة المعلومة فی یوتہم۔

### (۱۷۶) لوگوں میں فقیر کم اور غنی زیادہ ہیں کہ لوگوں میں (فقیر کم اور غنی

زیادہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاق کے ساتھ ہر مسلمان پر صدقہ لازم فرمایا ہے حالانکہ یقیناً بعض ایسے بھی تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں (تو اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ لوگوں میں زیادہ تر غنی ہوتے ہیں غریب کم اس لیے آپؐ نے اقل مطلقاً ہر شخص پر صدقہ لازم فرمایا۔ شافعیانہ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ جب صحابہ نے عرض کیا کہ کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس وقت فقیروں کا حکم بیان کر دیا گیا)۔

بعض علماء نے مسکین کی قلت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ واجبہ میں صرف چالیسواں حصہ فرمنا کیلئے اس لیے اوروہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ بقدر نصاب مال ہونے پر واجب کیا ہے کہ چاندی یا پانچ اوقیہ (دوسودہرم یعنی ساٹھ باون تولہ) ہو اور سونا بیس دینار (یعنی ساٹھ سات تولہ) ہو اور عظیم درجہ (جس کا علم بھی کامل ہے اور رحمت بھی کامل ہے) اپنے (غریب) بندوں کے لیے ایسی مقدار مقرر نہیں کر سکتا جو ان کے واسطے کافی نہ ہو حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے **الایعلم من خلقہ وہو اللطیف** کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی نہ جانے گا حالانکہ وہ بڑا ہر یکہ دین اور پوری طرح باخبر ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مسکین کم ہوں گے اور یہ بھی معلوم تھا کہ (جتنے بھی ہوں گے) ان کو (اختیاء کی دولت کا) چالیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرمنا کر رہی گئی اور اختیاء سب کے سب اس مقدار کو کوڑا کو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کیا ہے نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

قوله فيه دليل على الإلزام في اناس أغلب الی قول

ما احتاج مسکین لان یسأل احدا۔

فت۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ تو یقیناً صحیح ہے کہ اختیاء مسکین کی دولت کا چالیسواں حصہ اور زینداروں کی پیداوار زمین کا عشر غریب مسکین کے لیے کافی

ہے اور اگر اغنیاء زکوٰۃ دے کر نکالتے رہیں تو کسی مسلمان سکیں کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں مسلمانوں میں فقیہ کم اور اغنیاء زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت فقیر زیادہ ہوں اور اغنیاء کم مگر ان کی دولت اتنی زیادہ ہو کہ اُس کی زکوٰۃ اور عشر تمام فقراء کے لیے کافی ہو جائے۔

پس اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء باقاعدہ پوری زکوٰۃ اور عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض اغنیاء میں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے چلا رہا ہے۔ اسی لیے صدیوں سے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کے اختلاط سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے بھیک مانگنے کو عیب سمجھنے کے بجائے ہنر سمجھ لیا اور اس کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے۔ اُن کو لگتا کہ کہا جائے کہ ہٹے کٹے تندرست آدمی کو بھیک مانگنا جائز نہیں۔ تم کو مزدوری کرنا چاہیئے یا دستکاری سیکھ کر پیٹ پالنا چاہیئے مگر اُن کی عقلیں مٹ ہو گئی ہیں وہ بھیک مانگنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مالداروں کی خیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے اور یہ لوگ ہزار ہا روپیہ جمع کرنے کے بعد بھی بھیک مانگنا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ جب وہ مرتے ہیں اُن کی جھوپڑوں میں سے ہزار ہا روپیہ نکلتا ہے۔ پس ان کو غریب اور فقیر سمجھنا غلط ہے اور ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا رتم برباد کرنا ہے۔ پس مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا انتظام کرنا چاہیئے پھر ہر شہر اور ہر قصبہ کے امراء کو اپنی بستی کے فقراء کی تحقیق کرنا چاہیئے۔ تحقیق کے بعد زکوٰۃ دے جائے اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کی رقم کے بعد دوسرے ہی پر نہ رہو بلکہ جو کچھ اس وقت تم کو دیا جا رہا ہے اُس سے تجارت یا اور کوئی کاروبار شروع کرو۔ تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانے کے فقراء ایسے ہی تھے وہ ایک دفعہ زکوٰۃ لے کر اُس سے کاروبار کرنے لگتے تھے۔ البتہ خیم بچے اور بچہ

عورتیں یا بوڑھے اور ابا بچا مجبوزا زکوٰۃ کے جبر و سرپرہتے تھے جن میں سے یتیم بچے تو تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر جب بالغ ہو جاتے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بیوہ عورتیں دوسری شادی کو حیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دنوں کے بعد زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا دواج پوری طرح ہو جائے تو بیوہ عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ اور غائب رہے کہ ابا بچا اور مسند کی تعداد زیادہ نہیں۔ اس طریقہ پر انتظام کے ساتھ عمل کیا جائے تو یقیناً مال دار اور ذریعہ دار مسلمانوں کی زکوٰۃ و عشر مسلمانوں کا افلاس دور کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔

(۱۷۷) کسبِ معاش کی فضیلت حدیث سے کسبِ معاش کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے بشرطیکہ شریعت

کے موافق ہو اور اُس سے دین میں مدد ملتی ہو لفظ بعل بیدہ اس پر دال ہے جس سے ان تمام مشغلوں کا جواز مفہوم ہوتا ہے جو ہاتھ سے کی جاتی ہیں (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہوں) حدیث میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ اپنی ضرورت کو مدد پر مقدم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ ارشاد ہے بعل بیدہ فی نفع نفسه ویتصدق (جس کے پاس مدد کرنے کے لیے کچھ نہ ہو) اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے پھر اپنے کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ تو حضورؐ نے دستکاری کے بعد اپنے کو فائدہ پہنچانا پہلے بیان کیا پھر صدقہ کو بیان کیا۔ اس میں تم غور کرو گے تو بڑا عجیب اشارہ پاؤ گے۔ کیونکہ اگر آپ مرتن آنا کہ دیتے بعل بیدہ ویتصدق کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور صدقہ کرے تو صحابہ کے سوال کا تو جواب ہو جاتا۔ کیونکہ وہ تو صدقہ ہی کے بارے میں سوال کر رہے تھے مگر کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ بس میں تو صدقہ کرنے کے واسطے کام کروں گا اور خود اپنی ذات کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کروں گا جو وہ دیں گے لے لوں گا۔ حضورؐ نے نفع نفسه بڑھا کر بتلا

دیا کہ اپنے کو نفع پہنچانا مقدم ہے کیونکہ سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنا  
 بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے امراہم کو مقدم کرے۔ اس کے بعد صدقہ کرے۔ پھر  
 یہ لفظ انسان کی تمام ضرورتوں کو عالم ہے خواہ اس کی ذات سے متعلق ہوں یا  
 اہل و عیال سے یا اپنے گھر کی حاجت سے جو عادتہ بشر کو لاحق ہوتی ہیں بشرطیکہ  
 شریعت کے موافق ہوں کہ یہ قید تو تمام حالات میں لازم ہے۔ وغیرہ دلیل علی  
 فضل انکسب الی قولہ فان هذا اصل فی کل الامور۔

فت۔ تم دیکھتے ہو کہ شریعت میں صدقہ کا کس طرح اہتمام ہے کہ جس کے پاس  
 کچھ نہ ہو وہ بھی اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرے اور اپنی حاجت کو پورا کر کے  
 کچھ صدقہ کرے اس کی وجہ ایک تو وہی ہے کہ شریعت مسلمانوں کے اغلاس کو دھوکہ  
 کرنا چاہتی ہے۔ شریعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ تندرست ہٹا کر آدمی ہو  
 دوسروں کے ہاتھ کو دیکھے بلکہ اُسے خود کسب معاش کرے دوسروں پر صدقہ  
 کرنا چاہیے۔ اگر ہر تندرست مسلمان اس پر عمل کرنے لگے اور کوئی بھی بیمار نہ  
 رہے کسی نہ کسی کام میں لگ جائے خواہ مزدوری ہی کرنے لگے یا جنگل سے  
 گھاس اور لکڑی کاٹ کر بیچے اور کوئی صنعت و حرفت اختیار کرے  
 تو یقیناً مسلمانوں میں صبریک مانگنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ صدقہ کے اہتمام کی یہ ہے کہ اس سے نبل کا مادہ نکل جاتا اور  
 سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص صدقہ کا اہتمام کرے گا اور روزانہ کچھ نہ کچھ  
 خیرات کرنے کا التزام کرے گا تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُس میں سخاوت  
 کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ جو اخلاقی حمیدہ میں اعلیٰ درجہ کی صفت ہے۔  
 نیز صدقہ کی عادت سے دُنیا کی محبت بھی دل سے نکل جائے گی اسی لیے صوفیہ  
 نے فرمایا ہے کہ سخاوت زہد کا مدوازہ ہے بلکہ وہی مین نہ رہے۔ صدقہ کا  
 اہتمام وہی کرتا ہے جس کے دل میں دُنیا کی محبت نہ ہو اور اگر کسی کے دل میں  
 دُنیا کی محبت ہو بھی تو صدقہ کی عادت سے انشاء اللہ دل اس گندگی سے پاک



ہو جانے کا وجہ الدنیا داس کا خطیئہ، دنیا کی محبت ہی تمام گنہوں کی جڑ ہے۔ جب یہ دل سے نکل جاتی ہے، پھر گنہوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

حدیث کا مفہوم تمام انواع

(۱۷۸) نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے (صدقات) کے جکڑنے کے بعد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اداۃ صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس کا نفع متعدی ہے جب اُس سے عاجز ہو تو اُس کے قریب یا اُس کے قائم مقام کی ترغیب دی کہ (ہاتھ سے) کام کرے پھر خود بھی نفع حاصل کرے صدقہ بھی کرے کیونکہ اس کا نفع بھی متعدی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے تو اُس کے قائم مقام اس امر کی ترغیب دی کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کرے (کہ اس کا نفع بھی متعدی ہے) اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نیک کاموں میں ان جیسا (اُن کے برابر) کوئی کام نہیں۔ لیکن جو معروف یعنی جو بھلائی بھی ہو سکے کرے۔

معروف سے مراد وہ عمل ہے جو شرفا پسندیدہ اور مستحب ہو اگرچہ اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں کے راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے یا پاشت کی دودھ کرکٹیں پڑھ لیا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مستحب کام سے خالی نہ رکھے۔ کوئی مستحب کام (فرائض و واجبات سے زیادہ) کر لیا کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو (معمولی ہی درجہ کا ہو) کیونکہ اس میں بھی صدقہ یعنی ثواب ہے اور اگر تم کسی مستحب پر بھی قدرت نہیں رکھتے تو تمہارا شر سے ڈک جانا یعنی بُرے کاموں کو جو شرفا ممنوع ہیں چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تسلی دی ہے جو (فرائض و واجبات سے زیادہ) مستحبات کے بھالانے سے عاجز ہوں، بشرطیکہ واقعی عاجز ہوں خواہ مخواہ) عاجز بننے نہ ہوں کہ ان کو شر سے بچنے میں بھی ثواب

طے گا۔ پس وہ بُرے کاموں سے بچتے رہیں۔ اور یہ تسلی دیتی ہی ہے جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ فقراء صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مالدار (صحابہ) صدقہ کی وجہ سے ہم پر بہت لے گئے (غناز اور وہ وغیرہ تو وہ بھی کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ صدقہ بھی کرتے ہیں اور ہم اس سے عاجز ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم کو ایسی بات بتلاتا ہوں جو صدقہ سے بھی (تمہارے واسطے) بہتر ہے۔ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ کہو اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ والملك والحمد لله علی کل شئی قَدِیر (کہہ کر سو کا عدد پورا کر دیا کرو یہ صدقہ سے بھی) بڑھ کر ہے۔ اغنیاء صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بھی ہر نماز کے بعد یہ عمل کرنے لگے۔

فقراء پھر حضور کے پاس واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ! اغنیاء نے تو وہ عمل بھی شروع کر دیا (جو آپ نے خا من ہم کو بتلایا تھا) حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرے (یعنی اب تم کو یہ تمنا نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو فضیلت دے دیں وَلَا تَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ شریعت ہم سے پُر دے دین (پر عمل) کا مطالبہ کرتی ہے فرائض کا بھی نوازل کا بھی اور مستحبات کا بھی۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً زمن کو مقدم کیا جائے پھر مستحبات و نوازل میں جو اعلیٰ ہو اُس کو اختیار کیا جائے اور جو سب ہی کو بجا لانے (سبحان اللہ) اُس کے کیا کہنے ہیں اور جو مستحبات میں سے ادنیٰ کو بجا لانے اعلیٰ کو چھوڑ دے اُس نے پسند یہ طریقہ کو چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ خیر سے محروم نہیں ہو گا اور جو نفسِ مستحبت میں سے کچھ بھی نہ بجا لائے اُس نے اپنے کو بہت خسارہ میں رکھا تو اب وہ بُرے کاموں ہی سے بچتا رہے اس پر بھی اُس کو ثواب ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ کیا تو اُس کے ہاتھ سے دین جانا رہا اُس کے پاس دین کا کوئی نشان نہیں۔ نَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ بِسْمِهِ۔ قَوْلُهُ نَفْهَمُ

الحديث على هذه التقریبات الى قوله نسال الله العافية -

فت - صوفی اور فقہاء میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ نفع متعدی لازم سے افضل ہے۔ اسی لیے اُن اعمال کو افضل کہا جاتا ہے جن کا نفع متعدی ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قاعدہ مستحبات و فرائض میں ہے۔ فرائض میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ زکوٰۃ نماز سے افضل ہو حالانکہ بالاتفاق ایسا ان کے بعد تمام اعمال سے افضل نماز ہے حالانکہ اُس کا نفع لازم ہے اور زکوٰۃ کا نفع متعدی ہے۔ مگر فرائض میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں۔ یہ قاعدہ مستحبات میں ہے کہ جس مستحب کا نفع متعدی ہو وہ اُس سے افضل ہے جس کا نفع لازم ہے اور مستحبات میں بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کہ بعض دفعہ شیخ مبسر طالب حق کہیے اُن اعمال کو ترجیح دیتا ہے جن کا نفع لازم ہے۔ اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو امرائے تلب پر پوری نظر ہے وہ جانتا ہے کہ جس شخص کی اصلاح نفس پوری طرح نہیں ہوئی اس کو نفع متعدی کا اہتمام مفید نہیں ہوتا بلکہ عجب و کبر کا سبب بن جاتا ہے اس لیے بہت سی ملوک کو خدمتِ خلق کے خیال سے بھی روکا جاتا ہے۔

جیسا بعض لوگ ذکر و مشغل و اصلاحِ باطن میں اس قصد سے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے۔ یہ خیال عجب و بُرے پیدا ہوتا اور اُس کو بڑھاتا ہے۔ بہت سی ملوک کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیئے یہ دوسرے بھی نہ لانا چاہیئے کہ بعد میں دوسروں کی اصلاح کریں گا۔ اسی طرح اس کو واعظ کہنے سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعلیم و تکریم سے اُس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے واعظ میں غلوں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ایسی تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے جس سے لوگوں میں تعریف ہو تمام مشہور ہو تو ایسا نفع متعدی کس کام کا جس میں اخلاص نہ ہو۔ جملہ اعمال کی روح اخلاص ہے۔ اگر اخلاص نہیں ہے تو عمل مقبول نہیں خواہ اُس کا نفع لازم ہو یا متعدی۔

میں نے حضرت حکیم الامت نور اللہ مدظلہ سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کا چند میں خدام کے اصرار سے وعظ کے لیے کھڑے ہوئے۔ اُس وقت اتفاق سے کسی مسئلہ منطقی کی تقریر درمیان میں آگئی۔ حضرت مولانا نے اس مسئلہ کی ایسی تشریح فرمائی کہ علماء منطق نے بھی نہ سنی ہوگی۔ انشاء تقریر میں ایک سمت بڑے معقول عالم تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا کی نظر جو اُن پر پڑی فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ گئے۔ جب جلسہ منتشر ہو گیا تو ایک بزرگ نے عرض کیا کہ آپ نے فلاں صاحب کے آنے پر تقریر کیوں بند کر دی؟ یہی موقع اس تقریر کا تھا تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جاتا کہ علماء دیوبند معقول و منطقی میں بھی کسی سے کم نہیں۔ فرمایا ہاں یہی خیال تو میرے دل میں بھی آگیا تھا کہ اب موقع ہے اکی لیے تقریر بند کر دی۔

مطلب یہ تھا کہ جب وعظ میں اس خیال سے کوئی تقریر کی جائے کہ اب موقع ہے اب مخالفوں کو بھی ہمارا کمال معلوم ہو گا تو غلوں کماں باقی رہا۔ اس وقت تقریر بند کر دینا چاہیئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات اطباء قلوب تھے نفس کے مکر و کید پر ہر وقت اُن کی نظر رہتی ہے۔ اگر ہم جیسے ہوتے تو کسی نہ کسی تاویل سے غلوں کا دعوے کر لیتے اور تقریر بند کر دیتے۔ خلا یہی تاویل کر لیتے کہ ہم اپنا کمال نہیں ظاہر کرتے بلکہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تاویلیں نہیں چل سکتیں۔

خلق را گیرم کہ بغیرہی تمام در خطا اندازی تا ہر خاص و عام

باجدا تدبیر و حیل کے رواست

کار با اورا ست پایہ داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن

پس صدقہ کرنے والے کو بھی اخلاص کا اہتمام کرنا چاہیئے اسی لیے صدقہ نافرمان کو چپا کر دینا افضل ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

(تبیین) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے۔ حالانکہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد کرنے میں ملتا ہے، خواہ حاجت مند جو یا نہ ہو۔ کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون العیہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے۔ جواب یہ ہے کہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد میں ملتا ہے مگر جب مہاجر نے صدقہ کی انوار سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اُن کو ایسے اعمال بتلا دیں جن کا ثواب صدقہ کے برابر ہو۔

سو ظاہر ہے کہ حاجت مند پریشان کی مدد میں ثواب زیادہ ہے اگر حاجت مند نہ ہو تو ثواب کم ہے اور حاجت مند ہو پریشان نہ ہو جب بھی اس قدر ثواب نہ ہوگا جتنا حاجت مند پریشان کی مدد میں ہے۔ پس اس صفت کے زیادہ ہونے سے مدد کا ثواب اس قدر ہو گیا کہ صدقہ فوت ہونے کی تلافی ہو جائے گی۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں مدد سے مراد مالی امداد نہیں کیونکہ یہ عمل اُس شخص کے واسطے بتلا یا گیا ہے جو صدقہ مالہ سے بالکل عاجز ہے۔ مدد سے یہاں مراد یہ ہے کہ پریشان آدمی کو پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتلا دیا جائے اگرچہ اپنے پاس سے کچھ نہ دے۔ مثلاً اُس سے یوں کہہ دو کہ میں تم کو ایک خدمت بتلاتا ہوں جس سے یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ اتنا کہنے سے ہی پریشان آدمی کو اس درجہ خوشی ہوگی کہ صدقہ لینے سے نہ ہوتی۔ مثلاً ایک آدمی راستہ بھول گیا ہے تم اُس سے کہو کہ آؤ میں تم کو اُس جگہ پہنچا دوں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ یقیناً تم کہہ دو کہ تمہاری اس بات سے بے حد خوشی ہوگی یا کسی پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے تم اس سے کہو کہ میں تم کو فلاں زمین کے پاس پہنچائے دیتا ہوں وہ تمہاری سفارش حاکم سے کر دے گا۔ خود سوچ لو کہ اتنا کہنے سے پریشان آدمی کو کس قدر تسلی ہوگی یا کسی کا کوئی عزیز قریب مر گیا ہو اور وہ اُس کے غم میں

پریشان ہو تم اُس کی تسلی و تعزیت کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگو اور اُس کا غم غلط کر دو تو اُس کو کس قدر راحت ہوگی۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی مالی امداد نہ کر سکے وہ ان طریقوں سے کسی پریشان آدمی کی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام کرے تو اُس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رئیس اہل تقیہ تھے۔ ایک دفعہ آپ پیادہ سفر کر رہے تھے اور عادت اکثر پیادہ سفر کرنے کی تھی۔ راستہ میں ایک بوڑھے کو دیکھا سر پر مکڑیاں لادے ہوئے جا رہا ہے۔ اور بوجھ کی وجہ سے سانس بھول رہا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور اُس سے کہا بھائی تم تنگ گئے ہو۔ لاؤ کچھ دُور تک میں یہ بوجھ لے لوں۔ اُس نے مقدس صورت دیکھ کر کہا کہ تم بھی تو بوڑھے ہو مجھ سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مگر میں خالی ہاتھ سفر کر رہا ہوں اس لیے تم سے زیادہ تنگ ہوا نہیں۔ اُس نے کہا مگر تمہاری صورت شریفانہ ہے تم نے بوجھ اٹھانے کا کام کب کیا ہو گا؟ فرمایا نہیں بھائی کام تو سب ہی کو کرنا پڑ جاتا ہے غرض بہت اصرار کے ساتھ اس سے مکڑیوں کا بوجھ لے کر اس کے گھاؤں تک پہنچایا۔ اُس کا گاؤں ایک دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ راستہ میں باتیں ہونے لگیں تو وہ بوڑھا پوچھتا ہے کہ کیا تم مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی جانتے ہو جو کاندھلوی رہتے ہیں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ کہا اُسے اُن سے ملنے کا بہت ہی شوق ہے۔ نہ معلوم وہ آج کل کاندھلویں یا کہیں باہر ہیں۔ جب اُس کا گاؤں آگیا اور اُس نے آپ کے سر پر سے بوجھ اُتار لیا اُس وقت فرمایا کہ بھائی مظفر حسین تو میرا ہی نام ہے کاندھلوی رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں لوگ مولوی مظفر حسین بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ سن کر بوڑھا پیروں میں گر پڑا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کیا حرج ہے، مسلمان مسلمان کے کام آ ہی جاتا ہے۔ یہ بھی حاجت مند پریشان کی مدد کی ایک محدث ہے اور تم سوچو گے تو

اور بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ اپنے حاجت مند پریشان بھائیوں کی پریشانی دُور کرنے کی تدبیریں سوچا کریں اور ان کی مدد کیا کریں۔ اگر سب مسلمان بھائیوں میں یہی ایک وصعت پیدا ہو جائے تو ان کے دن پھر جائیں اور یہ عذوبت حال بدل جائے جو اُس وقت اُن پر وبال کی طرح مسلط ہے جس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہر شخص کو اپنی فکر ہے دُوروں کی فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی غم کا بندہ ہے۔ اپنی ذاتی منفعت کو قوم کی منفعت پر مقدم کرتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ مرض موجود ہے وہ کبھی دُنیا میں عزت و راحت حاصل نہیں کر سکتی۔

(۱۷۹) دُوروں کو پریشان کرنا گناہ اور خود کو پریشان کرنا ثواب ہے

اس جگہ ایک بات پر تنبیہ (ضروری) ہے وہ یہ کہ شریعت کی حکمت میں خود کو دُوروں کو راحت پہنچانا اور اُن کا دل خوش کرنا تو ثواب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کیا جائے اور دُوروں کو ضرر پہنچانا اور پریشان کرنا گناہ ہے مگر خود اپنے نفس کو پریشان کرنا اس کو مجاہدہ اور مشقت میں ڈالنا ثواب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام نے موتی علیہ السلام سے بطور وصیت کے فرمایا تھا وزعزۃ بالخوف قلبک فان ذلک مما یرضی دہک۔ اپنے دل کو خوف سے جڑ جڑا دے کہ جو کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ خود کو اس میں کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ حکیم کوئی کام بدون حکمت کے نہیں کرتا (تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہے) چنانچہ اس کی حکمت ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی۔ وہ یہ کہ (واللہ اعلم) اگر تم اپنے آپ کو خوش کرو گے اگرچہ یہ دعویٰ بھی کر دو کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کر رہے ہو یہ بھی نفس کے وسیعہ (اور مخفی کید) سے بہت کم سالمہ ہو گے کیونکہ اس

میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے (اور جس عمل میں حظ نفس شامل ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا بہت دشوار ہے۔ اس لیے اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب نہیں بلکہ اس کو مباحہ و مشقت میں ڈالنا ثواب قرار دیا گیا) اور یہ سزا ذریعہ کی جنس سے ہے جو کہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے (کہ جو چیز کسی وقت ثمر کا ذریعہ بننے لگے اُس کو شروع ہی سے روک دیا جاتا ہے یہ ہیں کہ ذریعہ بننے کے وقت منع کیا جائے اور پہلے جائز رکھا جائے) اس کی ایسی مثال ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو خوش رکھا کہ وہاں کھیتی نہیں ہوتی اور وہاں نمک پہنچنا بھی مشقت سے خالی نہیں تاکہ وہاں جانا اور قیام کرنا خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کیونکہ اُس میں (بقا ہر) کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس (کی لذت اور حظ) کے مناسب ہو اور اگر برعکس معاملہ ہوتا کہ کچھ سرسبزی اور شادابی اور (کثرت) فواکھ میں دمشق جیسا ہوتا تو وہاں جانا اور قیام کرنا خالص عبادت کے لیے نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کی سرسبزی میں حظ نفس اور تفریح بھی شامل ہو جاتی (اسی طرح یہاں سمجھو کہ اپنے نفس کو خوش کرنے میں جو کہ حظ نفس کی بھی آمیزش ہے اس لیے اُس میں ثواب نہیں بلکہ دوسروں کو خوش کرنے میں ثواب ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ غیروں کو خوش کرنا اگر خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو تو اُس میں نفس کو کچھ نہ کچھ تعب ضرور ہوتا ہے۔ کم از کم یہی بات ہے کہ ہر شخص کا دل ہر قسم کی بھلائی کو اپنے واسطے جمع کرنا چاہتا ہے اب اگر دوسرے کے لیے ایثار کرے گا (اور اس کو کچھ بھلائی دینا چاہے گا) تو دل پر تعب ہوگا اور یہ (دل کا تعب ظاہر کے تعب سے بڑھ زیادہ گہرا ہے۔ تو اس صورت میں) عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگی اور عبادت کی جہاں خالص ہی تو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مخلصین لہ الدین کہ اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ عبادت کا امر کیا گیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے اسباب بھی بتلا دیئے تاکہ اس کی برکت سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے





مسلمان کو خوش ہونا چاہیے اور بجز اللہ ہر مسلمان کو اس کی خوشی ہے کہ وہ وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا وارث اور اُس کے آخری پیغمبر کا اُمتی ہے۔ مگر یہ خوشی وہ نہیں جس سے یہاں بحث ہو رہی ہے۔ یہاں ایسی چیز پر خوشی مراد ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے اپنا علم و عمل و عبادت وغیرہ۔

اور حدیث میں مسرت سے مراد طبی مسرت ہے جو بے اختیار نیک عمل سے ہوا کرتی ہے۔ جیسے گناہ سے ایک قسم کی پریشانی اور وحشت ورنچا بھی ہر مسلمان کو ہے اختیار ہوتا ہے۔ غرض حدیث میں مسرت اختیار ہی مراد نہیں اور شارح کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی خاص حالت سے اپنے نفس کو قصداً خوش کرنے میں ثواب میں۔ اس پر کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کیونکہ بعض دند اپنی کسی خاص حالت سے بھی اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی پر بھالت بعض حزن و غم یا خوف کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ یا اس کے قریب حالت پہنچ جائے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو خاص اپنے اوپر ہیں سوچ کر دل کو خوش کرنا اور یاس کو دور کر کے دجا کی کیفیت پیدا کرنا ثواب ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت سے یاس اور ناامیدی کفر ہے اور رجاء ایمان ہے تو جو خوشی کفر سے بچا کر ایمان کی طرف لائے یقیناً اس میں ثواب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جنت دل میں غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو جو اپنے ساتھ مخصوص ہیں سوچنا اور اُن سے خوش ہونا ثواب ہے۔ کیونکہ یہ خوشی غلبہ محبت اللہ کا ذریعہ بن رہی ہے جو کہ ثمرنا مطلوب ہے۔ یہی وہ احوال ہیں جن کے لیے شیخ محقق سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، وہی کچھ سکنا ہے کہ کس کے لیے اپنے دل کو خوش کرنا ثواب ہے اور کس کے لیے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا ثواب ہے۔

ف۔ اوپر کہا گیا ہے کہ تم میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس کی لذت

اور غلام کے مناسب ہو۔ میں نے یہاں ”بظاہر“ کی قید اس لیے بڑھادی ہے کہ باطن میں جہاں کعبہ معطر اس قدر کشش اور دلربائی رکھتا ہے کہ جب مومن کی اُس پر پہلی بار نظر پڑتی ہے تو سفر کا تمام تکان جاتا رہتا ہے۔ اور اُن تمام مشفقوں کو بھول جاتا ہے جو وہاں پہنچنے تک پیش آئی تھیں۔ کچھ نہ پوچھنے کو پہلی نظر سے دل میں کس قدر ٹھنڈک اور انشراح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں چمچ معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ کعبہ معطر دنیا میں جنت ہے جس طرح جنت میں قدم رکھتے ہی انسان اُن تمام مشفقوں کو بھول جائے گا جو جنت تک پہنچنے میں برداشت کی تھیں اور بے ساختہ کہے گا :

الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ یہی حال کعبہ معطر کو پہلی بار دیکھ کر ہوتا ہے اور اس کا احساس جس طرح مومن کے دل کو ہوتا ہے کفاس کے دلوں کو بھی ہوتا ہے بشرطیکہ دل میں کچھ احساس نیک و بد کا باقی ہو۔ غلبہ مادیت سے بالکل نہ مسخ ہو گیا ہو۔

کعبہ معطر میں غلاوہ انوار باطنیہ کے ظاہری اعجاز بھی ایسے ہیں جس سے مومن کا ایمان کامل ہوتا اور کافر کو ایمان کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے اگر وہ انسان سے کام لے ایک یہ کہ کعبہ معطر کی حرمت کی وجہ سے چاروں طرف کچھ دور تک مخصوص قلعہ کوز میں حرم قرار دیا گیا ہے جس میں شکار کرنا بھی ممنوع اور درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس زمین حرم میں بھیڑیا اور بکری ساتھ ساتھ چلتے ہیں نہ بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اُس پر حمل کرتا ہے۔ زمین حرم سے باہر نکلتے ہی پھر بکری بھیڑیے کا شکار ہے۔

نیز تم دیکھو گے کہ ہزاروں پرند کعبہ کا چکر کاٹ کر نکلتے ہیں اُس کے اوپر سے کوئی نہیں جاتا۔ دوسرے تم منی میں دیکھو گے کہ تین پتھروں پر تین دن تک گنگریاں ماری جاتی ہیں اور یہ سلطان ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے

چلا رہا ہے۔ لیکن ہے اُس وقت حجاج کی شمار کم رہی ہو مگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و راع کے بعد سے تو آج تک حجاج کی شمار ہر سال ہا کہ دو لاکھ سے کم نہیں ہوتی۔ اب سوچو کہ جن مقامات پر ہزاروں برس سے اس قدر بے شمار کنکریاں پڑتی چلی آتی ہیں وہاں تو ان کنکریوں سے پہاڑ بن جاتا۔ مگر مشاہدہ ہے کہ شام تک کنکریوں کا جس قدر انبارِ عظیم نظر آتا ہے صبح کو اُس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ تھوڑی سی محروم سے چند کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں باقی سب غائب ہو جاتی ہیں شاید تم کہو کہ حکومت نے اُن کے اٹھوانے کا انتظام کیا ہو گا۔ ہرگز نہیں! کسی کا دل چاہے تو رات دن پہرہ دے کر دیکھ لے اُس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حکومت کی طرف سے اُن کے اٹھوانے کا کوئی بندوبست نہیں۔ پھر کنکریاں کہاں چلی جاتی ہیں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جو قبول ہو جاتی ہیں اُن کو فرشتے اٹھا لیتے اور جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور جو قبول نہیں ہوتیں وہ یہیں رہ جاتی ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے جو زماذر رسالت سے اب تک باقی ہے اور جب تک خدا کعبہ کا حج ہوتا رہے گا باقی رہے گا۔

ف۔ اُدھر امام مین بن رزق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مذکور ہوا ہے کہ اصلاح حال اور عبادت کے معاملہ میں غربت یعنی گھر چھوڑنے سے زیادہ اُنہوں نے کسی چیز کو معاون نہیں پایا۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اس زمانے میں عہ اور یہاں سے معلوم ہو کہ جو کچھ اللہ حجاج میں ہر زمانے میں قبول زیادہ ہوتے ہیں اور مردور بست کم۔ پس وہ جو بستی سے ہر سال کسی شے اور غلام و دھڑ نبوی کے نام سے ایک اشتہار شائع ہوتا ہے وہ بالکل غلط اور مراسرِ جھوٹ ہے۔ حدیث میں کوئی بھی شیخ اور غلام و دھڑ نبوی نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ کسی لمحہ کی حرکت ہے جو ہر سال جو کچھ اشتہار شائع ہوتا رہتا ہے۔ سکھانوں کو اُس پر ہرگز قوت نہ کرنا چاہیے اور جس کو بھی وہ اشتہار لے کر جلا دینا چاہیے۔ ۱۰۳ ظ۔

ہمارے محترم بزرگ اور مخلص دوست مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مذکور دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ اپنے گھر پر رہ کر پوری اصلاح نہیں ہوتی۔ لوگوں کو دین کے واسطے گھر چھوڑنے کی عادت کرنا چاہیے کیونکہ گھر پر کچھ ایسے مشاغل مکان اور دکان اور تعلقات کے لگے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پوری طرح انسان کا دل دین کے واسطے فارغ نہیں ہوتا باہر وہ مشاغل اور موانع نہیں ہوتے تو جتنا وقت دین کے واسطے باہر نکل کر دیا جائے گا اُس میں دل کی توجہ کامل ہوگی اور قلب دین کے واسطے فارغ ہوگا۔ اسی لیے مولانا اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ گھر سے نکلو اور ایک چلّ یا دو چلّ یا جتنا وقت بھی سہولت سے دیا جاسکے گھر سے باہر نکل کر دین کے واسطے دو اور اس تمام وقت کو اس طرح تقسیم کرو کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ ہو۔ کچھ دیر تعلیم دین حاصل کرو۔ کچھ دیر ذکر اللہ میں مشغول رہو۔ کچھ وقت تبلیغ میں صرف کرو کہ ناواقف مسلمانوں کو کلمہ اسلام اور اس کے معنی بتلاؤ۔ بے نادہوں کو نرمی اور شفقت سے نمازی بنانے کی کوشش کرو۔ کچھ دیر تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہو۔ غرض یہ سارا زمانہ غربت کا ایسے گزارو کہ چند دنوں کے لیے حضراتِ صحابہ کا نمونہ بن جاؤ۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے طریقہ تبلیغ سے فریضہ تبلیغ بھی ادا ہوتا ہے اور خود اپنے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ اُن اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے جو مولانا نے بتلائے ہیں۔ و مثلاً هذا فليعمل العاقلین۔

(۱۸۰) ترک عمل پر بھی ثواب کب ترک کرنا واجب یا مستحب ہو

اس حدیث سے بعض اموالین کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ترک عمل پر ثواب نہیں ہوتا صرف عمل پر ثواب ہوتا ہے یعنی بڑے کام کے چھوڑنے پر ثواب نہیں کیونکہ وہ عمل نہیں (بلکہ عدم عمل ہے) یہ لوگ راستہ سے چوک گئے

اور گمراہی میں بہت دُور پہنچ گئے۔ وہ محض اپنی عقل سے ثواب (کا قاعدہ) مقرر کرتا چاہتے ہیں۔ کتاب اور سنت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے: **اِنَّ يَنْهَوْنَ عَنِ الْغَيْرِ ۖ ذٰلِكَ سُلْطٰنُ (ان کافروں سے کہہ دو کہ) اگر وہ (کفر)۔** باز آجائیں گے تو اُن کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور باز رہ کر ایک عمل ہی تو ہے اس میں کچھ شک نہیں (مگر اس میں ایک اشکال ہے۔) من فوائد مذکور ہو گا، اور حدیث (ایک دونوں اور بھی بہت ہیں) بخلاف اُن کے، ایک قوی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ وسلم کا صاف ارشاد ہے **وَلِيَسْلُطْ عَنِ الشَّرِّ فَاَنْتَ اَلْهَدْيُ** اور شریعت سے بچنا ہے کہ یہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ وسلم نے تمام نیک اعمال کو فلیصل بالمعروف میں جمع فرما دیا ہے (کہ نیک اعمال کرتا رہے) اور جملہ اقسام شر کو اسی لفظ میں جمع فرما دیا ہے **وَلِيَسْلُطْ عَنِ الشَّرِّ**۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک اعمال میں سے کوئی سا عمل کرے یا بُرے اعمال میں سے کسی عمل کو ترک کر دے، ہر صورت میں اُس کے لیے صدقہ (کا ثواب) ہے۔ یہاں تمنا سے دل میں یہ کھٹک نہ ہونی چاہیے کہ صدقہ (کا ثواب) مجموعہ پر ہو گا یعنی نیک عمل کرنے کے ساتھ بُرے عمل کے چھوڑنے پر ثواب ہو گا تنہا بُرے عمل کے چھوڑنے پر نہ ہو گا۔ کیونکہ الفاظ حدیث اس مفہوم کو ادا نہیں کرتے اور یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اُن کا قول ہے کہ نیکی اُس وقت تک مقبول نہیں ہوئی جب تک بُرے عمل کو نہ چھوڑا جائے۔ جمہور اُمت (کا قول) اس کے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

**فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ** جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (یعنی اُس کی جزا پائے گا) اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (اب اگر نیک عمل کی جتنا بُرے اعمال کے چھوڑنے پر موقوف ہے تو لازم آئے گا کہ ذرہ برابر نیکی کچھ

کام نہ آئے گی۔ حالانکہ یہ نفس کے خلاف ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں اتق معادہم اللہ تکن اعبد الناس۔ اللہ کی حمد ہم کی ہوئی چیزوں سے بچاؤ رہ تو سب سے بڑا عابد بن جائے گا (اس میں بھی عمل خیر کی شرط نہیں صرف عمل شر سے بچنے پر بشارت دی گئی ہے) اور آیات و احادیث اس باب میں بہت ہیں تو سبحان اللہ! یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کس قدر محروم ہو گئے۔ قولہ و فیہ رد علی بعض الاصولیین الی قولہ فسبحان من حرّمہم طریق المرشادؒ

ف۔ میں نے اس مسئلہ کو مسائل نقیون میں اس لیے داخل کر دیا کہ صوفیہ نے اس سے اپنی کتابوں میں بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ مقام میں سے نہیں۔ مگر مسئلہ مشکل ہے جس میں علماء امت نے بحث کی ہے اور ممکن ہے آج کل بھی اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والے اس کو مشکل سمجھ رہے ہوں اس لیے جی چاہا کہ اپنی بساط کے موافق اس کو حل کر دو کیا عجیب ہے کسی کو فائدہ پہنچ جائے۔ اب مُسنّے۔

حضرت شارح نے اس حدیث سے اُن اصولیین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک فعل پر ثواب نہیں ہوتا۔ میں نہیں معلوم کر سکا کہ یہ اصولیین کون ہیں؟ کیونکہ اصول فقہ میں یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری کتب اصول میں ثواب و عقاب سے اس مسئلہ میں بحث ہی نہیں کی گئی۔ اصل بحث صرف یہ ہے کہ انسان اوامر شرعیہ میں تو بالا اتفاق فعل کا مکلف ہے۔ یعنی جس بات کا شریعت میں امر ہے انسان اُس کے کرنے کا مکلف ہے لیکن جن اشیاء سے منع کیا گیا ہے جن کو نہا ہی کہتے ہیں وہاں فعل کا مکلف ہے یا عدم فعل کا؟ اصولیین کہتے ہیں کہ وہاں بھی فعل کا یعنی نفس کو گناہ سے روکنے کا مکلف ہے اور یہ فعل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ منیات میں فعل کا مکلف نہیں بلکہ عدم فعل کا مکلف ہے کہ وہ کام و جہد میں نہ آئے خواہ نفس کو روکنے کی وجہ سے وجہ

میں نہ اُسے یا اس لیے کہ اُس کا ارادہ عدم کے ساتھ متعلق ہو۔ اصولیین فرماتے ہیں کہ ارادہ اور مشیت کا تعلق عدم سے نہیں ہو سکتا۔ پس اگرچہ شریعت کا مقصود تو یہی ہے کہ فعل ممنوع وجود میں نہ اُسے مگر خود عدم کوئی شے نہیں جس سے مشیت کا تعلق ہو سکے۔ اس لیے ضرور ہے کہ منہیات میں انسان کو کف النفس کا یہی نفس کو روکنے کا مکلف کیا جائے تاکہ اس سے مشیت متعلق ہو سکے اور اسی طرح قدرت کے تحت میں آ سکے۔ نفس عدم سے تو نہ مشیت متعلق ہو سکتی ہے نہ وہ قدرت کے تحت میں آ سکتا ہے اس کا مکلف کیونکر کہا جائے گا؟ معتزلہ کسی دلیل سے یہ تو ثابت نہیں کر سکے کہ عدم فعل قدرت کے تحت میں آ سکتا ہے۔ انہوں نے اصولیین پر یہ اعتراض کر دیا کہ تمہارے قول پر لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو فعل حرام کی طرف میلان ہی نہ ہو۔ جیسا حضرت صدیق اکبرؓ منقول ہے کہ میرے دل نے شراب کو کبھی نہیں چاہا نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں۔ تو ان کو کچھ فضیلت حاصل نہ ہو کیونکہ کف النفس نہیں پایا گیا۔ نفس کو روکنا تو اُسی وقت ہو سکتا ہے جب خواہش ہو۔ اصولیین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں گو کف النفس نہیں پایا گیا مگر اُس سے اعلیٰ درجہ عصمت کا وجود ہے جو کف النفس سے بھی افضل ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا ارتکاب اس لیے نہیں کیا کہ اُس کو حرام کا خیال ہی نہیں آیا تو چاہیے کہ وہ گناہگار ہو کیونکہ اُس نے نفس کو روکا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب تک اُس کو حرام کا خیال نہ اُسے وہ کف النفس کا مکلف ہی نہیں تو گناہگار کیوں ہو۔ جب خیال آوے اُس وقت نفس کو روکنے کا مکلف ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو زنا کی طرف میلان ہو اور اُس نے نفس کو میلان سے نہ روکا مگر زنا کیا بھی نہیں تو اس کو گناہگار ہونا چاہیے۔ حالانکہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے ارادہ پر تو ثواب لکھا جاتا ہے عمل ہو یا نہ ہو مگر سیئہ کے ارادہ پر گناہ نہیں لکھا جاتا



جب تک عمل نہ ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ سے اُس کو گناہ گار ہونا چاہیئے۔ مگر حدیث کی وجہ سے ہم اُس کو گناہ گار نہیں کہتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ارادہ سے مراد قصد جائز نہیں ہے بلکہ حدیث النفس ہے کہ دل میں خیال آیا مگر اس کو ختم نہیں ہونے دیا۔ خیال ہی کے درجہ میں رکھا تو یہ معاف ہے۔ کیونکہ اُس کا روکنا دشوار ہے الا لعصہ عصہ اللہ۔ اور اگر قصد جائز ہو گیا تو اب اگر گناہ کا صدور اس لیے نہیں ہوا کہ اُس نے خدا کے خوف سے نفس کو روک دیا تو یہاں کف النفس موجود ہے۔ وہ ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر اس لیے صدور نہ ہوا کہ کوئی مانع حسی پیش آ گیا۔

مثلاً عورت راضی نہ ہوئی یا تنہائی کا موقع نہ ملا یا اور کوئی سبب پیش آ گیا اس صورت میں یہ گناہ گار ہے کیونکہ اس نے نفس کو گناہ سے نہیں روکا۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اصولیین نے ثواب و عقاب سے بحث نہیں کی وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ادا میں انسان فعل کا مکلف ہے اسی طرح نواہی میں بھی فعل کا یعنی کف النفس اور ترک کا مکلف ہے۔

عدم فعل کا مکلف نہیں۔ ثواب و عقاب سے معتزلہ نے اپنے اعتراضات میں بحث کی ہے اور اس کا جواب اصولیین نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ترک بالقصد پر ثواب کے قائل ہیں۔ ترک بلا قصد پر ثواب کے قائل نہیں۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کا طین گناہوں کو بالقصد نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اس لیے چھوڑتے ہیں کہ ان کو مدامی سے نفرت ہے اُن کو گناہوں کا خیال ہی نہیں آتا تو اصولیین کے قول پر لازم آتا ہے کہ ان حضرات کا طین سے وہ لوگ افضل ہوں جن کو گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے پھر نفس کو روکتے ہیں۔ اور غالباً یہی اشکال حضرت شاری کو پیش آیا ہے اُس کا جواب اصولیین نے یہ دیا ہے کہ ان کا طین کو کف النفس سے بڑھ کر دوسری فضیلت عصمت کی



فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے (جبکہ بیوی یا شرعی باندی سے مشغول ہو) صحابہ نے اس پر تعجب کیا کہ یا رسول اللہ! کیا شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے؟ فرمایا بٹلاؤ اگر وہ حرام جگہ میں اُس کو استعمال کرتا تو اُس پر گناہ نہ ہوتا؟ عرض کیا ہاں گناہ ہوتا۔ فرمایا تو ایسے ہی (جب حلال جگہ استعمال کیا ثواب بھی ہوگا) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جانے میں اس لیے ثواب ملا کہ حرام جگہ سے باز رہا تو حرام سے بچنے میں مطلقاً ثواب ہوا خواہ اس قصد سے بیوی کے پاس گیا ہو یا نہ گیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب ہے اور حرام جگہ جانے میں گناہ ہے۔ پھر اُس کی وجہ بٹلا دی گئی کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب اس لیے ہے کہ وہ زنا سے بچنے کا سبب ہے اور جو عمل کسی حرام سے بچنے کا ذریعہ ہو اس میں ثواب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تو عمل پر ثواب ہے نہ کہ معنی ترکِ عمل بلا قصد پر تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیوی کا دیا نہ حتیٰ ہے کہ مرد لگا ہے گا ہے اُس سے ہم بستری کرے تاکہ اُس کی عفت و عصمت محفوظ رہے۔ اسی طرح خود اپنے کو حرام سے بچانے کے لیے بھی قضاءِ شہوتِ ضروری ہے، تو چونکہ بیوی کے پاس جانے میں اُس کی اور اپنی عفت کی حفاظت بھی ہے اور بیوی کے حق کی ادائیگی بھی ہے۔ اس لیے ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثواب عمل پر ہے معنی ترکِ حرام بلا قصد پر نہیں اور یہی حکم باندی کے پاس جانے کا ہے جبکہ شرعی باندی ہو کیونکہ اُس کی عفت کی حفاظت بھی مولیٰ پر واجب ہے۔

یہ تو اصولیں خفیہ کا مذہب ہے اصولیں مالکیہ کا مذہب مجھے معلوم نہیں کہ وہ مطلقاً ترکِ عمل پر ثواب کا انکاد کرتے ہیں یا ترکِ بلا قصد پر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسے مطلقاً ترکِ عمل پر ثواب کے ٹکڑے ہیں جیسا حضرت شاذلی کے بیان سے واضح ہوتا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ گناہ کو بلا قصد ترک

کرنا اور اُس سے پنہا میں تقویٰ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے دامامن  
 غلات مقام وہ ونہی النفس عن اللہی غلات الجنۃ علی المادی فی جو اپنے  
 رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش (نفسانی) سے روکنا رہا تو  
 اُس کا ثواب جنت ہے۔ اس میں ترک ہوئی پر وعدہ ثواب کی تصریح ہے اور  
 یہ حدیث میں کی تصریح کی جا رہی ہے مواخذہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ بُرے  
 کاموں سے دُکنا صدقہ ہے اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں سات  
 شخصوں کے لیے قیامت میں سایہ عرش کی بشارت ہے جن میں ایک وہ شخص بھی  
 ہے جس کو کسی ظہور معزز صورت نے اپنی طرف بلایا اور وہ یہ کہہ کر رُک گیا کہ  
 نہیں اللہ تمہارے ڈرتا ہوں۔ یہاں بھی ترک پر ثواب کا وعدہ ہے۔

اسی طرح حدیث غار میں بھی یہی مضمون ہے جو پہلے گزر چکی۔ پس یہ کتنا ترک  
 پر مطلقاً ثواب نہیں سراسر نعوس کے غلات ہے۔ البتہ ترک بلا قصد پر ثواب کی  
 تصریح کسی روایت میں نفوس سے نہیں گزری۔ اگر کوئی یہ روایت اس مضمون  
 میں صریح ہو تو وہ اصولیین کے قول سے منہم اور رائج ہوگی کیونکہ اس  
 باب میں قیاس کوئی چیز نہیں اس کا حار بعض نعوس پر بہتہ اور اللہ تعالیٰ  
 کے رحم و کرم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سب مسلمانوں کی حسنات کو سنیاات پر  
 غالب کر دیں۔ فائدہ برد و ذوق رحیم۔

اُدھر معامی سے غفلت کے متعلق ایک سوال و جواب مذکور ہوا ہے جس کا  
 حاصل یہ ہے کہ جو شخص معامی سے غافل ہو اُس کو گناہ نہیں کیونکہ غفلت کی  
 حالت میں وہ کف النفس کا مکلف نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اُس کو ثواب  
 ملی ہے یا نہیں۔ اصولیین کے جواب میں ثواب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔

میرے نزدیک اس میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دیکھنا چاہیے کہ معامی  
 سے غفلت کا منشاء کیا ہے؟ اگر منشاء طامات و حسنات میں اُٹھنا  
 ہے تو اس غفلت پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس غفلت کو اللہ تعالیٰ نے مدح و

ثناء کے موقع پر بیان فرمایا ہے اذ الذین یرمونه العاصت الغافلۃ  
 المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ۔ (جو لوگ پاکدامن غافل بے خبر مومن  
 عورتوں کو لعنت لگاتے ہیں اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے) یہاں غافلۃ  
 یہی مطلب ہے کہ وہ بُرے کاموں کو جانتی ہی نہیں ہیں۔ بس اپنے دینی مشاغل  
 اور گھر کے کام کاج میں لگے رہتی ہیں اور اگر غفلت کا منشاء دُنیا میں انہماک  
 ہے کہ اس کو اپنی تجارت یا ملازمت کے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی  
 جو گنہگاروں کی طرف التفات ہو، تو اگر تجارت یا ملازمت وغیرہ موافق شریعت  
 ہو اور فرائض و واجبات میں اُس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتی ہو تو اُس میں  
 بھی ایسا انہماک جو معاصی سے روک دے محمود ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن مسعود  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللہَ یبغضُ الرّجُلَ البطالَ۔ اللہ تعالیٰ  
 بے کار آدمی سے نفرت کرتے ہیں (کیونکہ بے کاری ہی میں گناہوں کی فرصت  
 ملتی ہے) جب بے کاری تا پسند ہے تو کام میں لگے رہنا اللہ تعالیٰ کو پسند  
 ہے اور جو چیز ان کو پسند ہو اُس پر ثواب مقرر ہے مگر گواہی قدر نہ ہو  
 جس قدر اطاعت و حسنات میں مشغول رہنے سے ملتا اور اگر مسلمان کسب  
 معاش میں بھی اپنی نیت درست کرے کہ اہل و عیال کا حق ادا کرنے اور  
 فقراء کی امداد کرنے اور دین کی خدمت کرنے کے واسطے دُنیا کمانے تو وہ بھی پُر  
 حسنات میں داخل ہو جائے گا۔ مگر یہ نیت مرتفعوں سے نہیں ہوتی بلکہ سچے  
 عہدہ ایک حدیث میں ہے ان من الذلّوب ذلّوبا لا یُکفرھا العلوۃ ولا العوم ولا الخ  
 ویکفرھا اللہ عزّ وجلّ طلب المعیشۃ الطیرانی و ابو نعیم صاحب الحلیۃ والفظ  
 المصنف فی وجہۃ النفوس لا یُکفرھا الا اللہ علی العیال۔ ص ۱۹۲۔ ۲۳  
 گنہگاروں میں سے جس گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ نہ غنا سے ہو نہ بے ضرورتی سے دین سے  
 لُٹاؤ کا کفارہ طلب معاش میں ٹکڑے ہوتا ہے۔ ایک لفظ میں یہ ہے کہ اُن کا کفارہ عیال کے

برود نہ آتا ہے اور اگر یہ نصت کسی مکروہ میں اٹھاک سے بنے جیسے شطرنج یا کھیل کود میں ایسا اندھا دک۔ جس سے جس کو عورت اور معاصی کا خیال ہی نہیں آتا تو اگر یہ اٹھاک فرانس و واجبات نہ ہو گی نفس انداز ہوتا ہے تو اس غفلت میں گناہ ہے اور اگر فرائض و واجبات میں غفل نہیں ہوتا تو اس غفلت میں نہ ثواب ہے نہ گناہ۔ ہاں یہ شخص اُن نثریوں سے اچھا ہے جو ماسی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور اگر کسی ایک گناہ میں ایسا منہمک ہے جس کی وجہ سے دوسرے گناہوں کی طرح انکساف نہیں ہوتا تو یہ غفلت بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا منشا اٹھاک فی العیضہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے جیسا آپ چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہمارے ذریعہ سے اپنے دین کو عزت اور غلبہ دے۔ اللھم اجعلنا کما تعجب وترحمہ واجعلنا بتوختنا عیبراً من الاولی۔ آمین !



## حدیث

### اخذ المال بسعادة النفس

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے دیا۔ پھر سوال کیا تو آپ نے پھر بھی مجھے دیا۔ پھر مانگا تو پھر بھی دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اے حکیم! یہ مال (دیکھنے میں) خوشنما (اور دل کو) مرغوب ہے تو جو اس ازخس کی مستندہ کے ساتھ لے اُس کے لیے تو مال میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جو خس کی طبع و حرص کے ساتھ لے اُس میں برکت نہیں دی جاتی اُس کا مال ایسا ہوتا ہے جیسے بعض آدمی کہتا ہے اور اُس کا پیٹ نہیں بھرتا اور یاد رکھو، آدمی چاہتا ہے کہ بڑے بڑے مال سے اچھا ہوتا ہے۔

**شرح** حدیث کا ظاہری مطلب تو یہ ہوا کہ استغناء نفس کے ساتھ جو مال ملے اُس میں برکت ہوتی ہے اور حرص و طمع سے جو کچھ لیا جاتا ہے اُس میں برکت نہیں ہوتی۔ حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا ثبوت ہوا ہے کہ مانگنے والے نے بار بار مانگا اور ہر دفعہ آپ دیتے رہے۔ بار بار مانگنے سے پریشان نہیں ہوئے۔

(۱۸۱) مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد ہو سکتا ہے ثابت ہوا  
کہ مال حاصل کرنے (اور جمع کرنے) کے ساتھ بھی زہد ہو سکتا ہے اور زہد کے ساتھ

مال حاصل کرنے پر چند فائدے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک تو زہد کا ثواب، دوسرے دل کا  
 چین، تیسرے لذت میں برکت۔ زہد پر توحید کا یہ لفظ دلالت کر رہا ہے جس کا  
 استفادہ نفسی، جس نے اس مال کو سخاوت نفس کے ساتھ لیا اور جس کا ترجمہ ہم نے استفادہ  
 کیلئے ہے اور (ظاہر ہے کہ) سخاوت نفس ہی تو زہد (کی حقیقت) ہے (اس سے ثابت  
 ہوا کہ زہد مال کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے) اور دل کا چین تو اس کی دلیل رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے **الزهد في الدنيا مريم القلب والهدى في الدنيا** بے رغبت  
 ہونا دل کو بھی راحت دیتا ہے اور بدن کو بھی۔ اور انسان کے لیے یہی سب سے بڑی راحت ہے  
 (اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے کہ دل کو بھی چین ہو اور بدن کو بھی) اور برکت لذت پر عیش کا  
 یہ جملہ دلالت کر رہا ہے بلکہ لہذا یہ کہ اس کے مال میں برکت عطا کی جاتی ہے اور اس  
 (موجود) پر یہ علیٰ سلسلہ مرتب ہوا کہ زہد میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں جمع ہوتی ہیں۔ دنیا کی  
 بھلائی تو یہ کہ اسے مال میں برکت ہوتی ہے جس سے حرام آدمی محروم ہے وہ دنیا جمع کرنے میں بہت  
 ہے مگر برکت میں پاتا دوسرے زہاد کو دل اور بدن دونوں کے چین حاصل ہوتا ہے جس سے  
 اہل دنیا کیسے محروم ہیں مگر دنیا میں راحت کی حقیقت یہی ہے کہ دل اور بدن کو چین ہونا  
 آخرت کی بھلائی ہے کہ زہد کا ثواب ملے گا اور اس سے حساب کچھو گا کیونکہ زہد کی وجہ سے  
 وصال کے حقوق واجبہ (زکوٰۃ و نفقہ لازمہ) کو ادا کرنا ہے گا اور جس مال میں شہ ہو گا  
 اُس سے ٹھیک ہو گا اور یہی پوری سعادت ہے کہ قیامت میں ثواب کا کٹتی ہو اور باز پُرچی بچا رہے۔  
 اور طالب دنیا کو دنیا میں بھی خسارہ ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا کا خسارہ تو یہ کہ دل اور بدن  
 دونوں بے چین رہتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے **والمرء في الدنيا تعذب لقلب والهدى في الدنيا**  
 حرم دل کو بھی تعذب میں لائے گا ہے اور بدن کو بھی اور یہ اعتدال درجہ کی مصیبت اور مشقت  
 ہے۔ زیادہ سلامت دنیا میں گننے سے جو امید قائم کی تھی وہ پوری نہیں ہوتی کیونکہ اُس کی  
 برکت جاتی رہتی ہے میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص  
 دنیا کو شراوت نفس (یعنی حرص) سے لے گا اس میں برکت نہیں دی جاتی اور اس سے بڑھ کر  
 محرومی کیا ہوگی کہ انسان مرنا پنا پریشانی و مشقت ہی میں رہے پھر بھی جو امید قلم کی تھی وہ



پوری نہ ہوئی۔ تم اس کا سببہ حسی طور پر میں کر سکتے ہو کہ اہل دنیا کی جاں (دستر خوان پر) دیکھنے میں کتنا بہت زیادہ ہے اور کھانے وقت (خوڑے میں پیٹ نہیں بھرتا بلکہ بہت زیادہ کھانے سے پیٹ بھرتا ہے اور جتنا کھایا جاتا ہے اُس کی نسبت سے بدن اور دماغ و قلب میں طاقت کم آتی ہے اور اصل میں تو ناہین کا کھانا دیکھنے میں کم ہوتا ہے مگر اُس سے بڑی جماعت کا پیٹ بھرتا ہے اور جتنا کھاتے ہیں اُس کی نسبت ان میں قوت اور طاقت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اہل دنیا کو اس پریشانی اور مشقت کے ساتھ دوسری مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ اُن میں باہم حسد اور کینہ اور نیبت اور بغل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بغل کی وجہ سے دُوروں کے حقوق ادا نہیں کرتے یا کم ادا کرتے ہیں یا اپنے حقوق پوری طرح وصول کرنا چاہتے ہیں (کہ پائی پائی کا حساب کرتے ہیں) ان تمام معائب اور مشکلات کے علاوہ آخرت کا خدوہ چھارہا، جس میں عذاب بھی ہے اور ذلت بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہیں اُس سے بچائے (آمین) قولہ ذیہ دین قد یقع الذہد مع الاخذ الخ قولہ اعاذنا اللہ منها یدنہ۔

**ف۔** بعض لوگوں کے نزدیک زہد کے معنی یہ ہیں کہ مال و دولت سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ مال کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ کسی کا یہ یہ بھی قبول نہ کرے نہ تجارت و ملازمت اور منصف و حرفت میں مشغول ہو یہ غلط ہے۔ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کو دل سے چھوڑ دے اور اُس کی پرولہ نہ کرے کہ کس نے اس کو کیا۔ زہد اذو کم کرنے کا نام ہے۔ زہاد وہ ہے جس نے اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ مجھے ظاہر میں نفس و تقیر ہیں مگر پھر بھی خدا سے غافل ہیں اور مجھے ظاہر میں مالدار ہیں مگر اُن کا باطن دوامِ صوم و ریح اللہ تعالیٰ سے ملا مال ہے۔

حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بتلادیا گیا ہے کہ جو اس مال کو اثر ابنِ نفس یعنی حرم و طمع سے لیتا ہے وہ زاہد نہیں اور جو سخاوت نفس یعنی استغناء سے

یہاں ہے وہ ڈاڈ ہے۔ کو اُس کی پاس بہت کچھ ہو مگر دل اُس کی بہت سے خالی ہو اور مال سے دین کے کاموں میں مدد دیتا اور اہل حقوق کے حقوق لو اکر تا ہو۔

تغصن اور زہد کی حقیقت غیر اللہ سے نزع پھر لینا اور اللہ تھانے پر جھرو سر دکھنا اور ہر حالت کی باگ تغصین و رضا کے ہاتھ میں دے دینا اور دروازہ کرم کے کھلنے کا منتظر رہنا اللہ تھانے کے فضل پر اعتماد کرنا، ہر وقت اللہ تھانے سے ڈرتا رہنا اور تمام حالات میں اللہ تھانے سے نیک گمان رکھنا ہے۔ خوب کچھ لو۔

آج کل کے مشائخ میں زہد کی پہچان یہ ہے کہ جو ہر چیز قبول نہ کرتا ہو بلکہ صغین کو قبول کرتا ہو صغین کو رد کر دیتا ہو۔ جو شخص کسی کا یہ رد نہ کرتا ہو سب کو ہی قبول کر لیتا ہو وہ زہد نہیں۔

ف۔ ہم نے اہل اللہ کے کھانے میں کُل آنکھوں ہرکت کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حلال بڑے سہانہ نواز ہوتے ہیں۔ صغین و فہمین وقت پر زیادہ سہانے آگئے تو گھر میں جو کچھ موجود تھا وہی اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا اور سب کے سب اُس سے سیر ہو گئے۔ حالانکہ جب کبھی اس نے آیا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ منہ جیسے جیسے کھانے کو یہ تھوڑا سا کھنا کیونکر کافی ہوگا۔ مگر ہم اللہ کر کے کھانا شروع کیا تو کافی سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اہل اللہ کے یہاں کا کھانا اہل دنیا کے کھانوں سے لہذا بھی زیادہ ہوتا ہے اور اُس سے قلب و دماغ اور صم کو وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جو مالداروں کے مرضی قیمتی کھانوں سے نہیں ہوتی۔

(۱۸۲) زہد سلوک باطن کا پہلا دروازہ ہے کی بھی دلیل ہے جن کے

طریق کی بنیاد ہی زہد پر ہے کیونکہ وہ سلوک کا پہلا دروازہ ہے اسی لیے عین بن رزق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دل میں فقر اور فنا کا اندیشہ (یا فکر) ہو اور منصب و ریاست کی طلب ہو تو تمہارا قدم دین کے راستہ میں نہیں جم سکتا۔ یہ تودائی فقر (اور محرومی) کی گنجی ہے۔ قولہ و فیہ دلیل لفضل اہل الصوفۃ

الذی قولہ فذلک مضافاً فقر لیبید ۔

وف ۔ اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کہا گیا ہے کہ زاہد وہ ہے جس کا دل محبت منصب و نیوی اور طلب ریاست سے پاک ہیں اگر بلا طلب اور بدون محبت کے کوئی منصب مل جاوے اور خلافت شریعت نہ ہو اُس کا قبول کرینے خلافت زہد نہیں۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے زیادہ زاہد کون ہو گا مگر سب کے سب صاحب منصب خلافت تھے۔ اسی طرح بہت سے اولیاء کرام صفت و عرفت والے تھے۔ کب حلال کے لیے اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ بعض اولیاء کرام صاحب غنائم تھے مگر فن کے یہاں کثرت سے ہایا اور نذرانے آتے تھے جہاں کی وجہ سے اُن کا دربار شہداء مظلوم ہوتا تھا مگر اُن کے قلوب تجتہ دنیا سے پاک تھے جس پر اُن کے احوال و واقعات شاہد تھے۔

(۱۸۳) مثال بیان کرنا جائز ہے حدیث سے مظلوم ہو کہ جس بات کو مخالف نہ کہہ سکے اُس کے بکھانے کے

یہ ایسی مثال کرنا جائز ہے جس سے وہ اچھی طرح بات سمجھ جائے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ یہ اعمال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص عرص کے ساتھ مال جمع کرتا ہے اُس کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور اُس کا حال ایسا ہوتا ہے کہ جیسے بعض آدمی کہتا ہے مگر اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کیونکہ عام طور سے اکثر آدمی خصوصاً اس زمانہ کے لوگ برکت کی حقیقت نہیں جانتے۔

برکت کی حقیقت اُن کے نزدیک برکت یہ ہے کہ (دیکھنے میں) کوئی شے زیادہ ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ایسی مثال بیان فرما کر جس کو سب جانتے ہیں بتلادیا کہ برکت ایک خاص چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جو عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں۔

اب تم اس مثال میں غور کرو کہ کھانے سے ہر شخص کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے تاکہ ٹھوکر کی تخلیق باقی رہے مگر پیٹ بھرنا تمہارے اختیار میں نہیں۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ تم کو

نظر بھی نہیں آتی۔ چنانچہ بعض دفعہ آدمی بست کھانے کے بعد بھی بھوکا رہتا ہے۔ اس کا بیٹ نہیں بھرتا۔ اسی طرح استقامت کی بیماری میں بست پانی پینے سے بھی پیاس بھی بجھتی۔ اسی طرح برکت بھی خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ کوئی محسوس چیز نہیں، اب اگر کوئی آدمی بست کھانے کے بعد بھی بھوکا رہے تو اس کا کھانا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ کیونکہ جس فائدہ کے لیے اُس نے کھایا تھا کہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی رہے وہ حاصل نہ ہوا۔

اسی طرح مال کی ذات میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ مقصود وہ نتائج ہیں جو مال کے ذریعہ سے حاصل کئے جاتے ہیں (یعنی مانت قلب و بدن وغیرہ) تو اگر مال زیادہ ہو اور یہ فوائد مقصودہ حاصل نہ ہونے تو ایسے مال کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تم اس حالت کا مشاہدہ اہلِ دنیا اور اہلِ دین میں اس طرح کرو گے کہ اول دنیا اپنی ضرورتوں کو (تھوڑے مال سے پوری نہیں کر سکتے بلکہ) بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کو مال بڑھانے کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مات دن اُس کے سوا) اور کچھ دھند نہیں ہوتا اُن کی نظر سے وہ چیز غائب رہتی ہے جو اس کے علاوہ ہے (یعنی اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ضرورتیں تھوڑے مال سے بھی پوری ہو سکتی ہیں جبکہ اُس میں برکت شامل ہو جائے) اور دین داندوں کو دیکھو گے کہ وہ ان ہی ضرورتوں کو جنہیں اہلِ دنیا بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں بہت تھوڑے مال سے پوری کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ ان سے سمجھا بھی طرح پوری کرتے ہیں اور یہ (فری قعدہ نہیں بلکہ) بکثرت مشاہدہ میں آ رہا ہے بشرطیکہ کوئی غور اور تامل سے کام لے۔ قولہ وفیہ دلیل علی جواز ضرب المثل الی قولہ خدا موجود کثیر لطن تاملہ و فطرہ۔

ف۔ ہم نے اہلِ اللہ میں اس کا کھل آنکھوں مشاہدہ کیا ہے اور اہلِ دنیا کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہماری آمدنی تو تنخواہ کی بھی ہے اور زمین کی بھی اور نکال کی تنخواہ ہی تنخواہ ہے زمینداری کچھ نہیں اور تنخواہ بھی ہم سے بہت کم ہے۔ پھر بھی

اُس کے لھر کا انعام سم سے اچھا اُس کے بچوں اور غمزدانوں کا لباس جلد سے بچوں سے اچھا یا جلد سے بزرگ ہے۔ جو ہم انہی دولت کے ساتھ بھی وہ کام نہ کر سکے جو اُس نے غصہ ہی آمدنی میں کر لیے ہیں۔

یہ برکت نہیں تو اور کیا ہے؟ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جو مستی طور پر آنکھوں سے نظر آجائے بلکہ وہ خدا کی دی ہوئی مخفی نعمت ہے جیسے کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد بیری اور سیرانی مخفی چیز ہے۔ جس کو وہی جانتا ہے جس کا پیٹ بھرا بخوا اور پیاس بجھی ہے، دُور سے محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح بے برکتی بھی غیر محسوس شے ہے جس کا مشاہدہ آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ اہل دین والوں دنیا کی حالت کا موازنہ کرنے سے ہوتا ہے۔

ف۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہاں جو مثال کے ذریعے برکت کا خدا کی طرف سے ہونا بتلایا گیا ہے یہ صحابہ کے کھانے کے لیے نہیں کیونکہ ہم کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ صحابہ برکت کی حقیقت سے واقف تھے اُن کو اس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں اور خود اپنے واقعات میں بار بار ہو چکا تھا (وہ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار دیکھ چکے تھے کہ ایک دو آدمی کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے پورے شکر کو کافی ہو گیا اور سب کے سیر ہونے کے بعد بچ بچا رہا۔ بعض دفعہ کھانا کھاتے ہوئے صحابہ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھانا کچھ سے خود بخود زیادہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کھانے والوں کے غصوں سے کم نہیں ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا) پس یہ مثال دوسروں کو کھانے کے لیے بیان کی گئی ہے جو صحابہ کے بعد آنے والے تھے۔

اس تشریح اور بیان کے بعد اب ورا اس پر بھی توجہ کر دو کہ آج کل علم طور سے اُن لوگوں کی حالت کیا ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں دُوروں کا تذکرہ ہی کیا؟ انہوں نے طریقے ہی بدل گئے اور بہت سے امور میں حتیٰ مشکوک ہو گیا یا اس کا انکار کیا جانے لگا (چنانچہ تم اہل علم میں سے صبر کو برکت کی حقیقت سے ناواقف یا سکر پاؤ گے) جس کا سبب وہ بُری عادات ہیں جو کثرت سے اُن ہی لوگوں میں

پائی جاتی ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علماء اور صلحاء ہیں۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ اَمَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ سے فرمایا تھا کیفیت بلیق یاخذ یمنہ اذا ترکک بدعة قالوا ثلاث سنۃ۔ اسے خزیمہ! اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسی بدعت کو چھوڑ دو گے تو لوگ کہیں گے کہ اس نے سنت کو چھوڑ دیا۔ حضرت خزیمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ: تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اگر میں اُس زمانہ تک زندہ رہوں قال اقرضهم من عرکک لیعد ففعلک فرمایا اُن کو اپنی آبرو پر حملہ کرنے دو اُس دن کے (ثواب کے) لیے جب تم دُنیا میں نہ ہو گے، مطلب یہ ہے کہ تم حق اور سنت پر عمل کرتے رہو اور اُن کو جو وہ چاہیں بچنے دو۔ کیونکہ تم کو تو اسی صورت میں ثواب ہی ثواب ہے جب وہ ناحق تمہاری آبرو پر حملہ کریں۔ (هذا انجبة ما ذكره الشارح في شرحه ادخلته في الفوائد لعمد تعلقه بالمسائل بن المواظ فانهم)۔

تبلیغ :- یہ تو خدا نے اپنے زمانے کا حال لکھا ہے اب ذرا ہم اپنے زمانے کا حال بھی دیکھ چاہیے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جس کی رسول اللہ ﷺ نے نبی ہر وی تمی؟ کیا آج اگر کوئی دوا می مولود نہ پڑے بلکہ سنت کے موافق ذکر رسول کے اُس کو بُرا جہانم لکھا جاتا؟ کیا اگر کوئی میلاد میں قیام نہ کرے اُس کو دہانی کہہ کر بدنام نہیں کیا جاتا؟ اور اگر کوئی عالم صوفی قوم کے ہدایہ اور تذاتوں پر رہ کر مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالنا چاہے بلکہ غلامت یا صنعت و حرفت و تجارت سے کسب حلال کرنا چاہے اُس کو صبیحہ دنیا سے بدنام نہیں کیا جاتا؟ حالانکہ جواز ترک اسباب کے لیے شرط ہے کہ انسان مجرور ہو، صاحبِ خیال نہ ہو اور غلامتوں میں بہرہ ہے جس میں تعلیم دین پر اجماع نہ ہو۔

(۱۸۳) بلند ہاتھ پست ہاتھ سے اچھا ہے اور اُسکی تحقیق حدیث سے

بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے۔ اُس کی شرح میں علماء اور مولوی کے درمیان اختلاف ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بلند ہاتھ دینے والا ہے اور پست ہاتھ لینے والا۔ مولوی برعکس کہتے ہیں کہ بلند ہاتھ لینے والا ہے اور پست ہاتھ دینے والا۔ کیونکہ لینے والا تم کو تھوڑی سی چیز کے عوض بست سا ثواب دیتا ہے (یعنی ثواب کا ذریعہ بنتا ہے) کہ ایک کے بدلے دس اور (یعنی دلو) سات سو تک (ثواب دلوانا ہے) اور دینے والا ثواب (یہی کے لیے دیتا ہے تو وہ اس) کا منتظر اور محتاج ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ دونوں قولوں کو اس طرح سمجھ لیا جاسکتا ہے کہ دینے والے کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تم سے اپنے علیے کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہو۔ دوسرے یہ کہ (وہ تم سے درخواست نہیں کرتا بلکہ تم اُس سے سوال کر رہے ہو۔ اس صورت میں تو دینے والے کا ہاتھ بلند ہے اور (لینے والے کا پست ہے کیونکہ تم کو سوال کی ذلت پہنچ چکی۔ اور (نامہ میں) آیا ہے کہ ذلت ہر سوال میں ہے چاہے راستہ ہی کا سوال ہو اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہلت کا انکار کرتا ہے اور اگر وہ تم سے اپنی عطا کے قبول کرنے کی درخواست کر رہا ہے تو اُس نے تمہارے سامنے اپنی عزت و جاہ کو گرا دیا کہ وہ تم سے ایسی درخواست کر رہا ہے جس میں تم مختار ہو اور وہ محتاج ہے یا تو اس لیے کہ وہ اپنے ذمے سے واجب شرعی ادا کرنا چاہتا ہے یا اس لیے کہ وہ اس پر یہ کہہ دے کہ تمہاری اُخرت کی بھلائی کا مفید وار ہے۔

اس صورت میں وہ اپنے پر سے تم پر احسان کا قصد نہیں کرتا بلکہ اپنی جلائی کا قصد کر رہا ہے تو تمہارا اُس کو قبول کر لینا احسان ہے اور دینے والا سائل و محتاج ہے اُس کا ہاتھ پست ہے لینے والے کا ہاتھ بلند ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ہماری دعوت کرتا ہے تو (پہلے) اُس کا احسان ہے پھر اگر ہم دعوت قبول کر لیں تو اب ہمارا (اُس پر) احسان ہے اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اُس کا مقصد بھی اسی کی تاکید کرتا ہے (کہ دینے والے کا ہاتھ بلند ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد

(الید العلیا عیر من الید السفلی) سائل ہی کے متعلق فرمایا ہے جبکہ اُس نے بار بار سوال کیا تو معلوم ہوا کہ (پست ہاتھ سائل ہی کہے۔ قولہ الید العلیا عیر من السفلی) متاخفات بین العلماء و اهل المعونة الی فیہ لما کر۔  
 سوالہ مراد اے

فت۔ بعض احادیث میں تصریح ہے والید العلیا المنفقة والسفلی السائلة رواہ مسلم۔ اُونچا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ اس لیے دینے والے کے ہاتھ کو نیچا کنا بننا ہر صحیح نہیں البتہ بعض روایات میں بھائے المنفقة کے المتعففہ بھی وارد ہے (رواہ ابو داؤد) جس کا مطلب یہ ہے کہ اُونچا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہے اور نیچا ہاتھ سوال کرنے والا ہے۔ اس روایت پر لینے والے کے ہاتھ کو بھی اُونچا کر رکھتے ہیں جبکہ وہ سوال نہ کرے بلکہ دینے والا خود اُس سے قبول ہدیہ کی درخواست کرے اور ہر حال میں نیچا ہاتھ سوال کرنے والے کا ہے۔ پس شارع کی توجیہ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ بھی بعض الفاظ حدیث سے مؤید ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان سائلین کو خیر نہ سمجھو۔ یہ تلوے شمن ہیں کہ تمارے سوال کا برہہ اُٹا کر آخرت میں پہنچاتے ہیں تو یہ تمارے مزدور ہیں مگر دنیا کے نہیں بلکہ کمال آخرت ہیں (قالہ سیہ حکیم الامتہ من) حاجی صاحب کا یہ مطلب ہیں کہ سائلین کا ہاتھ اُونچا ہے جیسا بعض صوفیہ نے کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو اپنا شمن سمجھ کر مردہ دو گے تو ثواب کامل ہو گا خیر سمجھ کر دو گے تو مردہ کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اگر سائل کے ہاتھ کو اُونچا کیا جائے گا تو حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کی مثال کا ہاتھ اُونچا تھا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ پس سمن ثمریہ کا سائل کے ہاتھ کو اُونچا کنا کہ س لیے کہ وہ دینے والے کے لیے ثواب کا دریہ بننا ہے ہرگز صحیح نہیں سائل کا ہاتھ اُونچا نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی



وقت دینے والے کا ہاتھ نیچا ہو جانے جبکہ وہ کسی کو ہدیہ دینا چاہے اور وہ قبول نہ کرے پھر اس کے اصرار سے یا درخواست و انتہا سے قبول کرے۔ خدا مہم۔ حضرت شادخ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی اچھے ہیں اور دینے والا بھی اور لینے والا بھی البتہ دینے والا زیادہ اچھا ہے کیونکہ حضورؐ نے بلند ہاتھ کو خیر فرمایا ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں بہت اچھا) اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفسِ حسن میں دونوں شریک ہیں اور ایک میں خوبی زیادہ ہے جیسے ہم کہیں زید عسیر من عمرو زید عمرو سے بہتر ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عمرو میں کچھ بھی خوبی نہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ زید کا درجہ اُس سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ یہ دونوں ہاتھ اچھے ہیں کیونکہ ان سے نیکی کی گنتی ہے (ایک نے احسان کیا دوسرے نے احسان قبول کر کے اُس کو ثواب کا مستحق کیا) پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت دوسری وجہ سے ہو گئی یا تو نفسِ فعل پر نظر کر کے یا مال پر یا نیت و قصد پر نظر کر کے یا ان سب کے مجموعہ سے۔ ان علتوں میں کسی وجہ سے (علاء و مولیہ میں) خلافت واقع ہوا۔ اہم مگر یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو گا جبکہ لفظ خیر کو اسم تفضیل مان لیا جائے ورنہ محاورات میں بکثرت اس کا استعمال معنی تفضیل سے غالی ہو کر بھی آتا ہے۔

(۱۸۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں !

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپؐ کا ارشاد (ایہ الدیاعیوں من السفلی) کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان لوگوں میں سے ہونا چاہیئے جن کا ہاتھ اوپر ہے اُن میں سے نہ ہو جن کا ہاتھ نیچا ہے۔ مگر یہ (تعلیم) مختلف و غیر میں ہے دُنیا اور دُنیا کے سلمان میں نہیں (کیونکہ) دُنیا میں تو بقدر ضرورت و کفایت پر بس کر کے کی تعلیم ہے فائق اللہ و جہلوا فمطلب و تو جہلوا علیہ دُنیا میں سب سے اوپر ہونے کی تعلیم نہیں)۔

قوله فيه دليل على ان شاء الله تعالى ان قوله لا في الدنيا وحدها.

فت۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کو دنیا اور دین دونوں کے لیے علم کہا جائے  
جب بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ دنیا میں سب سے  
زیادہ مالدار ہونا چاہیئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ آدھنچا ہونا چاہیئے یعنی سوال سے  
پہنچا اور دوسروں کو دینا چاہیئے اور یہ حالت یقیناً محمود و مطلوب ہے۔ دنیا کے سامان  
میں بھی کسی کام کی حاجت اور دست نگر ہونا اچھا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے المؤمن القویٰ یخیر من المؤمن الضعیف وفی کل غیر۔  
مسلمان صاحب قوت کمزور سے بہتر ہے اور یوں دونوں ہی اچھے ہیں اس حدیث  
میں صحابہ کی جست ہے کیونکہ وہ بھی مقامات عالیہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہر کام میں  
عزیزت اور فضیلت حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں حتیٰ الامکان با ضرورت دنی  
حالت پر تنہا نہیں کہتے نماز کو بھی کمال کرنا چاہتے ہیں اور ذکر کو بھی اور  
خدمتِ خلق کو بھی وطنِ هذا العیاس۔

(۱۸۵) اہل فضل و دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے مدیشے

کہ اہل فضل اور اہل معاملہ اور دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے۔ اس میں  
کچھ ذلت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہانے سوال سے کچھ تعرض نہیں  
فرمایا بس اُن کو ایک قاعدہ ٹیکہ بتادیا کہ استخنا کے ساتھ مال لینے کا یہ ٹرہ  
ہے اور عرض کے ساتھ لینے کا یہ نتیجہ ہے) اور اگر اُس کے سوال میں کوئی بات  
(کراہت یا حرمت کی) ہوتی تو آپ اُس کو کبھی نہ چھاتے بلکہ اُسے کچھ دیتے  
بھی نہیں جب تک سوال کی کراہت ہو غیرہ) نہ بتلا دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم انکلامِ شرعی کے بیان کرنے والے ہیں اور ضرورت کے وقت سے  
بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ پس آپ کے ارشاد کی شوکت بتلا رہی ہے کہ سیدنا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا اور مانگنا (دوسرے سے لینے والا مانگنے)



کائن ہے تو اُس سے مانگنا اپنا حق مانگنا ہے اُس کی جیب سے تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔  
اور اپنا حق مانگنے میں کچھ ذلت نہیں۔

(۱۸۶) غنا سے تحصیلِ علم میں مدد ملتی ہے علم میں غنا سے بہت مدد ملتی ہے، حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ چنانچہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو در مسئلہ مال کی اُس وقت تعلیم دی جبکہ تین مرتبہ مال دے کر اُن کو غنی کر دیا۔  
قوله وليه دليل علم ان من اقوى الاسباب في حمل العلم بعقائني الحكمة المبدية الى قوله حق انما بتكرار العطاء ثلثا۔

ف۔ یہ استدلال قوی نہیں۔ ہاں حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو مال کے متعلق حکم شرعی سوال پُورا کرنے کے بعد بتلانا چاہیے۔ کیونکہ سوال پُورا کرنے سے پہلے اُس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اس حالت میں وہ حکم شرعی کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور ممکن ہے وہ یہ خیال کرے کہ مجھے مثالنے کے واسطے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو عالم کو متہم سمجھے گا اور اس صورت میں سائل کو شرمندگی اور خجالت بھی زیادہ ہوگی۔ اور اگر پہلے اُس کی حاجت پوری کر دی جائے تو اُس کا دل اس قسم کے خیالات سے خالی ہو جائے گا۔ پھر اس کو تحصیلِ علم سے فائدہ ہوگا۔ اور جس مسئلہ کو حضرت شافع نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ تحصیلِ علم کے لیے جمعیتِ قلب اور اطمینان کی ضرورت ہے اور غنا سے ہی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ فقر کی حالت میں انسان کو اپنے کمانے پکڑے کی فکر سے فرمت نہیں ہوتی وہ اطمینان سے کیونکر علم حاصل کرے گا۔ پس طالبِ علم یا تو غنی ہونا چاہیے اور اگر فقیر ہو تو اسے کمانے پکڑے کی فکر سے مطمئن کر دینا چاہیے۔

چنانچہ ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب امام ابو یوسف پڑھنے کے لیے آئے تو امام ابو یوسف کے باپ نے اُن کو درس سے اُٹھانا

پاہا ادر کما نہیں اپنے بچے کو شغل معاش میں لگانا چاہتا ہوں کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں۔ میری آمدنی پُورے گھر کے خرچ کو کافی نہیں ہوتی۔ یہ بڑا کما بھی کچھ کمانے لگے تو گھر کا خرچ پُورا ہو گا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ابھی یہ بچے ہیں اور کچھ علم بھی حاصل نہیں کیا، تم کو ان سے کتنی آمدنی کی امید ہے؟ اس نے کچھ مقدار بتلائی۔ امام صاحب نے فرمایا تم اس کو ہمارے پاس پڑھنے دو اور جتنی رقم تم نے بتلائی ہے اس سے بھی زیادہ ہم تم کو ہر مہینہ دے دیا کریں گے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور امام ابو یوسف اہلیان کے ساتھ تحصیل علم میں لگے رہے۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ وہ کس درجہ کے امام ہوئے۔ امام ابو حنیفہ نے اسی طرح بہت سے طلبہ کو اپنے پاس سے دے کر پڑھایا ہے۔ جو اُن کے بعد بڑے درجہ کے مفتی اور قاضی اور عالم ہوئے۔

اسی حکمت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے مدارس دینیہ میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ غریب طلبہ کو مدرسہ سے کھانا کپڑا کتاب مفت دی جائیں تاکہ وہ اہلیان سے علم کی تحصیل میں لگے رہیں اور اسی وجہ سے اہل طریق نے اپنی خانقاہوں میں غریب سالکین کے لیے امداد کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اغنیاء کو تحصیل علم شرعی اور طلب طریق باطن کا شوق نہیں رہا۔ اب اہل دُنیا کی عقل مند دی دیکھو کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان طلباء اور سالکین کو کسب معاش میں مشغول ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ قوم کے اُوپر بار ہیں۔ تو اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ کسب معاش کی فکر میں مشغول ہو کر تحصیل علم اور طلب طریق پُوری طرح نہیں ہو سکتی اور جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ طلباء اور سالکین قوم پر بار ہیں وہ اپنا ہاتھ روک لیں اور دیکھیں کہ خدا اُن کو رزق پہنچاتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھو ان مدارس کا مدار اللہ تعالیٰ کے ہر دس پر ہے وہ خود ایسی جگہ سے اُن کو رزق پہنچاتا ہے جہاں گمان بھی نہیں ہوتا اور کچھ لوگ اگر یہ مدارس اور خانقاہیں دیران ہو گئیں تو ہندوستان سے اسلام اور

دین کا نام مٹ جانے کا۔ ہندوستان میں دین کا جو کچھ نام و نشان باقی ہے، اُن ہی کی برکت سے باقی ہے۔ ہاں یہ ضرور تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقی مدارس اور خانقاہیں کون سی ہیں؟ اور نام و نمود کی کون سی ہیں؟ سب کو ایک ہی لاشی سے ہکنا حاکم ہے۔

(۱۸۷) سوال تین بار تک جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ تین بار تک سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ دوسری دفعہ سوال کرنے پر دیتے رہے اور خاموش رہے اور تیسری بار سوال کرنے پر بھی دیا اور علی مسئلہ جلا کر اُس کے بعد سوال کرنے سے روک دیا کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں قوتِ ایمان کی وجہ سے اس قدر فہم اور ذکاوت تھی کہ اُن کو ادنیٰ اشارہ بھی روکنے کے واسطے کافی تھا (اس لیے گو حضورؐ نے آئندہ سوال کرنے سے مراد منع نہیں فرمایا بلکہ سناوتِ نفس کی تعلیم دی اور جس مال سے روکا مگر شاردہ آئندہ سوال کرنے ہی سے روک دیا گیا جس کو مہابی بھگت نے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں گا چنانچہ وہ مال قیمت میں سے اپنا حق بھی کسی غلیظ سے نہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عروسیؓ مدظلہ کو اعلان کرنا پڑا کہ لوگو! گواہ رہو میں حکیم بن حرام کو اُس کا حق دینا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں لیتے)۔

اور اس میں اُن صوفیہ کی بھی جُمّت ہے جو زنبیل کے قائل ہیں کہ اگر کسی درویش متوکل کو دو تین دن تک فتوحات نہ ہوں اور ہر گت کا اندیشہ ہونے لگے تو وہ زنبیل باطن میں لے کر نکل سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں زنبیل لے کر نکلنے کی شرط یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا قصد کر کے نہ نکلے اور نہ کسی سے نذر دے کر مانگے اور نہ قسم کھائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ پھر اگر تقدیر اُسے کسی کے گھر پر یا کسی آدمی کے پاس پہنچا دے تو اُس سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی شرط ہے کہ بدو نہ سخت مزاحمت کے نہ نکلے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ہاں اس کا شک المؤمن حاجتہ وغیرہ المؤمن۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ شہر اپنی حاجت کو اپنے بھائی مسلمان کے سامنے ظاہر کر دے (توسخت مجہدی میں سوال کرتا جائز ہے) پھر جس شخص کے پاس تقدیر نہ اس کو پہنچا دیا اگر اس نے دید یا تو بہتر اور نہ دیا تو یہ بھی اچھا ہے اب وہ دوسرے کے پاس جائے اور دوسرے کے پاس جائے مگر تینوں نے کچھ نہ دیا تو آگے نہ بڑھے اور کچھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ صبر و تسلیم سے کام لے۔ اب اپنی جگہ وہیں آ جائے کسی اور سے سوال نہ کرے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے پاس فتوحات پہنچا دیں یا جو ان کی مرضی ہو کر ہی۔

اب نہ اتم دیکھو تو کہ آج کل اہل علم اور اہل حال دونوں میں سے کوئی بھی اس راستہ پر ہے جس کو اس کے بزرگوں نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے جیسا ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس حدیث (سے شرعاً) میں بھی کچھ حق ذکر ہے، نہیں خدا قسم! (آج کل کوئی جماعت بھی اپنے بزرگوں کے راستہ پر نہیں) مانتے بدل گئے اور (سیدھے راستہ پر) چلنے والے کم رہ گئے طائفہ وانا لہ راجعون، قوله وفيہ دلیل علی جواز تکرار السؤال ثلاثاً والواجبة معترۃ الخ قوله فانا لله الخ۔

ف۔ حررت شریح مجھے صاف فرمائیں۔ اس حدیث میں اہل زنبیل کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس میں اشارت یہ مسئلہ مذہبی ہے کہ جس سے سوال کیا جائے تین دفعہ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ مگر یہ اس میں کہاں ہے کہ زنبیل لے کر نکلتا جائز ہے اور جو زنبیل لے کر نکلے وہ تین آدمیوں سے آگے نہ بڑھے۔ اس کے لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسلام میں زنبیل کی کوئی اہل نہیں۔ یہ عرب و راہبوں اور جبرگیوں کا طریقہ ہے۔ اسلام کا اصول پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے مگر کوئی صدقہ نہ کر سکے تو اپنے ہاتھوں سے کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے اسی

یے ہمارے اکابر نے ساکھیں کو سوال سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اگر کسی کے پاس کچھ ہوتا  
 اُس کو مزدوری کر کے پیٹ پالنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ خانقاہ اہلویہ متاثرہ ہوں  
 کے بعض خدام اسٹیشن پر مزدوری کرنے جاتے اور مزدوری کر کے اپنا کام چلاتے  
 تھے، سوال ہرگز نہ کرتے تھے۔ اسی طرح جو شخص سارک اسباب ہو اگر کسی وقت اُس  
 کو فتوحات حاصل نہ ہوں تو فتوحات بند ہونے سے اُس کو کچھ لینا چاہیئے کیلئے  
 کو اُس کا رُک اسباب پسند نہیں اُسے کسبِ معاش کا کوئی میل کرنا چاہیئے۔  
 ذنبیل نے کہ سوال کے لیے ہرگز نہ نکلے اور مولانا دروم نے شیخ شیرازیؒ کا جو  
 واقعہ لکھا ہے وہ اُن کا خاص حال تھا جس میں وہ معذور تھے۔ اہل حال کے حال  
 کو تسلیم کیا جائے گا مگر اُن کی اقتداء نہیں کی جائے گی جب تک کسی پر ویسا ہی  
 حال غالب نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔





## حدیث کراہیۃ السؤال

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی برابر لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اُسے اسی حالت میں کہ اُس کے چہرہ میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔“

**شرح** ظاہر حدیث بتلوا رہا ہے کہ زیادہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مراد ہر سوال نہیں کیونکہ علمی سوال تو مامود بہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فاستلوا اهل الذکر ان کنتم من لا تعلمون۔ اگر تم کو (کوئی حکم) معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کرو (یعنی اُن سے حکم شرعی دریافت کرو) اسی طرح راستہ کا سوال بھی اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ حکم کردہ ماہ کو راستہ بتلاتا مامور بہ ہے (تو اُس کا دریافت کرنا بھی جائز ہے) اب مرث و دنیا کے سامان کا سوال باقی رہ گیا ڈھکی چھائی سے (یعنی ہیک ماگنا کسی سے روپیہ پیسہ کا سوال کرنا) اور یہ بھی ہر حالت میں ممنوع نہیں کیونکہ ضرورت کے وقت سوال جائز ہے (بلکہ بعض کے نزدیک لازم ہے جبکہ بدون سوال کے جان پہچاننے کی کوئی صورت نہ ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا بأس للعلم ان یسألوا جنتہ و نعیۃ المؤمن۔ مسلمان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی حاجت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کرے جس شخص کو سخت جھوک (سے ہلاکت کا اندیشہ) ہو، اُس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ اُس

کے لیے مبر کرنا افضل ہے (کڑے سے سوال نہ کرے) یہاں تک کہ نہ چلے، تو شہید ہو گا کیونکہ حق تبارے فرماتے ہیں: **وَصِدْقُ الْعَهْدِ بَیْثُ فَائِزٍ** - اپنے رب کے عہد کے لیے مبر کرنے رہو، کیونکہ تم ہماری ننگا ہوں کے سامنے ہو (جس سے سلو ہو گا کہ اللہ کی تقدیر کا منتظر رہتا چاہیے کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے) یا اُس کو سوال کر کے جان پہچان، افضل ہے در نہ گناہ گار ہو گا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنی حالت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ مفر گیا تو اُس نے خود کٹی کا سامان کیا تو ایک جماعت کے قول پر گنہ گار ہو گا (اور یہ اختلاف اس نکتہ میں ہے جبکہ اُس کے پاس فائدہ نہ کرنے کی کوئی چیز نہ ہو اور اگر وہ ضرورت ہو جس کو آج کل ٹھوک بھرتاں کہ ہانا ہے کہ کھانے پینے کا سامان موجود ہے اور بطور سیاسی حربہ کے ٹھوک بھرتاں کر رہا ہے، اس میں اگر مفرے کا تو سب علماء کے نزدیک خود کٹی کا گناہ ہو گا خوب سمجھ لو)۔

پس حدیث میں دنیا کا سوال مُراد ہے جبکہ بدوں حاجت اور سخت ضرورت کا ہو اُسی پر وعید ہے (جبکہ مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو) اور اگر توبہ کر لے تو عید ہے کہ اس مومن میں داخل نہ ہو گا (اور وعید سے بچا جائے گا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ التَّوْبَةُ حَتَّى حَاقِبَلَهَا - توبہ اُن تمام گناہوں کو ماقبلہ کر دیتی ہے جو توبہ سے پہلے کئے تھے۔ ہاں یہ سوال باقی رہا کہ توبہ کے وقت جو مال اُس کے پاس سوال حرام سے جمع کیا ہوا باقی ہے اُس کو کیا کرے؟ سو ظاہر ہے کہ مال حرام کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اب اگر اُن لوگوں کو پہچانا ہے جس سے سوال کیا تھا تو اُن ہی کو (یا اُن کے ورثہ کو) واپس کر دے اور اگر انہیں عید پہچانا تو اس مال کو صدقہ کر دے (اور صدقہ کا ثواب اُن کو پہنچا دے، تو یہ حقیقت میں اُن کی طرف سے صدقہ ہو گا اپنی طرف سے نہیں۔ پس اُس حدیث کے خلاف نہ ہو گا جس میں وارد ہے **لَا تَقْبَلُ صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ** کہ حرام مال سے صدقہ

قبول نہیں کیونکہ وہ اُس صورت میں ہے جبکہ حرام مال کو اپنی طرف سے مدد کرے اور راز اس میں یہ ہے کہ جب مال کا مالک معلوم نہ ہو نہ اُس کے ورثہ معلوم ہوں، تو یہ حادثہ کا مال ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اُس کے وارث فقراء ہیں تو فقراء کو پہنچا دینا اصل مالک کے وارثوں کو پہنچا دینا ہے کیونکہ فقراء کے ذریعے اُس کو ثواب مل جائے گا خوب سمجھ لو اور یہ حکم جیسا مردود کے لیے ہے ویسا ہی خیر توں کے لیے ہے اگرچہ حدیث میں لایزال الوجہ وارد ہے، جس سے ہذا ہر مردوں کے ساتھ حکم کا خاص ہونا منسوخ ہوتا ہے۔ مگر علما، مکاتب، شریعہ میں مرد کا ذکر بوجہ نفیست کے ہوتا ہے اور مرد تین تین افراد ہوتے ہیں۔ نیز یہ وعید اُس شخص کے لیے ہے جو سوال کی علت کے جیسا لایزال الوجہ کے نفع سے خارج ہے تو اگر کسی نے ایک دو بار سوال کیا ہو عادت نہ کی ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں (گو بلا ضرورت سوال کرنے کا گناہ اُس کو بھی ہوگا۔ مگر قیامت میں بدنام نہ کیا جائے۔ پس توبہ اس کو بھی لازم ہے۔ ہذا عامل ما ذکرہ اشراج فی شرحہ)۔

(۱۸۸) علم دین کی سب کو ضرورت ہے علم دین کی سب کو ضرورت ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے درجے کے لوگ بیک مانعے والے جن کے پاس دنیا کا کچھ ساذ و سامان نہیں ہوتا اُن سے بھی سوال پر حساب کیا جائے گا کہ اُن کا سوال حکم شرعی کے موافق تھا یا خلاف تھا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ (یاں سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو بدون علم شرعی کے شیخ یا مولا بنے ہوئے ہیں) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر سے کوئی مفذور نہ ہوگا (یعنی یہ غدر نہیں سنا جائے گا کہ ہم کو خبر نہ تھی ہم جاہل تھے، کیونکہ جب یہ مانعے والے بھی باوجود اپنی مسکت کے مفذور نہ ہوئے، اُن سے بھی سوال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اور لوگ کیسے مفذور ہو سکتے ہیں۔

علم تمام فضائل میں افضل ہے چیزوں سے افضل ہے جبکہ اُس پر عمل بھی کیا جائے کہ اسی سے ممتاز اور ذلیل میں امتیاز ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (فردوس کے وقت) غیر مسلم سے مانگنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما یزال الرجل لیسأل الناس بعض آدمی لوگوں سے برابر مانگتا رہتا ہے اور یہ لفظاً مسلم اور غیر مسلم دونوں کو عام ہے۔ اسی لیے ایک بزرگ اپنے گھر سے بدون فردوس (اور سخت حاجت) کے نہیں نکلتے تھے اور جب نکلتے تو غیر مسلم کے سوا کسی مسلمان کے گھر پر نہ جاتے تھے۔ اُن سے کسی نے اُس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں بدون فردوس و امتیاز کے گھر سے نہیں نکلتا۔ اب اگر مسلمان کے دروازہ پر جاؤں تو اندیشہ ہے کہ وہ میرا سوالیہ رد کر دے، تو اُس پر کوئی بلا نازل ہو جائے کیونکہ اُس پر شرعی میری جان کا بچاؤ واجب ہے (اس واجب میں کوتاہی کرنا کا تو بلا نازل ہونے کا اندیشہ ہے) تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے اور ذمی (غیر مسلم) میری جان بچانے کا مکتف نہیں۔ اگر وہ مجھ سے بعد دی کرے گا امید ہے اُس کو بھلائی پہنچ جائے اور اگر میرا سوال رد کر دیا تو میری وجہ سے کسی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو گا و مسلمان اللہ! ان بزرگ کی نیت کا کیا کنا اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔ مگر حدیث سے اس بات کا استحباب واضح نہیں کیونکہ حدیث میں مسائل کی مذمت کی گئی ہے حدیث میں کی گئی۔ تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مذمت میں اس بات کو بھی داخل ہو کہ وہ سب ہی سے سوال کرتا رہا۔ نہ مسلم کو دیکھا نہ غیر مسلم کو۔

فخاء خلیفہ نے کافک مزدہی اور علامت کرنے میں بھی یہ قید لگائی ہے کہ جائز کام میں مذمت یا مزدہی ہو اور اُس سے مسلمان کی ذلت نہ ہوتی ہو جب مزدہی اور مذمت میں یہ شرط ہے تو غیر مسلم سے مانگنا کیونکر جائز ہو گا کہ سوال تو عموماً ہی ذلت ہے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم شریف اور سنی اور نیک دل ہو

مذہب میں سوال کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو بلکہ عزت کرتا ہو تو اُس سے سخت احتیاج کی حالت میں سوال کا معنائے نہیں اور دُعا طبعاً مسلمان کے لیے ہی ہوتے تھے کہ ان لوگوں کی عزت کرتے تھے باقی آج کل تو مسلمان کسی سوال کرنے والوں کی عزت نہیں کرتے، خواہ کیسے ہی حاجت مند اور کیسے ہی اشدِ اُدا ہو۔ فیر سُن کر تو کیا کریں گے۔ پس ایک زمانے کو دُوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سائل کو بلا وجہ جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے والا وجہ اُن کو جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سوال کرنے والے کی تو ذمت کی ہے مگر دُوسروں کو پتے اور جھوٹے سائلوں میں فرق کرنے کو نہیں فرمایا (پس اُن کو جائز ہے کہ ہر سوال کرنے والے کا سوال پُورا کر دیں۔ مگر یہ کہ کسی کے خلقِ حق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہو کہ اُس نے سوال کو پیشہ بنالیا ہے تو اُس کو دینا جائز نہیں ہے کما حقہ حاشیۃ القیود من المدد و خیر۔

چنانچہ ایک بابرک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک دن چلے جا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائبل نکلا ہے لوگوں سے اللہ کے واسطے پکڑا مانگ رہا ہے آپ نے اپنا ایک کپڑا اتار کر اُس کو دے دیا۔ بعض لوگوں کو اس شخص کی عادت معلوم تھی کہ وہ جیل اور کد کرنا ہے (کپڑا پاس ہوتا ہے پھر بھی نکلا ہو کر یہ کپڑا مانگتا ہے) ادا اُس کو بیچ کر ناجائز کاموں میں صرف کرنا ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ واپس ہوئے تو کسی نے خبر دی کہ میں نے اس سائل کو غلط جگہ دیکھا تو اُس کے بدن پر آپ کا دیا ہوا کپڑا نہ تھا (وہ پھر نکلا پھر تا ہے) اور مکن ہے اُس نے آپ کے کپڑے کو بیچ کر ناجائز کاموں میں اُس کی قیمت کو استعمال کیا ہو۔ بزرگ کو یہ سُن کر فحش آیا اور پھر فرمایا فرما جائے اُس تک پہنچاؤ کہ خدا اس حالت کا

مشاہدہ کر لیں جب اُس کے پاس پہنچے تو جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا اور دیکھی کہ تو پھر نکلا پھر رہا ہے) پُرچھا اسے تو نے وہ کپڑا کیا کیا جو میں نے دیا تھا وہ تو بت قیچی تھا اور اُس کو بیچ کر تو ایک کی جگہ چار پانچ کپڑے بنا سکتا تھا مگر تو پھر بھی نکلا ہے) اُس نے جواب دیا کہ اپنا کپڑا اُس سے مانگو میں کو تم نے دیا ہے اور مجھے اس کے ساتھ رہنے دو جس کی میں نافرمانی کر رہا ہوں۔ فرمایا بے شک تو نے چاکنا۔ پھر اُس کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس آئے (مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بزرگ نے اس سائل کو پھر بھی کچھ دیا۔ ممکن ہے کہ تحقیق حال کے بعد چہرہ بیاہو اور اُس کے جواب کو اس لیے رد نہیں کیا کہ اُس نے منقول بات کھی تھی کہ جب تم ثواب کی نیت سے صدقہ کر چکے اللہ تجھے مستحق سمجھ کر دے مجھے تو تمہارا ثواب کہیں نہیں گیا پھر اب تم کو مجھ سے باز پرس کا حق نہیں۔ اگر میں نے اُس کو بھانڑ کام میں مصروف کیا اس کا میں ذمہ دار ہوں گا آپ دستار نہیں تو صدقہ ماضیہ کے متعلق یہ بات مجھ سے جیسے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ کسی نے ذابید، حمر اور غنی کو سات کے اندر میرے میں صدقہ دے دیا تھا تو وہ قبول ہو گیا۔ باقی اُتدہ کے لیے ایسے شخص کو دینا جائز نہیں جو میلہ و مکر سے سوال کرتا ہے اور سواں کر کے بدعاشی کرتا ہے ۲۔

جب تم اپنے نیک کام میں چلے اور مخلص ہو تو جس کے ساتھ تمہارا معاملہ ہے اُس کے فضل میں رہو وہ بھی تم کو شہادت دے گا اور ملائقہ (خاص بنائے گا۔  
 قوله وفيه دليل على ان جميع الناس محتاجون الى العلم الى قوله  
 بعد قاضيا۔

فت۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مراد علم دینی اور علم احکام ہے۔ جب مسلمانوں کے دن اچھے تھے اسی پر عزت و ذلت کا مدار کا رہا تھا مگر آج اس علم کی وہ عزت باقی نہیں رہی جس میں کچھ قواعدِ مسلمین کی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر مقدم کر دیا ہے اور کچھ علماء کی بھی خطا ہے کہ انہوں نے دین کو دنیا کے

رسول کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اگر علماء لوجہ اللہ بعض تبلیغ کی نیت سے وہاں کہیں اور  
مساعدہ یا نذرانہ قبول نہ کریں بلکہ واپس کر دیں تو اُن کی عزت بُست بڑھ جائے۔  
صدق اور خلوص کی ہر عمل میں ضرورت ہے جیسی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا ہے  
اور عمل بارگاہِ انبی میں قبول ہو جاتا ہے اُس کا ثمرہ آخرت میں تو یقینی ہے دُنیا میں  
بھی مل سکتا ہے۔

### (۱۸۹) عمل کی جزاء منہ اُسکے مناسب ہوگی کہ آخرت میں امورِ معنویہ محسوس

ہوں گے اس میں کیا حکمت ہے کہ اس سائل کے چہرہ میں قیامت کے دن گوشت  
نہ ہوگا؟ سو بات یہ ہے کہ چہرہ کا اُس گوشت ہی سے ہے اسی لیے  
موتا پے سے چہرہ کا اُس بڑھ جاتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اُس کے چہرے میں  
قدرہ برابر بخش نہ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے دُنیا میں اپنے چہرہ کی اب و تاب کھوی تھی  
یعنی حیا کو اُتار کر رکھ دیا تھا جو ہیک ماٹنگے سے روکتی ہے جب اُس نے  
بلا ضرورت حیا کو اُتار دیا تو آخرت میں اُس کا اُس ظاہری زائل کر دیا جائے گا  
کیونکہ آخرت میں وہ چیزیں محسوس و مشاہد ہوں گی جو یہاں معنوی (اور باطنی) ہیں  
کیونکہ حکمت اس کو متعین ہے کہ دُنیا میں جو کُنہ کسی نے کیا ہوگا آخرت میں اُس  
کا ایک نشان ہوگا جس سے سب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے  
پرگنا کیا ہے تاکہ حجاب کے ساتھ ذلت بھی قبیح ہو جائے کہ تمام عالم میں اس کی  
شہرت ہو جائے۔ چنانچہ بھونٹی گواہی دینے والے کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ  
وہ قیامت میں اس حال سے اُٹھے گا کہ اُس کی زبان سے آگ نکلتی ہوگی۔ لہذا خود  
غلامِ ہاتھ پر راتا ہوگا۔ جیسے مست اُٹھ سستی میں ہاتھ پر راتا ہے اور چیموں  
کا مال کمانے والا قبر سے اس طرح اُٹھے گا کہ آگ کے فسطے اُس کی ناک سے  
سانس کے ساتھ نکلتے ہوں گے اسی طرح اُدبست گناہ ہیں جن کے متعلق ہولناک  
عمل ملے و ملتے نے غبر دی ہے کہ (اُن کے لیے قیامت میں عاصی ملائیں ہوں گی)

اور اس خبر کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس بڑی دُسوئی اور ذلت کے عذاب سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان کے صدقہ ان سب سے پناہ دیں۔ کسی نے کہا ہے اپنا انجام اچھا بنانا اگر تجھے کچھ عقل ہے اور اُس دن کی دُسوئی سے بچا جو بہت ہی سخت عیب تک ہے۔ جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تقویٰ ہے جو ہمیشہ تجھے پر انعام کرتا اور تیرے عمل کی قدر دانی کرتا ہے۔

قوله ما الحكمة ان كونه يأتي يوم القيامة وللمضفة لعمرك وجعاني قوله بتقوى مولى لم يزل عليك منعا شكوكا۔

ف۔ موفیہ کا کشف ہے کہ دُنیا میں جو امور معانی و اغراض کی قسم سے ہیں۔ آخرت میں جو اہم محسوس ہوں گے۔ اسی معنوں کو کسی نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ دُنیا میں بھی اُس کے ساتھ ساتھ ہے۔ یعنی اعمالِ صالحہ جنت ہیں کہ یہی اعمالِ آخرت میں اُس کو عیبِ ثوابِ مُعدتہ اشکال میں نظر آئیں گے جن سے راحت پہنچے گی اور اعمالِ سیئہ دوزخ ہیں کہ یہی آخرت میں خوف ناک مُعدتوں میں اُس کے سامنے آئیں گے اور ستائیں گے۔

اس سے صحت عقلمندوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موفیہ بھی فلاسفہ کی طرح جنت و دوزخ کو خیالی چیز سمجھتے ہیں موجود اور مشاہد نہیں مانتے۔ موفیہ کے کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ موفیہ کے نزدیک جنت و نار اس دُنیا سے الگ موجود اور مستقل مخلوق ہیں۔ چنانچہ بعض نے اپنے کشف سے جنت دوزخ کی پیمائش تک بیان کر دی ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور نعمتیں انسان کے اعمال سے ملتی جلتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خود کچھ لے گا کہ قیمتِ فلاں عمل کا صلہ ہے اور یہ نعمتِ فلاں عمل کی سزا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو حضرت شارد نے بیان فرمایا ہے کہ جو امور دُنیا میں معنوی تھے وہ آخرت میں محسوس و مشاہد ہوں گے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جنت دوزخ محض خیالی ہیں بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو چیزیں دُنیا میں خیالی سمجھی جاتی ہیں، وہ



آخرت میں خیالی نہ رہیں گی بلکہ محسوس و مشاہدہ بن جائیں گے۔

بعض لوگوں نے شیخ ابن عربیؒ کے کلام سے یہ سمجھا ہے کہ دوزخ کچھ مدت کے بعد فنا ہو جائے گا اور کفار و مشرکین کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سو جان لینا چاہیے کہ شیخ کے کلام میں یہ معنوں ملامدہ نے طعن کر دیا ہے، شیخ کا یہ مذہب ہرگز نہیں وہ نصوص قطعیہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایوانیت والوں پر اس قدر تیراچ کر دی ہے کہ شیخ کی قصوں کا جو صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے اُس میں کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ ہاں بعض نسخوں میں کچھ باتیں خلاف شرع ملتی ہیں سو تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن میں ملامدہ اور یہود نے الحاق کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔



## باب

## حدیث

## اقران الحج والعمرة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دہری حقیق میں سٹا فرتے تھے کہ آج ذات میرے پاس میرے رب کا طرف سے ایک قاصد آیا (جس نے یہ پیام پہنچایا کہ) اس مبارک میدان میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ عمرہ بھی حج کے اندر ہے۔

شرح حضرت شامی کو اس حدیث پر ایک اشکال واقع ہوا ہے جس کا جواب بھی اپنے مذہب کے موافق دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ عمرہ فی حجة (عمرہ بھی حج کے اندر ہے) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد ملایا گیا حالانکہ قواعد شروع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد نہیں کیا جاتا بلکہ حج کو احرام کے بعد کیا جاتا ہے مگر حنفیہ کے مذہب پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک اعمال حج شروع کرنے سے پہلے عمرہ کا احرام اور اعمال عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے اور اگر اعمال شروع کر دیئے گئے تو حج پر عمرہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، عمرہ پر حج کا اضافہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک اعمال حج یا عمرہ شروع نہیں کئے تھے کیونکہ ابھی تک آپ تکبیر نہیں پہنچے تھے اور اعمال حج و عمرہ تک پہنچ کر ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ

وادی العقیق کا ہے یعنی ذوالحلیفہ کا جو مدینہ سے چھ میل ہے اور مدینہ والوں کی ریتات ہے۔ اسی جگہ سے وہ احرام باندھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں باندھا تھا نہ حج کا نہ عمرہ کا کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نے یہ پیام پہنچا یا کہ اُس وادی مبارک میں نماز پڑھیے اور نماز کے بعد عمرہ و حج دونوں کا احرام ساتھ ساتھ باندھئے جس کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ حدیث غنیہ کے اس دعوئے کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مفرد یا متمتع نہ تھے۔ اس کے بعد شارح نے طائفہ کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے۔ اور اُس کی کیفیت میں اس قدر اختلاف روایت ہے کوئی کتاب ہے آپ قارن تھے کوئی کتاب ہے مفرد تھے کوئی کتاب ہے متمتع تھے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے صحابہ کی نقل پر وثوق نہیں رہتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو پوری طرح ضبط نہیں کر سکے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹ کا احتمال خبر میں ہو سکتا ہے استدلال اور نظر میں نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عام طور پر بطریق اطلاق) یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے قرآن کیا ہے یا متمتع۔ اگر یہاں ہوتا اور پھر بھی صحابہ نقل میں اختلاف کرتے تو اشکال ہو سکتا تھا اور جب ایسا نہیں بلکہ ہر شخص نے آپ کے انحال سے ارادہ و نیت پر استدلال کیا ہے، استدلال میں اختلاف ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام کے ساتھ اپنے قلدن ہونے کو اس لیے ظاہر نہیں فرمایا کہ پھر سب ہی قارن بننے کی کوشش کرتے اور سب کے لیے قرآن مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں احرام طویل ہوتا ہے طویل مدت تک ملاحظہ احرام سے پہنا ہر اک کو آسان نہیں۔ پھر قارن پر قربانی بھی واجب ہے جس کی سب کو استطاعت نہیں۔

فدومرا جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قرآن کا حکم دیا کسی

کو قلعہ کا کسی کو افراد کا تاکہ سب غور قوں کا جواز معلوم ہو جائے۔ ناظرین نے اس امر کو آپ کا فعل قرار دیا اور محاورات میں ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وجہ حبیبی صلی اللہ علیہ وسلمہ ماحزا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحز کو رجم کیا بلکہ آپ نے خود رجم نہیں کیا صرف حکم دیا تھا۔ اسی طرح بولا جاتا ہے نبی السعیر المدینۃ امیر نے فلاں شہر بنایا۔ حالانکہ وہ خود نہیں بنانا صرف حکم دیتا ہے۔ غرض حکم کو فعل کہہ دینا محاورات میں شائع ہے۔

تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نیت کی تھی اور قادیان پر یہ واجب نہیں کہ تبلیہ میں ہر دفعہ حج و عمرہ دونوں کا نام لیا کرے بلکہ ایک دفعہ دونوں کو جمع کر کے بھر ایک کے ذکر پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔ تو آپ نے کبھی تو بئیک بعمرہ وعتہ کہا جس نے اُس کو سنا اُس نے کہا حضور قلن تھے کبھی فرمایا بئیک بھتہ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ مفرد ہیں۔ اُس نے افراد کی روایت کی۔ کبھی فرمایا بئیک بعمرہ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ متبع ہیں۔ اس اس سے تو حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا جس نے بھی اُس کو سنا محفوظ رکھا اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دیا۔ اب یہ مجتہد اور محقق کا فرض ہے کہ تمام روایات کو جمع کر کے داغ اور مرجوح کو معلوم کرے چنانچہ بحمد اللہ محققین نے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قادیان تھے۔ کیونکہ میں سے اُپر جمع اور مرجوح حدیثیں اس پر دال ہیں اور دس وجوہ سے ان روایات کو دوسری روایات پر ترجیح ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو زاد المعاد ابن القیم ص ۱۶۷ ج ۱ کا مطالعہ کرے۔ یا اطرا السنن ص ۱۰۷ سے مراجعت کرے۔

(لطیفہ) حضرت حکیم الامت نعمۃ مرقہ نے بواہر النوادر میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک عالم سے جو کہ فارسی میں احقر کے استاد ہیں ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کن کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اُن کے

اکثر مسائل مختلف نہیں ہیں۔ اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں مستند فیصلہ ہو جاتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہی دلیل ہے اُن کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا انھوں جسکے محل تحقیق مسالہ ہوں جبکہ ماریات مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔  
ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل صحیح ہی کے واقعہ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو بھی نہیں چھوڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بئیک کس وقت کہا تھا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجرید میں بھی اختلاف ہے کہ آپ نے کس وقت بئیک کہا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی توجہ کیا تھا اس لیے اُن میں اختلاف ہو گیا۔ میں سب سے زیادہ اس کو جانتا ہوں (کیونکہ میں آپ کے قریب تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح کے ارادے سے تشریف لے چلے جب آپ نے مسجد نبوی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں اُسی جگہ احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بئیک کہا۔

کچھ لوگوں نے سنا اور اُس کو محفوظ کر لیا (اُنہ کی روایت یہی ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد بئیک کہا) پھر آپ ناقہ پر سوار ہوئے جب ناقہ آپ کو لے کر کھڑی ہو گئی اُس وقت بھی بئیک کہہ بعض لوگوں نے اُسی وقت آپ کا تجرید سنا کیونکہ مجمع صحت زیادہ تھا سب آپ کے پاس نہیں رہ سکتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے پاس سے گزرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ حضور نے اُس وقت بئیک کہا جب ناقہ کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ اگے بڑھے جب بیواہ کی بلندی پر چڑھے اُس وقت بھی بئیک کہا۔ بعض لوگوں نے اس وقت آپ کا تجرید سنا پہلے نہیں سنا تھا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواہ کی

باندی پر پڑتے ہوئے تلخہ کما اور خُدا کی قسم! حضورؐ نے اپنی نفل (احرام) ہی کی جگہ (پہلے) بَنیک کما اور ناکہ کے کھڑے ہونے کے وقت بھی (دوبارہ) بَنیک کما اور باندی بیدار ہو بھی بَنیک کما (کیونکہ احرام کے بعد تو ہر اختلافِ حال میں بَنیک کما مستحب ہے) سیدنا جبریلؑ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابن عباسؓ کی روایت کو یا وہ اسی جگہ بَنیک کہتے ہیں جہاں (احرام) کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور شرطِ مسلم پر یہ کہا ہے۔ ذہبی نے اُس کی تائید کی ہے اور یہ روایت سنن ابی داؤد میں بھی ہے اور ابلفتح کا عمل اب اسی ہے۔

اسی طرح آپ کے حج کی ہر ہر بات کو صحابہؓ نے محفوظ کر کے روایت کیا ہے مثلاً مدینہ سے کس دن خروج ہوا؟ کس وقت کوئچ ہوا؟ غمر کہاں پڑھی غمر کہاں پڑھی؟ راستہ میں کس مقام پر نزول ہوا؟ کتنی جگہ چٹاؤ ہوا۔ ہر سفر پر آپ کس جگہ پر کھڑے ہوئے کہاں پیشاب کیا؟ کہاں اونٹنی کو پکڑ دیا؟ کس جگہ غسل کیا کس جگہ کھانا؟ مکہ میں کس راستے سے داخل ہوئے؟ کس دن اور کس وقت داخل ہوئے مکہ میں داخل ہو کر کس دروازے سے بیت اللہ میں آئے؟ اتے پہلو پہلے کیا کام کیا؟ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ کس تاریخ کو منی کی طرف چلے؟ منی میں کتنی نادریں پڑھیں؟ وہاں سے عرفات کی طرف کب چلے؟ عرفات کس وقت پہنچے؟ وہاں کیا خطبہ دیا؟ وہاں سے کب لوٹے؟ اور کس راستے سے واپس ہوئے؟ راستہ میں کہاں وضو کیا؟ کہاں پیشاب کیا؟ مزدلفہ کب اور کس وقت پہنچے؟ مزدلفہ میں کتنے قیام ہوا وہاں سے کس وقت کوئچ ہوا؟ منی کب پہنچے؟ وہاں آتے ہی پہلے کیا کام کیا۔ کس ترتیب سے کیا؟ لوگوں نے اس تمام سفر میں آپ سے کیا کیا مسائل دریافت کئے؟ حضورؐ نے اُن کا کیا جواب دیا؟ منی میں کتنے خطبے دیئے؟ اُن میں کیا فرمایا؟ طوافِ زیارت کب کیا؟ ری جہد کس طرح کیا؟ منی سے واپس ہو کر کہاں نزول ہوا؟ وہاں سے مدینہ کو کس وقت تلخہ کس دن واپس ہوئی۔ پھر واپسی کے حالات سے بھی اس تفصیل سے بیان کئے

تھے۔ کوئی ہے جو اس اہتمام کی مثال پیش کر سکے۔

**فضیلتِ انسانی** حدیث سے انسان کی فضیلت میں تمام مخلوقات پر مضمون چورہی ہے کیونکہ کسی مکان یا زمان کی فضیلت ہی انسان کے قائدہ کے لیے ہے کہ وہ اُن میں عبادت کا ماور ہے اور اُس کا ثواب بڑھا ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْمَسْئُوتِ وَالْحَافِ الْاَرْضِ جَمِيعًا مَنَّهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّعَوْنِ مَن يَتَفَكَّرُ وَفَاؤُا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے اپنی طرف سے (اپنے حکم سے) اون تمام چیزوں کو سخر کر دیا (یعنی تمہارے کام میں لگا دیا) ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں (کیونکہ اگر انسان نہ ہو تو ان کا کوئی نقصان نہیں اور یہ نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جائے، اس سے ہر شخص کچھ سکتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات انسان کے واسطے ہیں۔ انسان اُن کے واسطے نہیں۔ تو کیا انسان اثراتِ المخلوقات ہو کر بیکار محض ہے اس کے متعلق کوئی کام نہیں؟) یقیناً اس میں دلالت ہے اُن لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں (وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان چیزوں کو ہمارے کام میں لگانا ہمارے بس کی بات تو نہیں کیونکہ چاند، سورج، ستارے، چار بادل، جزا اور دریا ہمارے بنائے ہوئے نہیں نہ اُن کے نظام پر ہم کو تقدت۔ اسی طرح زمین سے جو ہمارے واسطے غلہ پھل ترکاری اور اقسامِ دانواری کی نعمتیں پیدا ہو رہی ہیں، جانوروں سے دودھ وغیرہ مل رہا ہے ہم نے اُس میں کچھ نہیں کیا؟ پھر کس نے ان چیزوں کو ہم سے واسطے بنایا اور سب کو ہمارے کام میں لگا دیا؟ اسی نقطہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اُس کی نعمتوں کا فکرا کر کے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا اور اُس کے راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی فکر ہوتی ہے اور انسان کچھ جانتا ہے کہ جس نے میرے واسطے یہ تمام سامان کیا ہے اُس نے ضرور میرے فرائض بھی کچھ رکھے ہیں اور ایسا مہربان مالک مجھے بند میرے اور مگر ای میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد اُس کو دوسلوں اور راہنماؤں کی

کاش ہوتی ہے۔ پھر عابِ مادی محروم نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری پتے رسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ جاتا اور قرآن و حدیث سے اپنی طلب کی پیاس بجھا سکتا ہے (طرحِ ان تمام مخلوقات سے ہیں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور جہاں سے جی اُپر رحمت ہو رہی ہے۔

قوله وفيه دليل على ان الله عز وجل يفضل ما يشاء من خلقه الى قوله فكانت العائدة لنا وصحة بنا۔

فت۔ شریعت نے تو کسی زمان یا مکان کی فضیلت اس لیے بتائی تھی کہ ہم اُس میں عبادت کر کے ثواب زیادہ حاصل کریں۔ لیکن اب اس فضیلت کو اسو و لعاب کا ذریعہ بنایا گیا ہے یا آمدنی وصول کرنے کا وسیلہ۔ چنانچہ شبِ قدر کی فضیلت کا یہ مشر ہو رہا ہے کہ اُس رات تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے تو مسجد میں فضول چرائنا کی جاتی ہے۔ مٹھائی کا انتظام ہوتا ہے اور سجدہ میں وہ شور و غل برپا ہوتا ہے کہ دُسمہ کا ادب ملحوظ رکھتا ہے نہ نماز پڑھنے والوں کی نماز کا خیال کیا جاتا ہے۔ عید و بقرہ عید کا دن خوشی کا ہے تاکہ سب مُسلمان بھج ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ذکر اللہ زیادہ کریں، اللہ کا بول بالا کریں۔ اُس کو بھی تا شاہت لگایا۔ بہت آدمیوں کی عید تو کچروں کی عید ہوتی ہے۔ نماز کا اہتمام برائے نام ہوتا ہے اور عید کی نماز کے بعد تم نوجوانوں کو ہونٹوں اور سیہ ٹانگوں میں رنگ دیاں ملتے پاؤں گے استغفر اللہ! عاشورہ محرم میں روزہ کی فضیلت ہے اُس میں وہ خلافات ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی رام لیلہ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

ربیع الاول میں ولادتِ نبویہ کی وجہ سے فضیلت اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پید و دو سلام زیادہ پڑھا جائے۔ آپ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کیا جائے مگر لوگوں نے اس کو بھی ایک شمار بنالیا جس میں سوائے محفل میلاد کے اور کچھ نہیں ہوتا اور میلاد بھی اپنی طرف سے ایک خاص شخصیت اختراع کر کے منقذ کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کئے ہی قیام



کیا جاتا ہے اور قیام میں لگے ملا کر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ پھر حاضرین کو مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور میلادِ خوان کو نذرانہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طریقہ کو بدعت کہے تو اُس کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ میلادِ خوانوں کے نذرانے موقوف ہوتے ہیں مگر یہ موصوت اُسی وقت تک لگتی ہے جب تک میلادِ خوانوں کو نذرانے مل رہے ہیں اور اگر عامرِ مسلمین اُن سے برابر میلاد پڑھائیں اور نذرانہ بند کر دیں تو میں پککت ہوں کہ وہ خود بھی اس کو بدعت کہنے لگیں گے۔ مسلمانوں کو کچھ لینا چاہیے کہ اشتہار لانے جس زمین یا مکان کو فضیلت دی ہے اُس میں عبادت مطلوب ہے۔ لہٰذا ولپ اور جشن آرائی مطلوب نہیں۔ اب وہ خود فیصلہ کریں کہ ان کا عمل مقصود شریعت کے موافق ہے یا خلاف۔ واللہ المستعان۔

واقعہ یہ ہے کہ ان ایامِ فضیلت کے آنے سے پہلے جو حالت ہمدی ہوتی ہے وہی ان ایام میں بھی باقی رہتی ہے اور ان کے بعد بھی۔ مزان ایام میں عبارت کا اہتمام ہوتا ہے مزان کے بعد پھر بعض ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ؟ یعنی رقم ان ہنگامہ آرائیوں میں ہر سال صرف ہوتی ہے اگر اُس کو کسی تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں کی حالت سنھل جاتی اور ان ایام میں اپنی حالت درست کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو نصرتِ خداوندی شامل حال ہوتی مگر لوگ صرف ہنگامہ آرائی کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں عمل کا اہتمام بالکل نہیں۔



## باب شش

## حدیث

## الانابة عن الحج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج واداع میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہو گیا ہے۔ مگر وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر ہم دگر بیٹھ نہیں سکتا تو میں کیا اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں! (کر سکتی ہو)۔

مفسرین کا ہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اب گفتگو یہ ہے کہ مفسرین کیا حج فرض اور فضل دونوں میں نیابت ہو سکتی ہے؟ جیسا امام شافعی سے منقول ہے یا صرف نفل میں ہو سکتی ہے فرض میں نہیں۔ سو اس عورت نے اپنے باپ کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ سواری پر نہیں جم سکتا اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اُس پر حج فرض نہ تھا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ من استطاع الیہ مہیلا کہ (حج اُس پر فرض ہے) جو راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس شخص کو طاقت نہ تھی تو اُس پر فرض عائد نہ تھا مگر سال کرنے والے کے سوال میں تصریح ہے کہ فریضہ حج اُس کے باپ پر عائد ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔ اس سے زیادہ مہربان عبداللہ بن زہیر کی حدیث ہے کہ ایک شخص قبیلہ نضیم کا صفحہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے اسلام قبول کر

یہ ہے۔ وہ بُست بُوڑھا ہے سواری پر نہیں جم سکتا ہے اور گناہ اُس پر فرض ہے تو کیا نہیں اُس کی طرف سے گناہ کر سکتا ہوں؟

فرمایا کیا تم اُس کے سب سے بڑے بیٹے ہو؟ کہا ہاں! فرمایا بھلاؤ اگر تباہ باپ پر رکھی کا دین ہوتا اور تم اُس کو ادا کر دیتے تو کیا اُس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ کہا ہاں! فرمایا تو میں تم اُس کی طرف سے گناہ کرو۔ رواہ احمد و انسائی و قال المحافظان اسنادہ صالح ص ۳ ج ۱۰-۱۱

اس میں سوال کرنے والے نے اپنے باپ کی حالت بیان کر کے صاف کہا کہ اُس پر حج فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا رد نہیں کیا بلکہ ادا دین کی مثال دے کر اُس کو حکم دیا کہ اپنے باپ کی طرف سے گناہ کرے۔ اسی لیے امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ محنت بدن و امن طریق شرط وجوب ادا ہے۔ شرط نفس وجوب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من استطاع ابہ سببہ کی تفسیر میں مروت زاد و راحلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ محنت بدن و امن طریق وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا تو میں میں زاد و راحلہ کی قدرت موجود ہے اُس پر حج فرض ہو گا۔ اب اگر مرمن اور ضعف وغیرہ بھی نہیں تو خود حج کرنا فرض ہے اور اگر کوئی مرمن یا راستہ کی بدنامی یا بڑھاپا مانے ہو گیا تو خود حج کرنا فرض نہیں بلکہ حج بدل کر دینا یا وصیت کر جانا فرض ہے یہی قول صحیح ہے اگرچہ مذہب میں ابھی رعایات ہیں۔ ہر حال یہ حدیث حج فرض میں جواز نیابت پر مال ہے اور نفل اُس کے تابع ہے ۱۲۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ (حج کی طرح) اور طاعات بذریعہ بھی نیابت جائز ہے یا نہیں (جیسے نماز۔ روزہ) تو محمد کے نزدیک جائز نہیں اور جن آثار نے حج میں نیابت جائز کی ہے مروت اسی حدیث کی وجہ سے جائز کی ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ان میں بھی اختلاف ہے کہ یہ حدیث حج فرض کے معلق ہے یا نفل کے۔ دوسرے حج میں اتفاق مال کی محنت غالب ہے طاعت بذریعہ

اُس کے تابع ہے اور عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے اور فرض مالی میں بلا احتکاء جائز ہے۔ باقی عبادات بذریعہ (مختار) میں نیابت جائز نہیں۔ صرف بعض لوگوں نے شذوذ کے طور پر خلافت کی ہے (یعنی وہ حاضر فقہاء سے الگ ہو کر ایسا کتے ہیں) کہ اگر کوئی مرجائے اور اس کے فتنے فرض روزہ ہو تو ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا (بلکہ غیبی ادا کر سکتا ہے)۔

ایک حدیث میں (یہ لفظ) وارد ہوا ہے یسوعی عنہ و لیسہ کہ ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ بعض علماء نے اس پر عمل کیا مگر جمہور کے نزدیک اس پر علم را مدیح (طحاوی سے ثابت) نہیں ہوا۔ (جمہور کہتے ہیں کہ جن صحابہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اُن کا فتویٰ خود اُس کے خلافت ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: لا یصلیہ احد عن احد ولا یصوم من احد عن احد ولكن ان کنت فاعلا فصیمت عنہ او احدیت۔ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اُس کی طرف سے صدقہ کر دیا ہدی کر دو۔ یعنی قرآنی کہ کے غریب کو بانٹ دو ۵

یہی یا تو یہ کتنا چاہیے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے وہ حکم ابتدائی اسلام میں ہو گایا یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث اُس صورت میں ہے جب بیت نے وصیت نہ کی ہو یا وصیت کی ہو مگر کچھ مال نہیں چھوڑا تو وارث پر فدیہ واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ چاہے اپنے پاس سے غیبی ادا کر دے یا نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر میت کو اُس کا ثواب پہنچا دے اور دوسری حدیث اس صورت میں ہے جب میت نے وصیت کی ہو اور مال بھی چھوڑا ہو۔ اس وقت وارث کا نماز روزہ کی میت نہ کر گیا بلکہ فدیہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہذا عن تفصیل ما ذکرہ الشرح فی المقام وابسط فی الاطلاع و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۹۱) کسی کی طرف سے دُوسرا استفتاء کر سکتا ہے جہاں کہ مسئلہ معلوم

شرعی معلوم کرنے میں نیا بت جائز ہے (کہ کسی کی طرف سے دُوسرا استفتاء کر لے) چنانچہ اس عورت نے اپنے باپ کے متعلق استفتاء کیا اور حضور ﷺ نے حکم شرعی بتا دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اپنے باپ سے کو وہ خود اگر سوال کرے (نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی دُوسرے کی طرف سے حکم شرعی دریافت کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے بات چیت کرنا اور اجنبی مردوں کا اُس کی آواز سُنتا جائز ہے اگرچہ اُس کی آواز بھی عورت ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) جس کا سُنا اجنبی کو جائز نہیں مگر ضرورت میں جائز ہے (اور یہ موقع ضرورت کا تھا کہ حکم شرعی معلوم کرنا تھا) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم شرعی معلوم کرنا تھا) کی بات کو سُنا (اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور اُس کو بات کرنے سے منع کر دیتے اور فرماتے کہ کسی محرم کے ذریعے سے سوال کرو) اور اس سے معلوم ہوا کہ متقی حکام اور فقہاء کے ساتھ (اُن کے دربار وغیرہ میں) بیٹھنا جائز ہے اگرچہ اُن کے پاس مرد اور عورتیں سب ہی آتے ہوں۔

کیونکہ میں وقت اس عورت نے سوال کیا تھا اُس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ نے حکم شرعی معلوم کر کے ساتھ تھے اور دُوسری احادیث میں بھی یہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں حاضر رہتی تھی۔ اسی طرح احکام شرعیہ کا تقرر ہوا ہے بلکہ آپ نے جن کو بھی جو کچھ بتلایا اور جس کے بھی سوال کا جواب دیا صحابہ کی ایک جماعت اُس کو سُنتی اور محفوظ کرتی تھی۔ پھر انہوں نے بعد والوں کو احکام پہنچائے جو کتب حدیث میں جمع کر دیئے گئے (اگر یہ عورت دُوسروں کے لیے جائز نہ ہوتے، صرف آپ کی ذات سے خاص ہوتی کہ وہاں تقریر احکام کے لیے اُس کی ضرورت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو ضرور ظاہر فرمادیتے

دیتے دگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا عمل بھی اسی پر رہا کہ اُن کی مجلس میں بھی ایک خاص جماعت اہل شوریٰ کی رہتی تھی جو حضراتِ خلفاء کے احکامات کو سُنتے اور محفوظ کرتے اور ضرورت کے موقع پر مشورہ بھی دیتے تھے۔

قوله فيه دليل على جواز النجاسة في العلم الى قوله لكان  
يذكر ذلك دليلاً

ف۔ صوفیاء کے نزدیک بھی ایک شخص دُوسرے کے متعلق سوال کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس کی غرضی حالت کے متعلق سوال نہ ہو۔ مثلاً یہ سوال کر سکتا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہے وہ بیماری میں اپنے معمولات پُورے نہیں کر سکتا تو کیا کہے؟ لیکن یہ سوال نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص میں بد شکا ہی کامرمن ہے اُس کو کیا کرنا چاہیے یہ سوال مرعین کو خود کرنا چاہیے۔ وظن هذا قیاس۔

ف۔ ضرورت کے موقع پر عورت کو عالم کے پاس جانا اور حکمِ شرعی دریافت کرنا جائز بلکہ بعض دفعہ واجب ہے جب کہ اس کے سوا کوئی عہد نہ ہو مگر عالم کو تہائی میں عہد توں سے بات نہ کرنا چاہیے یا تو اپنے گھر والوں کے سامنے بات چیت کرے یا مجمعِ عام میں۔ اگر عالم کے گھر پر سوال کرنے کا موقع مل جائے تو عورت کو عالم کے سامنے نہ آنا چاہیے بلکہ پردے کے پیچھے سے بات کہے اور اگر عالم کے گھر والوں میں سے کوئی اُس قابل ہو کہ سوال سمجھ کر صحیح طور سے عالم کے سامنے بیان کر سکے تو اجنبی عورت کو خود بات نہ کرنا چاہیے بلکہ بواسطہ سوال کرنا چاہیے اور اگر اُس کے گھر والوں میں کوئی سوال کو صحیح طور سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ خود پردے کے پیچھے سے بات کہے اور مجمعِ عام میں سے سوال کی ضرورت ہو تو عورت کو مُنہ کھول کر نہ آنا چاہیے، بلکہ برقعہ پوش ہو کر آنا چاہیے۔

اور اس عورت نے جس کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے مُنہ کھول کر اس

blogspot.com

۲۵۲

یہ بات کی کہ وہ احرام کی حالت میں تھی اور حالت احرام میں عورت کو منہ کھونا جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ زمانہ حج میں جو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کے منہ کھولنے سے اب تک کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی لٹاؤ فساد پر نظر کر کے آج کل فقہاء نے حالت احرام میں بھی عورتوں کو منہ پھیلانے کی تاکید کی ہے۔ مگر کپڑا منہ سے چلندہ رہتا چاہیئے۔ جس کے لیے اس قسم کے کپڑے اچھے ایجاد ہو گئے ہیں جن کو سر پر دیکھنے سے نقاب چہرہ سے الگ رہتا ہے۔

## باب ۹

## حدیث

## ما یلبس المعمر فی الحج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! معمر کون کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (معمر) قمیص و پسنہ و عمامہ باندھے، نہ پانچواں پہنے نہ برنس (لمبی ٹوپی کا نام ہے جو زمانہ قدیم میں استعمال میں جو پڑے۔ مگر گھردن سمیت محیط تھا) اور نہ موزے پہنے مگر یہ کہ کسی کے پاس نعل نہ ہو (وہ جو نہ جس میں ایڑی نہیں ہوتی) تو وہ موزے پہن سکتا ہے، بشرطیکہ اُن کو گھسنے سے نیچے (دکڑے) لات دے اور کونسا ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا دوسرے لگی ہو یہ بھی ایک گھاس ہے خوشبودار جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حالت احرام میں ان کپڑوں کا پہننا اور ایسے شجر موزے پہننا جس سے نکلنے ڈھک جائیں اور زعفران دوسرے رنگے ہونے کپڑے پسنہ کنوٹ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ مخالفت ان ہی چیزوں میں ضرر نہیں بلکہ بعض کو بیان فرما کر تنبیہ کی گئی ہے جو اُن کے مشی ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۱۹۲) گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ مخاطب سمجھ جائے۔ یہ سانی سے اس



حرۃ کلام ۲ چاہیے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کچھ عجیب ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ سے اسی حرۃ کلام فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ اس جواب سے پوری بات کچھ جائے گا تو آپ اتنی سی بات پر اکتفا نہ کرنے جو حدیث میں مذکور ہے بلکہ مبالغہ کر کے ساتھ تشریح فرماتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث نبویؐ اور قرآن شریف میں زبان عربی کے قاعدے کے موافق ہی طور کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت نہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَاذْهَبْ يَسْأَلُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَنْ يَّهْتَدِيَ (ہم نے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ کچھ جائیں، یعنی بقاعدہ زبان عربی جس مطلب کو کلام مقتضی ہے اُس کو کچھ جائیں تاکہ اُن سے جس بات کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کو کچھ کر نصیحت حاصل کریں اور اُس پر عمل کریں)۔

قوله ان اذْهَبْ يَسْأَلُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَنْ يَّهْتَدِيَ

قوله يَتَذَكَّرُ اَنْ يَّهْتَدِيَ

فت۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ بات صاف ہو اور پوری ہو اور صوری نہ ہو تاکہ مخاطب اچھی طرح مطلب سمجھ جائے۔ جن لوگوں نے حضرت کے مکاتیب و رسائل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مختصر بھی کافی ہوتا تھا۔ صوفیہ اور علماء کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

فت۔ جو لوگ قرآن و حدیث میں بدون ذوق عربیت کے غور کرنا چاہتے ہیں، اُن کی فطرت میں داخل ہو گئی۔ آج کل بعض جہل صوفیاء قرآن سے اپنے طریقہ کو قواعد عربیت کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ محض ترجمہ دیکھ کر محمد بن جانا چاہتے ہیں۔ بعضے تھوڑی سی صرف و نحو پڑھ کر قرآن و حدیث سے مسائل کا مستنبط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب قرآن و حدیث میں تحریر کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو عربی زبان سے لائق نہ ہو اُس کو علماء، محققین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ فاسٹو

اہل الذکر ان کتبم تعلیم -

(۱۹۳) مسائل جزیئہ کی تحقیق بھی جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل جزیئہ کی تحقیق کرنا جائز ہے کیونکہ اس شخص نے جزیئات ہی سے سوال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو جواب دیا جس سے اس قسم کے سوال کا جواز معلوم ہو گیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (مسکام) دین کا پوچھنا ضرورت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ اُس شخص نے عزم کے لباس کو دریافت کیا حالانکہ وہ اس وقت محرم نہ تھا کسی کے مناسب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک مات وہ اپنے زمانہ کے ایک امام کے پاس رہے جن پر عبادت کا ذریعہ غلبہ تھا۔ اگرچہ اُس زمانے کے سبھی ائمہ کا یہی حال تھا مگر پھر بھی بعضوں پر کسی ایک شان کا غلبہ ہوتا تھا، تو وہ امام قورات بھرنار میں مشغول رہے اور امام شافعی بیٹے رہے۔ مجھ کو اُن عالم کی بیوی نے کہا یہی وہ امام شافعی ہیں جن کی آپ تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ قورات بھرنار پڑھتے رہے اور وہ رات بھر بے جس و حرکت بیٹھے رہے۔ اُن بزرگ نے اپنی بیوی کی بات کا تذکرہ امام شافعی سے کیا تو فرمایا کہ میں آج رات بھر استنباط مسائل میں مشغول رہا اور اسٹی (۱۰) منٹے دلیل و برہان کے ساتھ اپنے ذہن میں جمع کر لیے۔ اُن بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ جس کے بیٹے رہنے پر تُو نے اعتراض کیا تھا اُس نے اس رات میں اسٹی مسائل استنباط کئے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ بھی میری ساری عبادت سے افضل ہے کیونکہ میری عبادت تو صرف میرے لیے ہے اور مسائل کا استنباط ساری امت کو نافع ہے جس سے قیامت تک وہ دین کا راستہ معلوم کرے گی، ذرا تم ان حضرات کی بزرگی اور باہمی انصاف اور علم کے احترام کو تو دیکھو اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (واقعی یہ حضرات امام تھے) اور یہی حق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ ہر عالم دوسرے کا احترام کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کے

واسطے احترام کرے)۔ قولہ وفيہ دلیل علی البیہت فی جنایات الدین الی  
قولہ وحوالہ اذالان پلہ -

فت۔ اسی قسم کا واقعہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا امام شافعی کے ساتھ  
منقول ہے کہ امام شافعی اخیر شب میں مسجد کو اُٹھے اور امام محمد بیٹھے رہے۔ صبح کو  
امام شافعی نے دریافت کیا کہ آپ نے رات مسجد کیوں نہیں پڑھا؟ فرمایا تم نماز میں  
قرآن پڑھ رہے تھے اور میں اُن آیات سے مسائل استنباط کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ  
دوسرے زیادہ مسائل میں نے جملہ کر لیے اس لیے مسجد کو نہ اُٹھا۔ یہ ہیں وہ حضرات  
جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے فوہم العالمد عبادة عالم کاسونا اور لئنا بھی  
عبادت ہے۔

حضرت عظیم الامت نور اللہ مرقدہ کی عادت تھی کہ سوتے ہوئے چنیل کاغذ  
اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ اگر رات کو کوئی مسئلہ علم ظاہر یا علم باطن کا قلب پر  
وارد ہوتا تو فوراً جی بھلا کر اُس کو لکھ لیتے تھے۔ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ دن میں  
ڈاک چوری نہ ہوئی تو رات کو مسجد کی ناز بلی ہلکی رکعتوں سے ادا کر لی اور ڈاک  
لکھنے بیٹھ گئے۔ کیونکہ اس میں طالبین کی اصلاح و تربیت ہوتی تھی جو مسجد  
سے اہم واقعہ ہے۔

فت۔ حضرات نقباء نے استنباط مسائل کے لیے مسجد کو ہمیشہ ناغہ نہیں کیا بلکہ  
ایسا اتفاق کبھی کبھی ہو جاتا تھا جبکہ قلب پر دفعہ مسائل کا ورود ہونے لگا اور  
تہجد میں مشغول ہونے سے اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا وہ  
حضرت نقباء کو علم ظاہر کے ساتھ عبادت کا بھی بہت زیادہ اہتمام تھا اس عمل  
ہی کی برکت سے علم ظاہر میں ترقی آور تہجد پیدا ہوتا تھا اور اسی کی برکت سے  
بعض دفعہ اُن کے قلب پر دریائے علم موجزن ہوتا تھا تو اس وارد کا حق لہا  
کرنے کے لیے اُسی میں مشغول رہتے اور اس وقت تہجد کو ناغہ کر دیتے پھر  
بعد طلوع آفتاب کے اُس کی قضاء کر لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ وارر کا غلبہ

ہیشہ نہیں ہوا کر ۳۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر شغل مونی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مہمان بنوئے۔ عشاء کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مونی صاحب سے فرمایا اگر تجھ پر مہمان چاہتے ہو تو اپنا پیٹنگ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس لے جاؤ وہ اس کو اپنے گھر بھی لے جاؤ گے اور اگر سنا چاہتے ہو تو اپنا پیٹنگ میرے ساتھ لے جاؤ۔ مونی نے کہا میں تو آپ ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ اس رات دونوں حضرات صبح تک سوئے ہی رہے۔ صبح کی نماز کے بعد وہ مونی کے لئے سوہا اسی نیند تو روز نماز دیا کرو۔ واللہ! رات بھر اذتھائے کا ایسا حضور رہا کہ مجھے نماز میں بھی اب تک ایسا حضور حاصل نہیں ہوا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا بھائی ہمارے پاس تو میں یہی ہے۔ اللہ اللہ! ایسے حضرات کی نیند پر اتھوڑا کے ہزار تمہد قربان ہے

کار پا کاں را قیاس از خود گیر  
گر بہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۱۹۴) اسرارِ حج کا بیان کیا گیا ہے کہ بڑا ہوا کپڑا نہ پہنے خوشبودار لگائے۔ زینت نہ کرے اس کی کوئی حکمت ہے یا معنی تعبیر ہے جس کی علت عقل میں نہیں آ سکتی؟ اگر معنی تعبیر ہے تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ قواعد شرعیہ حکمت پر مبنی ہیں تو اس کی حکمت میں غور کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب اللہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں ایک ہی نشانی نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں چنانچہ حکم لگے سے پہلے ارشاد ہے فیہ آیات، بیانات، بیات اللہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور یہ لفظ عام ہے جو معنوی حکمتوں اور معنوی نشانیوں کو شامل ہے یا حتیٰ نشانیاں کیساتھ ہے جیسا جن علما نے فرمایا ہے (کہ بہت سے) ایک نشانی قدرت پر ہے اور ایک نشانِ قدرتِ قویہ ہے کہ بیت اللہ ہر سال ہر کسی کو گزر جاتا ہے یہ بھی محفوظ ہے جبکہ بڑے بڑے مدین کے محلات کا نام و نشان تک باقی نہیں بچتا مگر یہ

قدیم قرعہ است آج کو نیکو کی جگہ موجود نہیں ہے

ہے کہ وہاں (پہنچ کر) کوئی مخدوم نہیں دیکھا جاتا (بلکہ سب ہی ایک شان میں نظر آتے ہیں نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز) اور (دوسرا نشان قدرت) دیکھا جاتا ہے کہ ہر سال اُن پر لکریاں ماری جاتی ہیں (اور یہ سلسلہ ہزاروں برس سے چلا آ رہا ہے ہر سال لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل ہر جہرہ پر لاکھوں لکریاں مارتے ہیں) مگر اُن کا کوئی نشان وہاں باقی نہیں رہتا (حالانکہ اُن کے اٹھانے اور صاف کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے جس کا بھی چاہے تحقیق کرے تو عقل کا متقنا یہ تھا کہ اسی مقام پر لکریوں سے ایک پھاڑ بن جاتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو لکریاں قبول ہو جاتی ہیں اُن کو فرشتے اُٹھا لیتے ہیں) تو یہ (جتنی نشان قدرت) بھی اُن آیات کثیرہ کا ایک حصہ ہے (جن پر فی آیات بیانات میں اشارہ کیا گیا ہے اور تیسرا بھی نشان قدرت یہ ہے کہ زمین حرم کے اندر بھیڑ یا اور بکری ساتھ ساتھ دہکتے ہیں نہ بکری بھیڑ بٹے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑ یا اُس پر حملہ کرتا ہے اور جہاں زمین حرم سے باہر ہوئے پھر بکری بکری ہے اور بھیڑ یا بھیڑ یا)۔ تو اس میں سوچنے اور سمجھنے والوں کو تنبیہ ہے وہ غور کریں گے تو اُن کی سمجھ میں بہت سی نشانیاں قدرت کی پائیں گی۔ ان آیات کے علوم سے ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق حصہ لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس پر سکشف کر دیں کیونکہ اس میں عجیب عجیب حکمتیں ہیں۔

چنانچہ (باس احرام کے متعلق) اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو حکمت ہمیں معلوم ہوئی وہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حجاج اپنے گناہوں کا بوجھ اتارنے (اور گناہوں سے معافی چاہنے کو) جاتے ہیں۔ اس حالت کے مناسب یہی صورت ہے کہ ذلت کی شکل بنا کر جائے۔ لہذا بت نفس سے علیحدہ ہو کر جائے کہ وہی گناہوں میں مبتلا کرتی ہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے ملائکہ سے فرمایا: اِنِیْ جَاعِلٌ فِیْہِ رَضِیْخَۃٌ لِّرَیْضِیْنَ اِیْنِیْ رَیْضِیْنَ فِیْہِا وَیَسْفُکُ الدِّمَآءُ وَیَحْنُ النَّسِیْمَ یَحْمَدُکَ وَتَقْدِسُ مَلَکُ۔ کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو خلق کرنا چاہتے ہیں جو اُس میں

فدا کر دیے خون ریزی کریں گے اور ہم بھلائی آپ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (ہم اس کے لیے حاضر ہیں ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟) قال انی اعلم ما لا تعلمون سے اللہ تعالیٰ کو فہم آگیا (اور فرمایا میں جانتا ہوں جو کہ تم نہیں جانتے) تو فرشتوں نے سات وند عرش کا طواف کیا اور توبہ و استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی توبہ قبول کی پھر فرمایا زمین میں ایک گھر بناؤ جس کا گنہگار انسان طواف کرے تو میں اُن کی توبہ قبول کروں جیسا (عرش کے طواف سے) تمہاری توبہ قبول کی اور اُن کی بھی مغفرت کروں جب تمہاری مغفرت کی۔ (فرشتوں نے یہ گھر (کعبہ مطہر) بنایا تو جو اس غرض سے آئے۔ حکمت کا

عنا یہ حدیث میری نگر سے نہیں گزری البتہ کما علی قدی نے معالم التنزیل سے نقل کیا ہے کہ نام علی بن الحسین وزین العابدین اور علی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام البیت الموعود ہے اور فرشتوں کو اس کے طواف کا حکم دیا پھر چار فرشتے زمین پر رہتے ہیں اُن کو حکم دیا کہ ایسی تعمیر یہاں کے برابر زمین میں ایک گھر بنائیں۔ انھوں نے بنایا۔ اور اس کے طواف کا زمین والوں کو حکم کیا گیا جیسا تمہیں والے بیت الموعود کا طواف کہتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے بیت اللہ کو بنایا تھا اور وہ اس کا حج کہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ (فرشتوں نے کہا آپ کا حج قبول ہے ہم نے آپ سے دو ہزار برس پہلے اس کا حج کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اگر یہ حدیث جو شاردن نے بیان کی ہے صحیح نہیں تو کچھ اشکال نہیں اور اگر صحیح ہے تو اس سے صحت طائفہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ طائفہ کا مقصود حضرت بنی ہاشم کی حکمت دریافت کرنا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے ایسی مخلوق کو خلافت دینے میں کیا حکمت ہے؟ مگر مخلوق خدا بنی ہاشم تھا اس لیے حق تعالیٰ ناراض ہوئے پس طائفہ کی بات گنہگار کے درجہ میں نہ تھی صرف انبیا کے درجہ میں تھی جو صحت کے مافی نہیں۔ ۴۴

معتقنا۔ یہ ہے کہ اس کی حالت مقصود کے مناسب ہو۔ دیکھو عید (کی نذر) کے لیے نکلنا چونکہ طلب رحمت کا انعام کے لیے ہے عبادت موصوم پورا کرنے کے بعد تو اس میں خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہنا مطلوب ہے کیونکہ اس وقت کے مناسب یہی ہے۔ یہ حالت استقامت اور استئال امر کی ہے کہ استئال امر کے بعد انعام حاصل کرنے کے لیے بارگاہ عالی میں حاضر ہونے ہیں تو اچھی شکل سے آنا چاہیے اور نازہ استغناء کے لیے نکلنا اس مصیبت کے دُور کرنے کے لیے ہے جو (خط کی شکل میں) نازل ہوئی ہے تو اس وقت تغریع و مسکت (خضوع و خضوع) کے ساتھ نکلنا چاہیے۔ (کپڑے بھی اچھے نہ ہوں بلکہ نیلے کچیلے ہوں) کیونکہ اس وقت نکلنا ہوا کا ارتکاب کر کے بارگاہ میں آنے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے جب بندے گناہ کرتے ہیں حق قتلے اُن سے بارش کو روک لیتے ہیں تو اس حالت کے مناسب یہی مُردت ہے کہ مسکت و ذلت کی شکل میں آئیں۔ دُعا میں مارے خون کے ہاتھ بھی اس طرح اُٹھائیں کہ ہتھیلی زمین کی طرف ہو جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے) کہ ہماری حالت پلٹ دیجئے۔ اسی طرح گج میں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ گج میں بہت بُری طلب ہے۔

دُور مرقی بات یہ ہے کہ گج میں روزِ محشر کانوں نہ ہے کیونکہ وہاں بھی ایک ہی دن میں تمام دُوسے زمین کے آدمی جمع ہوں گے (گج میں بھی ایک تاریخ میں تمام اطراف کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور جیسا قیامت میں مختلف مقامات پر غمرنا ہو گا دیکھی میدان میں جمع ہوں گے، کبھی حساب کے لیے بلائیں جائیں گے۔ کبھی میدان عمل پر جائیں گے (غیرہ وغیرہ) اسی طرح یہاں بھی مختلف مقامات مقرر ہیں کبھی (میدانِ عرفات میں اجتماعِ عظیم ہے) دیکھی حمار ہو رہا ہے۔ کبھی مٹی۔ مزلوفہ میں وقوف ہو رہا ہے (کبھی طوافِ زیارت کے لیے جا رہا ہے ہیں وغیرہ وغیرہ) اور جیسا دُنیا سے آخرت کی طرف جلتے ہوئے اہل و عیال اور مال سب چھوٹ جاتے ہیں

اور مجزئکن اور ضروریات دفن کے (دنیا کی) اور کوئی چیز ساتھ نہیں جاتی۔ اسی طرح حامی اپنے اہل و عیال اور وطن سے مفارقت کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّكُم تَبْئِئَانِ عَلَيْهِمْ اَنْ اَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ وَاَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ الْاَقْلِيلُ مِنْهُمْ (اور اگر ہم اُن کے اوپر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانیں بے دوا گھروں سے نکل جاؤ تو بہت کم آدمی اس فرض کو پورا کرتے) اور اُن کے ساتھ بھی بتر و ضرورت سفر کے مال ہوتا ہے۔ غالب عادت یہی ہے جاتی سب چھوڑ جاتا ہے۔

نیز حیسانیت کو قیامت سے پہلے مختلف مقامات میں ٹھہرنا ہوتا ہے اور قسم قسم کے خطرات پیش آتے ہیں جن سے بعض لوگ غلامی پا جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ غلامی دینا چاہیں اور بعضے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حج کے راستے میں بھی بہت مشقتیں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے لَمَّا يَكُونُوا بِالْبَيْتِ الْاَبْيَقِ الْاَنْفُسِ (اور یہ جانور تمہارے ہوجھ اٹھا کر ایسے شہر میں پہنچاتے ہیں جہاں تم بدون سہولت کو مشقت میں ڈالے نہیں پہنچ سکتے تھے) اور بعض لوگ حج کے راستہ ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں جیسا وہاں بعض لوگ قیامت سے پہلے ہی ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں) مگر دونوں ہلاکتوں میں ایک فرق ہے کہ یہاں تو صرف اتنی ہی ہلاکت ہے کہ جان بدن سے نکل جاتی ہے۔ جس میں بعض دُفءِ سعادت (اور شہادت) بھی مل جاتی ہے اور وہاں کی ہلاکت خطرات کی کثرت سے ہوتی ہے جن سے غلامی نہیں ہوتی تو وہ شقاوت اور ناکامی کی ہلاکت ہے (حج کے راستہ میں ہلاک ہونے والا اس سے محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے گھر سے نکل چکا پھر راستہ میں موت آ جائے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہوگا۔ وہ انشا اللہ محروم نہیں) مگر قیامت سے پہلے اور میدانِ قیامت) میں تو لوگ بچے کھڑے ہوں گے اور بچے میں بچے نہیں ہوتے۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے (اکثر) لوگ بچے ہو کر قوت



(عز و غیرہ) کہتے تھے۔ مگر اب شریعت نے اُس کو روک دیا اور ستر ڈھانکنے کے لیے یہاں کو ضروری قرار دیا (مگر سلا ہوا کپڑا اور زینت کا لباس منوع کر دیا گیا) میں مُردہ کی حرکت ننگی اور چادر میں احرام ہونا چاہیئے اور اُس کو جگہ پُورا ہونے تک رکھنا چاہیئے کیونکہ قیامت کا تو ہول اس قدر ہو گا کہ کسی کو کسی کے ستر پر نظر کرنے کی صلت نہ ہوگی اور حج میں نظر سے مانع کوئی چیز نہیں ہے تو لباس کی ضرورت ہے اور قیامت میں کسی کے پاس خوشبو نہ ہوگی۔ ایسا ہی یہاں بھی (زینت اور خوشبو سے منع کر دیا گیا) نیز قیامت میں حکومت اور سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی آہوگی اور کسی کی نہ ہوگی سب کے دمے ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح حج میں جس غرض سے جاتے ہیں یہی گنہوں کی مغفرت اور صفائی اس میں بھی کسی کا کچھ دخل نہیں سب کے سب گردن بھکائے منتظر کھڑے ہوتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں (مغفرت سے نوازتے اور سزا کو قبول فرماتے ہیں یا اٹھائے پر مارتے ہیں۔ پھر میدانِ عرفات میں بادشاہ اور رعایا امیر و غریب سب ایک لباس میں ہونے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری اور زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھائے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی غلام اور مخدوم نظر نہیں آتا، بلکہ ماتحت و ظلمت کا لٹھ کا نقشہ سامنے ہوتا ہے۔)

ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ کیا۔ حج سے فارغ ہو کر سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اُترے ہیں (اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں) ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال ہمارے ہمدرد گاہ کے گھر کا کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ نے۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ اُن میں سے کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا صرف چھ کا! یہ بزرگ گھبرا کر جاگ اُٹھے اور بار بار کہتے تھے۔ کاش مجھے کوئی بتا دے کہ میں بھی اُن چھ میں ہوں؟ دوسرے دن پھر سوئے (مگر کچھ معلوم نہ ہوا) تیسرے دن پھر سوئے تو اُن ہی دو فرشتوں کو دیکھا کہ پھر آسمان سے اُترے ہیں اور پہلے کی طرح سوال و جواب کر

رہے ہیں۔ جب ایک نے یہ جواب دیا کہ اس سال صرف چھ ہزار میں کالج قبول ہوا ہے تو دوسرے نے سوال کیا کہ ہمارے پروردگار نے باقیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ پہلے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کی سفارش ایک ایک ہالک کے لیے قبول فرمائی (اس طرح سب ہی کالج قبول ہو گیا) اب یہ بزرگ فرماں د شاداں بیدار ہوئے۔

اسی طرح قیامت میں کوئی بھات پائے واپس، کوئی ہلاک ہونے والا، کوئی مقبول ہے، کوئی غیر مقبول ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا ہے کسی کے لیے سفارش ہو رہی ہے۔ لیکن شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہوگی اور کوئی بمعنی فضل سے ناجی ہوگا (بدون اجازت کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا منہذا اللہ یשלح عندہ ما یاذنہ) اور کسی پر فضل بھی ہوگا شفاعت بھی ہوگی۔

قوله وعنا یحییٰ ومومل هذه الصفات التي کلفت بها الحاج من قولك الخیط و ترک الطیب الی قوله ولكن یاذنہ وفضلہ وقد یکون للمجموع -

ف۔ اگرچہ اس میں کوئی مسئلہ تقضوت کا نہیں مگر کج کی نوع کا بیان ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ کر دیا گیا تاکہ حجاج عموماً اور صوفیاء خصوصاً کج میں اور نازیہ اس دور کو ملحوظ رکھیں۔ کیونکہ نازیہ میں بھی کج کی شان موجود ہے کہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا امر ہے تو استقبال قبلہ کے ساتھ موت اور قیامت کا منظر سامنے ہونا چاہیئے۔ پھر انشاء اللہ خشوع آسان ہو جائے گا اور اس شان سے کج کیا جائے گا تو انشاء اللہ قبول ہوگا۔

(۱۹۵) قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات و عبادت سے ہی حاصل ہوتا ہے اس حکمت کے مسلمہ ہو جانے سے یہ مسئلہ مستبعد ہوا کہ قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات اور عبادات ہی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ مقام (عرفات وغیرہ) ایسا مقام ہے جہاں میں بڑے بڑے جرائم کی مغفرت ہوتی ہے۔ جیسا حدیث میں وارد ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان ہر روز عرصے زیادہ کسی دن زیادہ ذلیل اور حقیر نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے ہیں تو اپنے سر پر مٹی ڈالتا جاتا اور کہتا جاتا ہے کہ جس قوم کو میں نے پچاس یا چالیس سال تک گتے ہوں میں مبتلا رکھا اُن کو ایک ساعت میں بخش دیا گیا۔ (ادکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ایسے مقام تک پہنچنا آسان نہیں بلکہ بڑی مشقت سے پہنچنا ہوتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کر دیں اُس کے لیے آسان ہو جاتا ہے مگر ایسے حق پرست ہی ہیں اسی طرح مقلات عالیہ باللہ کثرتِ عبادات و عبادات و ذکر ہی سے حاصل ہوتے ہیں آسانی سے حاصل نہیں ہوتے انشاء اللہ

ناز پروردہ منعم نہ بردارہ بد دست  
عاشقی شیوہ رعداں بلاکش با شد!

ابھاس میں اس پر بھی تعبیر ہے کہ میں اس موقع (یعنی میدانِ مشر) کو یاد کرے جس کا یہ نمونہ ہے تاکہ مولے کریم کی طرف سے دل سے التجا کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ اور رغبت اور اپنی احتیاج کا اظہار ہو کہ اُس سے تمام خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امن بحیب العطر اذا دعاہ دکیا وہ جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے نکالتا ہے کیا اس کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اکثر لوگ نادان ہیں جو ایسے خدا کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سبحانہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے (وہ مضطر و محتاج کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کرے جن پر محسن اپنے فضل سے احسان فرمایا اور اُن کو کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑی۔ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ قولہ ویتبع علیہم معرفة الحکمة الی قولہ لا رب سواہ -



نہیں ہو سکتا۔ اسی زمانہ میں طالبان سلوک کو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تعانی کا مطالعہ ہی نافع ہو سکتا ہے۔ حضرت نے اس زمانے کی طبائع کے موافق دستور العمل تجویز کئے اور امر ابن قلب کے معاملات بیان فرمائے ہیں جن پر عمل دشوار نہیں بلکہ ہلکا کر دیا ہے اور جس چیز کو مکرر سمجھا جا رہا تھا اُس کو ایسا صاف اور بے غبار کر دیا ہے کہ ہر شخص حقیقت تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس نعمت کو خلافِ قرآن و حدیث کہا جا رہا تھا حضرت نے اُس کی اصلی حقیقت کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ لہذا مسئلہ مسائل السلوک اور انکشف والمعروف وغیرہ۔

ف۔ حج میں توجہ باطنی حکمتیں ہیں وہ آپ نے سمجھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ میں اب بھی وہ نشان ہائے قدس موجود ہیں جن میں انعام کے ساتھ غرر کرنے سے کافر بھی ایمان لے آئے۔ اور مومن غور کرے تو اُس کا ایمان کامل ہو جائے اسی لیے حج کو مکمل ایمان کا ٹیگ ہے۔

حج کی ظاہری حکمتیں اب ہم بعض ظاہری حکمتیں بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جو حجتہ اللہ اب اللہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر سلطنت میں ایک دن اجتماع اور دربارِ عام کا ہوتا ہے جس میں دور اور نزدیک والے سب متجمع ہوتے ہیں تاکہ حکومت کے احکام پر مطلع ہوں۔ ایک دوسرے سے مل کر تبادلہ خیالات کریں اور شعائر سلطنت کی تعظیم بھلائیں۔ اسی طرح حج قلب اسلامیہ کا دربار ہے جس میں اطرافِ عالم سے سلطان جمع ہوتے ہیں اُن کی شوکت اور اجتماعی شان ظاہر ہوتی ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اسلامی برادری بہت دُور تک پہنچی ہے خوش ہوتا ہے آپس میں اتحاد و اتفاق برپا ہے۔ کلئہ اسلام بلند ہوتا اور اللہ کا بول بالا ہوتا ہے اور اگر دنیا میں خلافت اسلامیہ کا وجود ہو تو خلیفہ کو تمام اطراف کے مسلمانوں کی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال حج کرتے تھے

اور اپنے عمال (موجودوں) کو بھی ہر سال حج کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ کیونکہ جب گورنر حج کو جانے لگا اُس کے ساتھ اُس کے ملک اور مٹوبہ کے بھی بہت آدمی ہوں گے اس طرح غلیظہ کو ہر ملک اور ہر مٹوبہ کے آدمیوں سے اپنے عمال و دولاٹھ (گورنریں، حاکموں) کے عدل و انصاف یا بے راہروی کی اطلاع آسانی سے ہو جاتی تھی۔ پھر ان اعمال و ولایت کے اجتماع سے ملکی مسائل اور سیاسی مصالح پر بھی مشورہ کا موقع ملتا تھا اور سال آئندہ کے متعلق ایک خاص طریقہ اور فائدہ عمل ملے ہو جاتا تھا۔ میں نے ہمچن میں ایک اخبار میں کسی امریکن ٹرانس کٹر کا مضمون پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ چار ہاتھوں کے لیے مدت سے کوشش کر رہے ہیں مگر باوجود ہر قسم کے ذرائع و وسائل مٹیا ہونے کے اُن کو اب تک کامیابی نہیں ہو سکی اور حیرت ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے ہی قدم میں تھوڑی سی مدت میں ان چاروں میں بھی کامیاب ہو گئے۔

ایک یہ کہ ہم ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی تجویز میں ہیں مگر ہنوز مقررہ اول ہے۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی کو تمام مسلمانوں کی مشترک بین الاقوامی زبان بنا دیا۔ تم کسی ملک میں ملے جاؤ ہر جگہ مسلمان عربی میں اذان دیتے، عربی میں نماز پڑھتے عربی میں خطبہ دیتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی الگ الگ زبان کے ساتھ عربی زبان سے بھی لگاؤ ضرور ہے اُن کا سلام بھی عربی میں ہے اور خطبہ نکاح بھی عربی میں قرآن بھی عربی میں ہے دوسری قوموں کے پاس توہیات و انجیل کے تراجم ہی رہ گئے ہیں اصل کتاب منقود ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے ہم ایک بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز میں ہیں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے کہ ہر سال تمام ممالک اسلام کے مسلمان مکہ میں حج کے لیے جمع ہوتے ہیں جو بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس ہے۔

تیسرے ہم ایک بین الاقوامی سرمایہ جیے کرنا چاہتے ہیں جس میں ناکام ہیں مگر

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں بھی کامیاب تھے۔ "بیت المال" تمام مسلمانوں کا بین الاقوامی مشترک خزانہ تھا جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق تھا اور جب تک خلافت اسلامیہ قائم رہی بیت المال بھی قائم رہا جس سے سب مسلمان فائدہ حاصل کرتے تھے۔

چوتھے ہم کو شش کر سبے ہیں کہ بین الاقوامی وحدت حاصل کریں اور یہ رنگ و نسل اور عذریہ کی بناء پر اقوام کی تقسیم باطل ہو جائے مگر ابھی تک ناکام ہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی قدم میں اس کو کامیابی کے ساتھ حاصل کر لیا اور فرمایا انما المؤمنون اخوة۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم کو جل جلالہ بھی اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ابو بکرؓ و عمرؓ نظر آتے ہیں ہر ایک کو سرے کا احترام و عزت کرتا ہے زنا و دق اعلم حضرت جلال کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور فراتے تھے سیدنا جلال! یہ ہمارے سرور جلال ہیں!۔

مگر مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب حکمتیں حکمت کے درجہ میں ہیں اصل علت نہیں۔ فرض حج کی علت محض اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدایت ہے۔ اگر یہ حکمتیں ذہن ہوتیں جب بھی حج فرض تھا مگر اللہ و رسول کے احکام کی یہ خاص شان ہے کہ اُن میں علاوہ تکمیلِ مہدیت اور اطاعت کے انسان کی دنیوی مصالح بھی بست ہوئی ہیں۔ جو شخص دین کو مضبوطی کے ساتھ تمام لیتا ہے دنیا خود بخود نکل آ جاتی ہے۔

## باب ہشت

## حدیث

## جواز الشرب من السقایۃ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقایہ (زمزم) پر تشریف لائے (یہ ایک حوض تھا جس میں لوگوں کے پینے کے واسطے زمزم کا پانی بھرا جاتا تھا) اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ حضرت عباسؓ نے کہا اے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ اُن کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے آؤ (مطلب یہ تھا کہ شند اپانی گھر سے لاؤ کیونکہ عرب میں دیر تک برتن میں رکھا ہوا پانی شند اور عمدہ ہو جاتا ہے)۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔ کہا یا رسول اللہ! اس میں تو لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا پلاؤ بھی۔ غرض اُس میں سے آپؐ نے پانی پیا پھر (چاہ) زمزم پر تشریف لائے جہاں لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے۔ فرمایا کام کئے جاؤ۔ تم اچھا کلام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ (ہجوم کس کے) تم پر غالب آ جائیں گے تو میں (سواری سے) اُتر کر دینی یہاں رکھتا۔ گردن پر اشارہ فرمایا (اور خود پانی کیسپتا)۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جس پانی میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہوں وہ شرب پاک ہے اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ کسی کا ہاتھ پاک ہو کسی کا پاک نہ ہو۔ مگر آپؐ نے سقایہ سے پانی پی کر بتلادیا کہ ایسے احتمالات (جلاوٹیں) پر عمل نہ



کی جانے گا۔ جب تک یہ امر محقق نہ ہو جائے کہ کسی نے ناپاک ہاتھ ڈالا ہے کیونکہ پانی اپنی ذات سے پاک ہے۔ بلکہ دلیل اُس کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ اسی لیے فقہاء نے اُن حوضوں اور مشکوں کے پانی سے وضو کو جائز کہا ہے جو راستوں پر بنے ہوئے یا رکھے ہوئے ہیں جہاں سے جانور پانی پیتے ہیں اور جانوروں کی ناک کا غبار وغیرہ بھی اُن میں مل جاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کا میل بھی جس میں ناپاکی کا احتمال ہو سکتا ہے مگر محض احتمال اور شک سے پانی کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ حضرت شاذانہ نے اس حدیث سے ماہ مستعمل کی طہارت پر بھی استدلال کیا ہے مگر استدلال ناقص ہے کیونکہ ماہ مستعمل وہ ہے جس میں ازالۃ حدث کی نیت سے یا وضو اور غسل کی نیت سے ہاتھ ڈالا جائے اور یہاں ایسا نہ تھا۔ مقایہ میں صرف پینے کے واسطے ہاتھ ڈالتے تھے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

(۱۹۶) پینے کے لیے پانی مانگنا خلافتِ زہد نہیں کر چنے کے لیے پانی مانگنا محض اور سفردو غوں میں جائز ہے۔ پانی کا مانگنا اور چیزوں کے مانگنے کے برابر نہیں کہ (اُن کا سوال ممنوع ہے خاصہ شرط ہی سے جائز ہے، پینے کے لیے پانی مانگنا ہر حال میں جائز ہے) بعض فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (مگر یہ قید ضروری ہے کہ دوسرے کے پاس حاجت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے دوسرے سے نہ غریب ہو ورنہ بدون سخت مجبوری کے پانی کا سوال بھی نہ کیا جائے)۔

نیز معلوم ہوا کہ سبیل عام کا پانی جس کو صدقہ نہ کہا گیا ہو حنفی اور فقیر سب کے لیے حلال ہے یہ (وہ صدقہ نہیں) (حنفی پر حرام ہوتا ہے) اس میں کسی پر غاص حرام ہے احسان نہیں ہوتا (بلکہ وقف عام ہے سب کو اُس سے پینے کا حق ہے) دیکھو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقایہ سے پانی پیا جس میں کچھ لوگ پانی بھروے اور کام کد ہے تھے مگر وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے واسطے کر چکے اور پانی کو اپنی

بلک سے نکال چکے تھے۔ اگر یہ بھی صدقہ کی طرح ہوتا تو آپ ہرگز نہ پہنتے۔ کیونکہ صدقہ آپ پر حرام تھا اور اگر اس میں کچھ کراہت ہوتی جب بھی آپ نہ پہنتے۔ مگر آپ سقاہ پر تشریف لے گئے اور اُس میں سے پانی طلب کیا۔  
 قولہ فیہ دلیل منہ طلب شرب لعداۃ القوۃ فاستغنی۔

فت۔ اس میں کوئی مسئلہ فقہوت کا نہیں مگر بعضے خشک ذہن وہی ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دہم کا اس میں علاج ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ؒ کے ایک خادم عاتقاہ کے کنوئیں سے وضو نہیں کرتے کہ یہاں اکثر لوگ ننگے پاؤں باہر سے آتے ہیں اس لیے کنوئیں کے اُس پاس کی زمین ناپاک ہے اور کہیں وہاں ٹول رکھا جاتا ہے اور ہڈوں پاک کئے کنوئیں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لیے کنوئیں ناپاک ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ میں پھر تم میرے پیچھے نماز کیسے پڑھتے ہو جب کہ میں اسی کنوئیں سے وضو کرتا ہوں۔ کہنا تو آپ کے پیچھے جائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ دقعب عام کی چیز کے استعمال میں دہم کرتے ہیں مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سقاہ اور حوض اور کنوئیں اور سرائے و مقبرہ و غیرہ جو مسافروں اور ہر وارد و صادر کے لیے بنائی جاتی ہے اُس میں فقیر و فنی سب برابر ہیں۔ اُس کو صدقہ خاصہ پر قیاس نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے۔

زم (۱۹۷۷) مردوں کے سامنے عورتوں کا نام لینا جائز ہے معلوم ہوا کہ جہد گوں اور مردوں کے مجمع کے سامنے عورتوں کا تذکرہ جائز ہے۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔ دیکھو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو سقاہ پر لے کر آپ کے ہمراہیوں کے سامنے کیا کہ اے افضل! اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ نے اس پر عتاب نہیں کیا بلکہ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ آج کل بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اگر عورتوں کا تذکرہ اُن کی زبہن پر آ جاتا ہے تو اس کے بعد عا شاک (توبہ توبہ) بھی

کہتے ہیں اور اس کو تہذیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے۔

قوله وفيه دليل على جواز ذكر النساء وبعض أهل الفضل إلى قوله بل عجب

من المبدع -

ف۔ آج کل عام لوگوں کی تو یہ عادت ہے کہ پیروں کے سامنے اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں اور پیر صاحب سب کے سامنے عورتوں سے بات چیت کرتے ہیں یہ تو نہایت عجیب بدعت ہے جس کے مفاسد ظاہر ہیں اور زاہدان خشک کی یہ عادت ہے کہ وہ عورتوں کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ حضرت حکیم الامتؒ بعض دفعہ اپنے گھر والوں کی کوئی بات نہیں میں کرتے تو بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقار کے خلاف ہے۔ انہوں نے تکبر کا نام وقار رکھ لیا ہے۔ اور یہاں سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلے زمانے کے مسلمانوں کو پردہ کا کس قدر اہتمام تھا کہ عورتوں کا ذکر بھی مردوں کے سامنے تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج کل ذکر سے تو کیا عار ہوتا ہے عورتوں کو مردوں کے سامنے لانے اور بیسوں اور چوبیسوں میں لے جانے سے بھی عار نہیں۔ کیسا انقلاب بٹھا ہے؟ خدا غیر کرے مظلوم اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱۹۸) ٹھنڈا پانی پینا بھی خلافِ زہد نہیں ٹھنڈا کرنا اور ٹھنڈا پانی پینا جائز ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس لیے تو فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ کے لیے پانی لاؤ۔ کیونکہ مجاہد میں تھوڑی دیر کا رکھا ہوا پانی ٹھنڈا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عباسؓ ایسا نہ کہنے اور رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم بھی یہ بات سن کر سکوت نہ فرماتے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت خاص طریق سے پوری کرنا ہو تو اس کو وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ کی بات قبول کرنے سے کوئی مانع اس کے سوا نہ تھا کہ آپ ایک خاصہ شرمیلہ بتلانا چاہتے تھے کہ جس پانی میں لوگوں کے ہاتھ

پڑتے ہوں (اور ناپاکی کا یقین نہ ہو) وہ پاک ہے (معنی وہم سے اُس کو ناپاکی نہیں کہا جائے گا۔ مگر آپ نے اس وجہ کو بیان نہیں فرمایا صرف اتنا ہی فرمایا کہ اس میں سے پلاؤ)۔

دوسرے آپ تکلف سے بھی بچنا چاہتے تھے جو آپ کا خاص طریقہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ طہرہ وسلم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ ہمیشہ سہل و آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو اور اس میں حضرت موفیہ کی دلیل ہے کہ وہ بھی ترک تکلف کی تعلیم دیتے ہیں۔

قوله وفيه دليل على جواز تبريد الماء الى قوله يقولون باتوا التكلف۔  
 ف۔ بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ پانی ٹھنڈا چنا نہ کہ کے خلاف ہے گرم چنا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا ہدین صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔ اس واقعہ میں ایک خاص وجہ سے آپ نے سقاہ کا پانی چاہا ہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی۔ ہمارے حامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حکیم الامت سے فرمایا تھا کہ کیا اشرف علی پانی جب ہو ٹھنڈا ہو۔ ہرگز سو سے الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پانی پل کر زبان تو الحمد للہ کھے گی مگر دل نہ کھے گا۔ واقعی سچ فرمایا دوسرے گرم پانی سدرہ کے لیے معزز بھی ہے۔ اسی طرح پانی بہت ٹھنڈا بھی زیادہ برکت سے ذکر ناپا چہنچے کہ وہ بھی اعصاب کے لیے معزز ہے۔ اعتدال ہر چیز میں افضل ہے۔  
 ف۔ حضرت عائشہ کی حدیث پر ایک اشکال مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا جاتا تھا تو اس میں کسی شق کے گناہ ہونے کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت عائشہ نے یہ کیوں فرمایا مالہد یکن اشما۔ جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو۔ اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہاں استثنائے منقطع ہے متصل نہیں۔ علماء کے لیے یہ جواب کافی ہے اور عوام کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جواب حضرت حکیم الامت نے دیا تھا جو

جو بہت بعید ہے۔ مگر اس وقت باوجود تکشس کے نہیں ملا اور میں اُس کو حضرت ہی کے الفاظ میں ملتا چاہتا تھا اگر کسی کو مل جانے میں نقل کر دے۔

(۱۹۹) جس کام میں دو پہلو ہوں اس میں دین کے پہلو کو مقدم کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام میں ایک پہلو حفظ نفس کا ہو اور دوسرا پہلو مصلحت دین کا ہو اگرچہ دینی مصلحت درجہ استحب ہی میں ہو تو دین کا پہلو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ روایت حدیث میں (تھنڈا پانی پینے میں تو نفس کی راحت تھی اور سقایہ سے پینے میں دینی فائدہ تھے جن کا اُد پر ذکر آچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے پہلو کو حفظ نفس کے پہلو پر ترجیح دی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی تصریح بھی فرمادی ہے۔

فَقَالَ اِنَّكُمْ فِي نِعَمٍ يَغْفِرُونَ اَعْمَالَكُمْ عَلَيَّ اَوْ اَنْتُمْ وَاَيُّ نِعَمٍ يَغْفِرُونَ بَاھُو اَنْتُمْ عَلَيَّ اَعْمَالَكُمْ۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جس میں مسلمان (دینی) اعمال کو اپنی خواہش اور حفظ نفس پر مقدم کرتے ہیں اور ایک زمانہ آنے کا جس میں مسلمان اپنی خواہش (اور انسانی لذت) کو اعمال (دین) پر مقدم کریں گے۔ قوله فيمدد لعل انما اذ اجتمع حفظ النفس و امر ما في الدين الى قوله يمدد بَاھُو اَنْتُمْ عَلَيَّ اَعْمَالَكُمْ۔

فت۔ وہ زمانہ بھی نیست تھا جس میں مسلمان اعمال دین بجا لاتے تھے گولذات نفس کے بعد ہی تھی۔ اب تو وہ زمانہ ہے جس میں لذت اور مخلوط نفس کے لیے اسکا شرمہ کو چھڑ دیا جاتا ہے خالی اللہ المشتكى۔ اس حدیث میں صوفیاء کی دلیل ہے کیونکہ اُن کے طریق کی بنا اسی پر ہے کہ ہر کام میں دین کے پہلو کو حفظ نفس کے پہلو پر مقدم کیا جائے۔

(۲۰۰) گھر میں تعزف کی مالک عورت ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تعزف کی مالک عورت

ہی ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور اُس کے پاس سے حضورؐ کے واسطے پانی لاؤ، اگر گھر میں حکومت اور تقرب کا اختیار محدث کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو یوں فرماتے کہ جاؤ خود گھر سے پانی لے آؤ یا کسی دوسرے کو تقرب کا اختیار ہوتا تو اُس کا نام پتے اور یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ فضل بن عباسؓ نابالغ ہوں گے۔ اس لیے ایسا کیا گیا کیونکہ کنہ کا اس وقت بالغ حائل ہونا تاریک سے ثابت ہے۔ وہ حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے سب سے بڑے تھے اُن ہی کے نام پر حضرت عباسؓ ناکیت ابو الفضل تھے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ بیوی کو بھی نیک کام میں شریک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ جب حضرت عباسؓ کی بیوی کو یہ خبر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کے واسطے مجھ سے پانی مانگا گیا ہے تو وہ برتن کی صفائی اور پانی کی مٹی اور شھرائی کا اہتمام کرتی جس سے اُن کو خوشی بھی ہوئی اور ثواب بھی ملا۔

قوله وفيه دليل على ان المرأة هي المقرنة فيما في البيت  
ان قوله فيكون لها في ذلك اجر و مرد -

ف - یہ مسئلہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں دالہ اُتھارامیۃ فی بیت زوجھا - وارد ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران اور حاکم ہے۔ اس سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو صوفیاء اور علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے گھر میں بیویوں کی حکومت ہے وہی ہر تقرب کی مالک ہیں۔ اُن کو کچھ لینا چاہیے کہ شریعت کی تعلیم ہی ہے کہ گھر میں تقرب کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں اور باہر کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہو۔ نظام اسی طرح قائم ہو سکتا ہے دو عملی میں ہمیشہ گزرتا رہتا ہے۔ اگر گھر کے سامان وغیرہ کا اختیار ایک کے ہاتھ میں نہ ہوتا متعدد ہاتھوں میں بٹتا تو کوئی بھی اپنے گونے دار نہ سمجھے گا اور جب کوئی دستے دار نہ ہوتا تو گھر کی برابری لازم ہے اور ظاہر ہے کہ مرد سے گھر کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اُس کو تو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کہاں ہے اور کتنی مقدار میں ہے؛ اس لیے

بیوی ہی کے ہاتھ میں اس کا انتظام ہونا چاہیئے کہ وہی حفاظت پوری طرح کر سکتی ہے۔ پس گھروالوں میں جو شخص بھی کوئی چیز لے اُس سے پوچھ کر اُس کو اطلاع کر کے لے تاکہ نظام درست رہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ بیوی میں انتظام اور حفاظت کا سلیقہ بھی ہو۔ بد سلیقہ کے ہاتھ میں تعزوت و اختیار دینا مناسب نہیں پھر مرد اپنے ہی ہاتھ میں اختیار رکھے یا اولاد میں سے جس کو ہو شیار دیکھے اُس کو اختیار سونپ دے فالقائمت قائمت خلعت غلبہما حفظا اللہ میں بھی اس طرٹ اشارہ ہے کہ عورتیں ہی مرد کے گھر کی محافظ ہیں بشرطیکہ اُن میں صلاحیت ہو۔

فت۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا مگر کے اندر عین میں نہ تھیں جس سے پردے کا ثبوت ہوتا ہے اور یہاں سے اُن لوگوں کے اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو پردہ کو عورتوں کی تذلیل و توہین سمجھتے ہیں اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت اس قدر ہے کہ گھر میں حکومت و اختیار اُن ہی کا ہے اور کسی کا نہیں اور اُن کو پردہ میں اس لیے دکھانا ہے کہ قیمتی شے کو چھپایا ہی جاتا ہے۔ دیکھو ہر شخص اپنی دولت کو چھپا کر بخوری میں اور تالوں میں رکھتا ہے تاکہ چور کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے اور یقیناً عورت کی قدر و منزلت مال سے زیادہ ہے تو اُن کی حفاظت مال سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے تاکہ بواہوسوں کی نگاہ اُن تک نہ پہنچ سکے۔ جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ باہر پھرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اُن کے دل میں مال کے برابر بھی اُن کی وقعت نہیں۔ یا اُن کے نزدیک دنیا میں مال کے چور تو ہیں عورتوں کے ڈاکو نہیں مگر یہ بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے عورتوں کے ڈاکو مال کے چوروں سے زیادہ موجد ہیں۔ جس پردہ و انکسار شاہد ہیں جو رات دن انہادوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۰۱) سوال و جواب مختصر ہونا چاہیئے جواب میں اختصار ہی ہنتر ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو جائے کیونکہ جب حضور سے یہ کہا گیا کہ لوگ اس پانی

میں ہاتھ ڈالتے ہیں، آپ نے اتنا ہی فرمایا اسے مجھے اسی میں سے پانی دو، زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ سناں کا مطلب یہ تھا کہ اس میں گندگی کا احتمال ہے۔ مگر اُس نے بھی اس احتمال کو صاف صاف نہیں کیا۔ حضورؐ نے بھی صاف نہیں فرمایا کہ صاف احتمال سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ مقصود دونوں جگہ واضح تھا۔

قوله وفيه دليل على ان الاختصاص بالجواب والسؤال هو الاول  
الى قوله ولله يزدحلي ذلك شيئا۔

فت۔ حضرت حکیم مامت نور اللہ مرتدؒ کے جوابات خطوط میں مختصر ہوتے تھے مگر کافی ثانی ہوتے تھے۔ یہ حدیث اُن کے اس حرز کی دلیل ہے مگر یہاں اختلاف نہ ہو کہ مقصود ہی واضح نہ ہو کہ وہ بلافت کے خلاف ہے۔

(۲۰۲) کھانا کھا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیئے حدیث سے معلوم پینے سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا ہی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ وسلم پانی پی کر اُس جگہ سے چل کر چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ دوسرے (اس میں یہ حکمت تھی کہ) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پانی پیا وہاں چند احکام بیان فرمائے۔ پھر دوسری جگہ تشریف لے جا کر دوسری نیکی کی۔ حالانکہ دونوں مکان بظاہر برابر تھے۔ وہاں بھی لوگ پانی ہی پلا رہے تھے مگر آپ کا جانا ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے تھا (جو زمزم پر کام کر رہے تھے) اگر آپ اُن کے پاس نہ جاتے اُن کے دل شکستہ ہوتے کہ ہم اپنے کام کی وجہ سے حضورؐ کے دیدار اور شرف ہم کلامی سے محروم رہے (یہ بھی ہونا کہ) لوگ سقایہ کو زمزم سے افضل قرار دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم سقایہ پر تشریف لے گئے تھے زمزم پر نہیں گئے تھے تو آپ کا ان لوگوں کے پاس جانا دوسری نیکی تھی (جس میں چند در چند مصالح دینیہ تھیں) پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ ”کام کرتے رہو تم اچھا کام کر رہے ہو“



یہ مسکرم معلوم ہو کہ جو لوگ (اچھا) کام رہے وہوں اُن کو اس عمل پر رغبت دلانا چاہئے (اُن کا حوصلہ بڑھانا چاہئے) تاکہ وہ نشاط کے ساتھ کام کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلٰی الْعَبْدِ وَالْمَقْتُولِ۔ نَبِیُّیْ اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو (اور مدد میں یہ بھی نا عمل ہے کہ اُس کام کی فضیلت بیان کی جائے جو دوسرا کر رہا ہے) مگر کام کرنے والے کی مدد کرنا اس کے غلط ہے (وہ مناسب نہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سامنے کسی نے ایک شخص کی مدد اُس کے مُنہ پر کی تھی تو آپؐ نے فرمایا قطعاً تم نے تو اُس کی کمر توڑ دی کیونکہ ذات کی مدد کرنے سے بعض دفعہ دوسرے میں عیب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہم قاتل ہے۔ کام کی تعریف میں یہ مضدہ نہیں بلکہ اس سے تو دوسرے کو عمل کی رغبت بڑھتی ہے۔ مثلاً تم کسی کو رمزہ رکھتے دیکھو تو اُس کے سامنے روزے کے فضائل بیان کر دو یا جہاد کرتے دیکھو تو جہاد کے فضائل بیان کر دو۔ جو (قرآن و حدیث میں) وارد ہوئے ہیں اس سے اُس کو اپنے کام میں تقویت حاصل ہوگی اور حضورؐ کا ان لوگوں کے کام کو عمل صالح فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ کسی عمل کا صالح ہونا یہی ہے کہ اُس پر ثواب مرتب ہو۔**

قوله وفيه دليل على ان من السنة الافضل عند الفراغ من الشرب والاكل الى قوله فانه تها ما يترتب عليها من الثواب۔

فت۔ کھانے پینے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا اس لیے سُنت ہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ بس کھاپی پُچھے وہیں جم کر بیٹھنے سے شبہ ہو گا کہ شاید ابھی نیت نہیں بھری کچھ کسر باقی ہے اور اگر اپنا گھر نہیں اور دوسرے کا گھر ہے تو وہاں ہم کر میٹھا رہنے سے اُس کے کاموں کا حرج ہو گا۔ لیکن ہے اب اُس کے گھر والے اسی جگہ کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں تمہارے بیٹھے رہنے سے اُن کو تکلیف ہوگی۔ البتہ اگر اپنا گھر ہے اور وہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے واسطے مخصوص ہے وہاں سے اپنی پنی کر ہٹ کر ضروری نہیں۔ کیونکہ وہاں سے ہٹ کر پھر اُسی جگہ آؤ گے جب کہ وہ جگہ

بیٹھے ہی کے واسطے مخصوص ہے۔ قرآن میں ولذہ المصنوع فانتشروا (جب کھانا کھا چکو تو پل دو) دوسرے کے گھر کے متعلق ہے۔ البتہ اگر گھر والا کھانے کے بعد بھی روکنا چاہے تو پھر وہاں بیٹھے کا مضافہ نہیں کیونکہ اب اُس کے حرج اور تکلیف اور اندیشہ نہیں رہا اور حدیث میں پانی پنی کر ہٹ جانا اسی جگہ کے متعلق ہے جہاں اور لوگ بھی پانی پینے آتے ہیں۔ ایسی جگہ بھی چاہیئے کہ جو پانی چکے وہ دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دے۔ یہ آداب معاشرت ہیں جو مسلمانوں کے گھر کی دولت ہے۔ مگر انہیں اب مسلمان اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان کی شریعت نے معاشرت کے متعلق کیسے عجیب و غریب اصول بتلائے ہیں۔

**ف۔** ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا یہ بھی اسلامی اصول ہے تاکہ انسان برابر ترقی میں رہے۔ مونیاء کو اس کا خاص اہتمام ہے۔ نوجوانی کے مونیاء کو بھی اس سے سبق لینا چاہیئے۔

**ف۔** کسی کی تعریف سنانے کرنا منع ہے جبکہ اُس میں عجب پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ بچے تعریف کرنا منع نہیں کہ اس سے محبت و اتفاق بڑھتا ہے۔

(۲۰۳) اگر کسی مستحب پر مضد مرتب ہونے کا اندیشہ ہو اُسے ترک کر دینا چاہئے

جو کام فرض نہ ہو بلکہ مستحب ہو اور اُس کے کرنے پر کسی مضدہ کے مرتب ہونے کا اندیشہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ لوگ تجھے یہ کام نہ کرنے دیں گے تو اس کا جھڑ دینا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کے مجرم کا اندیشہ نہ جوتا تو میں اپنی گردن پر رستی رکھ کر مذموم کا پانی کھینچتا (اور لوگوں کو پلاتا) یعنی آپؐ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ آپؐ کو ایسا نہ کرنے دیں گے۔ رستی کھینچنے کے لیے سب ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر ممکن ہے مجرم سے کسی کے جھوٹ لگ جاتی۔ قولہ دینہ جواز ترک العمل مالم یکن فضاالی قولہ فیہ اذی۔

ف۔ مونی، محققین کا اس پر پورا عمل ہے کہ تم دیکھو گے اُنہوں نے سماع مباح کو اس لیے ترک کر دیا کہ اُس میں مفاسد کا خطرہ ہے۔ چنانچہ بزرگوں کے سماع مباح کے واقعات سُن کر لوگوں نے منزا میر و معارف کے ساتھ سماع شروع کر دیا۔ اور صوفیاء حشیتہ کو بدنام کرنے لگے کہ اُن کا سماع ایسا ہی تھا حالانکہ وہ اُس کی حرمت کی تصریح کر رہے ہیں اور سماع مباح کے لیے سخت شرطیں بیان کرتے ہیں جن کی رعایت آج کل کہاں ہے؟ اسی طرح محققین صوفیاء نے اپنے بزرگوں کا عرس بھی موقوف کر دیا کہ لوگوں نے اُس کو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے اسی طرح توجہ کا حلقہ بھی موقوف کر دیا کہ آج کل اس میں منافع سے زیادہ مفاسد ہیں۔

(۲۰۴) اہل برکت سے برکت حاصل کرنا چاہیئے کیا اہل برکت سے برکت حاصل کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو اسی لیے تو پہنچنے کے اُن کو آپ کے ساتھ گھسنے سے برکت حاصل کرنے کا شوق متعلقہ ہے کہ جب کریم اپنے محبوب کا مل قبول کرتا ہے اس کے ساتھ شریک ہونے والوں کو بھی محروم نہیں کرتا اور کیسے محروم کر دیں وہ تو خود فرماتے ہیں ہمدان القدر لا یشتاق جلیسہ۔ یہ وہ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ جب پاس بیٹھنے کا یہ ثمرہ ہے تو کسی مل میں اُن کے ساتھ شریک ہونا کیا کچھ ہو گا؟ (اور حدیث میں اس شوق و رغبت پر انکار نہیں کیا گیا صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ لوگوں کے اس شوق کی وجہ سے صحابہ اپنا شوق پورا نہ کر سکیں گے اور ہجوم سے کسی کی تکلیف کا بھی خطرہ تھا) اور یہاں سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بزرگوں سے اس اُمید پر ہر حالت میں ملنے ملنے کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ اُن سے فضل سے کچھ حصہ مل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کو رحمت ہی رحمت بنا دیا ہے ہم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو غنیمت سمجھیں اور اہل فضل سے لیکن حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کو یا اُن کو ہجوم سے اپنا نہ پہنچنے والا وہ خود اس

کا اہتمام کریں گے کہ بجوم نہ ہونے پائے۔ جیسا واقعہ حدیث میں حضورؐ نے مجھ سے بچنے کے لیے اُس عمل کو چھوڑ دیا جس کا ارادہ کیا تھا، اسی لیے خونیاء کا درجہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے اچھا لگان رکھتے ہیں (ہر ایک دوسرے سے فیض حاصل کرنے کا حجاب ہوتا ہے) میں اُنہیں کہ ایک بستی میں حبس کا نام جنتی ہے جو بابرکت زندگی شیخ ہوا استحقاق کا وطن ہے اللہ تعالیٰ اُن سے امثال سے نفع پہنچانے لگا تو وہاں یہ دستبرد دیکھا کہ جب کسی کے تعلق کسی سے دریافت کیا جاتا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں تو ہر شخص اس طرح جواب دیتا کہ سید ع فلاں نعم اللہ علیہ فی المواضع الغلانی۔ وہ ہمارے سردار اللہ اُن سے نفع پہنچانے غلانی جگہ پر ہیں۔ یہ تو غائبانہ تعلیم کا حال تھا (کسی کا نام بھی بدوں سنی اور طبع اللہ بہ کے نہ لیتے تھے) مگر سامنے بجز سلام شرعی کے کچھ نہ تھا اور اگر اُس کو پکارتے تو نام لے کر پکارتے اور (سنیدی وغیرہ) کچھ نہ بڑھاتے۔ میں نے مدت تک اپنے قیام کے زمانہ میں سب کا یہی برتاؤ دیکھا۔ اور اس میں خدا بھی تغیر نہ آیا۔

قوله وفيه دليل على طلب التبرك بالمبادي من ان قوله بعد يفيض واعنه۔

ف۔ شاید کسی کو اس جگہ یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بڑے بد تغیر تھے کہ اپنے بزرگوں کو نام لے کر پکارتے تھے تو اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ اہل عرب اس کو بد تغیری شمار نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے بادشاہوں کو بھی نام لے کر پکارتے تھے۔ مکہ میں شریف میں مرجم کے زمانے تک یہ دیکھا گیا کہ اہل عرب اُن کو یا شریف میں کہ کر پکارتے تھے۔ اب بھوری قوموں کی دیکھا دیکھی اُن میں بھی مختلف آگیا اور جلالت الملک کہ کر بادشاہ سے بات کرتے ہیں مگر میری علم کی برابر مختلف نہیں آیا۔ اصل تہذیب یہی ہے کہ نیچے تعلیم کی جائے۔ دوسرے کے سامنے اپنے بزرگوں کو تعظیمی الفاظ سے یاد کریں۔ سامنے تعظیمی الفاظ سے خطاب کرنے میں ایک قسم کی اجنبیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے قدیم اہل عرب اپنے بزرگوں کے سامنے بے شکوت بات کہتے زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چھپے کسی کے سامنے نام لیتے تو بت تعلیم سے لیتے تھے۔

بج کل معاذ برعکس ہے کہ سامنے تو بہت تنظیم ہے اور پیچھے اعتراض ہے۔ البتہ اہل جنت سامنے اور پیچھے یکساں رہتے ہیں مگر آئے کل اہل جنت کہاں؟ تعین ماہم: آئے کل تو اکثر اہل عرض ہیں۔ الاما شاد اللہ۔

فت۔ ہمارے اکابر بھی یہی طرز تھا کہ جس مستحب کام سے لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوتا اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ کیونکہ ہجوم میں پریشانی بہت ہے۔ اُنے والوں کو بھی اور خود کو بھی۔ اسی لیے حضرت حکیم الامتؒ بعد وعظ کے معافیت گھبراتے تھے کہ اس میں ہجوم بہت ہوتا تھا۔ پھر اس مستحب کے بہتہ میں کسی کی تکلیف کا خیال ہوتا ہے نہ راحت کہ بعض لوگوں کے چوٹ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت نے ترلوہک میں قرآن سُنا بھی اسی لیے چھوڑ دیا تھا کہ حضرت کا قرآن سُنے کو لوگ دُور دُور سے آتے تو خانقاہ میں ہجوم بہت ہو جاتا تھا آخر عمر میں حکم قرآن گھر پر کرتے تھے۔

(۲۰۵) اشارہ کنایہ سے بات کرنا خلافِ تہذیب نہیں حدیث سے اشارہ سے بات کرنا بھی جائز ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں۔ نہ بزرگی کے خلاف ہے نہ اُس سے بزرگوں کے درجہ میں کوئی نقصان یا حیل واقع ہوتا ہے نہ اس میں کوئی اعتراض کی بات ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے اپنی گردن مبارک پر اشارہ فرمایا اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتبار معافی کا ہے۔ الفاظ کا نہیں اور اس میں اہل اشارات کی دلیل ہے۔ یعنی حضرات موفیاء کی کہ وہ بھی اپنے کلام میں اشارات استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اشارات ہی سے غنی اور نازک بات کو سمجھنا چاہیئے (جس سے مخالف تو مطلب سمجھ جاتا ہے اور نا اہل کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اہل کو ان باتوں سے دُور ہی رکھنا چاہیئے)۔ وفیہ دلیل علیٰ انکسار بالشدت الخ قولہ وان الا بلاغ فیہا فیما غنی وقدی۔

فت۔ حدیث میں تو اشارہ محسوس پر ہے مگر اس سے معافیہ دقیقہ پر اشارہ بھی جائز ہو گیا کیونکہ اصل علت میں اشتراک ہے اور صوفیہ دیکھے اشارات کی دلیل



محبوب سے جو۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کف باعبادۃ  
شفہ (منان کے لیے) عبادت کا شغل کافی ہے (اس شغل کے ساتھ دوسرے اشغال  
جمع نہیں ہو سکتے) کیونکہ اس کی وہی حالت ہوتی ہے جو دنیا میں تاجر کی ہوتی ہے۔  
جس طرح اس کو ہر وقت مال کے بڑھانے کی دُمن ہوتی ہے اسی سوچ اور فکر میں  
رہتا ہے کہ کس طرح مال کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح اہل معاملات کی حالت اپنے سولی  
کے ساتھ ہے۔ اُن کو بھی عباد حق کے ہوا کوئی شغل نہیں نہ اُس کے بغیر اُن کو صین  
آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس اُنکے نے آپ کو نہیں دیکھا اُس نے  
کسی دل خوش کرنے والی چیز کو نہیں دیکھا اور میں اُنکے نے آپ کو دیکھ لیا وہ کسی  
ناگوار چیز کو نہ دیکھے گی۔ آپ کی بھلی جلال (کائنات ہمارے) اُس کی کسر کو پورا کر دیتا ہے  
(یعنی کسی ناگوار چیز کے دلچنے سے اگر طبی ناگواری ہوتی بھی ہے تو اس میں بھلی جلال  
بھی تو ہوتی ہے اور آپ کی ہر بھلی محبوب ہے خواہ بصورتِ جمال ہو یا بصورتِ  
جلال ہو سچ۔

اُن کو آتا ہے پیار پر فتنہ ہم کو فتنہ پر پیارا آتا ہے  
جیسے آسمان کی بادش زمین کی خشکی کو دُور کرتی ہے (تو اُس کی گرج اور کڑاک  
سب ہی گوارا ہوتی ہے اسی طرح بھلی جلال سے زمینِ قلب کو مجزہ گوارہ شامانی  
نصیب ہوتی ہے وہ ظاہری ناگواری کو گوارا بنا دیتی ہے، قسم ہے آپ کے علم کی  
حرمت کی جس کے سامنے میرا ضعف ظاہر ہے کہ آپ کا لطف ہی میری ہرجالی کی  
شکستگی کو جوڑنے والا ہے۔ قولہ وھما بحث وھولہ قال لا حول ولا قوۃ  
اعملوا الخ قولہ جبر لہ رعب جالھا۔

ف۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مَوْنِیَا، ہشتیہ ذکرِ جبر کی تعلیم دیتے ہیں۔ بعین  
و فتنہ تبیع ہاتھ میں رکھنے کی کہتے ہیں حالانکہ ذکرِ تو اہستہ بھی ہو سکتا ہے بدون  
تبسح کے بھی ہو سکتا ہے تو یہاں اظہار سے اخفاء افضل ہونا چاہیئے جواب یہ  
ہے کہ اگر ذکر سے ثواب ہی مقصود ہو تو یقیناً ذکرِ غنی ذکرِ جبر سے افضل ہے بھروسے مواتع

کے جہاں شریعت نے جہر مشروع کیا ہے، لیکن حبشہ ذکر ہر معنی ثواب کے لیے نہیں بتلاتے بلکہ ذکر کو قلب میں پوسٹہ کرنے کے لیے بتلاتے ہیں اور تجربہ ہے کہ یہ مقصود ہر دن جہر کے جلدی حاصل نہیں ہوتا جیسے ایک شخص قرآن حفظ کرنے کے واسطے سبق یاد کر رہا ہو تو اس کا مقصود محض ثواب نہیں بلکہ ثواب کے ساتھ حفظ کرنا بھی مقصود ہے تو وہ اخفاء کے ساتھ سبق یاد نہ کرے گا بلکہ ہر سے کرے گا۔ کیونکہ آہستہ پڑھنے سے یاد نہیں ہوتا یا بہت دیر میں ہوتا ہے۔ پس نفس جہر میں خود کوئی ثواب نہیں جبکہ شرعاً جہر کا امر نہیں بلکہ وہ ذکر کو دل میں پوسٹہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ذکر کا دل میں جہاناً مطلوب و محمود ہے تاکہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلعت نہ ہو اور قاصر ہے کہ مطلوب کا مقدمہ بھی مطلوب ہوتا ہے اس طرح یا بواسطہ جہر بھی محمود اور موجب ثواب ہو گیا۔ جیسا حفظ کرنے والے کا جہر محمود اور موجب ثواب ہے اسی طرح تسبیح یا تہ میں رکنا خود کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ وہ دل کے لیے مذکر ہے۔ تسبیح یا تہ میں پہننے سے قلب ذکر یا مذکور کی طرف متوجہ رہتا ہے اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے تو اس کا مقدمہ اور ذریعہ بھی بواسطہ مطلوب ہو جائے گا۔ محبوب سمجھ لو۔

ف۔ درس و تدریس اور وعظ و تقریر اور تحریر وغیرہ میں نیت درست کرنا ضروری ہے تاکہ ثواب سے محروم نہ ہو۔ درس و تدریس اور وعظ وغیرہ میں تبلیغ احکام کی نیت کی جائے مگر ان کاموں کے لیے ملازمت کی جائے تو محض تنخواہ کی نیت نہ کی جائے کہ وہ تو برمال میں ملے گی۔ نیت یہ کی جائے کہ میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے واسطے یہ کام کر رہا ہوں اور تنخواہ اس واسطے یتا ہوں تاکہ دل جمعی اور بے فکری سے اس فرض کو ادا کر سکوں۔





## باب ہشت دیک

### حدیث

## تقدیم صلوٰۃ الفجر بالمزملۃ یوم النحر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا سوا دو نمازوں کے ۔ آپ نے (مزدلفہ میں) مغرب و عشا کو جمع کیا اور فجر کی نماز بھی وقت سے پہلے پڑھی اور یہ حج کے موقع پر ہوا ۔

شرح ظاہر حدیث سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت پر شمرج نہیں ہونیں مگر واقعہ میں ایسا نہیں کیونکہ مغرب کی نماز تو عشا کے وقت میں پڑھی گئی تھی لیکن فجر اپنے وقت پر ادا کی گئی مگر چونکہ اُس دن حضورؐ نے نماز فجر صبح ہوتے ہی پڑھی تھی جو آپ کی عادتِ معروفہ کے خلاف تھا تو صحابہ نے اُس کو بے وقت کہہ دیا مطلب یہ تھا کہ جس وقت کی عادت تھی اس سے پہلے نماز پڑھی (جس سے خفیہ نے استدلال کیا ہے کہ حضورؐ کی عادت نماز فجر میں اسفار کی تھی اور وہ جو بعض عادت میں آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز ظہر میں پڑھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ اسفار نہ کرتے تھے بلکہ ایسے وقت نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کا اندرونی حصہ میں تاریکی اور بیرونی حصہ میں روشنی ہوتی تھی)۔

(۲۰۷) مسائل دینی کا تذکرہ مگر اسی دین ہے اگرچہ مسئلہ مشہور ہی

کیوں نہ ہو کہ نبی دین ہے۔ اگرچہ حکم کا ہر جو سب کو معلوم ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نادر کی کیفیت مشہور تھی آج تک بھی اسی کے موافق عمل ہو رہا ہے مگر پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کیا۔ نہیں بعض بزرگوں سے ملا ہوں جو علم و عمل میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ جب کبھی وہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو ان کی بات بہت مسائل دین ہی میں ہوتی تھی وہ بھی مشکل مسائل میں نہیں نہ باطنی حالت میں گفتگو ہوتی تھی اس کے سوا اور کوئی بات نہ کہتے تھے۔ اسی طرح صحابہ اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ جب آپس میں ملے تو کتنے آؤ کچھ دیر ایمان کی باتیں کریں یعنی مسائل دین میں گفتگو کریں۔ کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی حالت یہ ہے کہ اُس میں جب زیادہ گفتگو ہوتی ہے تو بعض وقت دل آگتا جاتا اور ہر پٹان اور تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر ایمان اور اُس کے فروغ اور اہل ایمان کے حالات میں گفتگو سے اہل تحقیق کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے (اس لیے وہ کسی وقت بھی اس سے دل تنگ نہیں ہوئے) جیسے علم کو مٹنا بھی خراب کر دیتا ہے اسی ہے علم کے بڑا دوسری چیزوں کو خراب کر دینا تو وہ ٹھنی ہے۔

پس تم ایسا اُس اعلیٰ (اور سرمایہ) کے لئے جو خراب کرنے سے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ اور فتنہ حاصل ہوتی ہے اور تمہارا سرمایہ ذرا بھی کم نہ ہو۔ اسی لیے بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ علم ربانی علیہ ہے۔ علماء تم کو ایک چیز چوری کی چوری دے دیتے ہیں اور ان کے خزانے میں اس سے کچھ کمی نہیں آتی۔ کیونکہ جب کوئی تم کو علم دیتا ہے تمہارے پاس اُس کے علوم و معارف سب ہی آجائے جیہ مگر اُس کے پاس جو علم تھا اُس میں کمی نہیں آتی بلکہ اُس میں ایک نئی قسم کی ترقی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ علمی تذکرہ سے خود عالم کو بھی پہلے سے زیادہ فتنہ ہو جاتا ہے اور ثواب زیادہ ملے گا۔ اہم رہا جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ قولہ فضیہ دلیل علیہ علیہ المدین ذکرنا حکم فی الدین الی قولہ الذی ہو خیر من النکل۔

فت۔ مونیہ اور علماء کو چاہیے کہ اپنی مجلسوں کو علمی و اصلاحی تذکرہ سے خالی نہ رکھیں  
سلط کا طریقہ یہی تھا۔ آج کل بعض علماء کی حالت یہ ہے کہ ان کی مجلس میں بجز بوجہ  
اُدھر کے قضوں یا سیاسی جھگڑوں کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ حالت تنزل وین کی علامت ہے  
عارف کا تو یہ حال ہونا چاہیے ۔

ماقتضیٰ سکندر و داماد خواندہ ایم

از مابجز حکایت مرود و خامہ پر کس

ہم نے اپنے اکابر کی مجلسوں میں بجز علمی و اصلاحی گفتگو کے فضول قحط نہیں دیکھے الا  
تلاؤا والناور کا لحدود ۔

(۲۰۸) روایت ہی سے قطع تجت اور تسلی کامل ہوتی ہے یہاں سے

بھی معلوم ہوا کہ احکام دین کا روایت کرنا خصم کی حجت کو زیادہ قلع کرنے والا ہے ۔  
اگرچہ اُس پر علم نہ ہو رہا ہو اور سب کو اس کا علم ہو کیونکہ روایت ہی سے تو یہ  
معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسی طرح تھا جس طرح  
عمل ہو رہا ہے ۔ پھر ایک دوسرے سے نقل در نقل ہوتا ہے گا تو ساری اُست کو  
قیامت تک یہ علم ہوتا ہے گا اگر امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان  
نہ فرماتے اگرچہ عمل اُس کے موافق ہو رہا ہے تو ہم کو کس طرح یقین ہوتا کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کوئی مخالفت اگر اس کا انکار کرتا تو ہم اُس کو کیا جواب  
دیتے یا خود ہمارا دل حقیقت حال پر مطلق ہونا چاہتا تو کیونکر تسلی ہوتی ؟ کسی نے خوب  
کہا ہے کہ دین میں کوشش کرتے رہو اور اُس کو بدو نہ کسی اصل کے نہ لو اور وہ  
کتاب اللہ ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ثقہ دوسرے ثقہ سے روایت  
کرتا ہے اور اجماع اور قیاس بشرطیکہ تم شرعاً قیاس سے منع ہو اور ان کے  
سوا پانچواں کوئی طریق مستثنیٰ نہیں ۔ قولہ وحید من الفقہ ان دوایتہ  
الی قولہ لیس طریقہ بالعدل ۔

ف۔ یہاں سے صوفیاء زمانہ کو سبق لینا چاہیے جو علم کتاب و سنت و اجماع و قیاس حاصل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو علم شریعت ہے اور ہمارا علم طریقت سینہ بہ سینہ ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ سینہ بہ سینہ بجز نسبت باطن کے کچھ نہیں اور نسبت باطن بدون علم و عمل کے حاصل نہیں ہوتی اور علم احکام سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔

ما اتخذ الله من دلی جاہل۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو دلی نہیں بناتے اور جن صوفیاء کو ان پڑھ کہا جاتا ہے وہ جاہل نہ تھے بقدر ضرورت علم دین ان کو حاصل تھا خواہ کن پور سے یا محبت علماء سے۔ اس کے بعد ہی ان کا عمل کامل ہوا اور عمل کامل سے نسبت باطن ان کے قلب پر فائز ہوئی۔ پس جو عمل کسی آیت یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت نہ ہو اس کو رد کیا جائے گا احکام اللہ سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہو سکتے اور یہاں سے ان علماء کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو بدون شرط قیاس کے اپنے کو مجدد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ قیاس کے لیے علاوہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط کمال ذوق عربیت ہے کیونکہ قرآن کریم عربی فصیح معجز میں نازل ہوا ہے۔ جس کو سب سے زیادہ سمجھنے والے وہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب تھے کہ اس وقت تک ذوق عربیت پوری طرح محفوظ تھا۔ تفسیر سلف کو چھوڑ کر آج کل جو نئی نئی تفسیریں قرآن کی کی جاتی ہیں یقیناً تحریف میں داخل ہیں۔

ایک مفسر کا رد جس نے واقعہ معراج میں تحریف کی ہے چنانچہ اس

ایک مفسر نے صبح النذع اسری بعد کا لیل من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جبرائی نہ تھی نہ محض خواب تھا بلکہ ایک مدیانی کیفیت تھی جو نبوت کے ساتھ متعلق ہے جس کی حقیقت ہم بیان نہیں کر سکتے۔ مگر اس کو یہ مغل مد آئی کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کو تکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اُس وقت

اہل مکہ نے اُس سے کیا سمجھا تھا؟ یقیناً سب نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراجِ جہانی ہی سمجھا تھا اسی لیے تو استنراء کیا۔ اور منہمک اُڑایا اور بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا اور اُن قافلوں کا حال پوچھا جو مکہ سے شام کی طرف گئے تھے اور جس وقت حضرت ابوسفیانؓ سے ہرقل نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے بسے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا ہو صاحب الرافی فیما غیر انا انکرنا ہذا شیئاً کہ وہ بڑے صاحبِ الرائے ہیں لیکن اُن کی ایک بات ہم کو اوپری معلوم ہوئی پوچھا وہ کیسے؟ کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مکہ سے بیت المقدس گیا وہاں سے آسمانوں پر گیا پھر صبح سے پہلے گھر واپس آگیا۔ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آئی اس پر بیت المقدس کے پادری نے کہا وہ پتا کہتے ہیں مجھے وہ رات معلوم ہے جس میں وہ بیت المقدس تشریف لائے تھے۔ تفصیل کے لیے علامہ ابو سیرۃ علیہ وغیرہ غرض تو اترے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مشرکین نے جو قرآن کے اہل مخالف تھے قرآن سے اور رسول اللہ کے بیان سے معراجِ جہانی ہی سمجھا اسی وجہ سے انکاد کیا اسی لیے نہ نانات دریافت کئے مگر معراجِ جہانی کا دعویٰ نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فرمادیتے جو اربع چودھویں صدی کا نیا مفسر کہتا ہے کہ معراجِ جہانی کا مجھے دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایک خاص کیفیت ہے جو نبی کے ساتھ متعلق ہے تم اس کو نہیں کہہ سکتے؟ آپ کو بیت المقدس کا نقشہ بتلانے اور قافلوں کی حالت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دُنیا جانتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر کو لقب صدیق اُسی دن دیا گیا جب اُنہوں نے معراج کی تصدیق کی جبکہ بہت سے منصفاء اس بات کو سن کر مرید ہو گئے تھے۔ اگر اس نئے مفسر کی تفسیر کو صحیح مان لیا جائے تو اُس کی تصدیق میں کچھ بھی کمال نہ تھا نہ منصفاء کو مدعا کی فوہت آنے کی کوئی وجہ تھی۔ نہ مشرکین کو حزن اور منہمک کا کوئی موقع تھا۔ مگر خدا ناس کرے اس مرحوبیت کا کہ آج کل بدعبدوں کے احقر ارض سے غور نہ ہو کر مسلمانوں کے نئے مفسر قرآن ہی کو بدسنے لگے اور اُس میں ایسی تحریفیں کرنے لگے جو قواعدِ عربیت کے خلاف اور اہل عرب کی فہم سے بہت دور ہیں۔

## باب ہشت و دوم

### حدیث

## الصدقة بجلال البدون وجلودها

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُن اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کو صدقہ کر دوں جو (حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) قربانی میں نحر کئے گئے تھے۔

تشریح: ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ قربانی کے اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کے صدقہ کا تشریح حکم کیا گیا۔ اس پر چند سوالات ہیں ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لیے تھا یا استحباب کے لیے؟ دوسرے حضرت علیؑ کے اس بات کے بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ تیسرے اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے لیے مخصوص کیا؟

پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ کیونکہ خود قربانی کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو جھول اور کھال اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو اس لیے بیان کیا کہ یہ مشہور معلوم ہو جائے کہ صدقہ کہنے میں کسی کو نائب بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرت صحابہؓ کو اس سے خاص فرحت اور فخر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن

کو کسی بات کے ساتھ خاص طور سے خطاب فرمائیں۔ دیکھو حضرت علیؑ کو اپنے سب ناموں میں زیادہ محبوب ابو تراب تھا کیونکہ یہ کنیت حضورؐ نے دی تھی۔ نیز حکم کی پہنچ بھی مقصود ہے کہ یہ مسئلہ کسی کے واسطے نہیں بلکہ میں نے بلا واسطہ حضورؐ سے سنا ہے اور بذات خود اُس کو معلوم کیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا کہ اُن کو علم زیادہ تھا اگرچہ حضرات خلفاء سبھی علماء تھے۔ لیکن حضرت علیؑ کو وجہ خیر میں سے اس خیر میں فضیلت حاصل تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ وسلم کا ارشاد ہے انا حدیثہ العلم وعلی باہا نہیں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کو حضور ﷺ وسلم نے اپنی قربانی کے اوتھوں کے نحر کرنے میں نائب کیا تھا۔ (کیونکہ آپؐ نے سواؤتھوں میں تزییٹہ تو خود اپنے ہاتھ سے نحر کئے تھے بقیہ کو حضرت علیؑ کے سپرد کیا تھا کہ وہ نحر کریں تو کھانوں اور جھولوں کے صدقہ میں بھی اُن ہی کو نائب کر دیا گیا۔ هذا خذ عاذا ذکرہ الشادح لطف شرحہ)

(۲۰۹) اگر کسی کو کسی دینی کام میں نائب کیا جائے تو عالم اور

قربت دار کو مقدم کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور صدقہ وغیرہ میں (اگر کسی کو نائب کرنے کی ضرورت پڑے تو) مستحب یہ ہے کہ کسی عالم کو نائب کیا جائے کہ یہ بھی قربت کو کافی کرنے والا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک کام واجب نہ ہوں اُن میں مستحب یہ ہے کہ ضرورت نیابت کے موقع پر اپنے عزیز قریب کو حکم دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو نحر چری اور صدقہ جہول و جلود کا حکم دیا کیونکہ وہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ اس نیابت سے اُن کو خوش کرنا مقصود تھا اگر حضورؐ کسی دوسرے کو اس صدقہ کا حکم دیتے تو احتمال تھا کہ اُن کی خاطر میں تغیر پیدا

ہو جاتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی طرف سے عہدہ وغیرہ میں نائب کر دیا تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے اور شکستہ نہ ہو۔ قولہ ویترب علیہ من الغنہ انہ المندوب فی النیابة الی قولہ ادغال سرہ و جب قلب -

**ف** - یہ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی معاملہ میں تھی اور ذاتی معاملہ ہی میں اہل قرابت کو مقدم کرنا مستحب ہے جبکہ اُن کو علم بھی زیادہ ہو پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حضور کا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے متعلق ہے اُس میں اسی کو تقدم ہو گا جسے عام مسلمان مقدم کریں اور یہ بدیہی مسئلہ ہے جس میں زیادہ بحث کی اصلاح ضرورت نہیں۔ ایک عقلم پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین کی خلافت جس ترتیب سے واقع ہوئی ہے وہی میں حکمت اور ضرورت کے موافق تھی۔

(۲۱۰) **حسن معاشرت** یہ ہے کہ جس نے کام شروع کیا ہو اُسی سے

ختم بھی کرایا جائے۔ ایک وجہ حضرت علیؓ کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کی یہ تھی تھی کہ حسن صحبت (اور حسن معاشرت) کا مقتضایہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اُس کی تکمیل بھی اُسی کے ہاتھوں سے کرانی جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو میں کی طرف بھیجا تھا کہ پہلے سے قربانی کے اُٹھائیں (چنانچہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے اور حج کے موقع پر تگہ پہنچے) تو حسن صحبت کے قاعدہ سے اُن ہی کو آپ نے بقیہ فتنہ بالی میں نائب کیا اور اُن ہی کو کمالوں اور جھولوں کے تصدیق میں نائب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میں محبت کی رعایت کرنے والا کون ہے ؟

وخیہ وجہ من حسن المعجبة الی قولہ ومن احسن معجزة

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

**ف** - جب اس قدر میں وجہ نیابت متعدد ہو سکتے ہیں تو کسی ایک وجہ پر نہیں



نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقسیم پر استدلال نہیں ہو سکتا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

ف۔ بحسب محبت و ادب معاشرت بھی دین کا بڑا اہم شعبہ ہے جس کی طرف سے آج کل بہت غفلت ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ اس کے آداب کو قرآن و حدیث سے علما بھی کم سمجھتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ بھی بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے دین کے اس باب کو زندہ کیا اور اس کی تعلیم و تلقین میں بڑا اہتمام فرمایا۔

(۲۱۱) فتوحات النبیہ کو بیان کرنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امیر غیر کو مفتوح فرمادیں تو اس کو بیان کرنا چاہیئے بشرطیکہ اس میں اپنے کسب و اختیار کو دخل نہ ہو (معنی وہب و فضل ہو) کیونکہ جن امور میں کسب و اختیار کو دخل ہے اُن کو بیان کرنا تو اپنا ترکہ (اور اپنے منہ سے اپنی تعریف ہے اور اس سے) حق تعالیٰ نے (منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد) فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم (اپنی تعریف خود نہ کرو) اور جو امور محض وہب و فضل سے حق تعالیٰ نے عطا فرمائیں اُن کا بیان کرنا شکر میں داخل ہے بشرطیکہ نیت طلب جاہ سے سالم ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المتحدث بالنعمہ شکر نعمتوں کا بیان کرنا بھی شکر ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کرو گے تو میں تم (پر اپنی نعمتوں) کو بڑھاتا رہوں گا۔

دیکھو حضرت علیؑ نے (اس حدیث میں) یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ کا امر فرمایا (جس میں اس نعمت کا ذکر ہے کہ حضورؐ نے محض وہب و فضل سے اُن کو اس حکم کے ساتھ مخصوص فرمایا) پھر ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ (اس کے بعد) مجھ کو انہوں نے کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے کیا جس میں دعوئے اور ترکہ سے برأت کا انداز ہے۔ جیسے کوئی کسی کو صدقہ کرتے ہوئے دیکھے اور وہ

کہہ دے کہ یہ صدقہ واجبہ ہے (نافذ نہیں) اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں میری تعریف کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اور پہلے زمانے کے مسلمانوں کے نزدیک واجبات کا ادا کرنا تعریف کا سبب نہ تھا کیونکہ واجب کا ادا کرنا تو لازم ہے اور واجبات کے ادا کرنے میں سب ہی لوگ برابر تھے (اُس زمانہ میں فرائض و واجبات کو کوئی نہیں چھوڑتا تھا تو اس میں تعریف یا کمال کچھ نہ تھا) اسی لیے بعض عابدین نے فرمایا ہے کہ خدا اسار کہیں صلوٰۃ کو جزائے خیر نہ دے۔ انہوں نے (خود تو نماز چھوڑ دی اور) ہم کو ناز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بڑے عابد ہیں (یعنی اُن کے ترکِ صلوٰۃ نے ہم کو عابدین میں داخل کر دیا اگر وہ بھی نماز پڑھا کرتے تو ہمارا کچھ بھی کمال نہ تھا) اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو اُن باتوں کا تذکرہ (کبھی کبھی) کر دیتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مخصوص فرمایا ہے اس کا منہ و بعض اپنی خوشی کا اظہار اور نعمت کا شکر تھا وہ دعویٰ غل سے بری تھے۔

اُن کل کے آدمیوں کی طرح نہ تھے جو واجبات کو بھی پُوری طرح ادا نہیں کرتے اور چاہتے یہ ہیں کہ اُن کو اہل برکت میں شمار کیا جائے (لوگ اُن کو بزرگ اور شیخ کہیں) ایسے ہی لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ہے و عجبت ان اصحابك بعللهم يفعلوا (اور وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے ایسے کاموں میں جو انہوں نے نہیں کئے) اس میں مونیہ کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ اہل طہریٰ کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے اُن پر جن نعمتوں کو مفتوح کیا ہے اپنے دوستوں کے سامنے بیان کر دیا کریں بشرطیکہ محسوس میں کوئی اجنبی نہ ہو کیونکہ اس سے اہل طریق کا ایمان قوی ہوتا ہے اور ایمان کی زیادتی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے نیز اس سے اُن کو نفس کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس طریق میں صدق (دعویٰ) سے کام کرنے والے کم ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہی سمجھ بیٹھے کہ یہ (طریقِ تصوف) ایسی چیز ہے جس کا بستر لیٹ دیا گیا ہے (اب دُنیا میں نہ کیسے طریق کا وجود ہے نہ اہل طریق کا) تو یہ خیال اُن کو ترقی سے ہمت پست

کرنے کا سبب ہو جاتا ہے (اب اگر شیخ طریق حق تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بیان کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مفتوح کی ہیں تو اس سے سُنے والوں کی ہمت بلند ہوگی وہ سمجھیں گے کہ اب بھی وہ عبادت و عطاات حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے زمانے میں حاصل ہوتے تھے)۔ مجھ سے ایک شخص نے جس کو طریق سے وابستگی تھی پھر عمل میں سست پڑ گیا۔ پھر اپنے زمانے میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کے اندر اندر عبادت مؤفیاء کا کچھ حصہ موجود تھا تو دوبارہ مجاہدہ اور خدمت میں مشغول ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کٹھن کا سہرہ فراز ہو گیا۔ بیان کیا کہ واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری سستی اور کاہلی کا سبب صرف یہ ہوا کہ میں نے اپنے اندر کوئی بات بددعویٰ اور نہ کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس میں وہ باتیں موجود ہوں جو صوفیاء کی کتابوں میں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس طریق کا بستر لیٹ دیا گیا ہے تو میں نے کیوں خواہ خواہ سمرارا۔ پھر جب میں نے فلاں شخص میں کچھ وہ باتیں دیکھیں جو قوم کی کتابوں میں لکھی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ طریق تو باقی ہے لیکن سالک کم ہو گئے ہیں۔ اب میں پھر خدمت اور مجاہدہ میں لگ گیا جس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں (کہ کچھ مشد فتوحات النبیہ سے کامیاب ہو گیا ہوں)۔ تو فتوحات النبیہ کے بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے (کہ جو لوگ طریق کو دشوار اور معذور سمجھ بیٹھے ہیں اُن کی ہمیشہ بلند ہو جائیں) اسی کے بارے میں کیا گیا ہے کہ جب تو اپنے حال میں پہنچا ہو تو تیرا بولنا اور دیکھنا دہنا دیکھنے والوں کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔ قولہ وخیر دلیل علی التحدیث بہا فتح اللہ علی العبد الی قولہ لمن ذاک فلاح۔

فت۔ کتب صوفیاء میں بزرگوں کی کرامات و تصرفات اور کشفیات و حالات و کیفیات کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کو دیکھ کر بعض لوگ اُن کی تحصیل کے طالب ہو جاتے ہیں اور جب حاصل نہیں ہوتیں تو مایوس اور بد دل ہو جاتے ہیں۔ حلا لکھو یہ امور اختیار سے باہر ہیں اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا پریشانی میں پڑنا ہے اور بعض

کتاہوں میں مقابلتہ و اخلاقی حمیدہ کی تعریف ایسی بدقیقہ اور کاوش سے کی گئی ہے جسے دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان مقامات و اخلاقی کامیابیوں کا حاصل ہو جانا آج کل محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حالانکہ فی غلبہ اُن کی تحصیل دشوار نہیں۔ دشواری محض معاشین کے بیان میں ہے کیونکہ اخلاقی حمیدہ کی تحصیل اور اخلاقی مذہب کی اصلاح شرفاً مسمد ہے اور شریعت نے وسعت و طاقت سے زیادہ کامیافت نہیں کیا۔

لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دَسْعَهَا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكَ حَافِ الدِّينَ مِنْ حَرْجٍ اس پر مراعاتِ مال ہے۔

پس تصوف کا حاصل یہ ہے کہ امورِ اختیارِ یہ میں کوتاہی نہ کرے اور اختیارِ کسے درپے نہ ہو۔ پھر اُس میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ البتہ امورِ اختیارِ یہ میں غلوس و صدق حاصل کرنے اور شائبہ نفس سے بچنے کے لیے کسی شیخ سے رجوع کی ضرورت ہے جس کی محبت اور تعلیم کی برکت سے قلب میں غلوس اور صدق جلد پیدا ہو جاتا اور نفس کے مکائد پر نظر ہو جاتی ہے۔ یہ بات خود کتب میں دیکھ کر جلدی حاصل نہیں ہو سکتی اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض اپنے مریض کا علاج کتب میں دیکھ کر کرے تو دیر میں شفا ہوگی اور لیکن ہے شفا نہ ہو بلکہ بڑھ جائے اور کسی طبیب ملحق کے حوالہ اپنے کو کرے تو جلد شفا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امراضِ قلب سے شفا طبیب روحانی کے ذریعے جلدی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد نسبتاً باطن کے حصول کا درجہ ہے وہ تو کتبوں سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ دولت مشائخِ طریقی کی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو اور کلمہ اللہ ہر زمانہ میں ایسے مشائخ موجود رہتے ہیں جن کے وسیلے سے یہ دولت طالبین کو حاصل ہوتی ہے، جتنی ہے۔ طلب اور تحقیق شرط ہے جنوں تحقیق کے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

اے بابائیس آدم روئے بہت  
پس بہر دستے نہ باید داد دست



## حدیث

### لبس المعرم المخیط

بخاری رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی (محرّم حالتِ احرام میں) بھول کر یا حماست سے خوشیوں لگالے یا (بلا ہجو) کپڑا پہنے لے تو اس پر کفارہ نہیں۔

شرح یہ عطاء کا مذہب ہے، متفق علیہ نہیں۔ نسیان میں تو امام شافعی بھی اُن کے تشریح موافق ہیں اور امام مالک کے نزدیک نسیان میں بجا کفارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح نذ میں سوسے سجدہ سولہ لازم ہے اور اس سے نقصان کا جبر ہو جاتا ہے اسی طرح احرام میں سوسو نسیان صاف نہیں بلکہ جبر نقصان کے لیے کفارہ لازم ہے اور یہاں سوسو عمدہ دونوں میں کفارہ ہے۔ نماز میں صرف سوسے سجدہ سولہ لازم ہوتا ہے عمدہ میں نہیں۔ باقی جمل کی مکرر میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی عالم نے عطاء کی موافقت نہیں کی بلکہ نص قرآنی فاسئذوا اهل الذکر ان کفتمہ لا تعلون اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو اُن کا ردّ کر رہی ہے۔ قرآن نے کسی کو جمل کی وجہ سے معذور نہیں قرار دیا اور اگر جمل عذر ہو جائے تو اس کا درجہ علم سے بڑھ جائے گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (بذا ما قالہ اشرار فی شرحہ اس مسئلہ میں امام مالک کی دلیل ایک حدیث ہے کہ ایک شخص حالتِ احرام میں خوشبو لگائے جہاں پہنے ہوئے صلوٰۃ کے سامنے آیا تو تبت نے اُس کو خوشبو کے دھونے

اور جاکے آثار نے کا حکم دیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا اور عبا پہننا منہ ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب مثبت فقہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۲۱۲) نا اہل کو محض کتاب دیکھ کر فتویٰ دینا یا باطنی اصلاح کرنا جائز نہیں

یہاں سے معلوم ہوا کہ کتب میں کوئی روایت دیکھ کر فتویٰ دینا ہر شخص کو جائز نہیں یہ کام انہی لوگوں کا ہے جو اس کے اہل ہیں اور فیصل شدہ بات کے جاننے والے اور مدلول کلام کے سمجھنے والے ہیں۔ اسی مسئلہ کو دیکھو اگر کوئی ناواقف آدمی خطا کا یہ قول دیکھے وہ تو اسی پر عمل کرنے لگے گا اور سمجھے گا کہ سب علماء کا یہی قول ہے (کیونکہ یہاں کسی کا خلاف مذکور نہیں) اب وہ اپنے امام پر محوٹ بات لگالے گا محرم ہوگا اور حد درجہ کو بھی دھوکہ میں ڈالے گا۔ چنانچہ ایک عالم کے متعلق جو مذہب مالک پر فتویٰ دیتے تھے ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ خطا کے قول پر فتویٰ دیتے (اور اسی کو مالک کا مذہب سمجھتے) ہیں حالانکہ مالک کا مذہب ہم اوپر بتلا چکے ہیں (کہ وہ کسی جزو میں بھی خطا کے موافق نہیں نہ زبان میں نہ جمل میں)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو معرفتِ علم کا صحیح راستہ دکھائیں اور اس پر اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق دیں۔ قولہ و یقرئ علیہ من الفقہ انہ و یحییٰ ذلککم بمعجزہ النقل الی قولہ للارباب سواہ۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ تصوف کے مسائل سے نہیں مگر اس کی ضرورت علماء اور صوفیاء دونوں کو ہے، بھلے یہ مرضی عام ہے کہ کتابیں اور ترجمے دیکھ کر حکم شرعی یا باطنی بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور صوفی قوامتہ دین بن جلتے ہیں۔ حالانکہ کتابیں اور ترجمے دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے اور علماء کے پاس حجت سے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بنائے بے صاحب نظرے گو ہر ثور را  
میںی ترواں گشت بقصد بن فرے چند



## حدیث

## بِنَامَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو بنجد سے فرمایا اے بنی بنجد! مجھ سے اس زمین کی قیمت کا معاملہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے تو آپ نے مشرکین کی قبروں کے کھود ڈالنے کا حکم دیا اور غراب زمین کو برابر کر دیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ پھر ان کو مسجد کے قبلہ (دکھن) میں اوپر تلے رکھ دیا گیا۔

حدیث کا ظاہر قویہ ہے کہ مسجد مدینہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے مکہ سے شہر بنائی گئی ہے جبکہ آپ نے (مکہ سے) مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ اس میں چند وجوہ سے کلام (کی ضرورت) ہے۔

(۲۱۳) ہدیہ قبول کرنے میں غلوں پر نظر کرنا ضروری ہے۔ یہاں سے کہ کسی چیز کے متعلق اُس کے مالک سے یہ درخواست کرنا کہ اس کو ہلدے یا تختہ بچ دو جائز ہے۔ اگرچہ اُس نے پہلے سے بیچنے کا خیال ظاہر نہ کیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ و سلم نے فرمایا اے بنو بنجد! مجھ سے اس زمین کی قیمت لے لو۔ حالانکہ ان لوگوں نے اس زمین کو بیچنے کے لیے پیش نہیں کیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص

کسی صنعت یا پیشہ سے مشہور ہو چکا ہو یا اُس کا خاندان مشہور ہو چکا ہو اُس کو اس پیشہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اُس کو ناگوار نہ ہو) اور یہ اُن القاب میں داخل نہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی النجار (اے بڑھئی کی اولاد) یہ صنعت اُن کے آباد اجداد میں کسی نے اختیار کی تھی اُس سے خاندان مشہور ہو گیا۔ آپ نے اُسی مشہور نسبت سے اُن کو خطاب فرمایا (کیونکہ یہ نسبت اُن کو ناگوار نہ تھی)۔

نیز یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ کیا گیا ہو پھر مالک اُس کو ہدیہ کر دے تو اُس کا قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ مالک پر وہاؤ ڈالنے کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا ہدیہ قبول کر لیا حالانکہ پہلے آپ نے خریدنے کا قصد کیا تھا اور اس بات کی دلیل کہ مالک پر وہاؤ ڈالنے کا قصد نہ ہو۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اولاد یہ فرمایا تھا کہ مجھ سے اس زمین کی قیمت لے لو پانچ پانچ دینار سے فرمایا تھا کیونکہ نبی حق کے ہوا کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ ذلیل بھاد کرتے ہیں نہ ایسی بات مہم اذاکہ کہتے ہیں (اُن کی مراد وہی ہوتی ہے جو الفاظ کا حقیقی مدلول ہے) جس کے دل میں اُس کے خلاف کا دوسرہ بھی ہو وہ نبی کی تخلیق کرتا ہے جو ہرگز جائز نہیں اور اگر زبان سے عاتق طعہ پراس کو ظاہر کر دے گا قتل کیا جائے گا۔

ہاں یہاں پر ایک مسئلہ قابل غور ہے وہ یہ کہ ہدیہ کرنے والے کے خلوص کی تصدیق بعض دعوے سے نہ کی جاسکتی ہے جب تک خلوص پر قرینہ قائم نہ ہو جو اُس کو واضح کر دے جیسا ان صحابہ کا قول ہے لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ ہم اس کی قیمت میں اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ اور اُن کے اس قول سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ہدیہ نہیں کر رہے تھے بلکہ صدقہ کر رہے تھے۔ کیونکہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہدیہ کرنے والا بھی تو ثواب کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہدیہ کرے۔ صدقہ اور ہدیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ صدقہ تو صرف اللہ کے



کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ ریا کو دخل نہ ہو اور ہدیہ کی بہت محدّدیں ہیں جن کو کُتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوا میں ہدیہ والے کو بھی صدقہ والے کی طرح ثواب ملتا ہے اگرچہ ہدیہ کرنے والے نے ان حضرات صحابہ کی طرح صاف صاف نہ کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہدیہ کرتا ہوں بلکہ اور کوئی قرینہ اُس کے قائم مقام ہو۔

بعض مؤرخین سے منقول ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی ہدیہ آتا اور اُن کو کسی قرینہ سے معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس قسم کا ہدیہ ہے تو وہ ہدیہ کر لے والے سے فرماتے ہیں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ پچ بتلاؤ تمہارے نزدیک میرا اس ہدیہ کو کبھل کر لینا اچھا ہے یا رد کر دینا اچھا ہے ؟ وہ قسم کھا کر جو محدّدت بیان کر دیتا اُس کے موافق عمل کرتے تھے اور اُن کے اس فعل کا منشا دعوے سے بچنا تھا اگرچہ وہ بڑے صاحب کشف و بزرگ ہوتے تھے، لیکن محض اپنے کشف کی بنا پر کسی کا ہدیہ روذ کرتے تھے تاکہ دعوے کی صورت نہ ہو جائے بلکہ ہدیہ لینے والے کی قسم پر عمل کرتے تھے۔

قوله منه يجوز طلب الاشياء للبيوع الى قوله وان كان على  
مادوى عنه من اهل المكشف والاطلاح -

فت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو بہت بے تکلف کر دیا تھا جیسا واقعات صحابہ سے واضح اور روشن ہے۔ اس لیے آپ کسی چیز کو خریدنا چاہتے اور صحابہ اس کو ہدیہ کر دیتے تو اس میں غلاف غلوں کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ مگر آجکل مثلاً شیخ نے اپنے مریدوں کو بے تکلف نہیں بنایا وہ اگر کسی مرید سے یہ کہیں گے کہ اپنی فلاں چیز ہمارے ہاتھ بیچ کر دو اور وہ کہہ دے کہ نہیں حضور میں اس کو ہدیہ کرتا ہوں تو وہ محض شرم اثری ایسا کہ ہے دل سے نہیں کہتا۔ اہا ماشاء اللہ! پس اُن کو اس حدیث پر عمل اُس وقت جائز ہے جبکہ مریدوں کو اپنے سے دیا ہی تکلف بنا دیں جیسا حضور نے صحابہ کو بنادیا تھا۔

ف - ہدیہ میں خلوص اور محبت کی تحقیق ضروری ہے۔ ہر ہدیہ کو بلا تحقیق قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ لوگ مرعیں اور دنیا دار مشہور کر دیں گے جس سے فیض عام میں کمی ہو جائے گی اور اپنا نفس بھی مرعیں ہو جائے گا۔ اگر کوئی اور ضرورت تحقیق کی نہ ہو تو اپنے قلب سے رجوع کرنا چاہیئے۔ جس ہدیہ کو دل قبول کرے لے لیا جائے ورنہ رو کر دیا جائے۔

تحقیقی خلوص کی ایک صورت وہ بھی ہے جہاں ایک بزرگ سے منقول ہے مگر یہ اُس زمانے میں ملید تھی جب ہدیہ کرنے والے بچے ہوتے تھے وہ قسم دینے کے بعد جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ مان کہہ دیتے تھے کہ حضرت واقعی میرے ہدیہ کا قبول کرنا آپ کے حق میں اچھا نہیں۔ ابکل ایسے بچے مرید کہاں؟

(۲۱۴) سعید ازلٰی کو فتنہ مضر نہیں یہاں اس پر بھی اشارہ ہے کہ جو شخص ازل میں سعید ہو چکا ہے اُس کو ان فتنوں سے کچھ مضر نہیں ہوتا جو اُس پر گزرتے رہتے ہیں۔ دیکھو اس قطعہ زمین کے لیے (جس میں مسجد نبویؐ بنائی گئی) یہ سعادت عظمیٰ مقدر ہو چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کی مسجد بنائی جائے گی اسی میں آپؐ کا نزول ہو گا اسی میں آپؐ کی قبر شریف ہو گی تو اس کو مشرکین کے قبضہ میں نہ بنے اور اُن کی خلاف شرع حرکات کا مورد بننے اور اُن کی قبر گاہ ہونے سے کچھ مضر نہیں پہنچا (اسی لیے کہا گیا ہے) جب انجام اچھا ہو جائے تو ہر بُرائی جاتی رہتی ہے اور اگر انجام بُرا ہو تو ہر اچھی حالت بدل جاتی ہے۔ قولہ وهذا اشارۃ الی قولہ نکل بحول۔

ف - یہی وہ منزل ہے جس سے ہر عاقل لڑکا ترساں ہے سب کو عاقبت حسنی کی طلب ہے اور اس سے پہلے وہ اپنی کسی حالت سے مطمئن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ہیں اور تمہیں حسن ختام اور عاقبت حسنی سے سرفراز فرمائیں۔ آمین !

(۲۱۵) ہر کام اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہیئے یہاں سے معلوم ہوا کہ عمل کی خوبی یہ ہے کہ

انسان اپنے ہر کام میں وسعت کے موافق عمل کرے۔ اگر غرضی ہو تو غنہ کے موافق عمل کرے۔  
 تنگدست ہو تو تنگدستی کے موافق عمل کرے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت  
 ساجرین اپنے وطن اور مال کو چھوڑ کر مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد  
 بنانے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس وقت کی حالت کے موافق کام کیا کہ مسجد کو  
 کچی اینٹوں سے بنایا۔ پخت میں کجور کی شاخیں لگائیں اور کجور کی کڑیوں سے ستون  
 قائم کئے اُن ہی کو دیوار میں اُپر تلے لگوا یا جیسا نصف النخل قبلہ مسجد سے ظاہر  
 ہو رہا ہے۔ کچی اینٹوں یا چھوٹے وغیرہ سے نہیں بنایا نہ کسی قسم کا تکلف کیا چراپ پر  
 یاد دہشوں پر گرانی کا سبب ہوتا۔ شست کا مستفاد بھی ہے اور کتاب اللہ بھی اسی کی  
 تائید کرتی ہے لیسبق ذمعة من معہ ہر شخص کو اپنی وسعت کے موافق  
 خرچ کرنا چاہیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”خرچ میں اسان دوش اختیار  
 کرنا زیادہ کمانے سے بہتر ہے“ قولہ دلیل علی ان من حسن التصرع الی  
 قولہ من الزیادۃ فی الکعب۔

فت۔ حضرات مونیاء کا یہ خاص مذاق ہے کہ ہر حالت میں ہمت اور وسعت کے  
 موافق کام کرتے ہیں اُس سے زیادہ کا تکلف نہیں کرتے۔ دُنیا و آخرت دونوں کی  
 راحت اُنکی میں ہے۔ مال زیادہ ہو اور خرچ بے تکلف ہو تو راحت جس میں مل سکتی ہے اگر خرچ  
 اندازہ سے ہو اور آمدنی قلیل ہو تو راحت ہی راحت ہے۔ اہل مشرکیت کا مشاہدہ  
 اس کی دلیل ہے کہ اُن کے برابر دُنیا کی راحت بھی کسی کو نہیں۔

(۲۱۶) انسان کو دین کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیئے کہ انسان کو زیادہ  
 اہتمام اپنے دین کا ہونا چاہیئے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر سب سے  
 پہلے جس چیز پر نظر کی وہ مسجد تھی کہ اپنے مکانات بنانے سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کا  
 فکر ہوا (جو آخرت کا کام تھا) اور دینی ضرورت تھی۔

یہاں سے اُن فقراء کے قول کی دلیل بھی معلوم ہو گئی جو فرماتے ہیں کہ جب مدد ویش

زہد اختیار کرے اور اپنی تمام ملکات کو خیرات کرنے کا ارادہ کرے تو جو چیزیں دین کے لیے ضروری ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گی اُن کو ملک سے نکالنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ قدر ضرورت کا رکھنا واجب ہے جیسے دھوکا برتن اور بدن چھپالے کے لیے کپڑا اور جانناز وغیرہ۔ کیونکہ جن چیزوں کے نکال دینے سے دین کا کوئی کام دشوار ہو جائے اُن کو ملک سے نکالنا جائز نہیں۔ دین تمام چیزوں میں اہم اور اہم ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے تم دین کی فکر رکھو اور اُس کے جو کسی چیز کی پرواہ نہ کرو کیونکہ انسان کی عزت دین ہی سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔

قوله وفيه دليل على ان ما على المرء النظر في امر دينه الى

قوله لا بما سواه -

فت۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ آج کل تو دین سے عزت نہیں بلکہ دنیا میں مال سے عزت ہے جواب یہ ہے کہ اب بھی دین ہی سے عزت ہے بشرطیکہ دین ہو محض دین کی محنت نہ ہو۔ دین اخلاص کا نام ہے اہل اخلاص کی اب بھی عزت ہے عا اور ہر زمانہ میں رہے گی اور جن اہل دین کو تم ذلیل دیکھتے ہو اُن میں دین کی محنت ہی محنت ہے۔ اور وہ بھی ناقص۔ اگر اُن میں حقیقی دین ہو تا ہرگز ذلیل نہ ہوتے۔ واللہ العزیز

والرسولہ وللمؤمنین ولكن المنافقين لا يعلمون -



## باب ہشت و نهم

### حدیث

## خروج الدجال و فتنہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال حدیث کے ایک سنگت میں (حدیث سے باہر) پڑاؤ کسے گا۔ اُس وقت اُس کے پاس ایک شخص جو سب آدمیوں سے اچھا ہو گا یا فرمایا اچھے لوگوں میں سے ہو جائے گا اور اس کے منہ پر بکے گانے لگا دیے دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کا خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی تھی۔ دجال (لوگوں سے) کہے گا بتاؤ اگر میں اس کو مار ڈالوں اور پھر زندہ کر دوں کیا اس کے بعد بھی تم میرے معاملے میں شک کرو گے۔ سب کہیں گے نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر زندہ بھی کر دے گا۔ تو وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا بھلا آج سے پہلے مجھے تیرے معاملے میں اس قدر بصیرت نہ تھی جتنی اب ہے (میں پہلے سے زیادہ وثوق کے ساتھ قرع پھر کتا ہوں کہ تو کذاب ہے) دجال کہے گا اچھا میں اس کو پھر قتل کرنا ہوں مگر اب اُس کو اس شخص (کے قتل) پر دسترس نہ ہوگی۔

حدیث کا ظاہری مفہوم وہ باتیں ہیں ایک یہ کہ دجال کو جو خرق عادات عطا شمسرح کئے گئے ہیں وہ خود اُس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے خرق عادات اُس کے دعوے کو ٹوٹا کرنے سے قاصر ہوں گے (چنانچہ وہ اس شخص کے دوبارہ قتل کرنے کا دعوے کہے گا مگر اُس پر دسترس نہ ہوگی اپنا

ٹنڈے کر رہ جاتے گا) دوسرے اس شخص کی قربت ایمان معلوم ہو گئی جو دجال کے پاس جاتے گا (اور اُس کے منہ پر انگڑیاں کرے گا) دجال کا اتنا بڑا تختہ اُسے کچھ ضرر نہ دے سکے گا۔ اس حدیث کے معانی پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

## (۲۱۷) خرق عادت کی تقسیم اور معجزہ و کرامت اور شعبہ و سحر میں فرق

حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ خرق عادت کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو دعوئے نبوت کی سچائی پر دلالت کرے۔ اس کا تو بستر پیٹ دیا گیا (اب ایسی خرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی جو صریح نبوت پر دلالت کرے) کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں) مگر ہم اس کو معنی معرفت کی غرض سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا علم بھی دین ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو ولایت پلٹاؤ کے تحقق پر دلالت کرے۔ ایک وہ قسم ہے جو معنی مہادلت و ریاضات کا ثمرہ ہے اگرچہ مجاہدہ کرنے والا فاسق اور کافر ہی ہو۔ اس قسم سے بہت لوگ بوجہ جہالت کے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو سببیا کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ارواح کو بلایا جاتا ہے اور بعض ستاروں کو سحر کیا جاتا ہے اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں (وہ ایسے لوگوں کو جرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اس کو بزرگی سے دُور کا بھی واسطہ نہیں)۔

ان میں سے ہر قسم کی ایک علامت ہے جس سے پہچاننے والا پہچان لیتا ہے۔ مگر وہی پہچانتا ہے جس کے دل میں نور الہام ہے اور ان اقسام کو مانتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی جو نبوت پر دلالت کرنے والی ہے علامت یہ ہے کہ اُس کے ساتھ تعدی بھی ہوگی ہے یعنی خرق عادت ظاہر کرنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں ایسا ایسا کر سکتا ہوں (جو دُور کوئی نہیں کر سکتا) اگر کسی کو نبوت میں شک ہو تو میرا مقابلہ کر کے دکھائے، اس کے بعد جیسا اُس نے دعوئے کیا تھا اُس کے مطابق ظہور ہو جائے (اور کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکے) مگر

اب کسی کو اس قسم کا دعوے کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے  
 میں لانا نہیں بعدی (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور یہ حدیث قویٰ ثابت ہے  
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا نبی ہونا دلائل عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے تو  
 حضورؐ کے بعد جو کوئی بھی دعوے نبوت کرے یقیناً جھوٹا ہے اور اس دعوے کے بعد  
 اُس کے ہاتھ سے کوئی خرقِ عدت ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ جن چیزوں کو وہ خرقِ عادت  
 قرار دے گا اُنھی سے اُن کا بھڑنا ہونا ثابت ہو جائے گا (جیسا پنجاب میں ایک  
 دلی نبوت اسی قریب زمانہ میں ہوا تھا اور اُس نے اپنی پیشین گوئیاں سناہنے کو  
 معجزہ قرار دیا تھا مگر دینا جانتی ہے کہ اس کی صد ہا پیشین گوئیاں غلط ہوئیں اور جن  
 لوگوں نے اُس کے مقابلے میں پیشین گوئیاں کیں اُن کی اکثر باتیں سچ ہوئیں)۔

دوسری قسم جو صدقِ ولایت پر دلالت کرتی ہے وہ دلی کے ہاتھوں بدو  
 تعدی اور دعوئی کے ظاہر ہوتی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ اس شخص کی حالتِ شفت  
 کے موافق ہو اتباعِ سنت کا اہتمام کرنا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کسی جہنم کو ولی نہیں  
 بنائے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله۔ فرما  
 دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت  
 کریں گے اور اگر ولی کسی وقت جو مجزوت کے کرامت کا دعوے کرے موجب و  
 پندار شامل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے دعوئی کو پورا کر دیتے ہیں کیونکہ ولی کی کرامت  
 تصدیقِ نبوت کی برکت ہے۔ جو کرامت بھی کمالی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اُس کے  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ یہ غیر اُس کو صدقِ اتباع سے ہی حاصل ہوتی ہے۔  
 اس کی مثال میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے کہ ایک بزرگ (راجہ کے ایلادہ سے)  
 مسافر (میں جہاز) پر سوار ہوئے اُن کے ساتھ اور بھی حاجی سوار ہو گئے اُس جہاز  
 میں بادشاہ کا گیسوں بھرا ہوا تھا اچانک سمندر میں طوفان آگیا جہاز والوں نے باہم  
 مشورہ کیا کہ غلہ تو شہادت کے درمیان ناپ تول کر بھر لیا گیا ہے اور یہ حاجی اپنے  
 اختیار سے سوار ہو گئے ہیں ہمارے اُدھر ان کی ذمہ داری نہیں تو راجہ کو ہلکا کرنے

کے لیے) ان حاجیوں کو سندرمی پھینک دینا چاہیے۔ گیہوں کو پہالین چاہیے کہ اُس کا ہم سے مطالبہ ہوگا۔ یہ بات ان بزرگ کے کان میں پہنچی۔ جب آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے یہ ارادہ پختہ کر لیا ہے تو جہاز والوں سے فرمایا کہ تم (جہاز کو ہلکا کرنے کے لیے) گیہوں پھینک دو۔ اُس (کے پُرا کرنے) کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ انہوں نے جتنی مقدار تک کرنا چاہی سمندر میں پھینک دی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر سمندر کو سکون ہو گیا اور منزل مقصود پر سلامتی سے پہنچ گئے تو اب ان بزرگ سے گیہوں کا مطالبہ کیا فرمایا وہ شہادت نکالو جس میں گیہوں کی مقدار لکھی ہوئی ہے اس کے بعد بقیہ گیہوں کو یہاں سے ناپو جتنا کم ہوگا اُس کا میں مناس ہوں چنانچہ یہاں سے غلط ناپا گیا تو اس مقدار سے بھی زائد محتاج شہادت میں لکھی ہوئی تھی اور بزرگ کو مجبور دیا گیا۔

اُس وقت انہوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ واللہ میں نے یہ کرامت صحت ضرورت کی وجہ سے ظاہر کی ہے کہ مشنمانوں کی جان کا بچانا لازم تھا (تو ایسی محرت میں دلی کو کرامت کا دعویٰ جائز ہے) اور اگر کوئی شخص یہ ضرورت کے کرامت کا دھوئے کرے وہ اہل طریق کے نزدیک اویا دینے سے نہیں بلکہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد ہے *مستند جہد من حیث لا یعلمون*۔ ہم اُن کو اس طرح آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں کہ اُن کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کرامت ہمارے واسطے لطف نہیں بلکہ قہر ہے اسی کا نام اسدرائج ہے (اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کا حقہ بھی ہے کہ چند کرامات کا اُن سے ظہور ہو گیا) حضرات موفیاء نے تعریف کی ہے کہ جو شخص اس لیے ہجرت کرے کہ اُس سے کرامت ظاہر ہوں یا اُس کی دعا قبول ہونے لگے یا دنیا میں اس کا درجہ بلند ہو جائے بزرگ مشہور ہو جائے تو یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کندہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (اللہ کو مبارک دہائی نہیں ہوتی۔

اندر غری قسم جو عبادت کی وجہ سے ہو کیونکہ مہدات و ریاضات سے بھی



خوارقِ عادت کا ظہور ہوئے لگتا ہے۔ مگر وہ نائنڈ نہیں ہوئیں (یعنی اُن کی تاثیر کرامت دلی کی طرح کامل نہیں ہوتی اُن سے اس شخص کی وہ عظمت و صولت ظاہر نہیں ہوتی جو کرامت دلی میں ہوتی ہے) اور نہ اُن کا کشف نگاہ کی مسافت سے اُن کے بڑھتا ہے یہ قسم کا فردوسِ دونوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہ تو معنی مجاہدہ کا اثر ہے۔ نفس مجاہدہ دریاخت سے بھی باطن منور ہو جاتا اور قلب صاف شفاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے جس میں ہر چیز منقش ہو جاتی ہے جو اُس کے سامنے آجائے اور جو سامنے نہ آئے وہ منقش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک بڑے جردگ کا واقعہ ہے کہ وہ سفر میں ایک گر جا پر گزرتے جلاہت سے ماہب رہتے تھے۔ انہوں نے اُن کے مجاہدات کو دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ خوب مجاہدہ کرتے ہیں یہ خیال اُناتھا کہ راہبوں نے فوراً غلام سے کہا کہ آپ کی خاطر کروا بھی طرح بیزبانی کرو اور عبادت خانہ میں جہاں بُت رکھے ہوئے ہیں ٹھہراؤ۔

اُس نے ان بزرگ کو بُت خانہ میں پسپا یا تو دل میں ان لوگوں کی حماقت اور نادانی کا خیال آیا کہ سارے مجاہدے ان جنوں کی پرستش کے واسطے کر رہے ہیں۔ یہ خیال اُناتھا کہ دفعۂ سب راہب چلے گئے اس کو نکال دو باہر کر دو یہاں مت ٹھہراؤ۔ بزرگ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لوگ اتنی جلدی دل کے خطرہ پر مطلع ہو گئے مگر ان لوگوں کا مسکاشتہ نگاہ کی مسافت سے اُن کے نہیں بڑھتا اور اگر ایمان و اتباعِ سنت کے ساتھ مجاہدہ کیا جائے تو عرش اور عرش کے نیچے تک کا کشف ہونے لگتا ہے (بشرطیکہ کشف سے مناسب ہو کیونکہ بعض بابائے کشف سے مناسب نہیں ہوتی تو اُن کو اصلاً کشف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی مجاہدے کریں۔ جیسے بعض لوگوں کو خواب سے مناسب نہیں ہوتی تو ہزار تہ بیروں سے بھی خواب نہیں آتا خوب کچھ لوگ متحسنت مجاہدہ کرے تو ساری دنیا اُس کے نزدیک ایک قدم کے برابر ہو جاتی ہے جس میں وہ جس طرح چاہے تفرق کر سکتا ہے جتنا بھی حق تسلط اُس پر مددازہ مکر لیں۔

چوتھی قسم جس کو سببیا کہتے ہیں جس میں ارواح کو حاضر کیا جاتا یا بعض ستاروں کو مسخر کیا جاتا ہے اُس کی بھی چند علامتیں ہیں۔ جو لوگ ستاروں کو مسخر کرتے ہیں اُن میں ہر ستارہ کی پرستش کرنے والے کی ایک علامت ہے جس سے اس کو پہچان سکتے ہیں۔ مثلاً جو شخص ستارہ زحل کی پرستش کرتا ہے اُس کا لباس خراب غصہ مند ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی اور نشست و برخاست بھی گندی ہوتی ہے۔ ناقصہ آدمی اُس کی یہ علامت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ بڑے زیادہ متقی ہیں ہمیشہ آرام سے لغو ہیں حالانکہ اس میں زہد و درجہ کا کچھ دخل نہیں۔ یہ حالت مرنے اُس ستارہ کی وجہ سے ہے جس کی وہ پرستش کر رہا ہے اور جب تک اُس کے سمجھ کا دورہ رہے گا جو اُن کے خیال میں چھتیس سال ہے اُس وقت تک اسی حالت پر رہے گا۔ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک ساعت بھی اُس میں کمی کرے گا سارا کیا کیا عمل برباد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر ستارہ کی پرستش کا ایک نشان ہے مگر ستارہ زحل کا عابد اُن کے نزدیک سب سے زیادہ خوش حالت میں رہتا ہے۔ اور جو شخص ارواح کو حاضر کرتا ہے اُس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے اُس کا لباس بھی عمدہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور ہر حالت میں انشراح و انبساط سے رہتا ہے۔ اس کی نشست و برخاست بھی عمدہ طور سے ہوتی ہے۔ مگر ہر حالت میں ان سب کا مقصود حفظ نفس اور طلب جاہ اور مخالفتِ سنت اور بدعت کا ارتکاب ہے جن کے ذریعے عوام کو اپنی طرف مائل کرتے اور اس کو طریق حکمت و معرفت اور ریاضت و مجاہدہ بتلاتے ہیں حالانکہ یہ سب اس کے برعکس طریق ظلمات و جہالت میں داخل ہیں۔ خدا ہم کو اس سے بچائے۔

الفرقن جس غرقِ عادت کے ساتھ اتباعِ شریعت کی حکومت مہرور ہر جہت سے نافذ نہیں ہوتی (مرن ایک جہت سے نافذ ہوتی ہے) اور جب اُس کے مقابلہ میں ماصبِ حقیقت آجاتا ہے تو اُس کے سامنے اُس کی کچھ نہیں چلتی۔ اُس کا عمل دشوار ہو جاتا یا سست کہ بین ہے جیسے ماصبِ حقیقت کی ایسا ہی قوت ہوگی اسی قدر اُن کے لئے ہمارے لئے یہ لوگ غولنا جاہلوں سے

زیادہ ملتے جلتے (ادرائن جی کو اپنے جال میں پھانستے ہیں) اپنی علم والی صلاح سے  
 فائدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ان کا علم نہیں چلتا، اور جس شخص کو تہا جح سنسٹ  
 کے ساتھ فرق عادت عطا ہوتا ہے وہ شہانہ حالت میں رہتا ہے۔ کسی میلہ اور مکے سے  
 یا کسی مادی اور غیر مادی طاقت سے اُس کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی حالت روزانہ  
 ترقی پذیر ہوتی ہے گھٹتی نہیں۔ تمام آدمی اور سارا عالم وجود اُس کے غور کی ایک حد پر  
 ہیں (وہ سب کو غلطی اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ڈرتا،  
 جس طرح چاہتا ہے جس چیز میں چاہتا ہے تعریف کرتا ہے مگر دعوے نہیں کرتا۔ مگر  
 کبھی دعوے کرتا ہے تو اپنی طاقت و قوت سے بیرونی ظاہر کر کے اللہ کی طاقت و قوت  
 پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ اپنے اوپر ہر دیشہ ہوتا ہے  
 (کہ مباد اور بار حق سے مردود نہ ہو جاؤں) ہاں جب اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف  
 سے بشارتیں آتی ہیں (اس وقت خوش ہوتا ہے) اس کی علامت یہ ہے کہ سب سے  
 زیادہ متواضع ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کا فائدہ قبول کرتا ہے مگر جبکہ دین  
 کا معاملہ ہو تو اُس وقت تواضع سے کام نہیں لیتا بلکہ سیاست سے کام لیتا ہے۔ مگر  
 دل میں اپنے کو آدمیوں سے کتر ہی سمجھتا ہے۔ جو ظاہر میں حکومت و سیاست کرتا نظر  
 آئے، وہ سب سے زیادہ مخلوق خدا پر شفقت کرنے والا ہوتا ہے اپنے کو کتر جانتا  
 ہے۔ اُس کے پاس جو غیر بھی ہے (خواہ کمالیت میں یا کمالات) سب کو اللہ تعالیٰ  
 کی عطا اور احسان سمجھتا ہے اپنا کوئی استحقاق نہیں سمجھتا۔

لوگوں کو تہا جح سنسٹ کی ترقی دیتا ہے (اور خود) سنسٹوں کا اہتمام کرتا ہے)  
 خاص کش زیادہ رہتا ہے عزت کے وقت بولتا ہے۔ بہت ہوشیار ہوتا ہے لوگوں  
 سے ملے نہیں رکھتا۔ اُمرت کا خیال ہر وقت دل کے سامنے رہتا ہے۔ کسی پر اپنا کوئی  
 حق نہیں سمجھتا۔ آدمیوں کے حقوق اپنے ذمے بہت سمجھتا ہے ہلنے بھی اور بیچے بھی  
 بشرطیکہ اعلیٰ اعلان موجود ہو (یعنی ایمان کی وجہ سے وہ ہر شہانہ کا اپنے ذمہ حق  
 سمجھتا ہے) مدد و شہاد سے بھاگتا ہے (نفرت کھاتا ہے) تنہائی اور خلوت سے

مالوس ہوتا ہے۔ آسمان کرنا دہتا ہے ایذا رسانی کم کرتا ہے بلکہ غیث کرنا ہر چیز اُس سے  
مجتب کرتی ہے۔ جتنی کہ وہ زمین بھی جس پر چلتا ہے اور آسمان بھی جو اُس پر سایہ کرتا  
ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کی مخلوق اس سے بھی۔ آسمان والے اُس کو زمین والوں سے  
زیادہ پہچانتے ہیں۔ وہاں یہاں سے زیادہ مشہور ہو سکتا ہے۔ غیث مال غیث کما۔ نہ  
بُری باتیں سُنتا ہے۔ اُس کو گندہ کار کی معصیت سے بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے  
خود اُس نے گناہ کیا ہے۔ نیک آدمیوں کی طاعت سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسا کہ  
کو اس کا ثواب ملے گا۔ ظاہری صورت میں آدمی ہوتا ہے مگر باطن میں فرشتہ  
نورانی مقدس ہوتا ہے۔

اس کے اوصاف کہاں تک بیان کئے جائیں اس کے لیے تو دفتر بھی کافی نہیں۔  
اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی رحمت سے اُن  
کو عطا فرمائی ہیں اور اُن کے طفیل میں ہم پر بھی رحم فرمائیں۔ وصلى الله على محمد  
نبیہ وعلیہ۔

غرض چونکہ اکثر لوگ اہل طریقت سے ناواقف ہیں، جبل غلاب جو رہا ہے اس لیے  
جس سے بھی کوئی فرق علت دیکھتے ہیں خواہ کسی قسم کی ہو اُس کو ہرگز کہنے لگتے ہیں یا ان  
مفسدوں کے فساد کی باتیں سُنتا ہے تو اہل حقیقت پر بھی طعن کرنے لگتا اور ان کی  
کرامات کو بھی شبہہ اور فریب کہنے لگتا ہے اس طرح ان کی برکت سے محروم ہو جاتا  
ہے کیونکہ وہ حال سے غالی نہیں اگر یہ امتیاز سے کام لے گا تو ان کی حالت کو تحمل کیجے گا۔  
(کہ معلوم یہ کرامت ہے یا شبہہ) یا ان کو اہل فساد میں داخل کرے گا۔ اس صورت میں  
حرام کے ساتھ فساد بھی ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں کے لیے بہت خیر توفیق  
ہے (وہ ان کے بُرا بھلا کہنے والوں کو سخت سزا دیتے ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے واسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے من احاد لم یلیا فقد بادرنی بالمعادبہ۔  
جس نے میرے ولی کی اعانت کی اُس نے مجھے اعلان جنگ دیا ہے۔ قولہ فاما غرقہ العلقہ  
فقد تکلم العلماء علیہ وهو علی اربعة اشعار الی قولہ فقد بادرنی بالمعادبہ۔

**ف -** یہ جو کہا گیا ہے کہ نفس بھادہ سے بھی باطن نکل جاتا ہے اور قلب شعلہ صفت شعلات آئینہ کے ہو جاتا ہے، یہاں حضرت شارح نے لفظ باطن اور قلب کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور نہ قلب اصطلاحی کو بدون ایمان کے نورانیت نصیب نہیں ہوتی۔ نفس بھادہ سے صوفیہ نفس کی صفائی ہو جاتی ہے جو باطنی ہے اور قلب دروج اور سرور مخفی داخل جو غیر مادی جو اہر ہے بدون ایمان کے متحہ نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجدد العتباتی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے کتبوبات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ لفظ کتب غیر مادیہ بدون معرفت حق کے منور نہیں ہوتے اور معرفت حق بدون اسلام کے نہیں ہو سکتی خوب سمجھ لو۔

**ف -** یہ جو کہا گیا ہے کہ اہل حقیقت کے سامنے اہل باطن کی کچھ نہیں چلتی ہم نے اپنے اکابر میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایک دفعہ مسلمانوں اور ارمیوں میں مناظرہ تھا ہندوؤں کی طرف سے ایک جوگی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس وقت مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ کے لیے کوئی عالم کھڑا ہوا تو وہ جوگی سر جھکا لیا اور مسلمان عالم کی تقریر پر کمزور ہو جاتا اس کیفیت کو ایک صاحب دل نے جانپ لیا اور سستی حضرت مولوی سلیل احمد صاحب ندن اندر سر کو اٹھا ڈالی۔ اب حضرت نے بھی اپنا سر جھکا لیا، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ وہ جوگی کرسی چھوڑ کر صاف پھر جلسہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اور علماء اسلام کی تقریر پر یہاں زور دار ہونے لگیں۔ کفار کے مناظر مطلوب ہو گئے اور مسلمان منظر و حضور واپس آئے۔

اسی طرح ایک جوگی نے ریل میں حضرت مولانا موصوت کے ایک سر پر تعریف کیا جس سے اُن کے دل میں وسوسہ شیطان آئے لگے اور وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ چلتی ریل سے کودنے کا قصد کیا دفعہ حضرت مولانا کی خدمت سامنے نظر آئی کہ فرما رہے ہیں کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ یہ کہنا کہ تمام وسوسہ کا فور ہو گئے اور جوگی کا تعارف باطل ہو گیا وہ خود کہنے لگا کہ تمہارا ہر بڑا کامل ہے اب تو انہوں نے جوگی کو بُست برا بھلا کہا اور وہ نادم ہو کر خاموش ہو گیا۔

ایک طرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دہلوی اور حضرت مولانا حکیم امین عثمانوی کے سامنے بھی جو گویں اور شعبہ ہائوں کی کچھ نہیں ملتی تھی اور مجبور ہو کر انہیں ماننا پڑتا تھا کہ یہ لوگ اہل حق ہیں ان کی باتوں میں خدائیت ہے۔ مجھ سے خود بعض ہندوؤں نے ان حضرات کے کمال کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کیا۔ بھگوان حضرات کے خدام میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اہل باطل کے تعزیرات نہیں چل سکتے اور ان کو مغلوب ہو کر اہل حق کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ مجاہدہ و ریاضت کا اتنا اثر مزبور ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کلمہ لیتے ہیں محوٹ نہیں بولتے۔

ن - شیخ منت صاحب برکت کی جو علامات یہاں بیان کی گئی ہیں اللہ اللہ ہم نے اپنے اکابر میں ان کا غور و درجہ اتم پایا ہے۔ دنیا ان کے اتنا نسبت و زہد و عروج اور تقویٰ اور غیبت و شفقت علی الخلق سے واقف ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں موجود ہیں وہ اس کی شہادت دیں گے۔ اس زمانے میں ان اوصاف کمال کی جامع ہستی حضرت ہی کذاست تھی نور اللہ مرقدہ۔

(۲۱۸) جس کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا۔ نہ ان پر سکوت کر سکتا ہے۔ دیکھو یہ شخص جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین ہونے کی شہادت دی ہے حالانکہ جانتا تھا کہ وہ جال و جال دین کے اندر نہیں آ سکتا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تنہا اُس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر بھی قوت ایمان نے اُس کو وہ جال کے پاس جانے اور اُس کی جماعت میں موجودگی میں اُس کو جھوٹا کہنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے کے بعد کچھ کرے گا یا نہیں؟ قوت ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے اگرچہ تنہا ہی رہ گیا ہو۔ جیسا ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا۔ جبکہ بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بعد ازاں صحابہ کی دعائے سامنے یہ نہ تو

اس وقت ان لوگوں سے چشم پوشی کی جانے (سختی نہ کی جائے) کیونکہ روم و خانداس کا خطرہ سر پہ  
 موجود تھا، مگر صدیق اکبرؑ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں ان سے ضرور مقابلہ کروں گا اگرچہ  
 میرے ساتھ ہوا ہیکل اٹھائے نہ ہو (یہ لفظ روم کا ترجمہ ہے اور معنی نے اُس کو تشدید  
 سے پڑھا ہے جس کے معنی زبور معنی بھڑکے ہیں) حضرت صدیقؑ نے یہ بات پوری بھی  
 نہ کی تھی کہ تمام بھڑکے (یا بھڑکے) بھر گئی۔ یہاں تک کہ سب لوگ مسجد سے باہر  
 نکلے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت صدیقؑ سے یہ بات  
 سنی تو سمجھ گیا کہ اُن کی دامنے حق سے اندر تھیلنے لگے تھے بھی اُس دامنے پر شرح صدر  
 عطا فرمایا جس پر حضرت صدیقؑ کو شرح صدر ہو چکا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت  
 الہی قوت ایمان کے موافق ہوتی ہے (جس قدر ایمان قوی ہو گا اسی قدر نصرت  
 قوی ہوگی)۔ قولہ و خبیہ دلیل حط ان من قوی ایمانہ الی قولہ الا  
 بقدر قوتہ الا ایمان۔

**ف۔** جب کسی بدعت اور منکر پر نیکر کرنے والا کوئی نہ ہو تو قوت ایمان کا  
 مقصدی یہ ہے کہ اس وقت یہ نہ دیکھے کہ میں تنہا ہوں، تنہا کیونکر انکار کروں میرے  
 انکار سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس وقت بدعت اور منکر پر ضرور انکار کیا جائے تاکہ حق  
 ظاہر ہو جائے گو ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو کیونکہ اگر کسی نے بھی انکار نہ کیا تو عام مسلمان  
 گمراہ ہو جائیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مسئلہ  
 خلق قرآن کا فتنہ مامون کے زمانے میں پھیلنا اور بعض علماء و گول مول بات کہہ کر چھوٹ  
 گئے۔ بعضوں نے تفسیر کے طوہ پر مامون کی موافقت میں جواب دیے یا تو نچے بھی خیال  
 ہوا کہ گول مول بات کہہ کر چھوٹ جاؤں کہ دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ لاکھوں مسلمان عدبار  
 سے باہر دولت قلم لے کھڑے ہیں کہ احمد بن حنبل جو کچھ کہیں گے اُسی پر اعتقاد کریں  
 گے تو میں نے عزم کر لیا کہ حق کو صاف صاف کہوں گا تاکہ آنت گمراہی میں مبتلا  
 نہ ہو چاہے میرا کچھ بھی مشر ہو۔ غرض جب بدعت اور منکر پر صاف صاف نیکر  
 کرنے والا کوئی نہ ہو اُس وقت صاحب حق کو اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا چاہیے حق

کو بیان بیان کرنا چاہئے۔ غیب بکھلو۔

ف۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بدعت قوت ایمان سے محروم ہیں۔ گو اہل بدعت میں بعض اہل نسبت بھی ہیں۔ مگر ان کی نسبت میں وہ فور نہیں ہوتا جو شیخ شمس صاحب نسبت میں ہوتا ہے۔

(۲۱۹) مسلمان کی بھلائی قوت ایمان کے موافق ہے مسلمان کی بہتری راہ یہاں سے معلوم ہوگا  
 اچھائی : قوت ایمان کے موافق ہے (جتنا ایمان قوی ہوگا اُسی قدر بہتری ہوگی) جب ایمان قوی ہوتا ہے تو یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہی پیش آنے گا۔ چاہے عیشاد ہے یا حرکت کرے پس مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا یا ترغیب دی ہے اس کو ٹھنڈا کیا جائے چنانچہ خدا ہے حل لن یعیبنا الا ما کتب اللہ لنا هو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔ فوادیجے کہ ہم کو اس کے سوا کچھ ہمیشہ مانے گا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہی ہمارا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ شیخ جس کا حدیث میں ذکر ہے (تمنا جا کر دجال کی تکذیب کرے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال ہے) جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے (یعنی تو خدا نہیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے بلکہ تو جھوٹا کذاب ہے اور یہ بہت بڑا بہادہ ہے کہ حق بات کہہ دی اور اس کی پرواہ نہ کی کہ ایمان کیا ہوگا؟

آج کل بعض لوگ جو علماء اور دیندار کہلاتے ہیں حق بات کہنا اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اُس سے دُنیوی ضرر پہنچے گا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کر کے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدترین لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ہم کو خبر دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آنے کا جس میں گلیج کوادی موسیٰ ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو موسیٰ ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا یہ ضرور



نہیں کہ اس سے بالکل ہی کافر ہو جائے بلکہ بعض تو بوجہ مہانت کے فاسق ہو جائیں گے اور فتنہ کو بھی کبھی زحزحہ کفر کہہ دیا جاتا ہے اور بعضے دنیا کی مٹی میں اسلام سے مرتد ہی ہو جائیں گے اعاذنا اللہ من ذلک کلہا اور یہاں جس شخص کا ذکر ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے لا تزال طائفة من أمتی علی الحق ظاہرة الی قیام الساعۃ لا ینزعہم عنہم مخالفہم۔ میری اُمت میں کچھ لوگ حق پر غلبہ کے ساتھ جھے رہیں گے۔ قیامت آنے تک ان کو کسی مخالف کی مخالفت ضرور دے گی۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان مدینہ والوں میں قوی رہے گا اگرچہ بعض میں کچھ گڑبڑ بھی ہو کیونکہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والا مدینہ ہی کا آدمی ہو گا۔ اگر اور کسی جگہ بھی دوسرا ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بھی خبر سن دیتے۔ قولہ و یدہ دلیل علی ان الخبیثۃ منی بقصد الا یصل الی قولہ لا تجز بہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۔ بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والے یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے فیخرج الیہ رجل من قدامک کہ دجال کے پاس ایک شخص میرے دیکھنے والوں میں سے جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں سے ہجر خضر علیہ السلام کے اور کوئی زندہ نہیں وہی اس وقت تک زندہ رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

خضر علیہ السلام کا نام بلیمان بن سلیمان ہے کنیت ابوالباس نہ ہے فقیر خضر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جو ان کا اور ان کے باپ کا نام اور ان کی کنیت اور لقب معلوم کرے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ حدیث میں ان لوگوں کے لیے تسلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں۔ اگرچہ سارا زمانہ ان کا مخالف ہو ان کے لیے نصرت الہی کی مشیت ہے۔ کیونکہ ہم چیز کی وجہ سے اس بزرگ کی نصرت کی گئی وہ ملت یہاں بھی موجود ہے یعنی قوت ایمان اور اللہ کی رضا دیکھنے ہی کو ظاہر کرنا۔

(۲۲۶) ایمانی طاقت ضرورت کے موقع پر صرف قدرت پر

بھروسہ کرتی ہے حکمت پر نظر نہیں کرتی مہزوت کے وقت قوت ایمان تھا قدرت الہیہ پر بھروسہ کرتی ہے۔ قانون حکمت کو کام میں نہیں لاتی گودل میں قانون حکمت اس اثر قدرت دونوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اس شخص نے قانون حکمت سے عدول کیا کہ ایسے کام کے لیے نکل کھڑا جو اس کی طاقت سے باہر تھا اور ثمریت پر کہ قانون حکمت ہے اس سے منہ کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تلغوا بایديکم الف التهلكة \* اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور قدرت الہیہ کا مقتضی یہ ہے وما بعد بعادین بہ من بعدا کا باذن اللہ اور وہ (ساحر کافر) خود کسی کو کچھ مہزوتیں دے سکے مگر اللہ کے حکم سے نیز اس کا مقتضی یہ بھی ہے قل لمن یعیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو وہی بیش آئے گا جو اللہ نے ہمارے واسطے مقتدر کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑی مصیبت قتل ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ہلاک کرنا چاہا تو قتل سے اس کو کچھ مہزوت نہ بچا اور جب دوبارہ اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے شخص اپنی قدرت کا مظاہر کرنے کے لیے جہاں کو اس کے قتل سے روک دیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دہایہ کہ پھر پہلی مرتبہ اس کو قتل پر قسمت کیوں دی گئی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت عظیم کو ثابت کیا ہے کیونکہ اگر پہلی بار ہی قتل سے روک دیا جاتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ دجال نے اس کو دیکھا یا نہ دیکھا یا نہ دیکھا تھا پھر اس کی نکاح سے غائب ہو گیا۔ اور کرامت اولیاء میں شمار کر لیا جاتا (کہ یہ علی اپنی کرامت سے غائب ہو گیا۔ اگر غائب نہ ہوتا دجال مہزور مار ڈالتا) مگر جس صورت سے اللہ تعالیٰ نے کرامت ظاہر کی وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے کہ دجال کو ایک بار اس کے قتل پر قدرت دے دی اور دوبارہ قسمت نہ دی کہ وہ اپنا سامنے لے کر رہ گیا۔

قوله وفيه دليل على ان قوة الايمان عند الضرورة تفعل على القدرة

بعجودھا الی قولہ وما اظہر ان اللہ عز وجل لا یمنہ انکرامہ لرفع اعظم۔  
 دن۔ میں اُس پر شک نہ کیا کہ جب بدعت و منکر پر بغیر کرنے والا کوئی نہ ہو اس  
 وقت اپنے کو خطرہ میں ڈال کر بدعت پر انکار کرنا جائز بلکہ بعض محدثوں میں واجب ہے  
 جبکہ حکوت سے امت کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ پس یہ ضرورت اگرچہ ایک قانون  
 حکمت کے خلاف تھی مگر دوسرے قانون حکمت کے موافق تھی۔ حدیث میں ہے اعظم  
 الجہاد کلمۃ حق۔ عند سلطان چاثر۔ بڑا جہاد حق بات کہہ دینا ہے ظلم بادشاہ  
 کے سامنے۔ اس کو بڑا جہاد اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اس میں جان کا خطرہ غالب ہے  
 چنانچہ بہ کثرت علماء حق ایسے گزے ہیں جنہوں نے سلاطین کے سامنے امر بالمعروف  
 اور نہی منکر کیا اور جان دے دی کیونکہ اس میں امت کو بدعت اور منکر سے بچانے  
 کا فائدہ تھا گو مخاطب کو نفع نہ پہنچا ہو۔ جان کو ہلاکت میں ڈالنا وہاں منع ہے جہاں کوئی  
 نفع مرتب نہ ہو نہ مقابل کو کوئی ضرر پہنچے تو بے فائدہ جان کیوں دی۔

(۲۲۱) ایمان کے ساتھ فتنہ مُعَصِّر نہیں ہوتا کیا یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان  
 دینا بلکہ فتنہ سے ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس شخص کو سخت استقامت  
 پیش آیا کہ قتل کیا گیا پھر زندہ کیا گیا مگر اس سے اُس کی قوتِ ایمان ر کم نہ ہوئی  
 بلکہ زیادہ ہی ہوئی کیونکہ پہلے تو اُس کو ردِ جہال کے جھوٹا ہونے کا علم یقین تھا  
 اب میں یقین ہو گیا اور میں یقین علم یقین سے اعلیٰ ہے۔ جیسا حضرت ابراہیم سے  
 جب کہا گیا اَللہ تو مَن دیکھتا کہ اس کا یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ  
 کریں گے، تو عرض کیا اعلیٰ و مکن لیطمئن قلبی کہ یقین کیوں نہ ہوتا لیکن میں اطمینان  
 قلب چاہتا ہوں (میں علم یقین سے ترقی کر کے عین یقین چاہتا ہوں) اور وہ  
 مشابہہ ہی سے ہو گا، اسی لیے وہ درجہِ غفلت کے مستحق ہوئے اس میں ایک  
 دوسری حدیث کی بھی تائید ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل پر  
 نفع کے بعد دیگرے آتے دہتے ہیں جس پر وہ پیوست ہو گئے اُس میں مایہ و داغ

بید کر دیتے ہیں اور جس دل میں ہوسٹ نہ ہوئے اُس میں سفید (چمکتا ہوا) نشان پیدا کر دیتے ہیں جو ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ دل صاف (آئینہ کی طرح) ہو جاتا ہے پھر اُس کو کوئی فتنہ اس کے بعد ضرر نہیں دیتا۔ چنانچہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتا ہوا اللہ و رسول کے راستہ میں مجاہد بن کر نکلا تو اُس کو قتل سے بھی کچھ ضرر نہ پہنچا بلکہ ایمان میں ترقی ہی ہوئی اور وہ جہاں کی حالت سے راضی ہو جائے گا کہ اُس کے غمخوار قیامات عہد اُس کی تکذیب کریں گے کیونکہ وہ اپنے آدمیوں سے کہے گا بتلاؤ اگر میں اس کو قتل کر کے پھر زغہ کر دوں کیا پھر بھی میرے متعلق شک کرو گے؟ (اُس کا یہ سوال ہی جلتا ہے کہ وہ دعویٰ نے خدائی میں جھوٹا ہو گا؟ اگر اُس کا دعویٰ نے خدائی سچا ہوتا تو لوگوں کے دلوں کو اپنی تصدیق پر غور مائل کر دیتا کیونکہ قلوب قوائدِ قتل کے قبضہ میں ہیں (وہ جس طرح چاہیں اُن کو پھیر سکتے ہیں) پس وہ جہاں کا لوگوں سے اپنی تصدیق طلب کرنا خود اُس کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حق میں کمزوری محال ہے، پھر بڑی کمزوری یہ ہو گی کہ وہ دوبارہ اس شخص کے قتل کا دعویٰ کرے گا مگر قادر نہ ہو گا اپنا سامنے لے کر رہ جائے گا)۔ قوله وفيه دليل على ان الفتنه لا تضر مع الباطن الى قوله وهذا في حق الرعية محال۔

ف۔ حضرت شارح نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کے لیے ایما موتی کی کیفیت دیکھنا چاہی اس میں کلام ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ بدون مشاہدہ مستی کے عین الیقین حاصل نہیں ہو سکتا اور مشاہدہ سے پہلے ابراہیم کو عین الیقین کا وہجہ حاصل نہ تھا مگر حضرت شارح کی مراد عین الیقین سے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ملتا ہے تو یہ مقدمہ سلم ہے مگر اُس کو علم الیقین کے مقابلہ میں لانا درست نہیں کہ اس سے معنی اصطلاحی کا شبہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام عین الیقین و عین الیقین دونوں کے کامیاب تھے۔ جب اولیاء کاملین کو یہ دونوں درجے حاصل ہوتے ہیں تو انبیاء کا کسی

ایک سے غالی ہونا کہہ کر ٹکس ہے اُن کو وحی اور نبوت کے ساتھ ہی یقین بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بدون مشاہدہ کیفیت کے دل کو ایک کیفیت پر قرار نہیں ہوتا بلکہ ذہن نقشے بتاتا رہتا ہے جیسے ہم کو یقین کامل ہے کہ دنیا میں خاندانہ موجود ہے مگر جب تک مشاہدہ نہ کر لیا جائے ذہن کو ایک محدث پر قرار نہیں ہوتا بلکہ مختلف محدثیں ذہن میں آتی رہتی ہیں کہ کبہ ایسا ہے یا ایسا ہے، دیکھنے کے بعد ایک محدث پر قرار ہو جاتا ہے کہ میں ایسا ہے اس کا نام الطینان ہے اور لفظ اس کو یقین یقین کہہ سکتے ہیں اصطلاحاً نہیں۔ اسکی کو حضرت ابراہیمؑ نے طلب کیا تھا اور یہ مقاصد میں سے ہیں بدون اس کے بھی ایمان اور یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم کو بدون دیکھے خانہ کعبہ کے وجود کا پورا یقین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الطینان کی طلب اس لیے کی کہ اُن سے ایمان موتی میں نرود نے منظر کیا تھا اُن کو خیال ہوا کہ شاید پھر کوئی اس باب میں مناظرہ کرنے لگے تو میں اُس کی کیفیت کا مشاہدہ کر لوں تاکہ مشاہدہ کے بعد قوت کے ساتھ گفتگو کر سکوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب مشاہدہ کے کلام میں وہ قوت اور شوکت ہوتی ہے جو طبع صاحب مشاہدہ کے کلام میں نہیں ہوتی جس لیے سچ کر لیا ہے۔ وہ جس قوت اور شوکت کے ساتھ مسائل سچ میں گفتگو کر سکتا ہے سچ نہ کہنے والا نہیں کر سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

پس ہر شخص کو دنیا میں طلب الطینان کی اجازت نہیں نہ ضرورت فالانیا جیہ الخوف والرجاء الطینان تو آخرت ہی میں حاصل ہو گا ہاں طلب یقین لازم ہے۔ اور اُس کا ہر درجہ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اولیا کا شیخ اُس سے کامیاب ہیں کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے لوانکشف الغطاء ما اذ مدت یقیناً اگر پردہ اٹھ جائے جب بھی میرے یقین میں زیادتی نہ ہوگی تو الطینانی کیفیت ضرور پیدا ہوگی لیکن الحجب کا لمعاینہ۔ سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہی ہے مگر اُس کا نام الطینان ہے۔ اولیا کو یقین کامل بدون اس کے بھی حاصل ہوتا

ہے اور انبیاء علیہم السلام اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں (سبعۃ من سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

ن۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ فتنے سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ کتنی محبت ہر حال میں بڑھتی ہے خواہ اُس کی وجہ سے کتنی ہی تکلیف پہنچے اور کتنی محبت ہی کا نام ایمان ہے واذین 'اموا شد جانہ'۔ جس نے عشاق کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ تکلیف دشمن سے عشق کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے۔

د سار د عشق را کج سلامت

خوشا رسوائی کوئے طاعت

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

د شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغ

مہر دوستاں سلامت کہ تو غنیمت آزمائی

ہاں بلا سے جان نکلے تو گھر نکلے نہ آہ

ہوشیار لے دل کہ وہ مہر آزما ہو کیو ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات تفصیل

کے ساتھ بیان فرمادی ہیں۔ جب مومن کے سامنے وہ فتنے آتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو اُس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے وہ ان کو دیکھ کر

بے ساختہ پکار اٹھتا ہے لقد صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بے شک

ہمارے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ جس وقت میں نے اپنے رسالہ العطر الوردی فی

ذکر المسیح والحمدی میں یہ حدیث لکھی ہے دیفشوا القلہ والتجارۃ کہ قیامت

کے قریب قلم اور تجارت بہت پھیل جائے گی۔ یعنی لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ

ہو گا۔ تجارتیں ترقی کریں گی۔ تو میں نہیں بیان نہیں کہ مجھ پر کیسی وجہی کیفیت

طاری ہوئی۔ واقعی حضورؐ نے سچ فرمایا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آج کل ہر قوم کو ترقی

تعلیم اور ترقی تجارت کی کس قدر فکر ہے۔ محافوں گاؤں میں اسکول کھولے جا

سب سے ہیں سلطنتوں کی بنیاد مجددت پر قائم ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود اس قدر ترقی تعلیم کے علم پابند ہے اور جل ترقی پر ہے۔ علامت قیامت میں حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے یقیناً العلم و بکثر الجهل و بکثر الهمم ج بعضی القتل۔ علم سٹ جلتے گا اور جل غالب ہو گا اور گزشتہ بیانی غن و زری زیادہ ہو گی۔ سودا قسری اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کی تو ترقی ہے مگر علم کو تنزل ہے کیونکہ لکھنے پڑھنے کا درجہ زیادہ معنی دینا اور ملوکی منفعت کے لیے ہے خدا شناسی یا مذہب سے واقف ہونے کے لیے نہیں اور ایسے لکھنے پڑھنے کا نام علم نہیں بلکہ سراسر جمل ہے اس کی جس قدر ترقی ہو گی جل ہی بڑھتا جائے گا علم

علمی کردہ جتنی نہ ناید جہالت ست

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کلم کو جتنی ترقی ہو رہی ہے اسی قدر دُنیا میں فساد اور خون ریزی بڑھ رہی ہے۔ یہ فساد کرنے والے ان پڑھ جاہل نہیں بلکہ تعلیم یافتہ مگر بگویت ہیں وہی کسانوں مزدوروں کو سبز باغ دکھلا کر دُنیا میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھ کر مومن کا ایمان پختہ ہوتا اور تصدیق رسول میں برابر ترقی ہوتی ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا دیا ہو ہو پورا ہو رہا ہے۔

اللہم صلّ وسلّم و برک علیٰ هذا النبی الکریم افضل صلوات و

ازکی تسلیم والحمد لله رب العالمین۔

حدیث میں قدرت الہی کا بھی بیان ہے کہ جس کے (۲۲۲) تقدیر کا بیان لیے گرا ہی مقدر ہو چکی ہے اُس کو عبرتیں اور نصیحتیں کچھ بھی نفع نہیں دیتیں۔ دیکھو رجال دعوتے کرے گا کہ میرے خدا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں اس شخص کو مار کر پھر زندہ کر دوں گا۔ سو ایک دفعہ وہ ایسا کر دے گا پھر جب وہ شخص زندہ ہو کر کے گا کہ اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ بعیرت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ تو رجال کذاب ہے، وہ دوبارہ اُسے قتل کرنا

چاہے گا مگر بدن کسی ظاہری سبب کے اس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اب اُس پر اور اُس کے پیروں پر حق کو مان لینا لازم تھا کیونکہ اُس کے دعوے اور دلیل کو باطل کرنے والی چیز کلمہ کُلا سب کے سامنے آگئی جس کا کوئی جواب اُن کے پاس نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ دلائل اور مواضع سعادت کے ساتھ ہی نفع دیتے ہیں اور نقصان اور مصائب شقاوت کے ساتھ ہی مضر پہنچاتے ہیں۔ ہم اللہ عز و جل مالکِ عرضِ عظیم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شقاوت اور محرومی اور فقر اور آزمائشوں سے دونوں جہاں میں بچائیں اور اپنے فضل سے داریں کی سعادت سے سرفراز فرمائیں۔

اللہ کے سوا کوئی رب نہیں۔ وصلی اللہ علیہ و آلہ۔ قولہ خلیہ دلیل علی الظہار

قد رزقنا اللہ عز و جل۔ قولہ الحمد و آلہ۔

فت۔ یہی وہ مقام ہے جس نے عارفین کو مرزا رکھا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اُس کی تقدیر میں کیا ہے گو ظاہرِ حل سے انجام کا پتہ مل جاتا ہے مگر قطعی فیصلہ مرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں۔

غافل مرد کہ مرکب مردانِ مردوار      در سنگلاخِ بلورِ بہا بریدہ اند  
نوسید ہم مباحثِ کر زلینِ ہوش      ناگاہ یک غرضِ بنزلِ رسیدہ اند

۷۔ گدشک کند فرشتہ بر پائنتی ما

گد خندہ زندہ یوزنا پا کنتی ما

ایمان جو سلامت بہ لبِ گور بریم

احسن بریں پستی و چالا کنتی ما

ہر شخص کو حسنِ خاتمہ کا اہتمام کرنا اور اُس کے لیے دل سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

و رزقنا اللہ و ایاکم حسن الختام بحرمۃ الشیء والہ و اصحابہ الکرام علی اللہ

تعالیٰ علیہ و علیہم اذی یوم القیام۔ والحمد للہ رب العالمین۔



## حدیث

### حراسة مكة والمدينة من الدجال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دنیا کا) کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ پہنچے بجز مکہ اور مدینہ کے کہ ان کے دستوں میں سے کوئی ناکستہ ایسا نہ ہو گا جس پر فرشتے صفت ہاندے ہوئے ان کی حفاظت دے سکتے ہوں۔ پھر مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ آئے گا تو ہر کارافرمانفق (مدینہ سے نکل کر) دجال کی طرف چلائے گا۔

حدیث کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ دجال زمین کے تمام جلد میں پہنچے گا بجز مکہ اور مدینہ کے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ایک تو یہ کہ اس میں دجال کے ظہور کی تہنیت ہے کہ وہ ظاہر ہو گا اور تمام لوگ زمین کا دودھ کسے گا۔ مکہ مدینہ کے پاس بھی پہنچے گا مگر فرشتے کلمہ صفت ہاندے ہوئے ان دونوں مقدس شہروں کی حفاظت کرتے ہوں گے اس لیے اندر نہ پہنچ سکے گا مدینہ کو تین بار زلزلہ آئے گا۔ کار و منافق اس زلزلہ کو دجال کا تعارف سمجھیں گے اور اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ مدینہ کی ایسی مثال ہے جیسے بھٹی کی جس طرح اس میں سونے چاندی کا نیکل کپیل نکل جاتا ہے اسی طرح مدینہ غیبتوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے۔

(۲۲۳) مکہ اور مدینہ فضیلت میں برابر ہیں کہ فضیلت میں مکہ اور مدینہ دونوں برابر ہیں کیونکہ وہاں تمام زمین کو پامال کر کے لاکھوں دو (مقدس شہروں میں دہنچ سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اس کی تائید دوسرے دلائل قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر مدینہ میں یہ خصوصیت ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریفین اور مسجد مبارک ہے اور حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا ہے تو مکہ میں یہ خصوصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت مکہ میں ہوئی وہاں آپؐ نبوت سے سرفراز ہوئے اور وہیں آپؐ کا قبیلہ ہے اور نبوت کے بعد حضورؐ کا قیام مکہ میں بھی مدینہ کے برابر ہی ہوا (بلکہ کچھ زیادہ) مشہور قول یہی ہے (کیونکہ آپؐ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال قیام فرمایا اور مدینہ میں دس سال رہیں) آفتاب رسالت کا مطلع نکسے اور مغرب مدینہ ہے۔ قوله وذا من هذا الحديث يعطى التسوية بينهما المفضل الى قوله ومنهما بالمدينة۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ فقہوں کا نہیں مگر صوفیہ نے اس سے بحث کی ہے اس لیے ترجمہ کر دیا گیا۔ اس باب میں پہلے اکابر کا فیصلہ یہ ہے کہ جہنا مکہ میں اچھا اور مرنا مدینہ میں اچھا۔ کیونکہ مکہ میں اعمال صالحہ کا ثواب مدینہ سے زیادہ ہے کہ مسجد اہرام کی ایک ناز ایک لاکھ نازوں کے برابر ہوتی ہے اور مسجد نبویؐ میں ایک ناز پچاس ہزار نازوں کے برابر ہے۔ پس زندگی مکہ کی افضل ہے اور جب قربت کا احساس ہونے لگے اُس وقت مدینہ پہنچنا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له دين فليصل إلى مكة فمكة خير من كل شيء. (مسلم) اور ان کے مقتدرین مکہ کو مدینہ سے افضل کہتے ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیم اطہر سے قبر شریفین میں سے کٹے ہوئے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے اور ابن حنفیہ نے قواسم کو مرسلین و کوس سے بھی افضل کیا ہے کذا في الفتن ج مع الحاشية ۱۲۔

من استطاع فليصل اليه فليكلم او كما قال "۔ میں سے یہ جو سکے کہ مدینہ میں اُس کو موت اُسے اُس کو ایسا کرنا چاہیے "۔

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے وہ لوگ ہوں گے جو بیعت النخض (قبرستان مدینہ) میں مدفون ہیں۔ پھر آپؐ تکہ والوں کا انتظار فرمائیں گے اور ان سب کو ساتھ لے کر میدان محشر میں تشریف لائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے وہ آپؐ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب ہوں گے۔ اللہم ادرقنی شهادة في سبيلك واجعل موتی ببلد رسولك صلی اللہ علیہ وسلم آمین۔

(۲۲۴) دجال کو خوارق بہت دینے ہائیں گے پس خوارق کو علا

قبول نہ سمجھا جائے جب تک اتباع سنت نہ ہو کہ اس لعین (مردود) دجال کو خوارق عادات بہت دی جائیں گی جن میں سے ایک تو یہی ہے کہ وہ تمام بدنہ زمین کا اندرہ کرے گا حالانکہ (دعویٰ الوہیت کے بعد) اُس کا قیام زمین میں صرف چالیس دن ہو گا اس سے زیادہ نہیں البتہ ان آیام میں پہلا دن سال ہجر کے برابر ہو گا اور دوسرا سینہ کے برابر اور تیسرا ایک جنت کے برابر اور بقیہ آیام عام دنوں کے برابر چھوٹے بڑے ہوں گے۔ حضرات صحابہ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان لمبے دنوں میں ہمیں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ نمازوں کے لیے وقت کا اندازہ کر لیں۔

عہدِ رسالت سے حضرت صحابہ کی فکر دین کا اندازہ ہو گیا ہو گا انہوں نے ان یہ سب شقوقِ ربوی پریشانیوں کا علم۔ پالت نہیں کیا صرف دینی پریشانی کا حل دریافت کیا پھر یہ بھی نہ پوچھا کہ وقت کا اندازہ کیونکر کریں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس وقت کوئی صورت یہی پیدا ہو جائے گی جس سے اندازہ کرنا آسان ہو۔ (الحسنہ)

دوسری عرقِ عادت پہلی حدیث میں گزر چکی ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ ایک یہ کہ وہ زمین میں دان ڈالے گا تو اُنسی وقت تک بھی اُسے گا، پک بھی جائے گا کٹ بھی جائے گا۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ دونوں کے ہنڈاڑ ہوں گے۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ جنت اور دوزخ کا غروب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ جو اُس کی جنت میں داخل ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا اور جو اُس کے دوزخ میں داخل ہوگا وہ جنت میں ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ کسی سے کہے گا کہ میرا کتنا مان لے وہ انکار کرے گا تو اس شخص کا مال و جال کے ساتھ ہولے گا۔ اب وہ شخص بھی اپنے مال کی وجہ سے دجال کا پیرو ہو جائے گا۔ غرض دجال کے کفر کا اداس کی وجہ سے لوگوں کے کافر ہونے کا بڑا سبب یہ خوارقِ عادت ہی ہوں گے جو اس لعین کو دینے جائیں گے۔ اس کے ظہور سے پہلے سات سال ایسے گزریں گے جن میں دُ آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نازل ہوگا نہ زمین سے کوئی دان اُسے گا (مگر اُس وقت امامِ ہدی علیہ السلام موجود ہوں گی جن کی برکت سے مسلمان بھوکے نہ رہیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے ذکر اللہ اور تسبیحِ خدا کا کام ادیکھا۔ اُن کے غم و تکلیف سے بڑے جیسے شکم تلے ایک دم گر پڑیں گے۔ دجال کے پاس تو شعبے ہی ہوں گے۔ حضرت امام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی کرامات ہوں گی جن سے مسلمان کے دل مطمئن اور مضبوط ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر فرعون کے ساتھ ایک موسیٰ اور ہر زہر کے ساتھ تریاق بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔

چلے گا۔ چنانچہ اس وقت گمراہی گھنے موجود ہیں۔ گمراہی کے ذریعے اوقاتِ غارت کا پتہ چلتا ہے گا اور کسی سے ایام کی گنتی بھی رہے گی جس سے رمضان کا نام معلوم ہوگا۔ اُس میں سونہ بھی گمراہی کے شکار سے رک لیا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو آیام کی شمار بڑے اہتمام سے کرنا ہوگا اور ہر میزبانی دن کا شمار کرنا ہوگا۔ اسی سے رمضان کا علم بھلا کے لیے اور دنیا کا علم مانگے لیے ہوگا اور لیکن ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو علمِ اوقات کا کوئی اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ بتلا دیں۔ وما ظلت علی اللہ یعزیز۔ ۵۰۔

تاکہ صاحب بن گمراہی سے محفوظ رہیں اور جو خود ہی گمراہ ہونا چاہے اس کا کوئی علاج نہیں) اسی لیے اہل تحقیق اُن خوارقِ عادات پر نظر نہیں فرماتے جو اُن کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا کرتی ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی زیادہ ہوں (کیونکہ خوارقِ عادات و جال سے بھی ظاہر ہوں گی تو اُن پر نظر کرنا اور اُن کو مقبولیت کی علامت قرار دینا غلطی ہے جب تک ان خوارق کے ساتھ کمالِ اتباعِ سنت اور تقویٰ اور محبتِ حق موجود نہ ہو) بعض بزرگ گاہِ دین تو ان خوارق سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ اُن کو اس سے معاف کیا جائے۔ چنانچہ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آگیا جس سے پار ہونا بدوُن کشتی کے دشوار تھا اُن کے پاس کچھ تھا نہیں جو کشتی والے کا کرایہ دے دیتے یہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کروں دفعۃً ان کی نذر دریا پر پڑی کہ اُس کے دونوں کنارے اس قدر قریب ہو گئے ہیں کہ ایک ہی قدم کا فاصلہ دیکھا گیا ہے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا خداوند اگر یہ کرامت ہے تو اس کو آخرت کے لیے میرے واسطے ذخیرہ (کے طور پر محفوظ) کر لیجئے اور اگر سطحِ بحرِ مود کی طرف سے (کوئی شعبہ) ہے تو اس کو مجھ سے دین کر دیجئے۔ دریا فوراً جیسا تھا دوسرا ہی ہو گیا اور بزرگ نے اپنے پیڑوں میں سے ایک کپڑا کشتی والے کو دیا جس کے بعد (کرایہ دے کر) پار ہو گئے۔

بزرگوں سے اس قسم کی حکایات بہت ہیں (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارقِ عادات سے غرض نہ ہوتے تھے بلکہ ڈرتے تھے) بس اُن کو تو پہنے اعمال اور ایمان کی تحسین و تکمیل کا اہتمام تھا اور ان ہی کی برکات کی طلب تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال میں (اخلاص (کا، جہام) کرے حکمت کے چشمے اُس کے دل سے زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں (یعنی اولِ اخلاص کی برکت سے دل میں علومِ حکمت کا انوار ہوتا ہے پھر اُس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ یہ حدیث صوفیاء کی چکرکشی کی اصل ہے) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رقت (قلب) کو تین چیزوں میں

طلب کرو۔ نازیں، محابہ، قرآن میں، ذکر اشریں۔ اگر ان میں رقت پاؤ (توضیر) ورد جان لو کہ دروازہ بند ہے (پس ایمان اور اعمال صالحہ کی یہ برکات تو مطلوب ہیں۔ کرامت و خورق حاصل مطلوب نہیں) اسی طرح اور جو حقوق (شرعیہ) ہیں (وہ ان کا اہتمام کرتے ہیں) ان ہی سے ان کا حال درست ہوتا ہے۔

فیہ دلیل علی کثرة ما یعمل هذا اللعین من خرق العادة الی قوله ویبدا صلاح حالہ۔

ف۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے تین چیزوں میں رقت طلب کی طلب کا حکم دیا ہے مگر آج کل بعض مدعیان تعوت سماج اور قوالی میں رقت طلب کی تلاش کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اہل سماج کو ناز اور تلاوت قرآن اور ذکر ائمہ میں رقت حاصل نہیں ہوتی اور جس کو ان سے رقت حاصل نہ ہو اُس پر دروازہ بند ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جہدگان دین نے جو سماج سنا ہے وہ بالکل کاسا سماج متویر کے ساتھ نہیں تھا اور جیسا بھی تھا بطور غذا کے نہ تھا بلکہ دوا کے طور پر تھا۔ جب کسی پر یقین طاری ہوتا تھا اُس وقت بطور علاج کے اُس کو استعمال کرتے تھے۔ مگر بالکل لوگوں نے دوا کو غذا بنا لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناز اور تلاوت و ذکر میں ان کو رقت و عطا نصیب نہیں ہوتی جو حدیث کے موافق محرومی کی علامت ہے۔

ف۔ آج کل پنجاب میں ایک اور مدعی پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ جال اکبر پیدا ہو چکا ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا قادیانی بھی دجالوں میں سے ایک تھا مگر وہ جال اکبر نہ تھا۔ اُس میں دجال اکبر کی علامات موجود نہ تھیں۔ بڑی علامت تو یہ ہے کہ اُس کا ظہور زمانہ صدی علیہ السلام میں ہو گا اور اب تک حضرت امام کاظمؑ نہیں آئے۔ دوسری علامات وہ ہیں جو مختصر اس مقام میں مذکور ہیں مگر پنجاب کے محلے نے ان خورق میں عجیب بے تکلی تاویلیں کی ہیں اور بعض کے دلوں کو بے وقوف بنایا ہے مگر اُس کو اتنا شعور نہیں کہ قرآن

حدیث کے کھنڈے والے وہی لوگ تھے جو زمانہ نزول وحی میں موجود یا انہی کے قریب تھے۔ جس شخص کو فصاحت و بلاغت اور اجماع قرآن کی ہوا بھی نہ لگی ہو نہ قرآن و حدیث سے کافی ذوق ہو اُس کو فہم قرآن و حدیث کا دعویٰ جائز نہیں۔ اگر اس طرح حدیثوں میں بے نیکی مداخلت کی جائے گی اور مادیانہ حدیث کو بے وقوف بتایا جائے گا تو ایسا شخص خود ستر و جالوں میں سے ایک در حال ہو گا۔

رہا یہ کتنا کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں تو قیامت کی علامات کا تساری عقل میں آنافزوری نہیں۔ صرف حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ قیامت کی کیفیت خود عقل میں نہیں آسکتی تو اُس کی علامات کا عقل میں آنا کیا ضروری ہے؟ اور اب تو سائنس نے بہت سی بعید از قیاس باتوں کو قریب کر دیا ہے۔ پہلے کس کی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ ریڈیو کے ذریعے لندن کی تقریر ہندوستان میں سنی جاسکتی ہے۔ مگر آج سب سُن رہے ہیں۔ پس انتظار کرو انشاء اللہ منقریب وہ وقت بھی آجائے گا جب علامات قیامت سب کی سب تساری عقلوں سے قریب ہو جائیں گی۔ اس مدعی نے ایک کمال تو یہ کیا ہے کہ ظہور مہدی کا تو افراہ کیا ہے مگر نزول یحییٰ علیہ السلام سے انکار ہے حالانکہ سلف میں بعض ایسے قوم گزریے ہیں جنہوں نے ظہور مہدی سے انکار کیا ہے اور حدیث ابن ماجہ لا مہدی الا یحییٰ کی وجہ سے مہدی اور یحییٰ کا مصداق یعنی علیہ السلام ہی کو قرار دیا ہے مگر ایسا کوئی نہیں جو جس نے نزول یحییٰ سے انکار کیا ہو۔

اس مسئلہ کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ مہدی اور یحییٰ علیہ السلام ایک ایک دو شخصیتیں ہیں اور حدیث ابن ماجہ کو ضعیف کہا ہے جو احادیث مجیدہ متواترہ کو رد نہیں کر سکتی۔ یعنی علیہ السلام زمانہ مہدی میں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال اکبر کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ اس وقت چونکہ دجال کا مقابلہ ہو گا جس کے پاس خوارق عادات بہت کچھ ہوں گے اس لیے یحییٰ علیہ السلام سے بھی بہت خوارق عادات ظاہر ہوں گے۔ پس یہ شبہ لغو ہے کہ یحییٰ علیہ السلام سے ایسے معجزات اپنی نبوت کے دہانے میں تو ظاہر نہیں ہونے اب زمانہ مہدویت میں کیوں ظاہر ہوں گے؟ جواب

وانچ ہے کہ اس وقت دجال کبر کا مقابلہ ہو گا جس کے برابر اہل باطل میں کوئی بھی مناسب خوارق نہیں ہوا۔ ایک شبہ یہ کیا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے سارے کافر ہلاک ہو جائیں گے تو وہ تجدید دین کے لیے تبلیغ و اصلاح کس کی کریں گے؟ جواب یہ ہے کہ یہ غایت اُن کے سانس میں لشکر دجال سے مقابلے کے وقت ہوگی کہ اُس کے ساتھ مڈی دل کافر ہوں گے اور نکلن ہے اُس کے پاس میدان جنگ میں چھوڑنے کیلئے گیس وغیرہ بھی ہوں اُن کے گیس کا جواب عیسیٰ علیہ السلام کا سانس دے گا۔ اُن کا گیس تو دوست دشمن سب ہی کو ہلاک کرنے والا ہو گا مگر عیسیٰ علیہ السلام کا سانس صرف کافروں کو ہلاک کرے گا۔ مسلمانوں کو قوت و فرمت بخشنے والا۔ اس طرح دجال کے قتل تک بہت سے کافر ہلاک اور بہت سے فرار ہو جائیں گے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا، تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کفار ہلاک نہ ہوں گے۔ چنانچہ خروج یا جوج و ماجوج کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ غایت دائمی ہوتی تو اُن کو کوہ طور پر جانے کا حکم کیوں ہوتا؟ بلکہ یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے سانس سے یا جوج و ماجوج کو بھی ہلاک کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے سانس میں یہ غایت صرف اُسی ایک میدان میں ہوگی جہاں دجال سے مقابلہ ہو گا۔ اسی طرح اُس نے اور بھی مشہدات نکالے ہیں جن کا منشاء بعض غلبہ فہم اور غلبہ ایمان ہے جن کو اللہ کی قدرت پر پُر ایمان ہے وہ ایسے شبہات نہیں کر سکتے کہ لو۔

(۲۲۵) حرمت مکان سے ایمان ہی کے ساتھ نفع ہوتا ہے <sup>بیان</sup> مگر مکان کی حرمت ایمان کے ساتھ ہی نفع دیتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دجال کی طرف (مدینہ سے) ہر کافر اللہ منافق نکل کر آئے گا جس سے مسلم ہوتا ہے کہ اُس وقت مدینہ میں کفار اور منافق بھی ہوں گے حالانکہ اس وقت وہاں نفاق ظاہر نہیں۔ نہ مدینہ میں کوئی کافر مقیم ہے نہ وہاں جا سکتا ہے تو اُس وقت عالم



میں فساد بہت ہی زیادہ ہو گا (کہ کفار و منافقین مدینہ میں آباد ہوں گے) حضورؐ نے عامی اور فاسق نہیں فرمایا (بلکہ کافر و منافق فرمایا ہے تو یہ لوگ باوجود مدینہ میں رہنے کے فتنہ و جال سے محفوظ رہیں گے کیونکہ بدون ایمان کے حمت مکان سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ مدینہ کے مومن تو سب اُس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے خواہ سختی ہوں یا غیر سختی۔ کیونکہ ایمان کے ساتھ برکت مکان سے سب کو نفع ہوتا ہے) اسی لیے امام مالکؒ نے اپنے ایک دوست کو لکھا (مجھ یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا تھا جبکہ اُنہوں نے بیت المقدس کی طرف جانے کا ارادہ کیا کہ زمین کسی کو پاک نہیں کرتی بلکہ انسان کو اُس کا محل پاک کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اپنے لیے ایسی چیز کو تلاش کر لو جو تم کو پاک کر دے خواہ اُس علم ہو یا حسن عمل کیونکہ بھلا مسالہ بہت نازک ہے۔

وہ ذیہ دین مختلف ان حرمة البقعة لا تنفع الا مع الايمان الى قوله فاما من  
وہ اللہ خطر -

ف - حضرت شارح کے زمانے میں تو یہ بات کسی مسلمان کی عقل میں نہ آ سکتی تھی کہ مدینہ میں کفار و منافقین بھی رہ سکتے ہیں۔ مگر آجکل ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ امریکہ کی کمپنی کو حجاز کے مساجد اور پٹرول کا ٹھیکہ دے دیا گیا ہے اور یہ لوگ بے تکلف تہذیب کے اُس پاس موٹریں لیے پھرتے ہیں۔ کیا محب ہے کسی وقت اُن کو مدینہ میں مکان بنا کر رہنے کی بھی اجازت دے دی جائے۔ سلطان نجد و حجاز کا یہ فعل تمام مسلمانوں کے دلوں میں کاسے کی طرح کھٹک رہا ہے کہ اُنہوں نے کفار کو اس قسم کا ٹھیکہ دے کر جہاد میں رہنے کا موقعہ کیوں دیا؟ اگر مساجد کی تلاش ہے تو پہلے اپنے گویہوں کو سب و سرکے بیچ کر اس کام کی تعلیم دی ہوتی پھر اُن تعلیم یافتہ مسلمانوں سے یہ کام لیا ہوتا۔ مگر آجکل ہمارے سلاطین کو جو سمجھتی ہے اُلٹی ہی سمجھتی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود تو سب کے سب دجال کے ساتھ ہوں گے وہ تو اُس کو اپنا بادشاہ اور خدائیں گے۔ ممکن ہے کہ کچھ نصاریٰ یہود کی عداوت کے سبب دجال کو نہ

مائیں اور مسلمانوں سے یہ ٹھن کر کوکتہ اور مدینہ میں دجال د پہنچ سکے گا، مدینہ میں پناہ لیں اور کچھ منافقانہ اسلام بھی لے آئیں مگر ٹھوکر دلی میں ایمان نہ ہوگا اس لیے دوزخوں سے گھبرا کر دجال کے پاس پہنچ جائیں گے۔

فت۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو محض تعلیم، امیر یا چیران، کلیر یا قیام چونکہ تفسدِ جمہور قناعت کئے ہوئے ہیں، اعمال کا اہتمام نہیں کرتے نہ ایمان کی حفاظت کرتے ہیں اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ مکانِ مقدس سے اُس کو نفع ہو تا ہے جو اُس کے تقدس کی رہنمائی کر کے اپنے عمل اور ایمان کو مقدس کرنے کی کوشش کرے ورنہ قیام مدینہ بھی نفع نہیں دے سکتا۔

(۲۲۶) دعویٰ کی حقیقت امتحان کے وقت کھلتی ہے یہاں سے معلوم کی حقیقت امتحان ہی کے وقت کھلتی ہے۔ دجال کے قفسہ میں دیکھو کہ بہت لوگ ایمان کی آٹھیتے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں گے مگر دجال کے آنے پر یہ دعویٰ کچھ بھی نہ ٹھہرے گا۔ اِس میں کا ایمان واقعی (سچا) ہوگا اور ایمان کے متعینہ پر عمل بھی کرتا ہو گا (وہ ثابت قدم رہے گا) اسی لیے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ختنوں کا ذکر فرمایا اور صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر یہ زمانہ ہمارے سامنے آجائے تو آپ اُس وقت کے لیے ہم کو کیا حکم دیتے ہیں ؟

آپ نے فرمایا الجعل والالی الا یہاں والامصال العذیخت۔ ایمان لوہا محال صالح کی پناہ حاصل کرو۔

حالانکہ یہ حضرات سب مومن تھے پھر بھی ایمان و اعمال صالح کی پناہ لینے کو فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ اور اعمال صالح بھی ایمان کو قوت دینے والے ہیں کہ اسی سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

اور اس میں ہر شخص کو مشتبہ ہر شخص کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیئے کیا جگہ ہے کہ ہر زمانے میں

اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ کیونکہ کوئی زمانہ بھی دجالوں سے خالی نہیں ہوتا۔  
 (حدیث میں ہے کہ میرے اور دجال اکبر کے درمیان کچھ اور ستر دجال ہوں گے، پس  
 ہر شخص کو اپنی حالت میں نظر کرنا چاہیئے۔ مبادا وہ دجال کے قبیحین میں سے ہو یا  
 خود ہی (ستر دجالوں میں سے ایک) دجال ہو۔

معیار امتحان کتاب و سنت کی میزان ہے بشرطیکہ تفسیر سلف صالح کے  
 اور اس کی پہچان کا ایک ہی معیار ہے کہ اپنے کو کتاب و سنت کی  
 موافق ہو میزان سے تول کر دیکھتا رہے اور کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح  
 کے موافق کرتا رہے (سبحان اللہ کیا بات فرمائی ہے جس نے ہر وطن و فریب کا  
 رخنہ بند کر دیا کیونکہ بعض لوگ اپنی حالت کو کتاب و سنت کے موافق تو ظاہر کرتے ہیں مگر  
 کتاب و سنت کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں اس طرح اپنے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں  
 اور مملوک کو بھی۔ اگر کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کر کے اپنی حالت کو  
 اُس کے موافق نہ پائے (اور پھر بھی کمال کا دعویٰ ہو) تو یہ شخص مستند ہے اور اُس کو  
 پتہ بھی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے **سنت دجھہ من**  
**حيث لا يعلمون**۔ ہم اُن کو اہستہ اہستہ پکڑیں گے کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی۔  
 اسی معنی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔  
**حاسبوا قبل ان تحاسبوا**۔ اپنا محاسبہ خود کرتے رہو اس سے پہلے کہ (قیامت  
 میں) تم سے حساب لیا جائے گا اور (ہر وقت) ادب اور خوف کو اپنے اُوپر لازم رکھو  
 کیونکہ بخدا معاملہ سنگین ہے اور آج ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں بھلائی کے  
 نشان بدل گئے اور راستے مختلف ہو گئے ہیں۔ بھلائی کی طرف بلانے والے اور چلنے  
 والے کم ہیں بلکہ زیادہ شر کی طرف بلانے والے اور شر کے راستے پر چلنے والے

ہیں) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لطف کے ساتھ ہماری دستگیری فرمائیں (آمین و ملحقہ علیٰ رحمۃ اللہ) سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و جنہیں )۔

۱۱۔ حق بات کو چھپا پائیں جاسکتا ہر زمانے میں صدی کے شروع پر اللہ تعالیٰ اس امت میں مجدد پیدا فرماتے ہیں جو دین کی اصلی شہادت کو مسلمانوں کے سامنے واضح کر دیتے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں اور اہل قلوب کو عزت و احترام ہے کہ اس صدی کے مجدد حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب خان فاضل دیوبند رحمہ اللہ تھے۔ پس مسلمانوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و مواعظ و رسائل کا مطالعہ کرنا اور حق و باطل کو ان کے ارشادات سے معلوم کرنا چاہیئے۔

حضرت کے وہ خدام ابھی تک زندہ ہیں جن کے سامنے حضرت اقدس نے ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار فرمایا ہے کہ مشرک گاندھی اس زمانے کا دجال ہے اسی لیے حضرت کو کانگریس سے نفرت تھی اور اُس میں شرکت سے مسلمانوں کو منع کرتے تھے۔ اب بعض عقلمندوں کی ستم ظریفی ملانے ہو کہ جواز شرکت کانگریس کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو درجہ تقدیر محنت نسبت کہ ہنوز اسی میں کلام ہے) حضرت کا لکھا ہوا ہے جب کہ کانگریس میں گاندھی کا وجود بھی نہ تھا اثر تو کیا ناک ہوتا۔ اور حضرت حکیم الامت نے شرکت کانگریس سے اُس وقت منع فرمایا ہے جب مشرک گاندھی کا نام کانگریس اور کانگریس کا نام گاندھی ہو گیا اور وہ مشرک گاندھی سے ملتا تھا گاندھی بن گیا تھا۔ اہل عقل سیاست و ان طبقے نے تجربہ کے بعد حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے موافق عمل آنکھوں دیکھ لیا کہ واقعی یہ شخص دجال ہے جس کا ظاہر صالح کل اور باطن دشمن اسلام ہے۔ دل کی دشمنی چھپی نہیں مانتی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

قد بدت البغضاء من افواحہم وعاثت فی صدورہم اکیبر قد بینا لکم۔ لآیات ان کنتہ تعقلون ۵

زیادہ افسوس اُن علماء پر ہے جو اب تک کانگریس کا دُوم چلے بنے ہوئے

۵۳۸

اور مسلمانوں کو اُس کے ساتھ وابستہ رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس کی اسلام دشمنی اب بالکل عیاں ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنی دشمنی کا ایسا غور نہیں کیا ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو ان نام نہاد علماء کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادِ گرامی کو مشعلِ راہ بنا کر اس دجال سے اور اس کی جماعت سے دور ہی رہنا چاہیئے۔

دوسرا دجال اس زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی تھا جو بہت سال پہلے گزر چکا مگر اُس کی جماعت باقی ہے مسلمانوں کو اس جماعت سے بھی دور رہنا اور اُس کے دجل و فریب سے بچتے رہنا چاہیئے۔

## حدیث

## من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج

عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا جو تم میں سے بیوی کے نان و نفقہ کا متحمل ہو اُس کو نکاح کرنا چاہیے کہ وہ نگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا اور شرمگاہ کو زیادہ پاک دامن بنا دیتا ہے اور جو اس کا متحمل نہ ہو سکے وہ روزہ کو اپنے اوپر لازم کر لے کہ وہ مادہ شہوت کو کم کرنے والا ہے۔

شرح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس میں نکاح کا امر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح غلبتزوج فرمایا ہے جو لہر کا میضہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ مادہ شہوت کو کمزور کر دیتا ہے۔ اسی لیے دوسری روایت میں روزے کا حکم جوانوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بوجڑھوں میں یہ مادہ خود ہی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے اُس کے تعاضے کو دلچ کر سکتے ہیں۔ جوان آدمی اُس کے تعاضے کو آسانی سے دفع نہیں کر سکتا تو اُس کو روزہ کا حکم دیا گیا، اگرچہ وہ بہت کرے تو جہنم روزہ کے بھی یہ تعاضد دفع ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغض للبصر احسن للفرج فرمایا ہے کہ روزہ نگاہ اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا ہے یعنی حفاظت کا ایک درجہ بغیر اُس کے بھی قدرت میں رہتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کو ہر حالت میں نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا شرفا امر ہے خواہ اُس میں اتنی ہی زیادہ

شہوت ہو۔ کیونکہ انگلیں نیچے کر لین اور سر نگاہ کو حرام سے بچانا قدرت سے باہر کسی وقت بھی نہیں اگرچہ جوان کو اس میں جڑا مہابہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ دین میں مضبوط نہ ہو اس قدرت کو کام میں نہیں لاسکتا (مگر مہابہ اور مشقت لازم آنے سے قدرت سے خلع ہونا لازم نہیں آتا) یہ اور بات ہے کہ اسباب سہولت پر عمل کرنے کے بعد زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جوانوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے اس مادے کا تعاف خاطر نہیں رہتا (حفظ الخداۃ ما ذکرہ الشارح ۵۶ صفحہ ۱۸۱)

(۲۲۷) انسان اسباب سے کام لینے کا مامور ہے، ہوا کا اسباب معلوم سے کام لینے کا مامور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرارت (شہوت) دافع کرنے کے لیے سبب سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے کہ شادی کرے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو مددہ رکھے۔ اسی طرح جو بھی نفع اور ضرر ہو انسان کو اُس کے دفع یا تحصیل کے اسباب کو کام میں لانا چاہیے۔ جس طرح بھی شریعت کے موافق اُسے قدرت ہو یا یہ تو اس حدیث کا مدلول تھا، لیکن بخاری حدیث اس کے سادہ (بھی) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جوان ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا میں مبتلا ہونے کا خطر ہے اور عورتوں سے شادی کرنے کی قدرت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے تو انہوں نے کئی مرتبہ اسی بات کو دہرایا۔ تیسری دفعہ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کو ہمیشہ آنے والا ہے کلمہ (تقدیر) اُس کو نکھ کر خشک ہو چکا ہے اب ہا ہے اسی پر گفتا کرو یا (پریشانی) بڑھاتے رہو۔

یہاں حضورؐ نے ترک اسباب اور رضا بر قضا کا حکم فرمایا اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اُس میں اس حالت کے زوال کی تدبیر اور اسباب زوال میں کوشش کرنے کا حکم ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابوہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے تھے جن کو اکثر فائدہ کی نوبت ہمیشہ آتی تھی اور حضرت ابوہریرہؓ تو مجھوک کی شدت

سے بے ہوش بھی ہو جاتے تھے پھر بھی اُن کی حرارتِ شہوت کم نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اُن کو روزے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ توکل اور رضا بر قضا کی تعلیم دی گئی۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک تدبیرِ رافق ہو تدبیر کرنے کا حکم ہے اور جب تدبیر بیکار ہو جائے اُس وقت تقدیر پر راضی رہنے کا حکم ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اُدھنی کو نکھلا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں (یا باندھ کر توکل کروں) فرمایا اعتقلھا و توکل اس کو باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو و اگر باندھنے کے بعد بھی کسی طرح بھاگ جائے (اور تلاش سے نہ ملے) تو اب تقدیر پر راضی ہو (عزمن حضور نے اس حدیث میں تو حکم شریعت بیان فرمایا ہے اور ابوہریرہؓ کے واقعہ میں حکم حقیقت بیان فرمایا ہے صحت تسلیم و رضا۔

پس انسان کو چاہیے کہ اسبابِ شرمجہ میں اپنی سی کوشش پوری کئے جن کے اعتماد کرنے پر عادتِ الیہیں ہی جاری ہے کہ اُن سے نفع حاصل ہوتا یا ضرر و نفع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسباب پر نظر نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ ان ہی سے نجات ہوگی۔ بلکہ قضا و النہی کے سامنے گردن جھکا دے اور سمجھے کہ نجات محض فضل سے ہوگی اس کے عمل سے نہ ہوگی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اول تو ایمان کی تحقیق میں پوری کوشش صرف کی (اپنی قوم کی کٹ جتنی کا پوری طرح جواب دیا) مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ (ساتھ ساتھ) یہ بھی فرمایا (ولا اخاف ما نشر کونہ۔ الا ان یشاء ربہ) شیئا و سمعہ و فی کل شئی علما۔ تمی تمہارے ان مجبورے معبود سے اصلاحیں ڈرتا (یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) ہاں پہلو پر درد و گدہ ہی کچھ چاہے (تو اور بات ہے) میرا رب ہر عزیز کو اپنی وسعتِ علم سے محیط ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام مشیت پر بھروسہ نہ کرنے والے تھے (اسباب پر نظر کرنے والے نہ تھے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت مصطفیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے کہ شیطان طعون آپ کے سامنے آیا اللہ کہنے لگا اے مصطفیٰ! تمہارا قول یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی سامنے آئے گا تقدیر کے غصہ کچھ نہیں ہو سکتا (تو اپنے کوس پہاڑ





ہوا، اللہ کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں وہ جو چاہیں کریں اُن سے باز نہیں کرنے  
 وہ کوئی نہیں دگر اس سے انسان کا مجبور یعنی ہونا لازم نہیں، اُما۔ کیونکہ اُس کو اپنی  
 تقدیر کا علم نہیں۔ اس کو جن اعمال کا مسلک کیا گیا ہے وہ اُس کی قسمت سے باہر نہیں۔  
 جن اعمال سے اُس کا خاتمہ اچھا ہو سکتا ہے وہ بھی قسمت میں ہیں اور جن سے خاتمہ  
 بُرا ہوتا ہے وہ بھی قسمت میں ہیں۔ اگر کسی کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے وہ اپنے قصد و  
 اختیار سے ایسے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے جن کو خاتمہ خراب کرنے میں دخل ہے  
 جیسے ہمام بن ہامور نے رسولِ وقت کے مقابلہ میں اسمِ اعظم سے بددعا کرنے کا قصد  
 کیا جس میں وہ ہرگز مجبور نہ تھا اس کے انجام کو جانتا تھا اسی لیے بار بار اپنی قوم کی  
 درخواست کو رد کرتا رہا بالآخر یوی کے ہلکانے سے اس پر آمادہ ہوا جس کا نتیجہ بد  
 سامنے آگیا کہ اسمِ اعظم کے ساتھ ایمان بھی سلب ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک  
 اسی طرح ابلیس نے قصداً سجدۂ آدم سے انکار کیا اور اپنے انکار کی منطقی وجہ بھی  
 بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں میں آگ سے بنایا  
 گیا، اہل اور اس انکار کے نتیجہ سے بھی وہ واقف تھا مگر تکبر و غرور سے جان بوجھ کر  
 شقاوت کو اپنے سر لیا۔ چنانچہ کسی نے اُس کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

دلوں بد نور مشیت کہ طعون خود یکے

بر دم گمان ہر کس و بر خود گمان بود

آدم ز خاک بود و من از نور پاک او

مغمم غم یگانہ و او خود یگانہ بود

پھر جو شخص اپنے عمل کو موجبِ نجات سمجھے گا وہ یقیناً اپنے کو نیک سمجھے گا اور  
 یہ نری گمراہی ہے کیونکہ وہ اپنا تزکیہ کرتا ہے (اپنی حالت کو اچھا سمجھتا ہے) اور  
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں فلا تزکو انفسکم ہوا علیہم اتقوا۔ اپنی  
 تعریفِ خود مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ سچی کون ہے۔ نیز  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذمے کسی کا تزکیہ نہ کرو (یعنی یہ نہ

کہو کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول اور مقرب ہے، تم کو اس کی کیا خبر۔ ہاں جن کے شقی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے اُن کا تذکرہ کر سکتے ہو) اس حدیث کا شاہد بیان یہ ہے کہ یہ شخص کا انتقال ہو گیا تو صحابہ نے اس کی تعریف کی (کہ اے فلاں تجھ کو جنت مبارک ہو، تجھ کو خدا کا قرب مبارک ہو۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اللہ کے فستے کسی کا تذکرہ نہ کرو) پھر فرمایا ہاں یوں کہو (کہ میرا لگان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو مقام قرب عطا فرمایا ہو گا۔ میرے خیال میں تو شہادت سے کامیاب ہو گا ہے ظنا) اور یہ حدیث اُس حدیث کے معارض نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذ ان ایتبع الرجل و اقرب المسجد فاشهد و الہ بالذبیحان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کو گنا گنا رہتا ہے تو اس کے متعلق مومن ہونے کی شہادت دو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت تمہارے سامنے ہے اُس کی شہادت دو۔ رہا باطن اور انجام کا حال تو اُن کو تم کیا جانو؟ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی جس کو چاہیں گے اپنے نفل سے اچھا کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے اپنے عدل سے عذاب دیں گے۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے و ما احدثی ما یفعل بنی و د بکم۔ مجھے کیا خبر کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا؟ اور تمہارے ساتھ کیا؟ (آیت میں معاملہ آخرت مراد نہیں کیونکہ انبیاء و علیم السلام کا آخرت میں کامیاب ہونا یقینی ہے جس کا علم خود انبیاء و کو بھی یقین کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مراد نبوی معاملہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں مجھے عیب ہو گا یا تم کو اور مجھے ظہر ہو گا تو جلدی ہو گا یا دربر میں اور تم میں رہتے ہوئے بھگا یا با بر جا کر ہو گا وغیرہ وغیرہ)۔

یزمق تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسنل عما یفعل۔ اللہ تعالیٰ سے اُن کے افعال کے شقی کوئی باز پرس کرے گا نہیں۔ اس آیت کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور بڑے بڑے اعمال والے اعلاص والے اس آیت کے غون سے بہت ہو گئے۔ میں بھات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے عمل یا کثرت عمل پر مدار نہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ عمل سے مومن کو بشارت (اور خوشی) ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہر اور کی توفیق دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَنَسِيسَ لَهُ النَّصِيْرَ (جو شخص نیک اعمال ایمان کے ساتھ بھالاتا ہے) ہم اُس کو اُسان راستہ کی (یعنی حصولِ جنت کی) توفیق دیتے ہیں نیز ارشاد ہے: وَنَسِيسَ لَهُ الْعَصِيْرَ (جو شخص بُرے اعمال کرتا اور اچھی بات کو ٹھٹھاتا ہے یعنی کفر اختیار کرتا ہے) ہم اُس کو مصیبت کے راستہ کی (یعنی دُخولِ جہنم کی) توفیق دیتے ہیں۔ تو جس شخص کو نیک اعمال کی توفیق ہو رہی ہے اُس کو خوشی ہوتی ہے اور اللہ کے فضل کی قوی اُمید ہو جاتی ہے جو اس آیت میں مذکور ہے: حَتَّى تَقَالَ: اِنَّ لَوْكُنْ كَاذِرًا مَّا كُنْ كُوْنِيْكَ. اعمال کی توفیق دی گئی ہے اور شکر فرماتے ہیں: اِنَّ لَکَ یٰ جُوْن دَحْۃَ اللّٰہِ. یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں جس میں رجا کو اُن لوگوں کا حق قرار دیا گیا ہے جن میں اعمالِ مذکور موجود ہوں اور یہ اوصاف اُن ہی کے ہیں جن کو اعمالِ جنت کی توفیق دی گئی ہے۔ اور جس شخص کے لیے اہلِ شقاوت کے اعمال اُسان کر دیئے گئے اُس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اُسے جہنم کی طرف اُہستہ اُہستہ لے جایا جا رہا ہے۔ اُس پر لازم ہے کہ اس راستہ سے جلدی ہٹے اپنے رب کی طرف رجوع کرے۔ تو یہ استغفار کی کثرت کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے اُمید ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائیں گے اور شقاوت کے راستہ سے ہٹا دیں گے اور اپنے فضل و کرم سے نیک اعمال کی توفیق دے دیں گے۔

اس تقویٰ سے دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں (اور کوئی تعارض باقی نہ رہا) مطلب یہ ہے کہ اسباب سے کلام لینا چاہیئے مگر اُن پر ہر دوسرے نہ کیا جائے۔ اعمال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر نظر رکھے جس سے ان اعمال کی توفیق ہوئی اور ساتھ ساتھ کمالِ یقین کے دفع اور نعمت کے تمام و کمال ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف التماس و دعا و استغاثہ بھی کرتا رہے اور تقدیرِ الہی کے سامنے گردن تسلیم غم کئے رہے غیر ہوا یا شرم غیریں ہو یا تلخ (سب پر ماضی رہے) لیکن یہاں تسلیم و رضا میں (ایک اُمید

ان کی ضرورت ہے زندہ یہ کہ گویا بیات میں تو خیر و شر دونوں سے راضی ہے اور تشریفات میں نیک اعمال سے خوش اور گناہوں سے رنجیدہ ہونا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن تسرع حناته وتسرع سياسته۔ مومن کو اپنی نیکیوں سے خوشی ہوتی ہے اور گناہوں سے رنج ہوتا ہے (مگر یہ رنج اپنے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو گناہوں پر مجبور نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے امداد و اختیار سے گناہ کرتا ہے اور جس سے بلا امداد کسی کی لبر و رستی کیا اپنی قبولِ جرم سے گناہ ہو جائے وہ مسلمان ہے لعن اللہ علی من دفع عن احمق الخفاء والنسيان وما استكرهوا عليه) پر مومن زینت بیات میں) ہمیشہ قضا و قدر کے سامنے گردن ٹھکانے جو کچھ بے پیش آئے اُس پر راضی رہتا ہے اور جس حالت میں اللہ تعالیٰ عجز و ایں اُس کے سوا کا طالب نہیں ہوتا نہ اُس کو بدلنا چاہتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ہی اُس کو بدل دیں۔

ایک کوئی سے کہنے پوچھا کہ تم نے یہ درجہ کیسے پایا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جس انعام پر پہنچا دیا میں نے اُس سے منتقل ہونا پسند نہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نہ ہی نے مجھے اُس سے راز لگے) منتقل کر دیا۔ اسی حقیقت پر نظر کر کے کامر ہا۔ والے کامیاب ہو گئے اور نفع حاصل کرنے والے سود مند ہو گئے پھر (یہ جانتا رہی ہے کہ) ہمیشہ اپنی حالت کا اقتدار کے (اُس پر نظر کرتا رہے کہ) اگر کسی بات یا جہت میں اس کو مبتلا کر دیا گیا ہو تو اُس سے راضی نہ ہو کیونکہ موسیٰ کا خلافت یہ ہے کہ اُس کو گناہ یا جہت سے خوشی نہ ہو اُس وقت اس کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا چاہیے اور اس راستہ سے ہٹنا چاہیے جس پر چل رہا ہے اور پوری کوشش کے ساتھ اس سے غلامی ہانے کی تدبیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ولا یرض لعداؤکم کفر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتے (اور ہر معصیت و مخالفت کفر ہی کی شاعر ہے اُس کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے) اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ

بندہ کے لیے پسند میں کتابت بندہ بھی اُس کو اپنے لیے پسند میں کر سکتا۔

قوله وقف هذا دليل على ان المراد ما مورد بعمل الكتاب الى قوله

فلا يرضاه العبد لنفسه -

ف - یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی بہتیں پست کر دی ہیں۔ وہ اعتقاد تقدیر کی وجہ سے تدبیر سے کام نہیں لیتے اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے اعتقاد تقدیر کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ اب جو لوگ تدبیر کو چھوڑتے ہیں اپنی جمالت کی وجہ سے چھڑتے ہیں اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔ مسئلہ تقدیر پر سب سے زیادہ سخت اعتقاد حضرات صحابہ کا تھا۔ پھر کسی نے اُن کے برابر بلند ہمت کوئی قوم دیکھی ہے یا اُن سے بڑھ کر تدبیر اور منتظم کون جماعت بھی دیکھی گئی ہے؟ عقیدہ تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت تدبیر کا رگڑنا ہو اسباب بے کار ہو جائیں تو انسان پریشانی سے بچتا رہتا ہے اور اس نہ ہو یہ سمجھ کر تسلی کر لے کہ تقدیر ہی تھا اسی طرح کامیابی کے بعد تکبر و غرور میں مبتلا نہ ہو بلکہ اس کامیابی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ سمجھے۔ انسان کی حالت میں اعتدال یوں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

ف - یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیب پر غالب ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کریں گے اگر اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیار ہی ہے جبرنا نہیں اور وعدہ کرینے سے اُن کی قدرت سلب نہیں ہو گئی۔ اگر وہ کسی نیک کو عذاب کرنا چاہتا یا بد کو بخشنا چاہتا تو کسی بھال نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے باز پرس کر سکے۔ یہی شانِ قدرت ہے جس کے سامنے جملہ انبیاء و اولیاء کی گزریں ٹھکی ہوئی ہیں گو اُن کو اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کو بلا وجہ عذاب نہ کریں گے لیکن کسی نے اُن کو مجبور بھی نہیں کیا نہ کر سکتا ہے۔ یہی حقیقت ہے اس مسئلہ کی جس کو اس کا کذب کے عزائم سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عزائم اچھا نہیں مگر معنوں بالکل صحیح ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا مجبور نہ پابند ہوتا لازم آئے گا جو شانِ الوہیت کے منافی اور لایسٹل مما یفعل کے

خلعت ہے۔ اسی شان بے نیازی نے اچھے انھوں کے پتے پانی کر دیئے ہیں جس پر جعفر  
علقت شان شکست ہوئی ہے اکی قدر لرزاں ترساں رہتا ہے ۔  
مقرباں را بیش بود میرانی

(۲۲۸) سوال سے پہلے ہی مسئلہ بتلا دینا واجب ہے بھوکا عالم پر  
واجب ہے کہ سوال سے پہلے ہی تسلیم کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں  
کو ان کے سوال سے پہلے ہی بتلادیا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے معارضہ قرآنی  
کی مشورہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی طلب سے پہلے تعلیم  
نہیں دی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مخاطب کی حالت میں نظر کیا جائے۔ اگر یہ معلوم  
ہو کہ وہ بات نہ مانے گا یا اس وقت تو مان لے گا پھر چھوڑے گا یا قبول جائیگا تو  
اُس کی تعلیم لازم نہیں جب تک وہ خود سوال نہ کرے جیسا حضورؐ نے اعرابی کے ساتھ  
کیا اور اگر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے کہا جائے گا قبول کرے گا اس کو سوال سے پہلے  
ہی تعلیم کر دی جائے۔ جیسا اس حدیث میں مذکور ہے۔ قوله وفيه دليل على ان  
العالم يجب عليه ان يعطى قبل السؤال الى قوله كما فعل النبي صلى الله  
عليه وسلم في هذا الحديث ۔

نوٹ ۔ یہ تو صحیح ہے کہ تعلیم کا قبل از سوال واجب ہونا یا نہ ہونا مخاطب کی حالت  
اور موقعہ و مقام پر موقوف ہے۔ مگر یہ دعویٰ مشکل ہے کہ حضورؐ نے اعرابی کو قبل از سوال  
اس لیے تعلیم نہیں دی کہ اُس کے قبول نہ کرنے یا چھوڑ دینے کا اندیشہ تھا کیونکہ اعرابی  
صحابی تھا اور صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ حضورؐ کی بات کو قبول نہ کریں یا سن کر  
چھوڑ دیں خان الصحابة کا ہمدرد عدول ۔ ظاہر ہے کہ جب اُس نے نماز خود  
شروع کر دی تو تعلیم کا یہ وقت نہ تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص بدوی سوال کے محل  
شروع کرتا ہے وہ اُس کا طریقہ جانتا ہے مگر حضورؐ اس کی نماز کو دیکھتے رہے جب  
اُس نے بدون فعلی ارکان کے نماز پڑھی حضورؐ نے اس کا انتظار کیا کہ نماز سے غلط

ہو کہ مجلس میں آنے تو تعلیم کی جائے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ بدون تعلیم ارکان کے نماز ناقص رہتی ہے۔ چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور سلام کی تو آپ نے فرمایا: حج فضل فائز لہ تعلل۔ واپس جاؤ نماز پھر پڑھو کیونکہ تمہارے نماز نہیں پڑھی۔ حضورؐ نے اس مختصر اشارہ پر اکتفا کیا تاکہ وہ خود سمجھے کہ میں نے کیا غلطی کی؟ جب دو تین دفعہ نماز کا اعلان کر کے بھی وہ اپنی غلطی کو نہ سمجھا تو اس نے دریافت کیا کہ مجھے بتلایا جائے۔

اُس وقت آپ نے تعلیم سے بتلایا کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہئے اس واقعہ میں اجمالی تعلیم تو اس کے سوال سے پہلے ہی کر دی گئی تھی تفصیلی تعلیم طلب کے بعد ہوئی کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل زیادہ موثر ہوتی ہے۔ تعلیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ لوگ اجمالی تعلیم پر تفصیلی تاکہ اجمال سے مخاطب خود سمجھنے کی کوشش کرے۔

چونکہ نماز ایسا عمل ہے جرات دن میں پانچ دفعہ فرض ہے اُس کے طریقہ سے ناواقف ہونا معمولی بات نہیں بہت سخت بات تھی اس لیے پہلی بار تفصیل کی حاجت نہیں سمجھ گئی بلکہ اجمال پر اکتفا کیا گیا کہ ایسے عمل کی کوتاہی کو اپنی اشارہ سے انسان سمجھ سکتا ہے جب تین دفعہ کے اشارہ سے بھی وہ نہ سمجھا اُس وقت تفصیل کے ساتھ تعلیم دی گئی اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کی ہم شرح کر رہے ہیں وہ نماز کے برابر کثیر الوقوع ضعیف۔ نہ ہر شخص کو اُس کی حاجت اس لیے اُس کو پہلی ہی بار تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ **هَذَا مَا حَذَرْتُ مِنَ الْعَمَلِ عَنِ النَّاسِ** صبحانہ و تعالیٰ۔

(۲۲۹) انسان کو اپنے تمام افعال پر نظر کر کے ان اعمال کو اختیار

کرنے چاہئے جن کو قرب میں زیادہ دخل ہو کو اپنے تمام افعال میں نظر کر کے اُس عمل کی طرف بہت کرنا چاہئے جس کو قربت میں زیادہ دخل ہو۔ اپنی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجروں کو اپنا ملکا



کا حکم دیا ہے جو ثواب و قرب میں روزہ سے بڑھا ہوا ہے۔ پہلے روزہ کا حکم نہیں دیا جب تک نبوی کے زمانہ و نفقہ کی طاقت مغفود نہ ہو کیونکہ نکاح میں بڑا ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **تَنَکَّحُوا نِسَاءَنَا سَلَوًا يَا هَیْ**۔ بکھڑا لا محالہ **النَّیْمَةُ**۔ نکاح کرو نسل کو بڑھاؤ میں قیامت کے دن تمہاری (کثرت) سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (کہ میری امت سب سے زیادہ ہے) اگر نکاح اس نیت سے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بڑھے گی اور آپ خوش ہوں گے (قوامس کی فضیلت میں کیا شبہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لَا مَحَابَاتَ لِمَنْ لَا يَسْلَمُ** اسلام میں رہبانیت نہیں کہ عورتوں سے الگ رہا جائے۔ اگر عورتوں سے الگ رہنے (اور نکاح نہ کرنے) میں فضیلت ہوتی تو شریعت اسلام میں اُس کا ضرور حکم ہوتا۔ کیونکہ مجملہ ادیان ساریہ میں اسلام ہی سب سے بہتر دین ہے (جب اسلام میں رہبانیت نہیں تو معلوم ہوا کہ نکاح ہی افضل ہے)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی حاجت نہیں اور اُن سے ہم بستر بھی ہوتا ہوں حالانکہ مجھے اُن کی شہوت نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین! پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا۔ لیکن اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی بچہ پیدا کریں جس سے قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری امتوں پر فخر کریں (اور جب اس نیت سے ہم بستر کی جائے گی تو وہ شہوت بھی پیدا ہو جائے گی میں پر بستر کی موفقت ہے مگر وہ شہوت حیوانی نہ ہوگی بلکہ انسانی اور روحانی ہوگی) بہر حال چونکہ نکاح کو قطعاً اعمال (استحباب) پر فضیلت ہے اس لیے حضورؐ نے اُس کو پہلے بیان کیا اور روزہ پر مقدم فرمایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اُسکی مل کا مکلف ہے جس پر اُسے قدرت ہو اور تعمیل کر سکے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو جو نکاح پر قادر نہ ہوں روزہ کا حکم دیا ہے یہ نہیں لایا کہ نکاح کی تدبیر کسے اور جس طرح بھی ہو اس کی کوشش کرے کیونکہ نکاح افضل ہے بلکہ آپؐ نے اس مہرت میں مرنے والے

کا حکم دیا ہے۔

قوله وفيه دليل على ان المأثم هو من ينظر في كل اثم له ، هو اقرب الى ديه الى قوله واني اصرع بالصوم ۔

فت۔ ایک عالم نے خوب فرمایا کہ ہمارے اعمال سالہ میں کوئی عمل ایسا نہیں جس پر دل کو یہ اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے خوش ہوں گے کیونکہ ہر عمل میں اخلاص کے کم ہونے یا نہ ہونے کا شبہ اور نفس کی آمیزش کا احتمال رہتا ہے۔ پس نکاح ہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بعد اولاد نصیب ہو جائے تو دل کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ اسی لیے متقیین مونیہ کو نکاح کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ مسلمانوں کا سلسلہ پیدائش زیادہ ہو اور اولاد مسلمان اور سنی مسلمان ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان خود بھی نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کریں اور اپنی اولاد کو بھی پابند بنائیں ۔

فت۔ بیوی سے بہتری میں یہ نیت تو بڑے درجہ کے لوگوں کا حق ہے کہ اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ تنہا شہوت ہی کی نیت ہو پھر بھی معرفت کو ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اپنے عجز کے مشاہدہ سے بھی معرفت بڑھتی ہے (قالہ مستبدی حکیم الکلامۃ فود اللہ مرقۃ)۔

فت۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو بدون نکاح کے نزا دیں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اُس پر نکاح واجب ہے جبکہ نان و نفقہ کی قدرت ہو اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اُس کے بارے میں اختلاف ہے کہ اُس کو نوافل میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا افضل ہے ؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے کہ اس کی وجہ سے نوافل طاعات میں کمی ہو جائے اور شافعیہ کے نزدیک نوافل طاعات میں مشغول ہونا نکاح سے افضل ہے مگر یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جیسا صریح شاریح کی تقریر سے ظاہر ہے ۔

(۲۳۰) اعمالِ مستحبہ کی فضیلتِ نفسِ عمل کی جہت سے نہیں بلکہ عامل

کی جہت سے ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اعمالِ مستحبہ کی فضیلتِ (نفس) عمل پر نظر کر کے نہیں بلکہ عامل کی جہت سے ہوتی ہے۔ دیکھو جس کو نکاح کی قدرت نہ ہو اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا امر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اسی عمل کا امر فرماتے ہیں جو اُس کے حق میں زیادہ موجبِ قرب ہو اور اس شخص کے حق میں روزہ کا افضل ہونا بالکل ظاہر ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب وہ افلاس کی وجہ سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو روزہ اُس کے مقصود میں مبین ہو گا۔ روزہ میں کچھ خرچ بھی نہیں اور مادہ شہوت اس سے کم ہو جاتا ہے اب وہ سکونِ خاطر کے ساتھ وسوسہ (شہوانیہ) سے نجات پا کر دل سے آخرت کے کاموں میں مشغول ہو گا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا اور یہی مطلوب ہے اور اگر اُس کو (اس حالت میں) نکاح کا حکم کیا جائے تو پریشانی میں پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو سکتا کیونکہ وہ کمانے اور روپیہ جمع کرنے میں مشغول ہو گا حالانکہ نفس ہے اور افلاس کی حالت میں روپیہ جمع کرنے کی تدبیر کرنا آسان کام نہیں) تو وسوسہ کی کثرت ہو گی اُس کا دل دنیا ہی کے لکھیروں میں الجھ جائے گا اور آخرت کی تدبیر سے کوڑا ہو جائے گا۔

کسی عمل کو افضل و مفضل اُس وقت کہا جائے گا جب

دونوں پر قدر ہو ورنہ جس پر قدر ہو وہی افضل ہے

غرض شامع علیہ السلام نے جن اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں افضل اور مفضل کو اُس وقت دیکھا جائے گا جب دونوں پر قدرت ہو اور اگر کسی عمل پر قدرت نہ ہو تو جس پر جس کو قدرت ہے اُس کے حق میں وہی افضل ہو گا چنانچہ جو شخص نکاح

پر قادر نہ ہو اُس کے لیے روزہ افضل ہے اور جو نکاح پر قادر ہو روزہ پر قادر نہ ہو اُس کے لیے نکاح افضل ہے (اور جو دونوں پر قادر ہو اُس کے حق میں نکاح افضل ہے) اسی طرح تمام افعال میں غور کرنا چاہیے خواہ دنیوی افعال ہوں یا اخروی اور اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو تمام افعال (مباحہ ہیں۔ کوئی عمل بھی دنیوی نظر نہ آئے گا اگر اس میں نیت اچھی ہو۔ بیشش بریں نیست کہ وہ خالص دنیا کا نہ کا شغل ہو گا تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو شخص ماصب عیال ہے یا بھر ہے۔ اگر بھر ہے اور نیت یہ ہے کہ شغل مباحش سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مدد ملے گا تو اُس میں بھی بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من بليت ثوبا من طلب الحلال بابت مغمو مالہ۔ جو شخص حلال روزی کلمے کی وجہ سے رات کو ٹھکا ماندہ رہے وہ بخشا بخشا یا رات گزارے گا۔ اب سوچ کر شب قدر کا انتظار سال بھر مغفرت کی ہی امید پر فرمایا جاتا ہے اور وہ اس شخص کو طلب حلال کے شغل سے ملال ہو جاتی ہے تو یقیناً یہ عمل آخرت کا بخوار دنیا کا کام نہ بٹو کیونکہ میں کام سے مغفرت حاصل ہو وہ آخرت بھکا کا کام ہے) اور اگر ماصب عیال ہے تو اس کو تو بجز وادی سے بھی زیادہ بھائی (اور ثواب) ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گنہوں میں بعض گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ اس کے ہوا کہ نہیں کہ بال بچوں کے لیے مشقت برداشت کی جائے (طہرائی اور ابو نعیم نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے من الذنوب ذلوما لا یكفرها الصلاة ولا الصوم ولا الحج ولا یكفرها الا بغيره طلب المحیضة۔ گناہوں میں بعض گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے ان کا کفارہ طلب مباحش کی فکر سے ہوتا ہے) بشرطیکہ طلب مباحش شریعت کے موافق (جائز طریقہ سے) ہو۔

دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں کہ جیسے گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ اقرب عرف سے ہوتا ہے نہ کیام لیلۃ القدر سے نہ کسی اور عمل سے (بجز فکر مباحش کے) کیونکہ آپ نے نفی اور استثناء کے ساتھ کلام فرمایا ہے (جو صحر کے لیے ہے جن



اُن کا جسم خلق کے ساتھ تھا اور روح و قلب اللہ کے ساتھ اور اُس کی تمام تربیت و وہی نیت بھی اللہ نیت کی درستی اور نیت پر حجاب ہونا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اور دوسرے لوگ ثواب و غیرہ میں برابر ہی ہوتے (مگر شمس نیت نے دونوں میں زمیں، آسمان کا فرق کر دیا، رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الکمال بالانسیات و انما کمال امر بالمعروف - پس اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی مآب ہے جو اُس کی نیت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ - یہ یہ حضرات حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق بن گئے و فرعی الجبال غسیبا جامدا و محب تمر مر السحاب صم اللہ الذی اتقن کل شیئی - اور تم قیامت میں پہاڑوں کو دیکھ کر یہ لگان کر دے گا کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے۔ یہ کارنامہ ہے اُس خدا کا جس نے ہر چیز کو اچھی طرح بنایا ہے۔

اسی طرح عامی شخص ان بزرگوں کو دنیوی کاروبار میں مشغول یا اس سے مہنت کی باتیں کرتے ہوئے اور اندرونی و بیرونی معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر یہ لگان کرتا ہے کہ وہ بھرتی اُس کے ساتھ ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں بلکہ مرث اُن کا جسم اُس کے ساتھ ہے اور قلب و روح ملکوت کی سیر میں مشغول ہیں۔ بسنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور دل لگی کہتے ہوئے بہت مقامات طے کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے مقرر فرمائے ہیں۔ مگر یہ بات اہل ہمت اور اصحاب تمکین کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے حالات میں پختہ ہو چکے ہیں جس نے اُن کی عقل و فہم کے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اُن سے کہنا چاہتے ہیں پھر اُس کی تعمیل پر سہقت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی میراث (باطنی) سے نوازا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی یہی شان تھی چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ جبارا خم البصر و ما یطغی - آپ کی نگاہ نہ (مقصد سے) مائل ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی اور غرور رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام عینای و کلام قلبی

(نہنگ دج) میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے علم نیند میں بھی غافل نہ ہوتے تھے اللہ عیب اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرماتے جن پر مطلع فرمایا ہے (یعنی ملکوت و جنت و ظہر) تو آپ کو یہ چیزیں (اللہ تعالیٰ سے) غافل نہ کرنے پائیں نہ آدابِ عبودیت (و جنگ) سے ہٹا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ و سلم پیسوں پھوں سے مزاج بھی فرماتے ان کا کھلا دلاتے دلوئی فرماتے ان کے ساتھ مل کر ان کے کاموں میں حصہ بھی لیتے تھے مگر آپ کا باطن سیر ملکیت میں مشغول ہوتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتے۔ ان جہرگوں نے جن کا ذکر ابھی ہوا حضور ﷺ و سلم کی اس حالت سے پورا حصہ لیا تھا، مگر حضور کے مقام خاص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی دس اتباع کی برکت سے اس مقام کی تہلی اور فیض کا درود ان پر ہوتا ہے) چنانچہ ایک جہرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مراقبہ میں ان کی روح مقام قوب قوسین تک پہنچ گئی تو ایک آواز سنائی دی کہ اس مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ و سلم کی ذات مقدس کو پہنچا یا گیا تھا جہاں تہمداری روح کو پہنچا یا گیا ہے اور زبان حال پکار رہی تھی کہ تابع اور متبوع میں وہی فرق ہے جو اتباع کی وجہ سے تابع اور متبوع میں بٹوا کرتا ہے (کہ تابع تو حضرت روح و قلب کے ذریعہ اس مقام کی سیر کر سکتا ہے وہاں قرار نہیں پاسکتا اور سستی و رول غفلت علی نہ علیہ و سلم اپنی ذات سے اس مقام پر پہنچے اور آپ کو روضہ و ثبات حاصل ہوا) اسی کے مشابہہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ابراہیم بن ابراہیم رحمہ اللہ علیہ مسجد میں سو رہے تھے اور ان کا ایک مرید کھڑا ہوا آغاز پڑھ رہا تھا ایک جہرگ نے جو زبان موجود تھے دو شیطانوں کو مسجد سے باہر دیکھا کہ ایک دوسرے سے کہہ رہا ہے مسجد میں چلو تاکہ اس نمازی کے دل میں دوسرے ڈالیں۔ دوسرے نے کہا مجھے اس سونے والے کا سانس جلاسنے کا ہے۔ دیکھو اس نے اس نمازی کی پرواہ نہیں کی بلکہ حضرت ابراہیم کے سانس کے خوف سے مسجد میں نہ آ سکا کہ وہ اس کو بچے تک دے گا۔ اسی کا سبب اس کے سوا کیا مشکل یہ محرات ہر حالت اور ہر وقت میں حضور انہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔

ہم شدت والے کے فضل و احسان کے واسطے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو  
 ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم نہ فرمائیں اور جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے  
 ہمیں بھی عطا فرمائیں آمین۔ **وَقَدْ خُذُوا بِلِئْلِ عَمَلِ الْغَفِيَّةِ فِي الْأَهْوَالِ لَا تَنْتَظِرُ**  
**مِنْ جَهَنَّمَ إِلَّا الْمَوْتَ جَهَنَّمَ عَامِلَهَا إِلَى قَوْلِهِ وَإِنَّا نَعْتَمِدُ عَلَيْهِمَا**  
**مِنْ بَدِّ عَلَيْهِمَا۔**

**ف۔** یہ تحقیق آپ زور سے کہنے کے قابل ہے کہ کسی عمل کو بفضل یا مغفول اس  
 وقت کہا جائے گا جب دونوں پر قدرت ہو ورنہ جس پر قدرت ہو وہی افضل ہے۔  
 بہت لوگ اہل ملوک میں سے اس کو نہیں جانتے اور پریشان ہوتے ہیں یا بدگمانی میں  
 مبتلا ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے کو شیخ کی طرح متوکل تارک اسباب بنانا چاہتے ہیں اور  
 یہ اُن کی قدرت سے باہر ہے تو پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے ہیں باطنی دولت نصیب  
 نہ ہوئی وہ اسی کو باطنی دولت سمجھتے ہیں کہ ترک اسباب کر کے بیٹھ جائے یا شیخ کے  
 اصحاب میں جس کو تادک اسباب ضعیف دیکھتے اس سے بدگمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے  
 کہ تصحیح نیت کے ساتھ اعمال دنیویہ مہانہ بھی دین ہو جاتے ہیں جس کو وہ دنیا میں  
 مشغول دیکھتے ہیں کیا عجب ہے اُس نے نیت کو درست کر کے ان اعمال دنیویہ کو  
 دین بنالیا ہو اور اس کا تجزیہ پاس رہ کر ہی ہو سکتا ہے دُور رہ کر نہیں ہو سکتا۔  
 پس جب تک پاس رہ کر کسی کا طالب دنیا ہونا محقق نہ ہو بدگمانی جائز نہیں۔

**ف۔** یہ حدیث اہل حرف و اہل اسباب کے لیے بڑی بشارت ہے کہ بعض  
 مگر ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز سے ہو سکتا ہے نہ حج سے نہ روزے سے  
 اُن کا کفارہ طلبِ معاش کی فکر ہی سے ہوتا ہے بشرطیکہ حُرّ اور شغلِ معاش  
 شریعت کے موافق جائز ہو۔

**ف۔** ہر حالت اور ہر زمانہ میں ضروریات سے کایا بہ ہونے کا طریقہ کثرتِ ذکر  
 قلبی اور شغلِ پاسِ الفاس ہے۔ اس شغل میں دُور کے بعد سوتے ہوئے بھی ملنس  
 سے ذکر ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ اس کا شیخ متعین شغف اور خود بھی پابند ذکر ہو۔ ورنہ بعض



مشق ہی مشق ہوگی ذکر حقیق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۳۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ نظر (بد) کا سبب قوتِ شہوتِ جماعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ نگاہ کو پست کرنے والا ہے (اور ظاہر ہے کہ نکاح سے قوتِ شہوت بھی مختل ہو جاتی ہے۔ اُسی سے نگاہ پست ہو جاتی ہے) اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وَذُنَا الْعَيْنِ الْغَضْرِجُ وَالْفَرْجُ يَصْدُقُ ذَلِكَ اَوَيْكَذِهِ اَنْكُمُ كَانَا نَظَرًا ہے اور مگر نگاہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے یا کذب (یعنی اگر نظر کا خواہ فرج ہے تو وہ زنا میں شمار ہے ورنہ نہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مقدمات زنا کے ہیں مگر اس کے بعد فرج سے زنا ہو گیا تو یہ مقدمات واقعی زنا کے مقدمات تھے (اور اگر فرج سے نہ بنا ہوا بلکہ غریب خدا سے چک گیا تو یہ مقدمات بھی ممکن ہو جاتے ہیں بشرطیکہ مانع صرف قوتِ خدا ہو کوئی حسی مانع نہ ہو۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگاہ کا پست کرنا آیاتِ قرآن سے مامور ہے تو جو شخص اُس کی حفاظت پر قادر نہ ہو اُس کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے یہ قدرت حاصل ہو جائے۔ اس جگہ ایک سوال ہے وہ یہ کہ نگاہ کی حفاظت ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے (نکاح یا رذہ) اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے مگر یہ دو اعلیٰ درجہ کے ذریعے ہیں مثلاً کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو کسی کو بھی مدد کیہ سکے گا یا شدتِ خوف کا غلبہ ہو یا سخت تکلیف نفس کو دی جائے تو اس سے بھی نگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اہم سفیان ثور قاضی سے منقول ہے کہ جب اُن کے دل میں فیر حق کا طغیاناں آتا تو اپنے آپ کو ایک ککڑی سے مارنے لگتے تھے، بعض دفعہ ایک دن میں ککڑی ککڑیاں اپنے اوپر توڑ ڈالتے تھے اس کے سوا اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طریقے ہم کو بتلا دیے جب سب سے اعلیٰ اور آسان ہیں تو حدیث میں اہل سے اپنی پر تنبیہ ہے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں) ہم نے

اس بات پر اس لیے تنبیہ کر دی کہ شاید کوئی شخص ان دو طریقوں سے عاجز ہو یا دونوں پر عمل کر کے بھی اس کو حفاظت نگاہ میں کامیابی نہ ہو تو وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے حدیث پر عمل کر لیا (پھر بھی نگاہ محفوظ نہیں ہوئی تو) میرے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں اب وہ اپنے نفس کو آزلو چھوڑ دے (اور یہ تاویل کرے کہ نگاہ کی حفاظت میری قدرت سے باہر ہے میں اس کا مکلف نہیں رہا) یہ ہرگز جائز نہیں (انگریزی کو ان دو طریقوں سے کامیابی نہ ہو یا ان دونوں پر عمل نہ کر سکے کہ نکاح پر قدرت ہو نہ روزہ کی طاعت ہو تو وہ اور طریقوں سے نفس کا علاج کرے اس کو سہل اور آسان نہ چھوڑے) رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکیم الہی کے بھالانا کا سامان کرنا چاہیے وہ اس کا سامور ہے (اللہ مثال کے طور پر دو طریقے بتلا دینے پر مطلب میں کہ جو ان دونوں پر قادر نہ ہو یا ان سے کامیابی نہ ہو تو وہ حکیم الہی کا مکلف نہیں رہا)۔ قوله وفيه دليل على ان تلوجب بالنظر في قوة شعرة الجماع الى قوله وانما هذا منه صلى الله عليه وسلم تنبيه على التنبه في توفيقه ما امر به العبد۔

ف۔ سبحان اللہ! بڑی قیمتی تحقیق ہے ورد الہی ظاہر تو عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حفاظت نگاہ ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے مگر ان سے کامیابی نہ ہو تو انسان معذور ہے۔ حضرت حکیم ان سے نور اللہ مرقدہ نے بعض دفعہ یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ ہر نگاہ بد کے بعد نفس کو مالی یا بدنی سزا دی جائے اور نفس سے کہہ دیا جائے کہ جب نظر بد کا ارتکاب کرے گا یہی سزا دی جائے گی۔ بدنی سزا تو یہ ہے کہ ہر نظر بد کے بعد جس رکعت نفل پڑھے جائیں اور مالی سزا یہ ہے کہ آٹھ آنہ یا ایک پیسہ یا جتنی مقدار سے نفس پر گرانے ہو صدقہ کر دیا جائے جب ہر نگاہ بد پر نفس کو یہ سزا دی جائے گی چند روز میں درست ہو جائے گا۔

(۲۳۲) روزہ اور نکاح اس مرض کا علاج بھی ہے اور فی نفسہ طاعت بھی ہے تو جی شخص کو اس پر قدرت ہو کہ طاعت کے ذریعہ علاج کر سکے یہ سب

blogspot.com

۵۶۰

اچھا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے داؤد امرضاکم بالصدقة وادفعوا البذر بالصدقة۔ اپنے پیاروں کا علاج صدقہ سے کرو بلا کہ صدقہ سے ٹھانور

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حفاظت کا حکم ان ہی دوا اعضاء کے ساتھ خاص نہیں (مکھانہ اور شرمگاہ) بلکہ تمام اعضاء کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔  
السمع والبصر والغذاء کل اولئک کلن عنہ مسلکواہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو پرس لیے تنبیہ فرمادی ہے کہ جس کے یہ دو عضو محفوظ اور مستقیم ہو جاتے ہیں تو غالب یہ ہے کہ بقیہ اعضاء بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور جس کے یہ دو عضو محفوظ نہ ہوں اُس کے بقیہ اعضاء کا محفوظ ہونا ممکن نہیں۔

قوله وفيه فائدة اخرى انه دواء وهو في نفسه قربة الى قوله فلما يمكن استقامة باقي الجوارح۔



## باب ہشت و شتم

### حدیث

### توقيت السحور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) رسول اللہ ﷺ سے سحور کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے (راوی کہتا ہے: میں نے) پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا (وقف) تھا فرمایا: بغور سمجھاؤ! (آیت پڑھنے کے) (یعنی تقریباً چار منٹ)۔

**شرح:** ہر حدیث بتا رہا ہے کہ سحری آخر وقت میں کھانا سنت ہے کیونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ صلی علیہ وسلم کے سحری کھانا اور فجر کے طلوع ہونے کا بقدر پچاس من آیت پڑھنے کے وقت ہوا (جس کی مقدار چار پانچ منٹ)۔ نیز انہیں تو ثابت ہوا کہ حضور نے بالکل صبح کے قریب سحری کھائی تھی (حضور کے اذان اور حکمت یہ تھی کہ آپ ہمیشہ امت پر آسانی کرنا چاہتے تھے چنانچہ سورہ سحری کھانا بھی امت پر نطف ہی تھا اگر آپ سحری نہ کھاتے تو اہل فضل آپ کی اتباع میں کبھی سحری نہ کھاتے اور معنی کو اس سے شفقت لاحق ہوتی کیونکہ ہر شخص بدن پرانے کے روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر حضور کا صبح کے قریب سحری کھانا یہ مہربانیت ہے کیونکہ رات کے درمیان میں سحری کھانے سے امت کو ایک دوسری پریشانی برقی وہ یہ کہ عادی کھانے کے بعد نیند کا غلبہ آتا ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے بعد بیدار رہنا آسان نہیں اور کھانا کھاتے ہی سو رہنا بدن کے لیے مضر ہے۔ لہذا یہ

خداوند دماغ پر چڑھتے ہیں جس سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور اگر رات کے بعد میں  
 سحر کی کھا کر شیخ تک بیدار رہے تو بڑا بھادہ کرنا پڑے گا کیونکہ کھانے پینے کے بعد نیند کا  
 تقاضا ہوتا ہے۔ اب اگر یہ شیخ تک بیدار رہا تو عبادت کے وقت یعنی شیخ کی نماز میں نیند کا غلبہ  
 ہوگا (جس سے نماز میں حضور قلب نہ ہو سکے گا) اور زیادہ تو یہ ہوگا کہ رات کے بچ سحر کی  
 کھانے والے پر نیند ہی غالب ہوگی اور یہ شیخ کی نماز سے روہ جائے گا کہ دیا تو جماعت  
 فوت ہوگی اور تنہا وقت سستی کے بعد نماز پڑھے گا (یا آداب طوع ہونے کے بعد نماز  
 فضا پڑھے گا) اور اگر وہی رات کے بعد وہ گناہ تو نماز شیخ میں حضور عجب حاصل نہ ہوگا۔  
 ان وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحر کو شیخ کے قریب تک نہ فرمایا کہ اس وقت  
 سحر کی کھانے سے نماز میں فوت نہ ہوگی۔ کیونکہ اب سحر کی اور نماز میں اتنا ہی وقفہ ہوگا کہ  
 وہی نماز کے لیے تیلہ کر لے۔ اس سبب میں شیخ کی نماز حضور قلب سے ادا ہوگی کیونکہ  
 کھانے کے بعد نیند کا غلبہ فوراً نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوتا ہے جبکہ عبادتِ معصومہ  
 سے دماغ کی طرف چڑھنے لگیں اور اب اتنا وقفہ نہ ہوگا (دوسرے کھانے کے بعد عبادت  
 کا تصور چلنے پھرنے سے موقوف ہو جاتا ہے تو جب سحر کی کے بعد فوراً استسنا اور  
 وضو اور رکعتیں جانے کے لیے چلنا پھرنا ہوگا دماغ بھارات سے محفوظ رہے گا)  
 پھر نماز سے غافل ہونے کے بعد دن نکل آئے گا تو انسان اپنی ضروریات اور  
 وظائف وغیرہ میں لگ کر نیند سے بھادہ ہے گا جس سے عمر بربادی ہے کیونکہ نیند  
 بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دھوا الذی یقو فائدہ باللیل  
 وہی ہے جو تم کو رات میں وفات دیتا ہے اس میں نیند کو وفات کہا گیا ہے تو نیند  
 کا کم ہونا عمر میں زیادتی کا سبب ہے (بشریکہ مقدارِ رحمت بحکم نہ ہو) اور حائل  
 اپنی عمر کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے چاہے ایک ماٹھی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر  
 کو اس وقت تک لوگ تاجر نہیں کہتے جب تک وہ اس المال کی حفاظت نہ کرے  
 اور تجارت کے طریقہ سے واقف نہ ہو اور حقیقی تاجر مومن ہی ہے۔ کیونکہ باقی  
 دینے والے فائدہ کے لیے تجارت کرتا ہے اور دنیا کے تاجرنے والے

نفع کے لیے تجارت کرتے ہیں اور مومن کا ناسخ المال عمر ہے تو اُس کو حفاظتِ عمر کی بہت ضرورت ہے کہ اسی طرح وہ زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے تو مومن زیادہ سونے اور فضلت کا شکار ہونے سے بہت بچتا ہے اور جب اُس سے بچے گا تو اعمالِ صالحہ بجالانے کی طرف سبقت کرے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ یہی لوگ اصلی تاجر ہیں۔ فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْزَنُوا لَكُمْ عَلَىٰ  
تِجَارَتِكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيُسْرِ  
تَوَّابُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِجَارَتُكُمْ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ  
فِيكُمْ حَيًّا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ  
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَا لَكُمْ  
طَبِيعَةٌ فِي جَنَّاتٍ عِدْنٍ ذَلِكَ  
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ( )

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت  
بٹکانے جو تمہیں مددناک عذاب سے نجات دے؟  
(سورہ بقرہ) وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اُس کے رسول  
پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور  
جان سے جہاد کرو۔ (تجارت) تمہارے لیے سب  
سے بہتر ہے اگر تم سمجھو کہ جو کس سے ہے اللہ تعالیٰ  
تمہارے گناہ مہلت کر دینا گے اور جیسے باغوں  
میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی  
ہوں گی اور اچھے گھر دیں گے ہمیشہ رہنے والے  
باغوں میں یہی ہے بڑی کامیابی۔

اور دنیا بچہ شخص جنت سے کامیاب ہو گیا۔ جہنم سے نجات پا گیا اور عزیز غنا کی طرف  
سے اُس کو مغفرت حاصل ہو گئی۔ وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے زہد میں دو اؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! جو میرے ساتھ تجارت  
کرے وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ تو جو شخص اپنی بیداری میں  
غفلتوں سے احتراز نہ کرے وہ سونے والے کے برابر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَثَلُ الذَّكَرِ يَذْكُرُ دَبَّةً وَالَّذِي لَا  
يَذْكُرُ مَثَلُ الْخَنَازِ وَالْمَيْتِ -  
جو شخص اپنے سب کلمات کو یاد کرتا ہے اور جبار  
نہیں کرتا ان دونوں کی مثال نندہ اور مردہ جیسا ہے۔

تو آپ نے غافل کو مُردہ سے تشبیر دی ہے اگرچہ وہ بیدار ہی ہو۔ کیونکہ اُس کا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی ہمارہا ہے اس المال برباد ہو رہا۔ ہے اور اس کو پتر بھی نہیں یہاں تک کہ جب عمر ختم ہو جائے گی اُس وقت چھٹکے گا اور کہے گا ادجو فی اعلیٰ اصل حالہا فیما ترکت کلاً (مجھے دُنیا میں واپس کر دو تاکہ میں کچھ نیک کام کروں تو محبوب دیا جانے کا ہرگز نہیں اور جو شخص مالت کے پہلے حصہ میں ضرورت کی وجہ سے سوتا ہے جس سے انسان کو چارہ نہیں اُس کی نیند عبادت ہے اور مراسمِ غیر ہے اُس کا سونا اور ناز پر مہنا اور ذکرِ کثرتِ ثواب میں ایک ہی درجہ پر ہے جس پر حضرت سہاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلیل ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو رسول اللہ ﷺ نے دین کی تعلیم دینے اور احکامِ اسلام کے موافق فیصلہ کرنے کے لیے (دین کی طرف) بھیجا تھا دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے پھر ایک (دن کی) مقام پر جمع ہوئے تو ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ میں تو رات بھر کھڑے بیٹھے اور نیتے ہوئے اور لیٹ کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں بالکل نہیں سوتا۔ حضرت سہاذؓ نے فرمایا کہ میں تو رات کے پہلے حصہ میں سوتا ہوں کھلے حصہ میں اٹھتا ہوں اور سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا جاگنے اور ناز پڑھنے میں سمجھتا ہوں۔

جب دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ کے سامنے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ بیان کیا۔ حضورؐ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ فضیلت میں یعنی حضرت سہاذؓ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم کسی کو زیادہ فقیر اُسی وقت فرما سکتے ہیں جبکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند اور زیادہ موجبِ قرب ہو یہ تو اُس نیند کا حکم ہے جو ضرورتِ بشر پر کی وجہ سے ہو جس سے چارہ نہیں اس کے سوا جو نیند ہے وہ عموماً نقصان پہنچانے والی ہے۔

اب کچھ میں آگیا ہو گا اس وقت (یعنی صبح کے قریب) سحری کھانے میں بہت

بڑی ٹوٹی ہے۔ دوسرے اس وقت سحری کھانے سے دن کو روزہ رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت معدہ غذا سے بھر جاتا ہے۔ کھانے کا تمام دن کے آخری حصہ میں ہو گا جبکہ افطار کا وقت قریب ہو گا۔ جو تھوڑی دیر، انتظار آسان ہے دشوار نہیں۔ یہ شخص دن بھر عبادت میں غور و خوض رہے گا۔ کھانے پینے کے دوسرے اور اشتہاء اور تناسل سے محفوظ رہے گا۔ بھلائی اس کے جو سحری نہیں کھاتا یا رات کے دوپہان میں کھاتا ہے۔ وہ تو دن بھر مشغول اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ صبح کو اس کا معدہ خالی ہوتا ہے اور بھوکے آدمی کو کھانے کی خواہش بار بار ستاتی ہے اور شیطان کو دوسرے ڈالنے کا بھی زیادہ مواقع ملتا ہے اور بعض پر مسزاد غائب ہو جاتا ہے تو بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ مغز اور مزاج کو بھوک کا تحمل نہیں ہوتا تو اس کو رمضان میں معدہ و منظر کرنے کی لولہ مل جاتی ہے (غرض سحری کھانے سے روزہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے دور ہو جاتے ہیں) اور اسی حقیقت کی قرین دلیل حدیث علیہ السلام ہے کہ اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے :-

من راعى منكم امرأۃ تعجبه      ثم کوئی لڑکی اجنبی عورت کو لڑکا چاہے اور وہ  
فلیأت احدہ فان الذی معها      اس کو پسند نہ آئے تو ہی وقت بچی ہوئی کے پاس پہنچ  
مثل الذی معها او کہا قال۔      جائے اور اس سے جو بستی کرے، کیونکہ کچھ پاس لگا  
وہی ہی چیز ہے یہی اس کے پاس ہے ۔

کیونکہ اجنبی عورت کو دیکھ کر شہوت کو جوش ہوتا ہے جو اس کو دل میں گنہ گار کے دوسرے ڈالتی ہے۔ اب اگر یہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے تو وہ جوش فرو ہو جائے گا اگرچہ وہ اجنبی عورت حسن و جمال میں اس کی بیوی سے زیادہ ہی ہو پھر بھی بیوی سے بہتری کے بد نفس میں وہ ایمان مند رہے گا جو پہلے تھا اور تھوڑا سا جبر ہے تا اس کو آسانی سے دینے کر سکے گا۔

اسی طرح صبح کے قریب سحری کھانے سے اس کو غذا کی زیادہ خواہش دن بھر ہوگی اور تھوڑی سی ہوگی تو اس کو آسانی سے دینے کر سکے گا اور اگر سحری نہ کھائے گا



تو وہ حال ہو گا جو اوپر بیان کیا گیا اور یہ بڑا نقصان ہے خصوصاً رمضان میں جبکہ فضیلت معلوم ہے (اس ناقص حالت سے پہنچنا چاہیئے) انسان کو رمضان میں سکون خاطر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے توجہ ہونا چاہیئے۔ مبادا اس کا ایک دن ضائع ہو جائے جس کی مانند دوسرا دن میسر نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کے ساتھ سحری کھانا آپ کی تواضع پر دلیل ہے۔ کیونکہ آپ کی جو شان و رفیع ہے، معلوم ہے مگر پھر بھی آپ تواضع صما۔ کے ساتھ کھانا کھاتے تاکہ اُن کی دلجوئی نہ دجائے۔

(تنبیہ) شروع حدیث کا مضمون عجب تھا اس لیے پورا ترجمہ کر دیا گیا اگر غور کیا جائے گا تو اس میں تفصیلات کے بہت سے مسائل پر تجزیہ معلوم ہوئی ہیں نے حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کو (اسی) حدیث کے موافق عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت بالکل صبح کے قریب طلوع فجر سے چارہ پانچ منٹ پہلے سحری کے ساتھ کھاتے ہوئے تھے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھانے کے بعد فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بظاہر اس سے مجھ کی نماز مراد ہے مسجد مراد میں۔ کیونکہ عادی حدیث بتلاتے ہیں کہ سحری سے فراغت بعد مسجد کی اذان میں چارہ پانچ منٹ کا وقفہ تھا اور بقیا حضور کا مسجد اس سے بہت طویل ہوتا تھا خصوصاً رمضان میں تو آپ بہت زیادہ مجاہدہ فرماتے تھے۔

پس میرے نزدیک رمضان میں ضیاء کو نماز فجر اس حدیث کے موافق غلٹ میں پڑھنی چاہیئے۔ اسفادہ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رمضان میں اسفادہ کرنے سے سحری کے بعد لوگ سو جائیں گے اور صبح کی نماز باجماعت فوت ہوگی اور سحری آخر وقت میں کھانے سے سب نمازی صبح کی اذان کے وقت بیدار ہوں گے تو اذان کے بعد جلدی نماز پڑھنے سے کسی کی نماز باجماعت فوت نہ ہوگی۔ میرے خیال میں احادیث غلط اور احادیث اسفادہ میں تطبیق کی بہترین مُکدات یہ ہے کہ احادیث غلط کو رمضان پر اور احادیث اسفادہ کو غیر رمضان پر معمول کیا جائے کیونکہ

غیر رمضان المبارک میں اسفار کے اضل ہونے کی جو علت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں کمزیر جماعت ہے وہ علت رمضان میں اسفار پر صادق نہیں آتی بلکہ غلٹ پر صادق آتی ہے جیسا اوپر جلا دیا گیا ہے۔

(۲۲۳) حضرت مصابہ کا زمانہ کی مقدار کو یہ پاس آتیوں کی تلاوت ہے انداز کرنا یہ بتانا ہے کہ ان حضرات کے اوقات عبادت ہی میں مستغرق تھے۔ اگر تلاوت قرآن اور عبادت کے سوا کوئی اور عبادت ان پر غالب ہوتی تو اسی سے زمانے کا انداز بتلاتے مگر چونکہ ان کے اوقات انواع و اقسام کی عبادت سے برس بھرے ہوتے تھے۔ ان کے دنوں کو اسی سے لگاؤ تھا تو انہوں نے تلاوت قرآن سے وقت کی مقدار بتلائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے۔ اگر وہ کسی اور شغل میں بھی مشغول ہوتے تو دل عبادت ہی میں اٹکا ہوا رہتا تھا اس شغل سے نہیں۔ تاہم یہی ہے کہ جو شغل رمضان پر غالب ہوتا ہے جس سے دل کا زمانہ ہوتا ہے زمانے کی مقدار کا اسی سے اندازہ کرتا ہے کہ یہی اُس کو آسان بھی ہوتا ہے۔

جو لوگ قرآن نہیں پڑھتے اگر ان کے سامنے زمانے کا انداز قرآن سے بیان کیا جائے ان کو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا کیونکہ وہ اس سے کچھ بھی اندازہ نہ کر سکیں گے۔ ہر شخص سے اُس کی سمجھ کے موافق ہی گفتگو کی جاتی ہے تاکہ اُس کو فائدہ پہنچ سکے۔ سب سے ایک طریقہ کام ملا نہیں کیا جاسکتا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ مثلاً اگر ہم کو یہ معلوم ہو کہ مناجات درزی کا کام کرتا ہے۔ یا بڑھی ہے تو اُس سے یہ کہا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم دنوں کی پیر (گرتہ یا ٹوپی) ہی لیتے ہو یا جتنی دیر میں تم اتنی مقدار لکڑی چیر لیتے ہو راتنی دیر میں یہ فائدہ بڑھتا ہے یا اگر وہ کپڑا بننے سے تو اُس سے کہا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم دنوں کی پیر لیتے ہو راتنی دیر میں یہ کام ہوا) اسی طرح یہاں مجبور کہ حضرت مصابہ کے زمانہ

ہیں جو گزشتہ پر عہد غائب تھی تو وہ کسی کام کے وقت کا اندازہ اسی سے بتلانے  
 تھے کہ اتنی آیت پڑھنے یا اتنی رکعتیں پڑھنے کی مقدار وقف ہوگا۔

قوله وقفہ یہ عہد الزمان پنجسہیں آیۃ فیہ دلیل علی ان  
 المعایہ رضی اللہ عنہم کانت اوقاتہم مستقرۃ فی التعبدی قولہ  
 او تنسج کذا ان کان قرازا۔

فت۔ بات تو یہاں یہ ہے مگر اس لفظ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سحری اور  
 اذان میں بقدر بچا کس آیتوں کی تلاوت کے وقف تھا اس مسئلہ کی طرف ذہن کا متوجہ  
 ہونا ضروری ہے۔ یہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علماء غلاب کو یہ استنباطات و شواہد ہیں۔ د  
 ۱۰۰ فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

## باب ہشت و ہفتم

## حدیث

## من افطر یوماً فی رمضان من غیر عذر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں ایک دن بلا عذر اور بدون مرضہ کے روزہ نہ رکھے اُس کی قضاء نہاد بھر کے روزہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے۔ عباد اللہ! یہ مسعود بنی اللہ کا یہی قول ہے۔

فقیر حدیث بخلا رہا ہے کہ جو شخص رمضان میں عداً بلا عذر کے افطار کرے اُس شمسِ شریعہ کے گناہ کا کفارہ کچھ نہیں۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ اُس کی تلافی سارے زمانہ کے روزوں سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھ دے اور ظاہر ہے کہ عمر بھر کا روزہ تو بڑی قضا ہے اس سے بڑھ کر قضا کیا ہوگی جب یہ بھی اس ایک دن کی تلافی نہ کر سکا تو اور کفارے کیا فائدہ دیں گے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دیکھانے پینے سے اگر رمضان کا روزہ افطار کیا جائے جہاد سے نہیں تو اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟

اہم شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں اور یہ حدیث اُن کے قول کی تردید ہے۔ مگر وہ قضا و کفایہ کہتے ہیں اور یہ حدیث اُن کی اس بات کو رد کرتی ہے کہ کیونکہ آپ فرماتے ہیں لعل یقضہ صیامہ الصائم کو ساری عمر کے روزے اُس کی قضا نہیں کر سکتے۔ پھر ایک دن کی قضا دے کیا ہوگا؟ اور نام

مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ (اور فضا) واجب ہے اُنہوں نے اس افطار کو حرام سے افطار پر قیاس کیا اور اُس میں شادخ علیہ السلام نے تصریحاً کفارہ کو واجب فرمایا ہے تو کما نے (رہنے) میں بدعتِ اولی کفارہ ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے؛ و اللہ اعلم کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کو نہیں پہنچی۔ اگر پہنچی ہوتی تو ضرور اسی کو اپنا مذہب بناتے یا اس میں کچھ تلافی فرماتے۔ جب ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں تو غالب گمان یہی ہے کہ ان کو حدیث نہیں پہنچی۔ بالخصوص امام مالکؒ کے طریقہ فوریہ ہے کہ وہ بہت سی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور عمل متواتر کی وجہ سے اُن پر عمل نہیں کرتے تو اس حدیث کا نقل کرنا اُن پر بہت زیادہ ضروری تھا کیونکہ یہ اُن کے مذہب کے معارض اور خلاف ہے (پس غالب یہ ہے کہ حدیث اُن کو نہیں پہنچی) اور ظاہر قیاس یہ چاہتا ہے کہ رمضان میں عذاباً بخیر افطار کرنے کا کفارہ نہ ہو۔ جیسے بین غلوس کا ریعنی جھوٹی قسم کا جزدانہ ماہی کے متعلق فقہاء جان بوجہ کر کھائی جائے) کفارہ نہیں ہے اور یہ حدیث اس قیاس کی مؤید ہے۔

مگر راوی کا یہ کہ کہ عبداللہ بن مسعود کا یہی قول ہے، بتانا ہے کہ اُن کے سوا بقید اصحاب کا یہ قول نہیں اگر کسی اور کا قرن بھی حدیث کے موافق ہوتا تو راوی صرف اُن کا نام تھا نہ لینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھی مگر اس کے ظاہر پر بجز ابن مسعود کے اند کسی نے عمل نہیں کیا اُن کو دوسری حدیث کا ترجیح واضح ہو گئی تھی (جس میں علاج کے ساتھ افطار کرنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے) تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث اگر فقہاء کو بھی پہنچی ہوگی مگر اُنہوں نے کسی مصلحت سے اس کو روایت نہیں کیا۔ اگں پر کچھ کلام کیا۔ یا تو اس لیے کہ یہ حدیث منزوکِ عمل ہے۔ (کہ صحابہ جہد سے بجز ایک صحابہ کے کسی نے بھی اس کے ظاہری مضمون پر عمل نہیں کیا) اور کوئی وجہ ہو اور ممکن ہے اُن کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوتا کہ صیام الدہر اس دن کی فضیلت کی تصدیق کر سکتا۔ زمانہ ہجر کے روزہ سے اس دن کی فضیلت جو فوت ہو گئی ہے۔ حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ کفارہ

(اور فقہاء سے گنہگار ہو جائے گا مگر اس خسارہ کی تلافی نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام میں جو فضیلت رکھ دی ہے بندہ اُس کی جگہ اُس کے بدلہ میں کتنا ہی کام کئے گو اُس کا ثواب کتنا ہی زیادہ ہو وہ خاص فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مثلاً کوئی شخص قربانی کے دن میں قربانی نہ کرے اور ہزار درہم یا ہزار دینار اُس کے بدلہ میں صدقہ کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ قربانی کی فضیلت اور اُس کا ثواب تم کو حاصل نہیں ہوا اگرچہ تم نے ہزار دینار صدقہ کرنے میں قربانی کے عوض کا قصہ کیا مگر اس عوض سے قربانی کا ثواب نہ ہو گا اور اگر تم ایک دینار سے ایک بکری خرید کر قربان کر دیتے وہ اُن ہزار دینار کے صدقہ سے افضل تھی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ علم فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن میں انسان کا کوئی عمل بھی قربانی سے افضل نہیں۔ اور تم اپنی سُننے سے اُس چیز کو فضیلت دینا چاہتے ہو جس کو شارع علیہ السلام نے فضیلت نہیں دی۔ سو یہ معاملہ تمہارے خیال کے موافق نہیں ایسا کبھی نہ ہو گا کہ تم اپنی مائے سے شارب کی تلافی ہوئی فضیلت کے مقابل دوسری سُننے میں فضیلت ثابت کر سکو اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ علیہ مسافر کو سفر میں روزہ کی ترفیہ دیا کرتے تھے اگرچہ شرفاً اُس کو افطار جائز ہے اور امام مالک بھی اس کو جائز فرماتے ہیں مگر وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ایامِ رمضان کی فضیلت دوسرے ایام میں نہیں پائی جاتی۔ اُنھوں نے غالباً اسی حدیث پر نظر کر کے یہاں فرمایا ہے اور زیادہ احتیاط اُسی میں ہے۔

**ف۔** یہاں سے اُس فقرہ کا حال معلوم ہو گیا ہو گا جو ایک زمانہ میں ہندوستان میں برپا ہوا تھا کہ بعض علماء نے سلطنتِ ترکی کی امداد کے لیے فتویٰ دیدیا تھا کہ اس سال مسلمانین ہند قربانی موقوف کر کے اس کی رقم سلطنتِ ترکی کو بھیج دیں۔ ان لوگوں نے صدقہ کو قربانی کا قائم مقام قرار دیا۔ مگر ہمارے اکابر نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا کہ اپنی مائے سے کسی عمل کو قربانی کا قائم مقام بنانا غلط ہے۔ لہذا اللہ جل جلالہ کا برکے عہدِ سلطنتِ عالم کے علوم سے موافق ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے لا یزال طائفة من امتی قاصرون علی الحق میری اُمت میں

ایک جماعت پیشین پر رہے گی اور غاب رہے گی۔

(۲۳۲) عبادات میں سب سے افضل اتباع سنت ہے زیادہ مشقت مطلوب نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں سب سے افضل اتباع ہے زیادہ مشقت میں  
تفصیل نہیں۔ دیکھو ہر روزہ رکعت ست مشقت طلب ہے مگر وہ رمضان کے ایک  
روزہ کے بھی برابر نہیں (اور وہ جو ایک حدیث میں آیا ہے افضل الاعمال احسنھا  
اور اشقھا۔ کہ اعمال میں زیادہ افضل وہ ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو۔ یہ اس مقام پر  
ہے جہاں عمل کے ہر پہلو میں اتباع (سنت) موجود ہو۔ جیسے رمضان کے سفر میں روزہ  
رکھنا اور افطار کرنا دونوں میں اتباع سنت ہے مگر روزہ رکھنا زیادہ شاق ہے تو یہی  
افضل ہے اور جہاں کسی عمل کے ایک پہلو میں اتباع ہو دوسرے میں اتباع نہ ہو گوشت  
زیادہ ہو وہاں اتباع ہی افضل ہے۔ جیسے ساری رات جاگ کر نماز پڑھنا اور رات کے  
پہلے صحت میں سوتا پچھلے صحت میں اٹھ کر نماز پڑھنا۔ یہاں دوسری صورت افضل ہے کیونکہ  
اسی میں اتباع سنت ہے۔ پہلی صورت میں گوشت زیادہ ہے مگر افضل نہیں کیونکہ  
رمضان شد مطہر طہ و سلم سے تمام رات جاگنا ثابت نہیں قائم ہے۔ اس میں شوقیہ کی بھی  
دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ عبادت کی طاعت تو حکم کی تعمیل سے اور جاہل کی طاعت  
شہوت (کے تابع) ہے (مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف عین حکم کے لیے عبادت کرنا  
ہے کسی کیفیت یا کرامت و کشف یا لذات باطنی کے لیے نہیں کرنا اور جاہل تعمیل حکم کے سوا  
دوسری اغراض کے لیے بھی عبادت کرتا ہے اس لیے نبی کون کیفیت اور لذت نہ ہو  
ذکر و شغل وغیرہ جوڑ دیتا ہے)۔ دیکھو شہوت ہی نور روزہ میں حمزہ کھانے پر براہِ گنجہ  
کرتی ہے (تو جاہل شہوت نفس کا اتباع کر کے۔ دوسرا عقیدہ دیتا ہے) پھر اس کے  
بدل میں آغادہ دیتا ہے جو نفس پر شاق ہے اور عبادت کو تعمیل حکم نہ رکھا ہتھم ہارپ  
کے التزام پر براہِ گنجہ کرتا ہے کہ حکم کو چرخی طریقہ بجا نہ آجائے اس کا اور کچھ  
مقصود نہیں۔ قولہ وفيہ دلیل علی ان افضل العبادات هي الاتباع الى قوله

صل النزام اور دین توفیق اکامر لاغیر۔

فت۔ یہی وہ بات ہے جس کے فقدان سے اہل ملک پریشان ہوتے ہیں۔ بہت لوگ اور اردوئی نعت سے دیوبندی اغراض یا باطنی کیلیات کے طالب ہوتے ہیں جب تک حاصل نہیں ہوتیں سب کام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اصل حقیقت سے جا ملے ہیں۔ عادت وہ ہے جو مرتبہ تمیز عالم کے بلے کام کرے اور کوئی غرض نہ ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔ اور صاحب اخلاص کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز العظیم۔

(۲۳۵) توبہ سے اُس گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی جو گناہ اُس سے ہو چکا

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقی معافیت (یعنی مریمہ کا) کرنے والا گو اُس میں کمینہ ہی نصیبت موجد ہو اُس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا جو معیشت سے ہو چکا ہے مگر یہ وہ توبہ بھی کر لے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے و ان صابہ (اگرچہ وہ مکرر بدلتے رہے) کیونکہ ظاہر ہے کہ مکرر بدلتے رہنے والے توبہ مکرر کرے گا۔ نام شائع فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ذمے توبہ ہے اور ایک دن کا روزہ غرض یہ تو اور ایک دن کا یا مکرر بدلتے روزہ بہت سے بہت عذاب (اور گناہ) کو دفع کر سکتے ہیں۔ لیکن گناہ سے بچنے کا جرنیہ ہے وہ حاصل نہ ہو گا (اور گناہ سے جو نقصان پہنچے اُس کی تلافی نہ ہو سکے گی) ہاں حق تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو اور بات ہے ورنہ ظاہر (مناظر) پر وہ فتح نہیں لوٹ سکتا۔ اور یہ حدیث میں آیا ہے التوبۃ تجلب ما قبلہا کہ توبہ پہلی حالت کو قائم کر دیتی ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہو گا کہ گناہ اور عذاب کو توبہ ختم کر دے یہ قیاس بلکہ لگاوی تاکہ خلاء اجنادی سے احتراز ہو جائے نیز ان گناہوں سے جو جن کا گناہ ہو تا مختلف ذیہ ہے۔ قطعی نہیں کہ صورت بول میں تو نقصان ہی نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں نقصان ہوتا ہے مگر اسکی تلافی احوال عالم سے ہو جاتی ہے۔ ان جتنی بات کا اثر مشہور ہے مگر حکم شہادت کے ان الحسنت بذمہ التسلیمات۔



دینی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہ سے جو خیر فوت ہو چکا ہے اُس کی تکالیف ہو جائے۔ اسی لیے صحابہ معاملات (یعنی ثرویات کرام) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مولیٰ کے دروازے پر غرر بھر کھڑا ہے اور ایک ساعت غفلت کر جائے تو اس ایک ساعت میں جو خیر اُس سے فوت ہو گئی وہ اس سے بڑھ کر ہے جو غرر بھر میں اُس نے حاصل کیا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ ساعت لغو النہار (الشرعیات) کی خاص عبادت ہو اور جس سے یہ عبادت فوت ہو جائے دوسری اُس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس کو دوسری ساعت ملے کو بھی نصیب ہو جائے۔ کیونکہ جو ساعت عبادت فوت ہو گئی اُس سے تو حشر نہ ملے۔ وادبنا من تخلف عن باب مولانا اُس شخص کی بڑی مصیبت ہے جو اپنے مولیٰ کے دروازے سے ہٹ گیا۔ قوله وفيه دليل على ان ما يقع من المناقاة حقيقة الى قوله من تخلف عن مولانا۔

ف۔ مگر ایک حدیث میں آیا ہے ان تاب من الذنب مکن لا ذنب له گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اُس سے گناہ ہوا ہی نہیں اور قرآن میں ہے ان تاب وامن وعمل صالحا لما فادلتك بعدل الله سببا لتحقه آثار مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ پھر احادیث میں توبہ اور اسلام کا ایک ہی درجہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح اسلام سے کفر و شرک سابق کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ سے گناہ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ وہ لوگ جو پہلے کفر و شرک میں مبتلا تھے بعد میں ایمان لائے اُن لوگوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی کفر و شرک نہیں کیا۔ چنانچہ امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا حال ہے کہ ان حضرات نے کسی وقت بھی کفر و شرک نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد شرک سے اسلام لائے ہیں۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص گناہ سے توبہ کرے۔ اتنے بلند درجے پر پہنچ جائے جہاں وہ لوگ نہیں پہنچ سکے جنہوں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔

لاذباگر ذلت محمد پاک نیست  
تو باں اسے آنکہ جز تو پاک نیست

اس میں شک نہیں نہ یہ بھی فرانس ایک بڑی لذیات ہے۔ کہ انسان سے غیر مجرمانہ کار کتاب بالکل نہ رہے۔ یہ لازم نہیں کہ گناہ کر کے توبہ کرے نہ اُس سے پیچھے نہ رہے نہ اُسے نہ بڑھ سکے۔ حضرات صحابہ میں بعض رہا بھی زیادہ جن سے نہا۔ اشد شرب و فحشاء کا کتاب بوجہ اسے مجرمانہ کے بعد وہ اُس مقام پر نہیں جہاں کوئی ولی اور حرث و تعب نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر منور ہے کہ انسان اس نقصان کا تلافی خود نہیں کر سکتا جرمیت سے اُس کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن توبہ خاص کے بعد اللہ تعالیٰ تلافی فرادیتے اور ایسے باند مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں اس گناہ سے پہلے نہیں پہنچا تھا۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نقصان کے ایام کا برابر دوسرے ایام نہیں ہیں۔ نقصان کے ایک دن کا روزہ بلا عذر کے عذر توڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ انسان عمر بھر کے روزوں سے بھی اُس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ وہاں یہ کہ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس نقصان کا تلافی کر دیتا ہے یا نہیں؟ یہ حدیث اس سے ساکت ہے اور دوسرے نعرے امید دلاتی ہیں۔ واللہ اعلم فی الامم غفر للرحیم وانا عند ظنِ محمدی لی فلیظن لی حاشاء والسلام۔



## حدیث

### وصیتہ النبی ﷺ لابی ہریرۃ ثلاثہ اعمال من البر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے۔ ہر شہینہ میں تین روزہ رکنا اور چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا اور سنے سے پہلے وتر پڑھنا۔

۵ شرح: نماز ہر حدیث ہر مہینہ تین روزہ رکنا اور چاشت کی دو رکعت پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وصیت فرمائی ہے اور جس بات کا آپ وصیت فرمائیں اُس میں نیکوئی امر ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضور نے ابو ہریرہ کو وصیت کے ساتھ یہ وصیت کیوں فرمائی؟ حضرات شیعین و غیرہ خلفاء و راشدین کو کیوں نہ فرمائی؟ تو بات یہ ہے کہ حضرت خلفاء و راشدین کی ضرورت نہ تھی وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل اور آپ کے بعد نبوت کے کام کو سنبھالنے والے تھے اور جن کا یہ درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو وہ تو اس کا انبیاء نہ رہ گئے ان سے وصیت حاصل کر لی ان کو کسی وصیت کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم آپ کے واسطہ پر رسید تھے چنانچہ والے اور قرب الہی کے اسباب کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے ہر یقبخون الی و بعدہ الوسیلۃ و بعدہ اقرب۔ وہ اپنے رب کی طرف نزدیک تر ہیں۔ کے مطابق

رہتے ہیں کہ کونسا زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر دم حکم کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے۔ مثلاً یہ حضرات چاشت کی رکعتیں نہیں پڑھتے تھے مگر وہ اس وقت مسلمانوں کی خدمت اور اُن کی اصلاح پر نظر کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت باتیں ہیں جو اُن کی فضیلت پر دلائل کرتی ہیں۔

(۲۳۶) ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت کی جاتی ہے

دول اندہ صلی علیہ وسلم ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک شخص کو اس کی درخواست کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ وہ دین کی خدمت کیا کرو۔ ایک شخص کو یہ وصیت فرمائی کہ غلہ بیکھ کر بیچ جا کر وہ جس یہ آخری لانا ہے (شاید اس کے بعد پھر نماز کی صلت نہ ملے اور موت آجائے، اور لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے امید قطع کر دو (کسی سے کچھ توقع نہ رکھو) اور عہد احمد بن عمرؓ کے بارہ میں فرمایا وہ بہت اچھے آدمی ہے اگر رات کو اٹھا کریں، اور بہت واقعات ہیں رحمن میں حضورؐ نے ہر شخص کو اس کے مناسب حال وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا غصہ نہ کیا کرو، اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو اُن کی حالت کے مناسب وصیت فرمائی۔ کیونکہ وہ عبارت کے لیے (سادے کام) چھوڑ کر (کیسے ہو چکے تھے تو آپؐ نے اُن کو، جیسے اعلان کی وصیت کی جو عابدین کا ہیضہ سے شمار ہیں (یعنی نماز، نفل اور روزہ اور تہجد کا اہتمام) مگر ان کا سرور میں آپؐ نے کم۔ سر کم و چون وصیت فرمائی۔ اگر آپؐ زیادہ کی وصیت فرماتے تو دعا کا التزام کرتے جیسا اس وصیت کا التزام کرنا تھا۔

چنانچہ ایک دوایت میں ان کا یہ قول وارد ہے کہ مجھے میرے جیب میں شے ملے تو  
 نے عین باتوں کی وصیت فرمائی ہے میں اُن کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ سے  
 مل جاؤں۔ پھر ان میں باتوں کا ذکر فرمایا جو یہاں مذکور ہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کی  
 جاتی وہ اُس کا بھی التزام کرتے پھر شاید کسی وقت شفقت ہوئی میرے حضور نہ

امان کی خوراک کو بیان فرمادیا جو ان کے لیے زیادہ موجب قرب ہیں اور زیادہ کو ان کی جنت و نصیب پر چھوڑ دیا۔ آپ نے تم سے کم درجہ بتلادیا۔ یاد رہے کہ سب کو ایک فرمایا (رہا یہ کہ ہر شخص کے لیے قرب کا ذریعہ مختلف کیوں ہے؟ سب کے لیے ایک ہی راستہ کیوں نہیں تو) ات یہ ہے کہ اعمالی صالحہ میں سب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ ایک شخص کے لیے عبادت میں مشغول ہونا مناسب ہوتا ہے دوسرے کے لیے غنا کی محبت میں رہ کر پڑھنا پڑھنا بہتر ہوتا ہے۔ کسی کے لیے سفر کرنا اور جہاد کرنا اولیٰ ہے وغیرہ وغیرہ۔

جس کو علم سے مناجات ہو اُس کے حق میں مشغول علم ہی بہتر ہے۔ کیونکہ علم تمام اعمال سے افضل ہے۔ جیسا شارع علیہ السلام کے ارشادات سے معلوم ہو چکا ہے۔ تو اُس کے لیے عبادت میں مشغول ہو کر مشغول علمی کو چھوڑ دینا موجب نقصان ہے خصوصاً اس زمانے میں تو جس کو علم سے مناجات اور اجیت حاصل ہو اُس پر علم میں مشغول ہونا واجب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب دین میں بدعتیں داخل ہونے لگیں دین پر آفت آجائے۔ اُس وقت معالم دین کو مضبوط پکڑ لو اور اللہ سے رزق طلب کرو؟

صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! معالم دین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا طلل و حرلم و بیان کرنے کی مجلسیں تو اس زمانہ میں علم (شرعی) تمام اعمال سے زیادہ موجب قرب الہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ (جس کو علم سے مناجات ہو اُس پر) اُسی میں مشغول ہونا واجب ہے۔ دلیل ہی حدیث ہے جہم نے بیان کی۔ ہاں جس شخص میں علم کی اجیت نہ ہو اُس کو عبادت میں مشغول ہونے کا امر کیا جائے گا کیونکہ امید ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہو کر اپنے کو بھی نفع دے اور دوسرے بھی اُس کی دُعا سے نفع حاصل کریں۔ اسی طرح تمام اعمال میں خود کیا جائے جس شخص کے مناسب جو عمل ہو اُسے دوسرے اعمال پر مقدم کیا جائے۔ نفسِ عمل کی فضیلت کو نہ دیکھا جائے بلکہ عمل کرنے والے کی حالت کو دیکھنا چاہیے۔ ثواب کے کام تو بہت ہیں جس عمل کے بھی ثواب کو دیکھو وہی اپنی طرف

کھینچنا ہے۔ مگر تم مستحبات و نفعائے کا معاملہ دشوار ہے۔ اس لیے عمل کرنے والے کی حالت کے مناسب کسی عمل کو ترجیح دی جاتے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ و علم نے سب کو ایک ہی عمل کی وصیت نہیں کی بلکہ ہر ایک کے لیے جدا عمل تجویز فرماتے تھے۔ جس کی اس میں (زیادہ) اہمیت تھی اور مطلب یہ ہوتا تھا کہ اعمال مستحبہ اور نفعائے میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جائے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اس کے سوا اور اعمال مستحبہ کو بالکل نہ کیا جائے۔

**وصیتِ تَوَاقُلِ درجہ کی کرنا چاہیے اور زیادہ کی ترغیب دی جائے**

دہا کہ حضورؐ نے ان اعمال میں اَوَّل درجہ کی وصیت کیوں کی (زیادہ کی کیوں نہ کی؟) تو اس کی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اگر زیادہ کی وصیت کی جاتی تو اندیشہ تھا کہ وہ اُس کا التزام کر لینے (اور کسی وقت دشواری پیش آتی اس لیے زیادہ کو اُن کی اہمیت اور فضیلت پر مجبور دیا گیا۔ دوسرے ہمارے حضور ﷺ و علم کی عادت تھی کہ تاکیدِ تَوَاقُلِ درجہ کی ہی فرماتے پھر زیادہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے (یعنی عشاء کے بعد دو رکعتوں میں اُن کو پڑھ لیا کرے) تو یہ اُسے کافی ہیں پھر اس کے بعد زیادہ کی ترغیب رہی اور ہر اک مقدار کا الگ الگ ثواب بیان کیا۔ یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا کہ جو شخص ہزار آیتیں قیام لیل میں پڑھے اُس کا لقب آسمانوں میں مقنطر ہوگا (یعنی بڑے خزانے والا) اور رات کے آخر تک تہائی حصہ کی بہت فضیلت بتلائی تاکہ لوگ قیام لیل پر ہی اکتفا نہ کریں جو عشاء کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے بلکہ تہجد کا اہتمام کریں جس کا بہترین وقت سات کا پچھلا حصہ ہے اور غرور آپؐ سات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پیروں پر دم آ جاتا تھا (علیہ السلام) منہ منہ اسی اظہار الی ان اشکلت قدمااء العزیز دورہ ۱۲) اسی طرح آپؐ نے اس وصیت میں عمل کیا (چاشت کی) دو رکعتوں

کی وصیت فرمائی۔ پھر خود آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ ایک روایت میں بارہ رکعت بھی وارد ہے اور فرمایا جو شخص چاشت کے وقت بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں عال شان محل تیار کر دیں گے۔ اُس طرز کاثناء اُمت پر شفقت اور مہربانی تھی کہ مبارک وصیت کے التزام میں مشقت لاحق ہو وہاں بدوین وصیت کے آپ زیدہ محل کی ترفید دیا کرتے اور ثواب بیان کیا کرتے تھے اس کی تائید سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے واعلموا ان عبادہ کلکم الصلوۃ۔ (اور جان لو کہ قلم سے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے) مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر جیسے رہو اُن کو گنتی سے یا تخمینہ سے عہدہ دے کر دیکھو بلکہ جس قدر بھی ہو سکے زیادہ کام کرو۔ زیادہ کی رغبت کرو (مجھے معاف کیا جائے کہ یہ تفسیر حدیث کی صحیح نہیں حدیث میں وہاں مفسر ہوتا تو یہ معنی بیان کھینچتے تھے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُس میں وہاں مفسر ہوا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو احقر نے میں التوسیعین ترجمہ میں واضح کر دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ کام کئے جاؤ تم سے سب اعمال کا احاطہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ یعنی لڑائیں و واجبات کے بعد اعمال مستحبہ میں اعتدال سے کام لو اتنا عمل کرو جس کو حیلہ نہاہ سکو کہ یہی استقامت ہے۔

اس حدیث میں تکثیر عمل کا امر نہیں ہے بلکہ استقامت اور مداومت کا امر ہے۔ مفسرین نے ولا اقسرہ بالقصر الخراۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ (یہاں قیامت کا ذکر ہے اور نفس لوازمہ سے قیامت میں اپنے کو ملامت کرنے والا نفس مراد ہے اور) قیامت میں ہر شخص ہی اپنے کو ملامت کرے گا۔ خواہ مومن ہو یا کافر کیونکہ کافر جب کفر کا عذاب دیکھے گا اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں مومن کیوں نہ ہوا؟ اور مومن گنہگار مٹن ہوں کی نرا دیکھ کر اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں نے دنیا میں یہ اعمال کیوں کئے تھے اور مومن نیکو کار نیک اعمال کا ثواب دیکھ کر اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں نے زیادہ کام کیوں نہ کیا تاکہ ثواب زیادہ ملتا دیکھ کر زیادہ عمل کرنے کا طریقہ استقامت اور مداومت ہی ہے طاقت سے زیادہ

انہا کام کرنا جس پر دوام نہ ہو سکے شغل کا سبب ہو جاتا ہے اور غوراً کام بند نہ ہوتا ہے۔  
ہمیشہ ہوتا ہے تو آخر میں اُس کی مقدار بہت ہو جاتی ہے۔ قرہ قہرہ ہم غور کیا  
قرہ وہ دینا فقہ کا نہ علیہ اسلام یہ ہے لیکن شخص بحسب مایقتضیہ  
حالیہ الی قرہ یعنی لیکن نہ الخواب اکثر۔

ف۔ محققین مشائخ کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو ایکہ شی نہیں دیکھتے ہر شخص کو  
اُس کے مناسب حال کام بتلاتے ہیں۔ اگر طالب کو شیخ پر اعتماد ہے وہ اُس کے  
بتلاتے ہوئے کام پر دل جمعی سے مدد سے کرتا اور سمجھتا ہے کہ میری کامیابی  
کا یہی راستہ ہے کہ میں دیکھنے سے جو مختلف اعمال کی طرف دل چلتا تھا کہ یہ  
کروں یا وہ کروں یا سب کروں تو کیسے کروں اس الجھن سے اُس کو بہتات مل  
جاتی ہے اور حصولِ قرب میں دلجمعی کی بڑی ضرورت ہے اور طریق میں اتنا شیخ  
پر اسی لیے زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اُس کی تعلیم سے الجھن دور ہو جاتی اور جمعیت  
قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ شیخ محقق شیخ سنت ہو ورنہ  
الجھن دور نہ ہوگی بلکہ پریشانی بڑھے گی۔

کایہ مرواں روشنی و گرمی است

کار و دناں میل و بے شری ست

روشنی سے فراوانیت و نورانیت قلب ہے اور گرمی سے محبت و مشق یہ

دولت مرواں کا بل ہی کے پاس ملتی ہے۔

ف۔ حضرت شامیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے حضرت ابو ہریرہ کے لیے طریقِ مہابت اور شعارِ عابدین کو اختیار فرمایا تھا۔ مگر  
یہ اعمال یہ ہے کہ حضور نے اُن کے لیے طریقِ علم کو اختیار فرمایا تھا۔ اُن کا کام  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو سننا اور یاد کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن  
سے زیادہ روایت حدیث کرنے والا صحابہ میں کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ ہی حضور  
نے یہ بھی بتلادیا کہ علمی شغل دانوں کو کسی قدر مہابت نافذ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے



صرف فرائض و واجبات و سُنن پر ہی کفایت نہ کرنا چاہیے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلائیں اور ہر مہینہ میں تین روزے ادا کیے کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ وتر سے مراد صرف نماز وتر نہیں بلکہ تہجد مع الوتر ہے کیونکہ تنہا وتر پر حضور ﷺ وسلم نے کبھی اتنا نہیں فرمایا۔ بلکہ اُس سے پہلے یا پچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا احلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ عشاء کے بعد دن بھر کی سستی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سونا ہوتا تھا۔ اس لیے حضورؐ نے اُن کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔

پس اہل علم کو ان وصیوں پر پابندی سے کد بند ہونا چاہیے کہ اس سے زیادہ کی اُن کو فرصت نہیں مل سکتی و اگر قتالی علم ۱۰، ۱۱ اس حدیث میں امام مالکؒ (اور امام ابو حنیفہؒ) کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (اگر اس سے کم ہو سکتے تو حضور ﷺ وسلم اس مقام پر ایسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپؐ نے کم سے کم مقدار بیان بتلائی۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روزہ نفل بلا جہاد تین سے کم ہو سکتا ہے اور یہاں تین سے کم نہیں بتلایا نہیں گیا تو اننا پڑے گا کہ حضورؐ نے وقت کے ساتھ فضیلت پر بھی نظر فرمائی ہے اور جو لوگ ایک رکعت نفل کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دیکھا فضیلت کے قائل ہیں)۔

(۷۳۷) منقطع الدنیا کو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں قدر ضروری اور قدر

قلیل مستحبات پر قناعت کی اجازت ہے یہاں ایک اللہ بھی عجیب بات ہے جس پر مائل کو اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا کا کوئی سامان نہ تھا نہ وہ دُنیا کمانے میں مشغول تھے (بلکہ اصحابِ صلہ میں شامل تھے مین کا مقصد صرف حضورؐ کی خدمت میں رہنا آپ کی باتوں کو سُنا اور علم حاصل کرنا تھا) تو اُن سے قلیل

عمل کا مطالبہ کیا گیا۔ کیونکہ انھوں نے دنیا کے تخیل حشر پر ہی قناعت کی تھی۔ اسی سے صوفیاء نے یہ قاعدہ اختیار کیا ہے کہ جو شخص سب سے کم ہو کر اُن کے یہاں پہنچے، وہ اُس کی کیسوئی اور انقطاع ہی پر قناعت کرتے ہیں اور غمخوار سا کام بتلا دیتے ہیں۔ اور جو دنیوی اسباب میں مبتلا ہو اُس کو بہت کام بتلاتے اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرنے کی تاکید کرتے ہیں یہاں تک کہ جو شخص معمول سے زیادہ کماتا ہو اور رات کو زیادہ بیدار رہنے کا امر کرتے ہیں جس کا سبب یہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کیونکہ جو شخص عبادت کے لیے اپنے کو فارغ کر دیتا ہے اُس کا دل دنیا کمانے کی فکر سے خالی ہوتا ہے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انسان سے اسی چیز کا مطالبہ ہے کہ اکثر اوقات میں اُس کو حضور حق حاصل رہے۔ چنانچہ ایک بزرگ سے ہاتھ دھینے کا گھر کو خالی کر دنا کہ اُس کا مالک اُس میں رہے۔ مطلب یہ کہ اپنے دل کو ماسوائے اللہ سے خالی کر دہی وقت خالق (عل و علما) اس میں رہے گا یعنی حضور حق اُسی وقت قلب کو حاصل ہو گا اور جب دل میں خالق کے ہوا کوئی طہ ہو تو یہی غایت ہے۔ معطل ہے یہی نصیحت کبریٰ سے، بخلاف اس کے جو اسباب میں مشغول ہوتا ہے اُس کا دل کسب معاش میں ضرور مشغول ہو گا خواہ مخوشی ہی دیر کے لیے ہو اسی لیے اُس کو اعمال صالحہ کی کثرت کا حکم کیا جاتا ہے۔

یہی حال اُس کا ہے جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے کیونکہ اُس کا بدن عبادت میں سُستی کرتا ہے وہ پیٹ بھر کر آرام کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اس کی ضد کا حکم دیا جاتا ہے کہ شب بیداری زیادہ کرے تاکہ کھانے کا شغل دُور ہو جائے اور عبادت میں نشاط حاصل ہو کیونکہ دل کی حالت یہ ہے کہ ہاتھ پیروں سے جو کام کیا جاتا ہے اسی کا طرت اُس کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور صوفیاء کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دل کی تعمیر کا اہتمام کرتے ہیں تو جو لوگ اسباب میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو زیادہ عبادت بتلاتے ہیں تاکہ کسب معاش کے شغل سے

عبادت بڑھ جانے اور قلب کا میلان احوال صالحہ کی طرف زیادہ ہو جبکہ ہاتھ پیروں سے عبادت زیادہ ہو جائے گی دل کا میلان بھی اس کی طرف زیادہ ہو گا اور جو شخص عبادت کے لیے غارت ہو چکا اُس کو شغل و سبب سے کچھ واسطہ نہ ہو گا اور اُس کو زیادہ احوال کی ضرورت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو صبح کے قریب سوتا ہوا پایا یا اے شخص کھڑا ہو جا کہ عابدین تجھ سے آگے بڑھ گئے۔ اُس نے کہا اے رب اللہ! مجھے (اسی حال میں) جھڑ دیجئے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر رہا ہوں کہ جو سب سے زیادہ اُس کو محبوب ہے۔ پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اُس نے کہا میں دُنیا سے بے رغبت ہو چکا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ستارہ تو عابدین سے بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دُنیا سے بے رغبتی قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتی ہے۔ اس میں بھی اُس بخون پر اشارہ ہے جو ہم بیلان کر رہے ہیں۔ قلب کو راحت دینے کا مطلب یہ ہے کہ زاہد کے دل کو اسباب دُنیا میں فکر و تدبیر سے راحت ملتی ہے اور جب دل اس سے خالی ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر آباد ہو جائے گا۔ کیونکہ دن رکی خیال سے بخل کبھی نہ ہو گا ایک نہ ایک خیال ضرور اُس میں ہو گا خواہ دُنیا کا یا آخرت کا ایک نہ ہو گا تو دوسرا ضرور ہو گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں کا خیال ساتھ ساتھ ہو مگر دنیا نادر ہے۔

قوله وفيه معنى. وثنا الى قوله لكن ذلك النداء .

ف۔ یہاں سے ناظرین کو مقصد تصوف معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس طریق کا منشاء مقصود یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہی وہ نسبت صوفیاء ہے جس کو غنیت کہہ کرٹی کہا جاتا ہے۔ جملہ اذکار و اشغال و توفل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن اگر یہ مقصد اتباع سنت کے ساتھ حاصل ہو تو نسبت مقبولہ مندرجہ ہے بدعات کے ذریعے حاصل ہو تو نسبت غیر مقبولہ منظمہ ہے ۵

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یاس کے ہوا  
میری نظر میں خاک بھی جامِ حماں نہا نہیں

و۔ جو لوگ مشائخ کی خدمت میں دنیا کے انکار سے فارغ ہو کر جا پڑتے  
ہیں اُن کو زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی صحتِ شیش کی برکت ہی  
سے یہ نسبت اُن کو جلد حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ محبت سے منصوبہ و خلوصِ قلب  
کے ساتھ مرن بھی ہو کہ تعلقِ مع اللہ حاصل ہو جائے۔ کوئی دنیوی مقصد حصولِ جاہ  
و غیرہ نہ ہو۔ نہ دنیا میں دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہو جانا تقویٰ کا پہلا قدم  
ہے اگر یہ حاصل نہیں تو صحبتِ شیش نافع نہیں۔

(۲۲۸) انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے جو طریقہ پر نہ

ہو وہ دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ  
تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے  
بھوک اور فاقہ کو اپنے اختیار سے پسند کیا۔ اسبابِ رعاش میں اشتغال ہو کر ترک  
کید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ چلے کسی وقت آپ سے جدا  
نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بھوک اور فاقہ پر صابر ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ  
بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے اور کسی کو اُن کے حال کی خبر نہ ہوتی۔  
اس حالت میں اُن کو (ایک گوند) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت حاصل تھی۔  
کیونکہ حضورؐ نے بھی غنا پر فقر کو ترجیح دی تھی اور آپؐ بعض دفعہ بھوک کی شدت میں  
اپنے پیٹ پر تین تین چتر باندھتے تھے (تاکہ کمر سیدھی رہے اور کسی کو فاقہ کی  
خبر نہ ہو) اور فرماتے تھے اکرامِ مکرّم نفسہ و حولہا مہمّین۔ - یٰٰن لو!  
بعض آدمی اپنے نفس کا اکرام کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کو ذلیل کرتا  
ہے۔ ”وَمَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِلَّا مَقَالًا“ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ فقر و افلاس  
کے وقت لوگوں سے سوال کر کے اپنی بھوک پیاں بٹھا کر نفس کی خواہش کو پُورا

کرتے ہیں جو بظاہر نفس کا اکرام ہے مگر واقعہ میں اُس کو ذلیل کرنا ہے، غرض چوکرو،  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنم کر رہے پڑے تھے اور اسی حالت کو اختیار  
 کئے ہوئے تھے جو حضورؐ نے اپنے واسطے اختیار کی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے مصیبت  
 کے ساتھ اُن کو یہ وصیت کی۔ اور اپنی بنا، پر ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 اپنا خلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے دوست کے  
 طریقہ پر جوتا ہے۔ پس دیکھو تو تم کس سے دوستی کر رہے ہو؟ (اس لیے) ابوہریرہؓ  
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی  
 (اور محبت) کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ یہ اشکال نہ کیا جائے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بنا تو ابوبکر کو بنا یا کیونکہ پہلا  
 یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوہریرہؓ کو اپنا خلیل بنا یا تھا۔ مگر  
 آپؐ کے خلیل نہ بنانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو بھی حضورؐ سے تعلق غلت نہ  
 ہو کیونکہ غلت کے لیے یہ لازم نہیں کہ اعلیٰ بھی اپنی کو خلیل بنائے بلکہ کبھی یہ تعلق طرفین  
 سے ہوتا ہے کبھی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے کہ اپنی کو اعلیٰ سے غلت ہو اور گواہی کو  
 اپنی سے نہ ہو غلت کی شرط وہی ہے جو اُپر بیان کی گئی کہ انسان اپنے خلیل کے طریقہ  
 پر ہو اور یہ غرض حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ میں موجود تھی تو اُن کو دعویٰ غلت  
 جائز تھا۔

قوله وفيه معنى آخر اى قوله فما اخ له ادعاء الخلق لخليل ولفظ  
 ون - خليل لا ترجم عام حود سے دوست کیا جاتا ہے، بلکہ خلیل وہ ہے جس کی محبت ہو یا قلب  
 میں جا کر رہے ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے تھا ویسے  
 محبت کا تعلق غلام، ارشدین، اہل بیت، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین، ازواج مطہرات خصوصاً حضرت  
 عائشہ صدیقہ کے ساتھ بہت تھا لیکن یہ سب مجتہدین اطرافِ قلب میں نہیں تھے بلکہ  
 اللہ اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

عذرا العوازل حول قلب الله وهو الاجابة عنه فسادا لله

(۲۳۹) زندگی کی لمبی اُمید میں نہ باندھنا چاہیئے نے (ماہِ مستحب) میں اُن کو چاشت کی دو رکعت اور ہر مہینہ میں تین روزہ۔ یہ اور سو۔ نے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت پر کہوں انکشاف کیا؟ تو چاشت کی دو رکعت تو اس لیے کہ اس سے کہ ممکن نہیں۔ آپ نے اول درجہ پر کفایت کی اور ہر ماہ میں تین روزہ اس لیے کہ یہ بھی اول درجہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے اور مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں تو انسان کو چاہیئے کہ ہر مہینے میں دو رکعت (دکم از کم) تین روزہ سے رکھ لے تاکہ پورے مہینہ کے مغزوں کا ثواب مل جائے اور یہ شخص صائم اندر ہر کے حکم میں نظر جائے اور ظاہر ہے کہ اس سے ستر اور رمضان کے علاوہ دیگر مہینے ہیں کیونکہ رمضان میں تو پورے مہینہ کے روزے فرض ہیں اور یہاں فرض کی وصیت مقصور نہیں بلکہ فرائض واجبات و سنن کے علاوہ چند مستحبات کی وصیت مطلوب ہے) رہا سونے۔ سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت اُس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اُن کو اعمال میں بہت کی تاکید فرماتا ہے ہیں مبادا موت آجائے (اور کام رہ جائے) کیونکہ اگر وتر کے بغیر سوئے تو شاید سوئے ہی میں رات کو موت آجائے (نہیں ہی تو ایک قسم کی موت ہے تو وتر کا ثواب رہ جائیگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے سونے۔ سے پہلے وتر کی وصیت اس لیے کی ہے کہ وتر قضا نہ ہو جائے مبادا ایک ایک لمحہ نہ کھلے اور صبح کے بعد وتر پڑھا جائے مگر کہ وتر کلمات میں پڑھنا افضل (اور حنفیہ کے نزدیک واجب) ہے تو جواب میں کہنا چاہئے گا کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے **دفع اللہ عن ثلاث خذک اللہ** حتی یسقیک ان تین شخصوں سے قلم مرفوع ہو چکا ہے جن میں سے ایک سونے والا ہے یہاں تک کہ ہذا ہو۔ تو اگر نیند کی وجہ سے وتر قضا ہو جائے کچھ گناہ نہ ہو مگر اور جگہ کے بعد وتر پڑھنے سے وہی ثواب ہو گا جو رات میں پڑھنے سے ہوتا) بلکہ سنت **عہ اشرفیکم اُن نے جانے کا نام بھی کی ہو۔ ۵۰۰**

وہی ہے کہ شاید موت آجائے اور دُتر بالکل ہی فوسٹ ہو جائے اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا صلہ عداوت سے قطعاً اس طرح پڑھو جیسے دنیا کو الوداع کہنے والے پڑھتا ہے۔ آپؐ نے اس شخص کو قعر اہل کی ترغیب دی کہ زندگی کی لمبی امید نہ باندھو بلکہ یہ بات ہمیشہ نظر رکھو شاید نفس نفس واپس ہو۔ اسی حقیقت پر مشتبہ کرنے کے لیے آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سولے سے پہلے دُتر کی وصیت فرمائی کہ یہ امید نہ باندھو کہ شیخ مجاہد زندہ رہو گے، اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کیف أصبحت۔ تم نے کس حال میں شیخ کی؟ انہوں نے کہا أصبحت مظلوماً حقاً۔ کہ میں نے سچے سچے مومن کی طرح صبح کی۔ حضورؐ نے فرمایا ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو قہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (جہاں کرو) کہا یا رسول اللہؐ میں نے اس حال میں شیخ کی ہے کہ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا ہے شاید دُوسرا قدم نہ اٹھا سکوں اور موت آجائے اور گویا قیامت میرے سامنے کھڑی ہے۔ ہر آنٹ کو اُن کے نامز اعمال کی طرف پکھلا جا رہا ہے جتنی جنت میں راحت کر رہے ہیں دوزخی دوزخ میں عذاب دیئے جا رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا حنیف اللہ العبد تم کو یہ ہم مبارک ہو۔ قول مکن بحلف بحث الخی قولہ حنیف اللہ العبد۔

(۲۲۰) موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں اُن

کا ہر وقت عبادت میں گزرتا ہے ان ہی احادیث کے معنی اور معنی کا ہر وقت عبادت میں گزرتا ہے نظر کر کے حضرات موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں رہا بلکہ اُن کی عمریں ہمیشہ قسم قسم کی عبادت میں مشغول رہ کر ختم ہوتی ہیں کیونکہ اُن کو (عمل کے) ثواب ہو جانے اور موت آجانے کا اندیشہ لگھ رہتا ہے اس لیے وہ اعمال کی طرف سبقت کرتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید یہی عمل آخری عمل ہو اس لیے جب دُوسرے اُن کی عبادت کو دیکھتے ہیں اُن کو

بڑا تعجب ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی قسمت سے اتنی مہلت باہر ہے اور اگر یہ ممکن اس حقیقت کو ہمیشہ نظر رکھتے جو ان کے پیش نظر ہے تو ان کے پاس بھی دیسے ہی اعمال ہوتے جیسے مونیاء کے پاس ہیں۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جس کو ہر سانس پر یہ گمان ہو کہ شاید یہی آخری سانس ہے تو یقیناً اُس کو غفلت نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ حال قائم و دائم ہے۔ ان کو حیرت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ لوگ طول اہل کی وجہ سے دنیا کی تدبیر اور کسبِ معاش میں مشغول ہیں۔ ایسا شخص اگرچہ کتنی ہی قوت اور ٹھیک دالا ہو ضرور اپنے سب سے کسی قدر غافل ہو کر اپنے کاموں کی تدبیر کرے گا۔ کیونکہ طول اہل کا فکری تقاضا ہے اور حضراتِ مونیاء کی حالت اُس کی ضد ہے وہ قویہ کوئی لباس پہنتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری لباس ہو جس کو لے کر قبر میں جائیں۔ جب کوئی فکر کھاتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری رزق ہے جو دنیا میں اُن کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اگرچہ وہ سب سے زیادہ کمزور ہو۔ غفلت اور سستی اُس کے پاس بھی نہیں آ سکتی۔ اس لیے ان چیزوں کے بارے میں کہا گیا ہے الوقت سیف۔ وقت ایک تھوڑا سا ہے (جو کاٹ کر دھتا ہے اس کا دارِ خالی نہیں جانا یا تمنا سے واسطے دار کرے گا۔ اگر اس کو نیکی میں گزار دیا یا تمنا سے اوپر دار کرے گا اگر مصیبت یا غفلت میں گزار دیا)۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی ہر ساعت پر نظر رکھو کہ اس وقت تم پر کیا لازم ہے اس کو بھالو اور وقت کو عمل میں گزارو تاکہ عمل سے پہلے دفعۃ موت نہ آجائے یا اگر ایسا نہ کیا تو تم تاخیر کی وجہ سے وقت تم کو کاٹ دے گا۔ اگر موت نہ بھی آئی کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ انسان کی عمر کا جو دن بھی گزرتا ہے اُس کی جگہ دوسرا دن نہیں لے سکتا اور گئے وقت کو لوٹنا بھی ممکن نہیں۔ اب اگر وقت اس حال میں گزرا کہ تم نے اس میں کوئی نیک عمل کر لیا ہے تو کامیابی ہے اسی اگر نیک عمل سے خالی گزر گیا تو فسادہ۔ ہم اس کی جگہ دوسرا وقت



نہیں لے سکتا۔ احمق اور مسکین وہ ہے جو اپنے اوقات کو امر و نہی و فردا میں گزارتا ہے کہ کج کام کروں گا آج نہیں تو کل کروں گا اور اس میں اس مثال کے ساتھ میں اپنے کو صاحبِ فلاح سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ رمرام (خسارہ میں) ہے۔ کیا جس دن میں وہ کچل کتا ہی کی تلافی کرنا چاہتا ہے اگر (اس میں اور پہلے میں) دونوں میں برابر عمل جو اتنا زیادہ بہتر اور کامیابی کا سبب نہ ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی ہے کہ اے داؤد! تم کو عمل اور صوفیاء اور اہل عمل سے نہ روکتا۔ (کہ امید ہے کل تک یہ کام ہو جائے گا۔ عنقریب ایسا کروں گا۔ غلاب دن تک ضروریہ کام کر لوں گا وغیرہ وغیرہ)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اور یہ آخری کلام ہے جو ان کی زبان سے نکلا۔ اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر۔ کیونکہ دورِ امن سے غافل نہیں یا تو کل کو پانی ٹپکا یاد پانے لگا۔ اگر پانی نوا اللہ تعالیٰ اُس میں نیا مذاق دے گا اور اگر نہ پایا تو بچے دن کی فکر سے کیا فائدہ جس کو تم نہیں پاسکتے۔

شارحِ تائیدِ اسلام کے ارشادات اور جہدِ گلابِ امت کے اقوال و افعال اس معنی میں بکثرت وارد ہیں۔ پس جس کو فلاح (اور کامیابی) و ترقی مطلوب ہو وہ ان احادیث و اقوال میں غور کرتا رہے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور ان پر عمل کرنا رہے اس کے بعد ترقی اور کمال میں اللہ تعالیٰ پر ہر دوسرے دیکھے اُس کی طرف عاجزانہ متوجہ رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ مطلوب تک پہنچ جائے گا۔

قوله ولاجل النظر الى معنی هذه الأحاديث الى قوله يصل عند ذلك انشاء الله الى المرجوب۔

۲۴۱) اہل اللہ کی محبت حاصل ہونے پر فخر کرنا جائز ہے جبکہ بطور فخر کے ہو کبر کے لیے نہ ہو۔ یہاں سے یہ من معلوم ہوا کہ اہلِ برکت

کی محبت (عادل ہونے) پر فخر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سے نسبت (اور تعلق) بھی حاصل ہو جائے خواہ کسی درجہ میں ہو (بدون نسبت اور تعلق: جس کے نزدیکی صحبت - یہ کچھ نہیں ہوتا) اور فخر بھی شکر کی نیت سے ہے۔ مباہات اور نفعت (اور کبر) نااہل و ذلیل۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ذکر اللہ شکر، شکر نعمتوں کا تذکرہ بھی شکر ہے۔ یہ اس سے مفہوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بے ادعا فخر خلیل۔ مجھے میرے خلیل نے وصیت کی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی غلات و بھت کو باہت کر کے محبت رسول پر فخر کا اظہار ہے۔

یہاں سے یہ من معلوم ہوا کہ انسان اپنے اور اہل فضل کے درمیان کوئی رشتہ (اور تعلق) ثابت کر سکتا ہے اور ان کی طرف اس نوا سے اپنی نسبت بھی کر سکتا ہے اگرچہ انہوں نے اس کے لیے اس تعلق کا نام نہ دیا ہو۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا حالانکہ حضور نے اپنی ذات مقدسہ سے تمام انسانوں کی غلات کی نفی کر دی۔ (چنانچہ اوپر یہ حدیث گزر چکی کہ اگر خلیل اللہ نہ لے لے کے موائے زو دوست بنا تو اور کون؟) تاہم جس سے مان معلوم ہوا کہ اللہ نہ لے لے سوا آپ (کوئی خلیفہ نہیں ہے) اور کہا گیا ہے ۔

ان النبیہ بالکرام فلاح بزموں کے ساتھ مشابہت و مل کرنا بھی نادر ہے ۔

قوله وفيه انه يجوز الافتخار بعجة المباركين الى قوله فلاح ۔

فت ۔ شاید کسی کے دل میں اس منام پر یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث میں تو آیا ہے ان لفضل علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پھر یہ کیسے کہا گیا کہ مونیہ کے یہاں اپنے نفس کے لیے کوئی دقت نہیں۔ جس ساعت میں نفس کا حق ادا کیا جا۔ بڑا عار تو نفس کا دقت ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ نفس کا

:blogspot.com

حق بجانب نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا حق واجب کیا ہے تو یہ بھی نفس کا ذات نہ ہوا بلکہ حکم الہی کی تعمیل کا وقت ہوا جو عین عبادت ہے اسی طرح بیوی بچوں کا حق بھی اسی نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا حق واجب کیا ہے۔ نہارت اور ملازمت اور رزاعت میں اس نیت سے کہتے ہیں کہ کب الحلال فریضہ بعد الفریضہ حلال روزی حاصل کرنا میں فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو اُن کا یہ وقت بھی حکم الہی کی تعمیل میں گزارا ہے جو کہ عبادت ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو زیرِ امانہ اور نیت سے غفلت کی بنا پر ہو آہے اگر نہ ان مباحات میں اپنی نیت کو درست رکھے تو اُس کے ساتھ اوقات عبادت میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مباحات نہ کسی نہ کسی درجے میں دین سے متعلق آتا ہے۔

## حدیث

### الامر بترك ما لم يسمِ عليه من الصيد

حضرت ہدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنے (شکاری) کُتے کو چھوڑ دوں اور بسم اللہ کہتا ہوں، پھر اُس کے ساتھ شکار پر نڈ مراکتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہی اور مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کس نے شکار کر لیا ہے، فرمایا (اس شکار کو) نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کُتے کو بسم اللہ کے ساتھ چھوٹا ہے دوسرے پر تو بسم اللہ نہیں کہی۔

شہرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ شکار پر بسم اللہ کہنا واجب ہے۔ اگر بسم اللہ نہ کہی شہرح جائے تو شکار کے کھانے کی کوئی نعمت نہیں کیونکہ جب صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں کس کُتے نے شکار کو پکڑا تو آپ نے باوجود اُن کے اُن کو اس شکار کے چھوڑ دینے کا حکم دیا (اور کھانے سے منع فرمایا) تو جس پر بایقین بسم اللہ نہیں کہی گئی بلکہ عذر بسم اللہ کو ترک کیا گیا ہو اُس کا حرام ہونا بدعت اولی معلوم ہو گیا۔

فت۔ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جس شکار یا جانور پر بسم اللہ ترک کر دی گئی اُس کا کھانا جائز نہیں۔ امام شافعی سے روایت ہے کہ اُس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بسم اللہ ہر مسلمان کے دل میں ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے

اور میں ذیجر پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اُس کا حرام ہونا قرآن میں منصوص ہے دلائل اور  
معاملہ بذکر اسم اللہ علیہ و آلہ و سلم ۵۔

اور یہ حدیث صحیح بھی اُس کی حرمت کو بتلا رہی ہے اس لیے اس بات میں  
حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب قوی ہے۔

ف۔ اس حدیث سے شارع نے کوئی مسئلہ تقنوت کا استنباط نہیں کیا  
میرے خیال میں وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا تو نفل کے خلاف  
ہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بڑھ کر متوکل کون ہو گا؟ اور اکثر صحابہ نے اسبابِ معاش کو  
اختیار کیا ہے۔ سب حضرات ابو ہریرہؓ کی طرح تارکِ اسباب نہ تھے پس جو اولیاء اسباب  
معاش میں مشغول ہوں اُن پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

## حدیث

## النہی عن الصرف الا یذابید

حضرت براہ بن عازبؓ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع صرف کو دریافت کیا (بیع صرف چاندی سونے کا خرید و فروخت کو کہتے ہیں) حضورؐ نے فرمایا اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر کٹھا ہو تو درست نہ ہے۔  
 شرح ظاہر حدیث سے بیع صرف کا حجاز مسلم تھا کہ جب ہاتھ در ہاتھ ہو اور ضمانت معلوم ہوئی جبکہ اُدھار ہو چاہے مختصر ہی دیر کا اُدھار ہو چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے اگر بیع صرف میں ایک شخص تم سے اتنی ملت مانگے کہ گھر کے اندر جا کر چیز لے نہ تو اتنی ملت بھی نہ دو (بلکہ مجلس بیع ہی میں تبادلہ ہو جانا چاہیئے)۔

فت۔ شامع نے یہاں بھی کون مسئلہ فقہوں کا اشتباہ نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس سے بھی مقصود وہی ہے کہ اسباب معاش میں مشغول ہونا غلاب توکل اور غلاب وہیت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں صحابی چاندی سونے کا کاروبار کرنے پر تیار اور حضورؐ نے اُن کو منع نہیں کیا اور صحابہ سے بڑھ کر متوکل اور صاحب ولایت کون ہو سکتا ہے ؟



## حدیث

## الحث علی العمل وفضل عمل الیہ

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے اس شخص سے بہتر (محل) کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتا ہو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتے تھے (وہ نبی کی زبردست عمدہ بندے تھے جو لڑائی کے وقت لڑی پہنتے ہیں) اور اسی کو بچ کر اپنی گزر کرتے تھے (دادجو و عظیم نشان سلطنت کے شاہی خزانہ سے کچھ نہ لیتے تھے ورنہ سب کا سب رعایا پر خرچ ہوتا تھا) ۱۲ (ترمذی)۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بہترین غذا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کے شمع عمل سے کھاتا ہے اور اسی کے ضمن میں کتب پر ترفیب بھی ہے جس کی چند شرطیں ہیں (جو آگے بیان ہوں گی)۔

(۲۴۲) اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت ہے اور اس میں حکمت ہے

اس غیریت (اور بہتری) سے کیا مراد ہے؟ اور یہ فضیلت یومن و کافر کو عائد ہے یا مومن کے ساتھ خاص ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف داؤد علیہ السلام کی مثال کیوں بیان فرمائی حالانکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اگر بہتری کی علت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے

والہ دوسروں سے مستثنیٰ ہو رہا ہے اور کسب کی دھم سے کسی پر اس کا بار نہیں ہوتا کیونکہ (مثلاً مشہور ہے کہ) جس کی طرف تم کو استیاج ہو وہ تمہارا سرور ہے اور جس سے تم مستثنیٰ ہو تم اس کے سرور ہو۔ اگر خیر ہونے کا یہ مطلب ہے تو اس میں مومن اور کافر ب داخل ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس میں کسب کی ترغیب بھی ہے درست ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ ذریعہ کسب شرعاً جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہو کیونکہ بعض دفعہ ذریعہ لب تو جائز ہو مگر عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے (مثلاً سٹار کا پیشہ شرعاً جائز ہے مگر عمل کے وقت سٹار خالص سونے میں مکھوٹ ملانے لگے تو اس کا عمل شریعت کے خلاف ہو گا۔ اسی طرح دزدی کے پیشے کو اور ہر پیشے کو سمجھ لیا جائے (۱۲)۔

اور اگر خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذریعہ معاش میں کام کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اس کی خیر مشق ہی ہوتی ہے (کہ دوسروں کی بھی مدد کرتا ہے غریبوں کو جو پر صدقہ کرتا ہے) جیسا ایک حدیث میں ہے من بات تعباناً من طلب الحلال بات مغفوداً لہ و احبیم واللہ ماخض عنہ۔ جو شخص کسبِ حلال سے تنگ کر دات گزارے اُس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور صبح کو اس حال میں اُٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ فضیلت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہوگی اور مسلمانوں کو کسبِ معاش پر ترغیب دینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے موافق کمانے کا ذریعہ اختیار کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا یہ مطلب ہو کہ پیشہ و کار مذکور اس کے عمل کے خیر سے آنا ہے۔ یہ بات اُنکی پیشہ کے ساتھ خاص ہے جو یا تو سے کیا جاتا ہے دوسرے اسباب کسب اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت مولود علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ دوسرے انبیاء کی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صفت (دعوت) اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جس سے صاحب



صنعت خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس صورت میں یہ حدیث تسلیم صحت کی ترغیب سے رہی ہے کہ یہی سنت ہے اس میں کچھ عارضیں ہو کہ جس کام کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے کیا ہو اس میں عارضیں ہو سکتی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کی علت یہ ہو کہ ہاتھ سے پیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حق واجب نہیں ہوتا۔ دوسرے اسباب معاش میں حق، شر واجب ہوتا ہے جو ایسی پورا دارا ہو جانتے اور کبھی قصداً یا بلا قصد۔ کھانا ہونے سے روہ جاتا ہے تو اور اسباب معاش میں ذکوۃ اور دیگر حقوق واجب ہوتے ہیں اور اعمال رہتا ہے کہ وہ ادا ہوئے یا نہیں؟ اور ہاتھ سے جو پیسے کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے موافق کام کیا جائے تو اس میں کوئی حق، اللہ تعالیٰ طریقہ پر واجب نہیں ہوتا تو اس میں کوتاہی کا بھی احتمال نہیں، اور جس میں کوتاہی کا احتمال نہ ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں احتمال ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کی صنعت و حرفت میں دوسرے ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔ پھر یہ برکت کبھی ہوتی ہے کبھی منوی۔ برکت حیثیت قویہ ہے کہ کھانے میں تھوڑی مقدار زیادہ مقدار کے قائم ہو جائے اور برکت منویہ یہ ہے کہ اس کھانے سے قوت و نشاط دوسرے کھانوں سے زیادہ حاصل ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاش کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنا سنت ہے اس میں سنت کا اتباع ہے کیونکہ اس میں حکمت (الہیہ) کا ایک نشان ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غلیظ بنامیے گئے لوگوں نے اُن کو نکال دیا تو بازار میں بخت کرتے ہوئے ملے۔ لوگوں نے کہا کہ غلیظ ہونے کے بعد بھی تجارت؟ فرمایا تو کیا میں اپنے اہل و عیال کے ذریعہ معاش کو چھوڑ دوں؟ (اس کے بعد اُن کی تنخواہ بیت المال سے مقرر کی گئی جو بیکل کے حساب سے سوا سو روپیہ ماہوار کے قریب تھی)۔



اس آیت کے شاہن نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ میں ایک حدیث کی ملامت تھی کہ اذان کے وقت اگر کپڑے میں ٹوٹ ہوئی اُس کو ٹھکانا نہ تھا اور نکال چکن تو پھر پڑھے میں نہ نے تاکہ فوراً کھڑا ہو جاتا اور فرض ادا کرنے چلا جاتا۔ اسی طرح لوہار کی پیمائش تھی کہ اگر جھوٹا اٹھا لیتا اور ان کی آواز کان میں آ جاتی تو اُس کو نوپے پر نہ دیتا بلکہ ہاتھ سے چسپک دیتا اور اگر مار چکنے کے بعد اذان سُنتا تو پھر نہ اٹھتا بلکہ فوراً عملِ آخرت (نماز وغیرہ) کے لیے کھڑا ہو جاتا، یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ سے (شریعت کو) مطلوب یہ ہے کہ اس کا دل اسی کے ساتھ وابستہ رہے جس کے پاس جائے والا اور پہنچنے والا ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں کسبِ معاش وغیرہ میں لگے ہوں۔ مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ افریقہ میں ایک گھاس کھونے والا حامیوں کے لیے گھاس لانا تھا اور وہ اپنے وقت کے بڑے اولیاء میں سے تھا۔ جب کی نماز سے فارغ ہو کر دوپہر کے قریب تک یہ کام کرتا۔ پھر وہ کپڑے (جن میں گھاس کھرتا) اتار دیتا اور حمام میں جا کر غسل کرتا اور سرے کپڑے پہنتا اور جو کچھ مزدوری ملتی اس میں سے چھوٹی مقدار اپنے واسطے رکھ کر فقرا و عابدین کو سکین کو باقی رقم تقسیم کر دیتا۔ خود دن بھر روزہ رکھتا اور مغرب کے وقت اس غلیل منقلب سے اظہار کرتا جو اپنے واسطے رکھ لی تھی۔ شخص صاحبِ احوال دیکھتا تھا اس کو بڑے بڑے بزرگ ہی پہچانتے تھے کیونکہ وہ اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل صفہ کی حالت سے جو اعتراض کیا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے بڑھ کر ہے آپ کے نفس کو دنیا کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی (تو جس کی یہ حالت ہو اُس کے لیے حضور کی طرح تاک اسباب ہونا ہی بہتر ہے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (دوسروں کے ساتھ) نرمی کرنا ہے۔ کیونکہ بعض بلکہ اکثر لوگ ضعیف ہیں (وہ حضور کی اس حالت کا اقتداء نہیں کر سکتے تو ان کے لیے آپ نے اسبابِ معاش کو اختیار کرنا مشروع کیا) جیسا مجدد کے بارہ میں (دوسروں کو تو آپ نے یہ فرمایا) فہن للعبد

کما تفر من الماسد۔ کوڑھی سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے جھگٹنے ہو۔

اور خود آپ نے مہزوم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا اور یہ دُعا پڑھی  
 بِسْمِ اللّٰهِ قُلْ لَنْ يَعْيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ اللہ کے نام سے کھانا ہوں کھاد  
 کہ ہم کو ہرگز کوئی مصیبت آسکتی۔ ہوا اس کے ہوا اللہ تعالیٰ نے ہمارے  
 واسطے مقتدرگی سے لیا ہے (مُذَمَّرُوں کے لیے) آسان اور سہل طریقہ مشروع  
 فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ لَكَ مِنَ الدِّينِ مِنْ حَرْجٍ۔ اللہ  
 نے تمہارے اُپر دین میں ڈرا بھی تلگی نہیں کی اور اپنی حالت (اور عمل) سے اہل  
 قوت کے لیے (جس کے دل معلق مع اللہ سے مضبوط ہو چکے ہیں) اعلیٰ درجہ کے اختیار  
 کرنے کا اشارہ بھی فرمادیا۔ مثلاً مہزوم ہی کے مسئلہ میں دراستے ہیں جس کا نفس  
 ضعیف ہو اُس کو سنت کا اتباع کر کے مہزوم سے بھاگنا چاہئے اس میں اس پر  
 کوئی گناہ نہ ہو گا اور اگر نفس قوی ہو تو اُس سے لے اور اُس کے ساتھ کھائے اور  
 اس میں وہ آپس کے مال کا متبع ہو گا۔ چونکہ اہل صفہ نے (اور اُن کے بعد مٹوینا د  
 نے) بلند حالت کو اختیار کیا (وہ حضورؐ کی طرح تکلیب اسباب ہو گئے اور توکل کا اعلیٰ  
 درجہ لیا) تو حضورؐ اُن کو دُوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

اوپر کہا گیا ہے کہ کسبِ معاش (کے ذرائع و اسباب اختیار کرنے) میں ثواب ہے  
 اس پر ایک حدیث سے (بظاہر اعتراف وارد ہوتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے:  
 لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَفَعَكُمْ كَمَا يَرْفَعُ الْطَّيْرُ نَفْسَهُ و  
 خصاصاً و قروح بظاناً۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرتے جیسا توکل کا  
 حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رفعت دیتے جس طرح پرندوں کو روزی  
 دیتے ہیں کہ وہ کھج کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے  
 ہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا اعلیٰ درجہ ترک اسباب ہے اور جب  
 اعلیٰ درجہ یہ ہے تو ثواب بھی اسی میں زیادہ ہے کیونکہ اعمال میں فضیلت ثواب  
 ہی کی قلت و کثرت سے ہے) جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تقارن نہیں قطعی

یہ ہے کہ جس کو توکل حقیقی حاصل ہو (اس کے لیے ترک اسباب بھی افضل ہے) اور توکل حقیقی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کا دل کسی مخلوق سے وابستہ نہ ہو اور اگر اس کو کسی کے ہاتھ سے کوئی خیر حاصل ہو تو اُس کا دل اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ رہے۔ کسی دوسرے سے وابستہ نہ ہو۔ اور جو چیز بغیر انتظارِ نفس کے اس کے پاس آئے اول شریعت پر اُس کو جانچے، اگر شریعت کے لحاظ سے درست ہو تو پھر عریضت کی دُعا سے دیکھے، اگر اس پر بھی ٹھیک اُسے اب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو بہترین صورت کی ہدایت کریں کہ اس کو لے یا چھوڑ دے (یہ ہدیہ قبول کرے یا نہ کرے) جب اُس کو بہترین صورت کی توفیق ہو جائے تو اگر لینے میں خیر ہو لے لے اور اس شان سے لے کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ وابستہ ہو، اس کے بعد اس کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو اچھی جگہ صرف کرنے کی توفیق ہو اور تمام حالات میں کسی کے ساتھ دل کو تعلق نہ ہو۔ ویکن ذلک بمعرفۃ غیرہ فی انصرف فی ذلک ہما یریدہ الی اللہ قربا و فی حالہا حسنا (اس عبادت کے ترجمہ و مطلب میں شرح صدر نہیں ہوا) پھر اس تمام معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا مشاہدہ کرے اور اتباعِ سنت کی بنا پر اس شخص کے احسان کا بدلہ دے اگر یہ نہ ہو سکے تو اُس کے لیے دُعا کرے جس کو حق تعالیٰ نے اس کے لیے سخر کیا (اور اس کے ہاتھ سے خیر پہنچائی) ہے اور دعا (وغیرہ) بھی محض اتباعِ امر کے لیے ہو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

حدیث میں ہے من والاک معروفا کافہ فان لم تجد فادع اللہ  
 لہ محقق تعلم انک قد کافاکہ (جو شخص تم پر کوئی احسان کرے اس کا بدلہ دو اگر یہ نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا کرو یہاں تک کہ دل لہو ابی دیسے کہ تم نے اُس کا بدلہ کر دیا) نیز ایک حدیث میں دُعا کی حد یہ بتا  
 یحییٰ کہ جب تم نے احسان کرنے والے سے یہ کہہ دیا جنک اللہ عیدہ۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ تو تم نے اُس کی تعریف میں مبالغہ کر دیا۔

اور اگر اس شخص کو کسی نے ذریعہ سے خیر نہیں پہنچی بلکہ یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو خرقِ عادت (اور کرامت) کے طور پر (بلا واسطہ فیہ) فتوحات پہنچی ہیں اس کو چاہیے کہ ان فتوحات کو اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج بن کر شکر کے ساتھ لے اور اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھے اب کو ملحوظ رکھے اور اپنے دل کو اس کرامت سے وابستہ نہ کرے مگر یہ وہ کرامت ربانی ہو (اللہ ہی کی طرف سے ہو اُس کے تصرف کو) اس میں اصلاحِ خل نہ ہو پھر بھی اُس پر توجہ نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مشغولِ خاطر کا سبب ہو گا۔

نیز تصرف کے وقت اپنی احتیاج کو ہمیشہ بنظر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو ایسی جگہ فرج کرنے کی ہدایت فرمائیں جو اُس کی مرضی کے موافق ہو اور اپنے حال کو چھپائے کسی سے (غیبی فتوحات کا) تذکرہ نہ کرے مگر یہ کہ اُس کو اعہاد کا حکم ہو تو حکم کے موافق ظاہر کرے اور کوئی دریافت کرے تو فتوحات کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ بھی منہجِ نعمتوں کے (بڑی نعمت) ہے اور نعمت کا انکار مناسب نہیں کہ ناشکری ہے) اور اگر کوئی دریافت نہ کرے تو اس کا تذکرہ نہ کرے اور جب کوئی دریافت کرے تو مبراۃً خبر نہ کرے سوا اس کے جس سے (مراحتہ) ذکر کرنے کا حکم کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ (غیبی فتوحات) قدرت کے اسرار میں سے ہیں اور جو شخص اسرارِ قدرت کو بغیر اجازت اور عزدِ ذات کے ظاہر کرتا ہے وہ بہت کم اُس کے پاس رہتی ہیں اور بہت کم باقی رہتی ہیں۔ ضرورت کی صورت یہ ہے کہ اعہاد پر مجبور ہو جائے چھپانے پر قادر نہ ہو۔

مجھ سے ایک لفظ نے بیان کیا کہ ایک مسلم کے اہل و عیال بہت تنہا اور اُس کے پیشہ کی آمدنی کافی نہ تھی پڑھنے والے بچے جو کچھ لاتے وہ اُس کے خرچ کیلئے کافی نہ ہوتا) اس کا ایک بھائی بڑا مالدار تھا مگر وہ اس کی خدمت نہ کرتا تھا اور اس نے اپنے بھائی سے یا اور کسی سے اپنا حال ظاہر نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت (یعنی کرامت) کے طور پر یہ صورت جاری کر دی کہ روزانہ جب

وہ کتب کھول کر بچوں کے آنے سے پہلے اپنی دروات میں اتنی دھم موجود پاتا جو اس دن کے لیے کافی ہوتی اس طرح اس کی حالت درست ہو گئی (سچی اور افلاس سے نجات مل گئی) ایک مدت اسی حال میں گزر گئی تو اُس کے بھائی کو تعجب ہوا کہ کتب کی آمدنی تو اس کو کافی نہ ہوتی تھی (پھر یہ خوشحالی کہاں سے آئی؟) بالآخر اُس نے دریافت کیا کہ تیری آمدنی کہاں سے ہونے لگی تو اُس نے اُس سے ساری حقیقت بیان کر دی۔ اس کے بعد یہ فتوحات بند ہو گئیں (یہ تو اُس کا حکم ہے جس کا توکل قوی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں وہ حدیث وارد ہے لو انکم توکلتم علیٰ مطلق ترکلہ الخ)

اور جس کا توکل ضعیف ہو اُس کو اسبابِ معاش کا اختیار کرنا ہی بہتر ہے اس میں شک ہے کہ جس کا توکل قوی ہے اُس کا ایمان قوی ہے وہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے بندگی پر ہمارہتا اور (کسی وقت بھی) اللہ تعالیٰ پر (اور اُس کی تقدیر پر) اعتراض نہیں کرتا نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور جس کا توکل ضعیف ہے اُس کا ایمان ضعیف ہے۔ اس کا دل (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے خوش نہیں رہتا گوزبان سے کچھ نہ کہے اُس کا نفس (اور مردِ مر نظر دیکھتا ہے۔ بعض چیزوں کی تمنا بھی کرتا ہے اور کبھی بعض باتوں پر دل میں) اعتراض بھی آتا ہے (گو خدا خود وسوسہ ہی کے طور پر ہو) اور یہ عینِ بلاکت ہے تو اُس کے لیے اسباب میں مشغول ہونا ہی رحمت ہے۔ کیونکہ اس کا دل اسباب میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے۔ اگر اس کی مراد کے پورا ہونے میں کچھ نقصان بھی ہو تو اُس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح کام کرے جس سے امید بڑھے (نقصان کو اپنی تدبیر کے نقصان ہو سکی طرف منسوب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا) اس صورت میں اس کے لیے بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے کیونکہ اُس نے اپنے مولیٰ کے خوف سے اپنے نفس کی تجویز پر مقدم کیا ہے (جبکہ شریعت کی پابندی کے ساتھ اسبابِ معاش میں کام کر رہا ہے غلبہ شریعت سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے)

اور اگر یہ درپڑے معاش اس نیت سے اختیار کیا ہو کہ اس سے طاعت میں مدد ملے تو اس نیت میں خیر زیادہ ہو جائے گی اور اپنے صدقہ یقین کی بنا پر اس کے دل میں تواضع و انکسار پیدا ہو گا اور (مجھے شک کہ میں تو دنیا دار ہوں) یقین والے مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں تو اس کا ثواب بڑھتا رہے گا (کم نہ ہو گا) اور خبردار دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ میں ان لوگوں سے افضل ہوں جو اپنے مولیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتے اور اس کے وعدہ کو جو رزق کی ضمانت میں کیا ہے چیل چکے اور اس کی عبادت میں جس کا حکم دیا گیا ہے اسباب معاش کو چھوڑ کر مشغول ہو گئے ہیں کہ یہ تو پا کا جین محمد میر کو چھوڑ کر تقدیر پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ دوسروں کے محتاج ہیں ہم دوسروں کے محتاج نہیں بلکہ اپنا بھی خرچ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اگر ایسا خیال دل میں لایا گیا تو یہ بدترین حالت ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ خدا تن کو انفسک کہ هو اعدا بہمن اتقی (اپنے منہ سے) اپنی تعریف نہ کرو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ حق کون ہے ؟ اور یہاں سے معلوم ہو گا کہ ہر شخص کے مناسب حال صورت پر نظر کرنا چاہیے (سب کو ایک لاٹھی نہ لٹکا چاہیے) اسی کو فتنہ حال کہتے ہیں اسی سے فتنے زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر لوگوں پر مصیبت ہی غالب ہے تو حکم دی لایا گیا جو اکثر کے مناسب حال ہے ۔

قوله ولعلکم علیہ من وجوب علیہا ما معنی هذا الخیر بیدۃ الی قولہ جاء الخیر علی القلب من علم الناس ۔

ف ۔ راجعہ معنوں نے خود اپنے لیے اعلیٰ حال کو اختیار فرمایا کہ ترک اسباب کے ساتھ قول کیا ۔ یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو صوفیہ تارکین اسباب پر اعتراض کہتے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام میں رہبانیت داخل کر دی۔ حالانکہ اسلام میں رہبانیت نہیں تھی نہ کہتا ہوں اگر ترک اسباب معاش کا نام رہبانیت ہے تو وہ بتلائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا ذریعہ معاش اختیار فرمایا تھا ؟ اگر آپ کا ذریعہ معاش کچھ نہ تھا بجز اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے تو گو یا سب سے پہلے



آپ ہی نے اسلام میں رہبانیت کو داخل فرمایا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ رہبانیت خلیں بلکہ نکاح نہ کرنے اور اہل و عیال نہ رکھنے کا نام رہبانیت ہے تو موصیاء نے یہ طریقہ کب اختیار کیا ہے؟ جس قدر موصیاء تاریک و اسباب ہوئے ہیں سب بڑی چھین والے تھے۔

دیا پر اعتراض کو موصیاء، متوکلین، دوسروں کے سہارے پر دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے موصیاء، کو خلیں دیکھا۔ مکتادوں کو دیکھا ہو گا جو حضرات کا جھوٹا دھوسے کرتے والے ہیں تو ایسے مکتاد ہر جماعت کے اندر موجود ہیں۔ علماء میں بھی اور علماء و طباء اور فارغین اور اساتذہ میں بھی۔ امراء و سکسا اور وزراء میں بھی۔ سلاطین و خلفاء میں بھی۔ اگر ان مکتادوں کی وجہ سے کسی جماعت کو بدنام کیا جاسکتا ہے تو کوئی جماعت بھی اچھی نہیں کہی جاسکتی اور اس کا عین حماقت ہونا ظاہر ہے۔ محمد نے سچے موصیاء کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حضرات دوسروں کے سہارے پر نہیں ہوتے بلکہ سلاطین و امراء سے زیادہ مستغنی ہوتے ہیں بڑے بڑے پدایا کو جو شریعت اور طریقت کی کسوٹی پر پھندے نہ اتریں ٹھکرا دیتے اور واپس کر دیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیوں کا واپس کر دینا کچھ آسان کام نہیں جو علماء یا دشمن خیال لوگ موصیاء پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان کے سامنے بڑی بڑی دقتیں پیش کی جائیں تو کسی نہ کسی تاریل سے فخر قبول کر لیں گو وہ ہڈی شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ۱۱ منہزم۔

ف۔ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں صاحب کرامت کے قصد و ارادہ اور تقویٰ کو اسلحا داخل نہ ہو یہ ربانی ہے ایک وہ جس میں اس کے ارادہ و تقویٰ کو داخل ہو وہ روحانی ہے۔ مگر تقویٰ دونوں اذیاء الہی کے نہ کرنا چاہیے کہ خلاف توحید اور خلاف کمال معرفت ہے اور دھم کو آج کل دست غیب کہ جانتا ہے، وہ کرامت میں دخل خلیں نہ وہ ربانی ہے نہ روحانی بلکہ شیطانی ہے کہ کون کس کا طریقہ ہے کہ کسی عمل یا غرض کے ذریعے سے جنت کو تابیہ کیا جاتا اور ان سے روپیہ منگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنت و شفا کے تابیہ میں ہوتے بلکہ جبر و قہر سے تابیہ ہوتے

ہیں اور اخیر حق تعالیٰ کے حکم کے کسی پر جبر و قہر کرنا جائز نہیں۔ پس عالموں کا اپنے اس عمل تسلیم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر برقیاس کرنا غلط ہے کہ وہاں بنات کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے تابع کیا تھا تم کو کس نے اجازت دی کہ اس طرح اُن کو تابع بناؤ۔ اللہ الا ان یکون الجن کافرا من الھادیین فی جنود تسخیرہ کما یجوز تسخیر الکافر المرء من الکافر لعدائتھما صریحا و لکنہ مقتضی القواعد و لا یجوز اخذ الخراج منہ الما بعد التیقن بانہ لایاخذ من احوال المسلمین و لا من احوال اهل الذمۃ فانھما ۱۲ منجم۔

بقیہ اعتراضات کا جواب جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اُوپر کہا گیا ہے کہ صنعت و حرفت کے بہتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ یہ شخص بواسطہ صنعت کے غیب سے مدد کی لینا ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ وارد ہو گا کہ اُنھوں نے آسمان سے مائدہ (دخوان) نازل کرنے کی دُعا کی تھی اور یہ بلا واسطہ غیب سے مدد کی تھی (اگر یہ صورت افضل نہ ہوتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس کے لیے کیوں دُعا کرتے۔ جو بے بہتہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دُعا از خود نہیں کی بلکہ اپنی قوم کی درخواست پر کی تھی جو اُنھوں نے بطور معجزہ تمغہ حق رسول کے واسطے کی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صورت افضل تھی) نیز یہ واقعہ بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے حضرت علیؓ ہی آپ کے پاس پہنچے۔ پوچھا تم کو اس وقت گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہا بھوک کی وجہ سے نکلا ہوں، حشاش اور حبشہ بھی بھوک کی وجہ سے درجہ ہیں مدنی اللہ تعالیٰ عنہم۔ فرمایا جس چیز نے تم کو گھر سے نکالا اُس نے مجھے نکالا ہے (یہی بھی بھوکا ہوں) پھر آپ کے پاس چند صحابہ اور بھی آئے وہ بھی بھوک کی شکایت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دیکھو اُس گھر کے دوست کے پاس ہاقل و بد زمانہ گھر کرنے کا نہ تھا، موسم ختم ہو چکا تھا) اور اُس سے کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تازہ بکھرہ ہم کو دو۔ اسی وقت بکھرہ پر تازہ پل اگیں اور حضرت علی (ص) مقتدر (بکھرہ رک) لائے جو سب حضرات نے کھائی اور ہر شخص اپنے گھروالوں کے دستے بھی بقدر کفایت بلکہ کچھ زیادہ لے گیا۔ (جواب یہ ہے کہ یہ بھی بطور معجزہ کے ہوا جو کبھی کبھی ہوتا تھا ہمیشہ نہ ہوتا تھا اور سراجواب حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے قعر سے ظاہر ہو گا کہ یہ دونوں حضرات جب باہم ملے اور ساتھ ساتھ چلے جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تو (یعنی دعائیات میں ہے کہ) دونوں کو بھوک لگی تو ان کے پاس (طیلسے) بکری کا بچہ آیا جس کا آدھا نصف تو بچنا بچا تھا اور آدھا نصف کچا گوشت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بیٹا بچا گوشت کھانا چاہا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے طریقہ کے مناسب نہیں کیونکہ آپ سبب سے کام لیتے جیسا اور میرا طریقہ تو یوں ہے (میں تارک اسباب ہوں) تو آپ جائے لکڑیاں جمع کیجئے آگ جلیجئے اور کچے گوشت کو بھجٹ کر کھائیے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور خضر علیہ السلام نے بچنا ہوا کھایا اور یہ روایت نظر سے غائب گزری اور غالباً ضعیف ہے۔ قرآن میں جو قعر مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں حضرات ایک جگہ میں پہنچے اور سستی والوں سے ضیافت کا کھانا طلب کیا انہوں نے سمانداری سے انکار کیا وہاں ایک دیوار ٹھکی ہوئی بوسیدہ کھڑی تھی جو گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اُس پر ہاتھ بھریا تو سیگا ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے اس پر مزدوری لے سکتے تھے۔ ایسے ہے ہودہ لوگوں کی دیوار کو ٹھٹ سیدھا کرنا کیا ضرور تھا اور اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ معلوم ہو گا کہ ترک اسباب افضل نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے کیونکہ اول طریقہ خضر ہے اور دوم موسیٰ علیہ السلام اور تیسرا موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں تو ان کا طریقہ بھی افضل ہو گا (اللہ تعالیٰ اعلم)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں کسی شخصیت کی انفضلیت عام نہیں۔ فضیلت تو ان کی میں ہے جو شریعت نے مشروع کیا ہے۔ کیونکہ یہ حالت و طریقہ ربیع بنی بلاد وسطہ میں فتوحات میں کو حاصل ہوتی ہے یعنی دلوں پر بھرتا ہے کہ میں نے اُس کی شرمیں پوری کر دی ہیں

جگہ کہ اُس نے سب ٹھہریں پُری نہیں کیں۔ اب اگر کسی وقت اُس کو کوئی ناگوار صورت پیش آتی ہے مگر تھلے پر (الزام اور) حسرت لگتا ہے (کو عذاب ہو بطور دوسرے کے ہی ہو) اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے یا مرد پُوری ہوگئی تو دھوکہ میں پڑ جاتا ہے (اپنے کو دلی اور قلب و خوث سمجھنے لگتا ہے) اور یہ بھی بڑا خطرناک حال ہے پس ایسے لوگوں کے لیے صفت و حرمت ہی افضل ہے کہ اس طریق میں سلامتی افضل ہے۔ جیسا نماز کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ انسان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے سوائے فرض نماز کے (وہ مسجد میں افضل ہے) کیونکہ گھر کی نماز میں ریاء و غیرہ کی آمیزش سے سلامتی زیادہ ہے اور سلامتی کا طریق ہی افضل ہے اگرچہ دوسرے طریق کا فائدہ بڑا ہے۔ مگر اُس فائدہ کے ساتھ خطرات بھی لگے ہوئے ہیں جن سے بہت کم لوگ بچ کر نکلے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سلامتی کے برابر کسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ مقامات عالیہ کے لیے دوسرے حضرات ہیں جو ان ہی کے لیے پیدا کئے گئے اور ان ہی کے موافق عمل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولیاءِ کاملین کے لیے جن کا بیان اور توکل قوی ہو ترکِ اسباب افضل ہے اور ناقصین کے لیے اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے اور بعض دفعہ اولیاءِ کاملین بھی فطرت سے سلامتی کے لیے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا اکثر صحابہ کے حالات سے ظاہر ہے اور چونکہ انبیاءِ عظیم السلام خطرات سے محفوظ ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ زخم اور بعض انبیاءِ تارک اسباب تھے (مترجم)۔

اوپر کہا گیا ہے کہ صفت و حرمت میں کوئی حق اللہ نہیں نہیں اس لیے وہ خود کر اسبابِ معاش سے حقیقی حق اللہ واجب ہے افضل ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں کچھ کمی رہ گئی ہو۔ اس پر یہ اعتقاد رکھنا ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ دوسرے اسبابِ معاش میں بھی کوتاہی کا احتمال نہیں رہتا۔ جیسا ایک تاجر کی حکایت ہے کہ وہ مسجد میں زنا جماعت لے کر جا رہا تھا کہ جنازہ ٹوٹ گیا یہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ پائلے سے باہر آیا تو ایک شخص نے کہا اؤ اس آبادی میں

چلیں جو میلہ سے قریب (نظر آرہی) ہے کہ میں تو رکنا رہا، سے نہ ہوں گا جب  
 تک میرا مال باہر نہ آئے۔ ساتھی نے اس کو بے وقوف بنایا (کہ جلا سمندر کے اندر  
 سے بھی کہیں مال خود بخود باہر آیا ہے) پھر وہ اس کے ساتھ کچھ دیر تک کہے سے پر  
 بیٹھا رہا کہ دفعہ سمندر کی موجوں نے ایک مختصر سی باہر چھینکی دیکھا تو اس پر اس کا  
 نام نکلا ہوا تھا اسی طرح ایک ایک کہے اس کا تمام سامان باہر آگیا سمندر شیا کچھ  
 بھی نہ رہا تو ساتھی نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ ہے جو تمام سامانوں  
 میں سے تجھے ہی اس کرامت کے ساتھ خاص کیا۔ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی حکم دیا  
 میں اس کو بھالایا پھر مجھ سے وہ چیز نکل کر لے سکتا ہے جو مجھے عطا فرمایا ہے  
 حالانکہ اُس نے مجھے اپنے احکام بھالانے کی توفیق عطا فرمائی ہے ایسا تو نہیں ہو  
 سکتا۔ جواب یہ ہے کہ (دیگر اسبابِ معاش میں) ایسی محنت شاذ و نادر ہے اور  
 حکم غالب حال پر مبنی ہوتا ہے (غالب حال یہی ہے کہ صنعت و حرفت میں کوتاہی  
 کا احتمال نہیں اور دوسرے اسبابِ معاش میں کوتاہی کا احتمال رہتا ہے)۔  
 جیسا بعض اہل صنعت بھی اپنے پیشہ میں خیانت کرتے ہیں جس سے وہ بدترین  
 پیشہ ہو جاتا ہے مگر صنعت و حرفت میں ایسا شاذ و نادر ہے اور اگر کوئی کھوٹ  
 ملتا بھی ہے تو چھپا نہیں رہتا جیسا دوسرے ذرائعِ معاش میں چھپا ہوتا ہے  
 کیونکہ اموال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے سوا دوسرے حقوق بھی ہیں جیسے  
 بیع میں خیر خواہی واجب ہے، دھوکہ بازی اور خیانت سے احتراز لازم ہے  
 اور بہت سی باتیں ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں جن کو بہت سے تاجر جانتے  
 بھی نہیں اُن پر عمل تو کیا کریں گے۔ اسی لیے صنعت و حرفت اُن سے بہتر ہے کہ  
 اس میں ایک ہی احتمال ہے کہ صنعت میں کاریگری کا حق پورا نہ کرے مگر  
 ایسا کرے گا تو اس کا عیب ظاہر ہو جائے گا جو پسند نہ کرے گا وہ  
 کہ دے گا۔

اسی لیے ایک عالم باعمل زیورہ کے تیل کا کاندہا د کرتے تھے پھر انہیں دینے

بچہ چھایا غم نہی فرمایا کہ نہیں لے یہ کاروبار اس لیے اختیار کیا کہ اس میں نفس کو دھوکہ دینے کا موقع نہیں ملتا۔ مگر ایک مسئلے میں عمدہ تیل ہو اور اس میں حقیر سا خراب تیل عطا ہونے تو سلامت کا خراب ہو جاتا ہے۔ بھلائی اور چیزوں کے کہ ان میں دھوکہ چل جاتا ہے جب میں نے دیکھا کہ زیتون کے تیل میں دھوکہ نہیں چل سکتا اور اس سے مال میں نقصان ہو جاتا ہے تو میں نے اسی کا کاروبار اختیار کیا۔ کیونکہ اہل توفیق نفس کے غوائل اور شرارت سے بے فکر نہیں رہتے اگرچہ ان کے نفوس با برکت (اور پاکیزہ) ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے (یوسف علیہ السلام کی طرف سے) ارشاد فرمایا ہے وعا بری نفسی انہا خلصا لامادقہ بالسوء الإمداد حجب اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس تو (اپنی فطرت سے) برائی کا حکم دینے والا ہے۔ ہاں جس پر سر پرچہ ملے اور رحمت نازل فرمائے (وہ اس کی شرارت سے بچا رہتا ہے)۔

ادھر کہا گیا ہے کہ معرفت و معرفت کی لذت میں دیگر ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہے تو اگر یہ بات قیاسی نہیں محض نقل ہے جس کی علت معلوم نہیں تو بحث کی ضرورت نہیں اور اگر علت یہ ہے کہ اس میں ملکوت الہی کا اظہار ہے تو یہاں وہی گفتگو ہے جو اوپر گزری تھی اور اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر دیا گیا۔

پہلے کہا گیا ہے کہ اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت (انبیاء) ہے اس کے اختیار کرنے میں سنت کا اتباع ہے کیونکہ شریعت نے اسباب معاش اختیار کرنے ہی کو بتلایا ہے تاکہ کسی کو یہ گمان پیدا نہ ہو کہ کسب معاش کے ساتھ عبادت نہیں ہو سکتی۔ شریعت نے اسی قسم کے خیالات کو مائل کرنے کے لیے معرفت و معرفت لاہر و دیگر اسباب معاش کی ترغیب دی ہے اور بتلادیا ہے کہ عابد بننا ترک اسباب پر موقوف نہیں۔ اگر عابد بننے کے لیے ترک اسباب ضروری ہو تو کوئی نبی بھی سبب معاش سے اختیار نہ کرتا اور بالاتفاق انبیاء عظیم السلام سب سے بڑھ کر عابد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی علت کو دور کرنے کے لیے دائرہ طہارۃ اسلام کی مثال بیان فرمائی کہ بالاتفاق وہ بہت بڑے عابد تھے اور ان کے عابد ہونے

پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے اس پر وہ اسبابِ معاش میں بھی مشغول تھے بادشاہت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عالم جب احکام بیان کرے تو اپنے قول کو واضح و لائقِ تشریح سے مونیہ کرے اگرچہ اس کے علم و معرفت میں کسی کو شک بھی نہ ہو کیونکہ اس سے نفوس (سامعین) پر بات زیادہ واضح ہو جاتی اور احکام کو پہنچا حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے صنعت و حرفت کی فضیلت بیان کر کے داؤد علیہ السلام کی حالت کو بطور محبت کے پیش فرمایا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام ضرور غائب ہوئے وہ ہماری شریعت میں داخل ہیں (جبکہ رسول اللہ نے ان کو بجا انکار کے بیان فرمایا ہو ممکن تھا) انجیل میں مذکور ہونا کافی نہیں کہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی بات کے خدشہ ہونے سے اطمینان ہو جائے گا کہ اس حکم میں تحریف نہیں ہوئی۔

یہ حدیث ان لوگوں پر جو اسبابِ معاش میں مشغول ہیں محبت ہے کہ وہ اس مشغل کی وجہ سے عبادت چھوڑنے کا سامان نہ کریں۔ جیسا کہ لوگوں کو یہ کہنے ہوتے دیکھا گیا ہے کہ مشغلِ معاش عبادت سے مانع ہے اور قرآن کی یہ آیت دلالتِ اسلحا و سلنا من قبلک وجعلنا الھم اذوا و اجد ذریۃ (ہم نے آپ سے پہلے بھی ہمسف سے رسول بھیجے ہیں سب کے بیویاں بھی تھیں اور بچے، عیالداروں پر محبت ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابن و عیال اور ان کے لیے کسبِ معاش عبادت سے اور کسب میں تقویٰ کی رعایت سے مانع ہے۔

بعض لوگوں کو جب نصیحت کی جاتی اور عبادت کی ترغیب دی جاتی ہے صاف کہہ دیتے ہیں کہ اگر تمہارے بھی بال بچے ہوتے تو ہم سے اس قسم کی باتیں نہ کرتے اور نہ تم ویسے ہوتے جیسے اب ہو (بلکہ ہم جیسے ہی ہوتے) ان لوگوں کی جہنمیں اس آیت سے ختم ہو گئیں کیونکہ (انبیاء علیہم السلام جو) سب سے افضل اور سب سے بڑے و کرام تھے عیالدار بھی تھے تو اب کسی کو بھاد کرنے کا کیا موقع ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو

نہوں بنا کر ہی تو بچا ہے لہذا کان لکھ خف و حمل اللہ نسوخت حسنہ۔ تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ صاحب رسولوں کی کیا بات ہے اُن کی دین کون کر سکتا ہے؟ اگر رسول اللہ کی دین نہ کی جائے گی تو پھر کس کی دین کی جائے گی؟ کیا خدا تعالیٰ نے اُن کو لغفل ہی بھیجا ہے؟ ہرگز نہیں اُن کو اسی لیے بھیجا ہے تاکہ مخلوق کے سامنے ایک نمونہ ہو جس کے موافق اپنے کو بنانے کی کوشش کریں وعاود سنا صاحب رسول اللہ علیہ السلام باذن اللہ) اس تقریر کے بعد (نصوص و احادیث میں) کوئی بھی تضاد من باقی نہیں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم سب کے لیے عام نہیں بلکہ ہر شخص کی حالت کے مناسب مجداً حکم ہے نکاح ہی کو لے لو کہ نہ ہر شخص کے لیے ترک نکاح سنّت ہے نہ ہر ایک کے لیے نکاح کرنا سنّت ہے۔ جب تک قدرت نہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مدد اور جمعیت قلب حاصل نہ ہو اور اگر کسی کو بیوی کے نان و نفقہ اور مہر پر قدرت نہ ہو اور نکاح سے عبادت میں جمعیت قلب حاصل ہونے کی امید نہ ہو بلکہ پریشانی کا خطرہ ہو اُس کے لیے نکاح سنّت نہیں بلکہ کثرت سے روزہ رکھنا سنّت ہے تاکہ شہوت قابو میں رہے۔

چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مجھے یہ پسند نہیں کہ مسجد کے دروازے پر میری دکان ہو جس میں تجارت کرنے سے جماعت کی نماز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے ایک دینار کا نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دیا کروں میں اس حالت کو فقر سے بہتر نہیں سمجھتا۔ یہی فقہ مال ہے (کہ ہر شخص کو اُس کے حال کے مناسب کلام بتلایا جائے) تو ممکن ہے ان صحابی کو لوگوں سے احتکاک کرنے میں جمعیت قلب حاصل نہ ہوتی ہو یہ خاص دولت اختلاط میں قوت ہو جاتی ہو اگرچہ (دکان کرنے اور صدقہ کرنے سے) نفع مستدی حاصل ہو جائے کیونکہ نفع خاص مقدم ہے جیسے جان پہچانا پہلے اپنی لازم ہے حق ثنائے فرماتے ہیں وہن اخیلھا فکانھا امیاً الفاسد جہیماً (اور جس نے ایک جان کو بچایا گویا اُس نے تمام آدمیوں کو زندہ کر دیا) تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کے بچانے



اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا قصد کرو۔ جماد کے سوا کسی وقت اس کی اجازت نہیں اگر ایسا کرو گے گنہگار ہو گے (البتہ جماد میں یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو پہانے کے لیے تم دشمن کے مقابلے میں آگے بڑھ جاؤ یا دوسروں کی پیاس بجھانے کے لیے خود پانی نہ چڑھو پلے سے دہو اور اُن کی جان بچاؤ جیسا بعض صحابہؓ سے منقول ہے یہی حکم نفقہ کا ہے کہ پہلے تم اپنے نفقہ کے مکلف ہو پھر بیٹے کے پھر زوجہ کے۔ اگر تمہارے پاس ایک روٹی ہو تو تم پر کسی کا نفقہ واجب نہیں۔ اگر دو روٹیاں ہوں تو اول و عیال میں سے ایک کا نفقہ لازم ہو گا جن میں مقدم وہ ہے جس کا نفقہ دینے سے (ثابت ہے کہ تمہارے اختیار سے ساقط نہیں ہو سکتا یعنی اولاد پھر زوجہ کا لازم ہو گا پھر جس قدر عیال زیادہ ہوں اسی ترتیب پر اہم کو مقدم کیا جائے گا اگر غریب انسان کو سب سے پہلے اپنی خاص مانت کا لحاظ ضروری ہے۔ اپنی تشکیل و صلاح کے بعد دوسروں کی فکر جائز ہے نفع لازم نفع منفرد سے مقدم ہے۔

حضرت عظیم الاست رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ نے وصیت کی مٹی کو دوسروں کی اشیاء کی حفاظت میں اپنی گھڑی کو ضائع نہ کر دینا اُن کا یہی مطلب تھا کہ اتنی ٹھیک کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص صحت (و حضرت ہلوز سبب ساش میں مشغول) ہو کر عیال و قلب مائل نہ کر سکتا ہو اور یہ خاص حلال ہے اس طرح تیسرا نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب نہ ہوگی۔ چاروا مطلب یہ ہے کہ قدرت کے ساتھ ترک اسباب کا طریقہ اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کے ساتھ شغل ساش کو بھی جمع کرے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الہی حاصل کرنے میں اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔ اگر قدرت ہی نہ ہو تو اس وقت اُس کے حق میں شغل ساش کا اختیار کرنا ممنوع ہو گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ شیخ جلیل البواب بن مہلان کی خدمت میں ایک عابد حاضر ہوا جس کے اہل و عیال بہت تھے جن کے لیے وہ کچھ شغل ساش بھی کرتا تھا جو اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہ خود بھی کمزور تھا کہ شغل ساش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا عیال کی ترستی جن کی وجہ سے تشویش

بھی زیادہ مٹی تو شیخ ابوالباسم نے جو علم اور حال دونوں طریق کے جامع تھے اُس سے فرمایا کہ تم کو شغلِ معاش کا اختیار کرنا حرام ہے۔ میں تم علم ہی میں مشغول رہو تم اور تمہارے اہل و عیال اشرقتائے کے ذریعہ۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ پھر تو اُس کی یہ حالت ہوئی کہ سینہ میں دوا و ادبِ مہسوس کا آنا اس کے گھر میں خرچ ہوتا تھا اور اس وقت ایک قفیز مہسوس کی قیمت دس دینار یا اس سے بھی زیادہ مٹی اس کے علاوہ پڑے وغیرہ کا ادراہل و عیال کا اور بھی خرچ تھا (سب غیب سے پورا ہوتا اور) وہ کسی سے کچھ نہ مانگتا، علم اور عبادت ہی میں مشغول رہتا تھا۔ یہ فقہِ حال ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان بزرگ جیسا ہو کہ کس کے لیے کون سا طریق مناسب ہے چنانچہ ایک درویش نے علماء و قہت کے سامنے ایک فتویٰ پیش کیا (جس کا مضمون یہ تھا) کیا فرماتے ہیں حضرت علماء و دین اس درویش کے بارے میں جو اشرقتان کی طرف متوجہ ہے اُس پر شغلِ معاش کا اختیار کرنا واجب ہے یا نہیں؟ افتخاراً بحکمہ اللہ۔ تمام علماء نے اس کے جواب سے پہلوئی کی صرف ایک فقہ نے جواب دیا جس کو اشرقتائے نے فوراً بعیرتِ عطا فرمایا تھا۔ اُس باہر گت بزرگ نے لکھا کہ اگر یہ شخص ہر وقت اشرقتائے کی طرف متوجہ رہتا ہے جس میں کسی وقت فتور نہیں آتا تو اُس پر شغلِ معاش کا اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کسی وقت اس میں فتور بھی ہوتا ہو تو کسبِ معاش واجب ہے۔

اس جواب کی خوبی میں غور کرو کیسا عجیب جواب ہے اس کی تائید رسول اشر صلوات اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے ان اللہ نکلتی بوزنق طالب العلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سمجھو اس میں ایک دانہ ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کا فتویٰ ان بزرگ جیسا ہو جن کا اُدھر ذکر ہوا کیونکہ اشرقتائے نے تو ساری مخلوق کے ذوق کا ذکر لیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ وذوقها زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزی اشر کے نوتے ہے۔ نیز ارشاد لا تسألت ذواقاً عن ذوقک والعاقبة للمتوی

رہے مخالف! ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا رب اجعل هذا البلد آمناً وارزق اہلہ! اسے پروردگار! اس شہر کو پرامن بنادے اور اُس کے باشندوں میں جراثیم نہ پھیلے اور آخرت کے دن پرامن رکھے اُس کو ہر قسم کے پھل اور نکتے مرحمت فرما۔ تو حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا وحنت کھڑا فامتعہ قلیلاً۔ کہ میں تو کافروں کو بھی دنیا کی آفتل لذت تک راحت و آرام دوں گا پھر ان کو زبردستی جہنم کے عذاب میں داخل کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم جلدائیں کی روزی کا ذکر لیا ہے تو وہ کون سی صورت ہے جس کی طالب علم (دین) کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کفالت فرمائی ہے؟ اگرچہ ہم اشارۃً اُس کو بتلا چکے ہیں کہ لیکن حالت کا متفقہ یہ ہے کہ اس کو دوبارہ تفصیل سے بیان کر دیا جائے تو سنو! کہ جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لڑکے اور بندوں کے لیے مقدر فرمایا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو سبب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کو بندہ سبب ہی سے حاصل کر سکتا ہے اور ایک وہ جو بلا سبب کے حاصل ہوتا ہے جیسے کسی نے کوئی چیز بہرہ کر دی (یا بدیہ کر دی) یا میراث میں مال (یا جائیداد مکان وغیرہ) مل گیا۔ پھر بہک بھی مختلف قسمیں ہیں (کسی کو کوئی تعلق قرابت کی وجہ سے کچھ دیتا ہے کبھی دوستی یا محبت و عقیدت سے بدیہ دیتا ہے) اور ہم نہیں جانتے کہ کس کو سبب سے رزق حاصل ہوگا اور کس کو بلا سبب۔ تو رسول اللہ ﷺ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اس ارشاد میں اس کو بتلادیا اِذَا ابْتَدَعَ الْفَنَ الدِّينَ بِدَعَاةِ كَيْدِ الدِّينِ فَعَلِيكَ بِمَعَالِمِ الدِّينِ وَاطْلُبُوا مِنْ اللَّهِ الرِّزْقَ قَالُوا وَمَا مَعَالِمُ الدِّينِ قَالَ مَعَالِمُ الْخَلْقِ وَالْمَالِ وَالْمَرْءِ

جب دین میں بدعت داخل ہو جائے دین پر اُفت آجائے گی تو اُس وقت (دین کے) انشاءات کو چھوڑ دے اور روزی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ معما بنے عرض کیا دین کے انشاءات کیا ہیں؟ فرمایا محفل و حرام کی مجلسیں (مجلس انکسار شریعہ)

کا تذکرہ ہوتا ہو (حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے لیے کسبِ معاش میں مشغول ہونا تم کو طلبِ علم سے ذرہ کے در نہ دین بدعات و جہل کی وجہ سے مٹ جائے گا۔ اس وقت علم (دین) میں مشغول رہو اور پڑھتے پڑھاتے رہو) اور اللہ تم کو رزق دے گا۔ جب وہ عالم جس نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے (یعنی علمِ دین) آخرت کے اسباب میں مشغول ہے کہ اسبابِ آخرت میں سب سے بڑا وسیلہ علم ہے جبکہ وہ اللہ کے لیے (اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و احکام سے متعلق) ہو اور قاعدہ کے موافق ہو (بے قاعدہ نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ ایسے لیے بڑا واسطہ اسباب کے رزق کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو مخلوق میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں بناتے (بلکہ مخلوق اُس کی محتاج ہوتی ہے) اس سے صاحبِ علم کا رزق بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ آخرت کا طالب ہو اور قاعدہ کے موافق مشغولِ علم میں لگا ہوا ہو کیونکہ یہ شخص اپنے تمام اوقات اور پُوری عمر کو علم میں مشغول کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو طلبِ رزق اور اسبابِ معاش کی فکر سے مستغنی کر دیتے ہیں اور اس قسم کی احادیث پر قلتِ اعتماد کی وجہ سے سچا بعض علماء اور طلباء پریشان کیا جائے گا، تاہم اُن کی عمریں خسارہ میں ہیں نہ وہ دنیا کے لیے نہ آخرت کے ہونگے۔ ہم اللہ جل جلالہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی بچہ عطا فرمائے اور اُس پر عمل کی سعادت و توفیق دے۔ اس کے بواکوی پر درود گاہ نہیں۔

قوله والاعلام عراض على الوجه الثالث المذموم الخيرية فيه

لكونه يائس من الغيب بواسطة العنقة الى قوله لا رب سواه۔

ف۔ کاش ہمارے زمانہ کے علماء و طلباء ان احادیث پر رزق و اعتماد کر کے یائس نہ بنیں اور اللہ پر متوکل ہو باتیں تو اُن کی تمام پریشانیوں و دُورِ بربائیں۔ مجھے ”نوم“ ہوا ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد سے مدارس ہندوستان کی حالت ناگفتہ بہ ہے آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے۔ حضراتِ علماء۔ مدارس کو ان احادیث

پر اعلان کرنا اور اپنے دلوں میں غلوں پیدا کرنا چاہیے۔ اگر وہ غافلانی بوجہ اللہ خدمت دینی میں شغول رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اُن کی امداد فرمائیں گے۔ اور مسلمانان ہندوستان اللہ پاکستان کو بھی بھجوانا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کی بقاء کا دار و مدار اسلام عربیہ کی بقاء پر ہے۔ اگر یہ مدارس مٹ گئے تو اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ ہے۔ خدا لا سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ان مدارس کی خدمت پر توجہ کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں باز پرس کا اندیشہ ہے۔ حکومت پاکستان کو بھی یہ بھجوانا چاہیے کہ اکثر مدارس ہندوستان کی امداد اسلامی ریاستوں کے وظائف سے ہوتی تھی جواب غالباً بند ہو گئی ہیں تو ان وظائف کو حکومت پاکستان جاری کر دے اور مدارس کو مٹنے نہ دے تاکہ اسلام ہندوستان میں قائم نہ ہو۔ فافہم واللہ یتولی ہدای۔

(۲۴۳) کتبِ مدرّس اور عبادت دونوں کے لیے علم دین کا حاصل

اس حدیث کا نائدہ یہ بھی ہے کہ کسبِ معاش اور کرنا ضروری ہے عبادت دونوں کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے بغیر اُس کے نہ کسبِ معاش درست ہے نہ عبادت۔ جس میں علم کی صلاحیت ہو وہ عالم بننے کی کوشش کرے اور جس میں اس کی صلاحیت نہ ہو وہ احکامِ شرعیہ مطالعہ کتب اور علماء کی محبت میں رہ کر اُن سے دریافت کر کے معلوم کرے اور اُن کا اتباع کرے بشرطیکہ وہ علماء واقعی علماء ہوں، بعض دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہو۔ کیونکہ دعویٰ سے بہت لوگ تباہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو بھی برباد کیا۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں بہت لوگ جہنم کی طرف بٹلانے والے ہوں گے جو اُن کی بات ماننے کا اُس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ بعض لوگ علوم میں کمال کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ علوم اُن کے

حق میں بھی اور اُن کے متبعین کے حق میں بھی وہاں ہی ہیں۔ کیونکہ اُن کے علوم کی بنیاد طیب دنیا اور طیب جاہ پر ہے (یہی اُن کا اصل مقصد ہے اور اس حالت میں بجز علم مغلی کے حقیقی عالم حاصل نہیں ہو سکتا اور جس کو علم حقیقی حاصل نہ آوے وہ شریعت کے مقاصد و مطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اب وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے) اور یہی اصل خسارہ ہے اور بڑی بد نصیبی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اتباع سنت بلکہ تمام سنتوں کے اتباع کی توفیق دیں اور خسارہ سے بچائیں، ایک بابرکت بزرگ نے کہا ہے ۔

تحب دنیا و تحب اخری جیبان فی القلب لا یجتمعا

دنیا سے بھی محبت کرتے ہو اور آخرت کی محبت بھی چاہتے ہو۔ دو محبوب ایک دل میں جمع نہیں رہ سکتے۔

ایک فارسی شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ابن خیال ست و محاسن است و جنوں

قوله و فائدہ خلاۃ الحدیث انه لا یقیم کب و لا تقبدا الا بمعرفۃ السنۃ

الی قوله فی القلب لا یجتمعا ۔

فت ۔ آج کل علم کے مدح بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تقویٰ کا دعوے کرنے والے بھی بہت ہیں اور ان مدعوؤں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عوم پر دایم ہے کہ جس طرح وہ اچھے طبیب اور ڈاکٹر کو علاج کے واسطے تلاش کرتے ہیں اور ہر مدھی کا علاج نہیں کہتے اسی طرح بہتے علماء اور صوفیاء کو تلاش کرتے ہیں۔

سچا عالم وہ ہے جو بالکل شیخ سنت ہو۔ بانا مدہ لحقن علماء سے علم حاصل کیا ہو۔ دنیا کا حرص نہ ہو۔ مولود اور غلام کہہ کر روپیہ نہ لیت ہو۔ روپیے کو نفرت نہ دیتا ہو اور سچا مومن وہ ہے جس کی تعلیم اور صحبت سے اللہ تعالیٰ کی یاروں



## حدیث

## البيعان بالخيار ما لم يتفرقا

عکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ متفرق نہ ہوں۔ پس اگر دونوں نے سچائی سے معاملہ کیا اور (بیع و فسخ کی اصل حالت کو) بیان کر دیا تو ان کی بیع (و مشتری) میں برکت دی جائے گی اور اگر (اصل حالت کو) چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا۔ بائع کے بائع و مشتری دونوں کو افتراق سے پہلے اختیار مجلہ شرح برکت سچائی کے ساتھ ہے۔ خیانت اور جھوٹ سے برکت جاتی رہتی ہے۔ یہاں افتراق سے کیا مراد ہے؟ بات چیت سے (خلع ہونا اور رجحان و کجیوں نکال کر) یا بدن سے الگ الگ ہو جانا کہ مجلس بدل جائے تو اختیار نہ رہے گا۔ مجلس نہ بدلنے سے پہلے دونوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ بیع کو باقی رکھے یا فسخ کر دے) کیونکہ لفظ افتراق کتاب اللہ میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ افتراق بالہجران تو اس آیت میں ہے وان يتفرقا يحكم الله كلام من معه اگر میاں بی بی الگ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت (رزق) سے غنی کر دے گا اور افتراق بالاقوال اس آیت میں ہے ولا تكلوا مما لذین تفرقوا واعتلوا من بعد ما جاوہر الہینات اعدان لوگوں کی طرف نہ ہونا جو الگ الگ راستہ پر ہو گئے اور فسخ



الحکم) نے کے بعد اختلاف کرنے لگے (یہ افتراق جہاں مباحک عائد و خیانت کا اختلاف تھا چنانچہ) رسول اللہ ﷺ سلم لے فرمایا ہے افتراق بنو اسرائیل علی اثنتین و سبعین و ستفتراق امتی علی ثلث و سبعین فرقہ۔ بخاری میں بہتر فرقوں میں متفرق ہو گئے اور میری امت تشریف میں ہٹ جائے گی۔

علامہ میں اختلاف ہے کہ حدیث الیعیان بالحدید مالہ معتبر قاضی افتراق باللہ<sup>۳</sup> مراد ہے یا بلا قول؟ امام شافعیؒ اور اُن کے متبعین پہلے کے قائل ہیں اور امام مالکؒ اُن کے متبعین افتراق بلا قول کے قائل ہیں (امام ابو حنیفہؒ بھی امام مالکؒ کے موافق ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ و حضرت عذہ کے ہاتھ ایک باغ فروخت کیا جو حضرت عثمانؓ کے گاون میں تھا (یا اُن کی زمین کے پاس تھا) عبد اللہ بن عمرؓ جانتے تھے کہ بیع پختہ ہو جائے تو وہ اسی وقت رجوع و قتل کرتے یا) کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ بھی اسی حدیث کے ایک ماویٰ ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم نے (میں سے) بیع کو تمام کرنا چاہا ہے یہ سنت نہیں ہے۔

اس سے معلوم بھی کہ ریا تو حدیث میں (افتراق بلا جان (مراد ہی نہیں بارہا منوع ہو چکا ہے۔ اور یہ بیع و شراء رسول اللہ ﷺ سلم کے وقت کے بعد ہوئی تھی پھر عبد اللہ بن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اور اللہ مجھے کریم و اجاب و قبول سے تمام ہو جاتی ہے (میں سے) خدا ہونے کی فرست نہیں) اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے جب دو حدیثیں ظاہر میں مختلف ہوں اور دونوں پر صحیح ہو یا اور ثابت ہو جائے کہ خلفاء (در اشدین) نے یا اُن میں سے کسی ایک نے، ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یہ اُس کے منوع ہونے کی دلیل ہے اور جب ایک حدیث میں دو معنی کا احتمال ہو اور کسی غلطیہ (در اشدین) نے ایک معنی کے ساقط ہونے کی تصریح کر دی ہو تو بدرجہ اولیٰ وہی معنی مراد ہوں گے جو خلفاء نے یا کسی ایک غلطیہ نے سمجھے ہیں۔ بعض علماء زمانہ نے امام شافعیؒ کی حمایت میں حضرت عثمانؓ کی اس حدیث کا انکار کیا ہے (یعنی اُس کو

صحیح نہیں ملتا، حالانکہ جس نے اس کو نقل کیا ہے، اس کے بعد ہونے پر اتفاق ہے کہ یہ کچھ شبہ نہیں اور وہ ابو الولید بن رشد لکھتے ہیں جو ابیان والتفصیل کے معنی میں انہوں نے اس حدیث کو تصدیق میں ذکر کیا ہے جو فقہ میں ائمہ کا مشورہ ہے۔  
 فت۔ اگرچہ یہ مسئلہ تصوف کا نہ تھا مگر فقہ کا سرکھٹا اور مسئلہ ہے جس میں بڑا اختلاف ہے اور طرفین سے بکثرت دعائی ہوئیں کئے جاتے ہیں اس لیے میں نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ علماء کے کام کی بات ہے۔ مخرم

(۲۴۴) مسلمان کی دنیا بھی بغیر آخرت کے نہیں بنتی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ  
 آخرت کے نہیں ملتی دیکھو ہاتھ و مشرعی کو برکت پہنچانے سے حاصل ہوتی ہے جو عبادتِ حق میں ہے جس میں انسان کو ثواب ملتا ہے جبکہ یہ تو بیان کی کامل تر صفت ہے۔  
 (مومن جمع نہیں ہوجا) اسی لیے اہل تحقیق دینی حق علماء و محدثین نے فرمایا ہے من صدق قہب لکم محالۃ (جو اپنے ہر قول و فعل میں سچائی کا پابند ہو، وہ لامحالہ قریب خداوندی حاصل کرے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کو واضح طور سے بیان فرمایا ہے لا ینال ما عند اللہ الا بطاعة اللہ اللہ کے پاس جو چیز ہے (یعنی خیر و برکت) وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

گنہگاروں کی شامت دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد و مسلم ہونگے ہیں یہ بھی حدیث سے یہ بھی  
 کی نوست سے دنیا و آخرت دونوں کی خیر ہوتی۔ یہی ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں کہ اگر وہ عیب کو چھپائیں گے اور صحت ہو میں گئے تو بیع کی برکت شادی ہو جائے گی۔  
 عجوبت ہونا گناہ کی وجہ سے اور عیب کو چھپانا خیانت ہے۔ وہ بھی بڑا گناہ ہے حدیث میں ہے من غش فلیس منا۔ جملہ لے ہم سے خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں اور عجوبت ہونے والے کے متعلق ایک حدیث اُدیگر گند چکی ہے کہ اس کی بائیس روپے کے کاسٹے

سے چیری جائیں گی۔ تیسرا تک اُس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ تو دنیا کا بھی خسارہ  
 تھا کہ جب مال میں برکت نہ ہوتی تو وہ منافع ہو گیا اور آخرت کا بھی خسارہ ہوا کہ عذاب  
 کا مستحق ہو گیا اور اہل توفیق دنیا و آخرت دونوں میں سودمند ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن  
 بن عوف رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس قدر مال کیونکر آیا اور ہتھ سے  
 تاجر اور ٹھکاندار سے؟ فرمایا میں نے تجارت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ (مال کا) عیب  
 چھپایا نہ ادعا کیا نہ منہ کو نہ کیا چاہے کتنا ہی (ظلیل) ہو۔ چنانچہ ایک عائدہ منقول ہے کہ  
 ایک دفعہ انھوں نے بہت سے اونٹ غزوے تو لوگوں نے کہا (مال اچھا نہیں) آپ کو نفع  
 میں صرف ٹیکلیں ملیں گی (جس سے اونٹ کو چڑایا جاتا ہے) آپ نے اتنے ہی نفع پر اونٹوں کو  
 بیچ دیا۔ جب غریار اونٹ خرید کر چلا گیا اب اس کو رشتی کی تلاش ہوئی جس کی ٹیکلیں ہٹنے  
 تو راقعات سے؟ اس کو رشتی نہ ملی۔ وہ پھر حضرت عبدالرحمن کے پاس واپس آیا اور ٹیکلیں  
 رجوان کے پاس نفع میں رہ گئی تھیں بہت مال سے کہ غریب یہ اس طرح اُن کو رشتی مال  
 میں بھی بہت نفع مل گیا؟۔ قولہ فیہ دلیل علی ان لا یحصل اللہ نیا الا بالکفرۃ  
 الی قولہ بجملة مال۔

فت۔ مسلمان تاجروں کو ان اصول پر عمل کرنا چاہیے جو عبدالرحمن بن عوف کھانے  
 بیان فرمائے ہیں کہ ترقی تجارت اور برکت کی بنیاد ان ہی پر ہے۔ آجکل اکثر تاجر زیادہ  
 نفع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ یہ بہت بُری بات ہے جس سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے  
 اور ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ برکت اسی میں ہے کہ مال کو جلد نکال دو اور  
 زیادہ نفع کا انتظار نہ کرو۔ پھر دوسرا مال جلدی خریدو اور اُس کو بھی تھوڑے سے  
 نفع پر نکال دو پھر اور مال خریدو۔ مال کا اُنٹ تک دو کتنا اچھا نہیں۔ ذخیرہ اندوزی  
 کا آج کل عام مرض ہے لوگ ایک دو ہیہ کے مال پر دس گنا نفع چاہتے ہیں اسی کا یہ  
 نتیجہ ہے کہ باوجود کثرت پیداوار کے ملک میں سخت گرائی ہے اور عام طور سے  
 سب لوگ پریشان ہیں۔ غریب ارگرائی سے اور تھار ٹیکس کی بھروسے سے شرتانی  
 اُن کو ہدایت دے۔

(۲۴۵) تجارتِ آخرت بھی سچائی اور صاف گوئی سے کامیاب ہوتی ہے

کیا یہ حکم بیع ہی کے ساتھ خاص ہے (جس میں مال کا مبادلہ مال سے ہوتا ہے) یا ہر معاملہ کو عام ہے جس پر بیع کا اطلاق آتا ہو (گو اس میں مال کا بدلہ نہ ہو) ظاہر لفظ کا معنی یہ ہے کہ ہر معاملہ کے لیے اس کو عام کہا جائے کہ سب میں ان میں سے پہنچ کر کہا جائے جو معاملہ کو بجا ڈالنے والے یا برکت کو بر باد کرنے والے ہیں اور ان غریبوں میں رغبت کی جائے جو برکت کی موجب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیع و شراء کا اطلاق ایک اور جگہ بھی کیا ہے۔ فرمایا ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان يعطوهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون و يقتلون و عداه حقا۔ جسے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے عوض کہ ان کے واسطے جنت ہے وہ اللہ کے راستے میں قتال کریں پھر قتل کریں اور قتل کئے جائیں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو جو شخص اس بیع میں سچا (اور ثابت قدم) رہے۔ حق کو نہ چھلے، اللہ اور دلوں پر محو نہ لگائے نہ احکامِ دین میں گھڑبھڑکے کہ بدعت ایجاد کر کے اس کو دین بتلانے لگے اور اللہ و رسول کے ساتھ سچائی کا معاملہ رکھے جیسا واجب ہے اور احکامِ اللہ کو قواعد شرعیہ کے موافق بیان کرے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی غلط گمان غلطی سے نہ دھرے اس کی نیچے میں برکت دی جائے گی مگر اس بیع میں ایک زیادت ہے جو پہلی میں نہیں۔ دونوں جگہ ثمن اور بیع میں جو برکت ہوتی ہے وہ توبہ ہی کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم سے سستی نہیں۔ یہ دوسری بیع بھی جہلے ہی واسطے نہایت ہے چنانچہ ارشاد ہے قل ادعواہم علیٰ ذلک و علیٰ ذلک انتم تنبھون۔ عذاب الیم قوموں ہائے اللہ و رسولہ و مجاہدوں فی سبیل اللہ باہر انکم و انفسکم ذلکم تعین لکم ان کنتم تعلمون۔ کیا میں تم کو ایسی تجارت نہ بتلاؤں جو دردناک عذاب سے تم کو نجات دے (وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں

اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو اور  
 غصہ نہ کیا دونوں پر عائد ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اس دوسری تجارت کو خسرہ سے  
 بچانے کا زیادہ اہتمام کیا جائے (کیونکہ اس کا نفع اور غصہ دوائی ہے اور دوسری تجارت  
 کا نفع اور غصہ چند روزہ ہے) چنانچہ حضرات انصار نے جس وقت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو دریافت کیا اگر ہم اس بیعت کو پورا کریں تو ہمارے  
 لیے کیا ہے؟ فرمایا جنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم ماضی ہیں اور اس بیعت کو پورا  
 کریں گے (توڑیں گے نہیں)۔ پھر ان حضرات نے بیعت کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی  
 اُن سے اپنا وعدہ پورا کیا کہ اُن کے لیے وہ عہد کی شہادت دی جس کی حقیقت  
 ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي**  
**سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَفَضَلُوا وَلِلَّهِ عَمُّ الْوَسْطُونَ حَقًّا**۔ اور جو ایمان  
 لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انہوں نے جہاد کیا اور جنہوں نے  
 دوسروں کو جگہ دی اور دین کی نصرت کی یہی سب سے مومن ہیں **لَهُم مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ**  
**كَرِيمٌ**۔ اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی (اسی لیے اہل توفیق نے اپنے  
 لیے ایک ہی فکر کو اختیار کر لیا یعنی فکرِ عزت) اور دوسرے اہل انصاف دنیا کو وہ کامیاب  
 اور سوزندہ ہو گئے کسی نے (خوب) کہا ہے ۔

**لَعَادَ آيَتِ الْقَوْمِ فَدَسَادُوا وَغَلَبُوا مَشَقَّةَ مَشَلَى وَلَمَّا بَعْرَجَا**

جہمت فی قوم والبالاعلیٰ اخلت ! !

من بعد حمد توبۃ تجلب من حیث عرجوا

واستأنت بیعة لعل مشلہم لا اخلت

ولم یغفر فی بقول بعد لا یغفر لای اخلت

والانصیحت بیکم وہو غیر مرتعت وقفوا

خلصوا النعمیت بایکم نہیاً بیکم لا بغیرکم مرتعت

نیزی کے ساتھ چلی گئی۔ تو میں نے خوب مگر یہ وزاری کی کہ شاید اُن کے بعد مجھے توبہ نصیب ہو جائے جو اس مقام تک پہنچا ہے جہاں وہ پہنچے ہیں اور بیعت کی تجدید کی تاکڑیاں بھی اُن کی طرف (اُنکے بڑے بھائی) پیچھے نہ رہیں اور میری تائید کا چلنے والا کہہ رہا تھا کہ میرے مولانا تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ تمہارے دروازہ پر نہیں کھڑے ہو سکیں گے اور یہی سب سے اچھی جگہ کھڑے ہو سکا ہے تو اس کھڑے کو بھی اٹھا لو جو تمہارے دروازہ پر ہے تمہاری زندگی کی قسم میں تمہارے ہوا کسی پر توجہ نہ کروں گا۔ قولہ اهل بطن هذا البیعت الی قولہ لا یظہر کفر اذنت۔

فت۔ مطلب تو تھا ہر ہے مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ یہ اشعار کس بحر میں ہیں اور یہ اشعار ہیں یا نثر۔ معنی عمر بزرگوں کے اس کلام میں اس چیز کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ معنی اور مطلب کو دیکھنا چاہیئے ہے

تالیف اندیشہ و دلداری من گویم مندلش جزدیاری من  
داشتر اعلام ۱۰ مترجم

فت۔ مشائخ عرب سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ بھی تجدید کی آخرت میں داخل ہے جس میں مرید کی طرف سے اپنے نفس کو شیخ کے نزلے کیا جاتا ہے اور شیخ اس کے مؤمن میں اُمی کو اپنی باطنی دولت یعنی نسبت سے مدد عطا کرتا ہے۔ وہاں بھی دونوں کو چٹائی سے صاف کرنا واجب ہے۔ مرید کو اپنے نفس کے عیوب و امراض صاف کرنا۔ یہ ان کرتا چاہیئے ہے

ما حال دل را بایار گفتب۔ انھوں نے فلسفہ و دہ از حویہ اس :

اور شیخ کو اگر مرید سے بہت ہمت نہ ہو اور اس سے فائدہ کی امید نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ تمہارا حصہ میرے پاس ہے۔ تاہم مرید شیخ سے مدد کرتا ہے۔ مرید کو اگر شیخ سے کسی وقت اعتماد نہ ہے تو اُس کو پس انداز کے اندھ اُنس سے بھرنے پر مجبور کرنا چاہیئے اور دھوکہ نہ دے۔

## حدیث

## جواز اخذ الزوج نہ مایکفہ امن مال زوجہ اذا کان شعیبا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ کی ولادہ ہندو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان نبیل مرد ہے تو اگر میں اُس کے ماں میں سے چپا کر کچھٹے میں تو کیا بُجھ پر گناہ ہو گا؟ فرمایا تم اور تمہاری اولاد امانت لے جو جو عام عادت کے موافق تمہیں کافی ہو رہا ہے۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ جس شخص پر کسی کا حق ہو اور وہ عودیتا ہو تو اُس کی نفیبت میں تصریح اُس کے ماں سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اس کی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے کہ جس حق سے ہی لینا جائز ہے یا غیر جنس سے بھی لے سکتے ہیں اس کو کُتُب فقہ سے معلوم کر لیا جائے۔

(۲۴۶) ضرورت شرعیہ کے موقع پر غیبت جائز ہے قرآن سے کراہتیں

نبیل آدمی ہے۔ مسلم بُجرا کہ حاکم کے سامنے ضرورت کے وقت (مدعا علیہ کی) نفیبت کرنا جائز ہے اور وہ حقیقت میں نفیبت نہیں کیونکہ اس سے دوسرے کی تنقیص یا عیب جبری کا قصد نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت حال اور حیا و افتد کا قصد ہو تلے نہ تاکہ حاکم واقعہ کی تفصیل و حقیقت سے واقف ہو کہ فیصلہ کرے اور حضرت ہندو نے جو کچھ کہا خدا وہ حقیقت میں نفیبت نہیں تھی بلکہ عادت عرب کے موافق ابوسفیان کی

مدح حق کیونکہ اُن کے یہاں اپنے اہل و عیال کے ساتھ انسان اس بے بخل گروہ کا اُس کو  
 مسافروں کی خاطر تواضع کا اہتمام نہ پایا۔ ہوتا تھا جس سے اہل و عیال کو تنگی پیشہ آتی تھی تو  
 یہ ایسا غلط ہے جس کا باطن ظاہر کے خلاف تھا اور ظاہر میں خدمت حق مگر حقیقت میں بڑی  
 مدح تھی کہ وہ بہت مہمان نواز ہیں۔ مسافروں کی خاطر تواضع میں آنا خرچ کر دیتے ہیں کہ گھر  
 والوں کو تنگی سے پریشانی نہ ہو۔ قولہ ظاہر حفظ لفظ جواز الغیبة عند الحاکم  
 الی قولہ نہیں لفظ باطنہا خلعت ظاہر۔

ف۔ علامہ ابن ابی جرؤ نے عجیب بات کہی ہے جو واقعہ میں صحیح ہے کیونکہ باہر  
 کے یہاں سردار میں چار اوصاف کا ہونا اور اُن میں دو سردوں سے ممتاز ہونا شرط تھا۔  
 بھانیت، سخاوت، انصاف، شجاعت اور اہوسنیان سردار مگھنے تو وہ بخیل کیسے ہو  
 سکتے تھے۔ اگر وہ بخیل ہوتے تو سردار نہیں بن سکتے تھے۔ پس یقیناً ہندو کا مطلب وہی  
 تھا جو علامہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کی وجہ سے گھروالوں کو  
 تنگی دیتے تھے حضورؐ نے اُن کو اجازت دیدی کہ قلعہ کے موافق چھپا کر اپنے حقوق وصول  
 کر سکتی ہو جن سے زیادہ نہیں۔ پس حدیث سے یہ سلسلہ مستنبط نہیں ہو سکا کہ ضرورت  
 کے وقت حاکم کے سامنے مدعی علیہ کی قیمت جائز ہے۔ اس کے بعد سردے داخل ہیں۔  
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا یحب اللہ الجہل بالسود من القول الا من ظلم۔ اللہ تعالیٰ  
 بُری بات کا اعلان پسند نہیں کرتا مگر جو مظلوم ہو اور وہ ظالم کی بُرائی کر سکا اور اُس  
 کے ظالم کا اعلان کر سکا ہے۔



## حدیث

## النہی عن التّصویر

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی مورت (جان دار کی) بنائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا۔ یہاں تک کہ اُس میں دُور چھوٹک جسے اور وہ اُس میں کبھی بھی دُور نہیں چھوٹک سکتا۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص (جان دار کی) تصویر بنائے گا اُس کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور ظاہر لفظ سے واضح ہو رہا ہے کہ مراد جاندار کا تصویر ہے۔ کیونکہ دُور چھوٹنے کا معنی ایسی میں ہو سکتا ہے اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے اس کی تصریح بھی منقول ہے کہ بے جان کی تصویر جائز ہے جیسے درختوں اور مکانات وغیرہ کی۔ واللہ اعلم۔

تب۔ نوٹ لینا بھی تصویر بنانے کے حکم میں ہے۔ بعض علماء و معرّف و ہندوستان نے اس کو تصویر میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی ہے اور فوٹو گیمرو کے آئینہ سے لیا جاتا ہے مگر طریق کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ اگر پہلے زمانے میں شرب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اور آج کل مشین سے کشید کی جانے لگی تو حکم نہیں بدلتا گا۔ کیونکہ حقیقت دونوں جگہ مستند ہے۔ اسی طرح فوٹو اور تصویر کو سمجھنا چاہیئے۔

فت - غلابر سب سے معلوم ہو رہا ہے کہ تصویر بنانے والے کو ہمیشہ عذاب ہوتا ہے  
 مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان اللہ لا یغفر ان بشر لا بہ ویغفر ما دون ذلک  
 لمن یشاء اللہ تعالیٰ اس کو تو معاف نہ کریں گے کہ ان کے ساتھ دوسرے کو شریک  
 کیا جائے اور اُس کے ہوا (اور گناہوں) کو جسے چاہیں گے معاف کر دیں گے۔ اس کے  
 معاذ خد ہے کیونکہ یہ گناہ شریک و کفر سے کہہ ہے توبہ بھی مشیت کے تحت میں ہے۔ اگر  
 اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرما دیں گے اور یہ وحید و مبدی ہی ہے جیسا کہ مسلمان  
 کو قتل کرنے کی وعید ہے فجراۃ لا یجوز علیہا دغیب اللہ علیہ کہ اُس کی  
 سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غضب ہے۔ اہل سنت نے  
 اُس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اُس کی سزا تو یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہیں مگر  
 آخر میں ارحم الراحمین کی شفاعت سے یہ لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے۔ جیسا حدیث  
 میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کر لی دوسلوں اور تیسروں نے  
 بھی شفاعت کر لی اب ارحم الراحمین کی شفاعت رہ گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ (دو تین بار)  
 جہنم میں سے مٹی بھر کر ان لوگوں کو نکالیں گے جن کو قرآن (کے قافون) نے جہنم میں  
 مجبوس کر رکھا تھا اور قافون قرآن دو قسم کے لوگوں کو جہنم میں مجبوس کئے گا۔ ایک  
 تو کفار کو دوسرے ان گنہگاروں کو جن کے بارہ میں عدلی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی  
 مغفرت نہ کی جائے تو کفار کی تو مغفرت نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ امان فرما چکے ہیں  
 کہ یہ لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہیں۔ آیات و احادیث اس کے متعلق بکثرت وارد ہیں  
 اور امت کا اجماع بھی اس پر منعقد ہو چکا ہے۔ اب دوسری ہی جماعت رہ گئی  
 جن کو رحمت النبی سے جھڑپ مل گیا اور مرام خسروانہ سے اُن کو جنت میں پہنچا دیا جائیگا  
 یہ ایسی توبہ ہے جس سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور  
 کوئی تضاد من باقی نہیں رہتا۔ علامہ ابن ابی جمروہ نے اسی ضمن کو شرح میں بیان  
 فرمایا ہے مگر چونکہ مسئلہ تقویٰ کا نہ تھا اس لیے نوٹ میں داخل کیا گیا کہ علماء  
 کے کام کی بات ہے۔

حضرت مولانا گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں علماء مبعض اسلامی فرقوں کی تکفیر کا فتوے دینا چاہتے تھے اور مولانا اُن کے اقوال کی تائید فرما رہے تھے۔ علماء اُسں تاویل میں کلام کر رہے تھے جب حدیر تک بحث ہوئی رہی تو فرمایا کہ تم لوگ کس خیال میں ہو۔ خدا کی قسم اُقیامت میں جب رحمت کو چرچا ہو گا بہت سے ایسوں کو بخش دیئے جائیں گے اور انبیاء علیہ السلام بھی کافر سمجھے جائیں گے۔ اُن کا ایمان اس قدر ضعیف تھا کہ ملائکہ و انبیاء و رسل اور سید المرسلین علیہ السلام بھی اُس کو پہچان سکیں گے تو جن کے ایمان کو وہ نہ پہچان سکیں تم تو اُن کو قطعی کافر کہو گے اس لیے تم جن لوگوں کی تکفیر کرنا چاہتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ اُن کی مغفرت ہو رہی ہے۔ ہاں انتظام شریعت کے لیے اُن کو دھمکانے کے طور پر کفر کا فتوے دیدو تو مواخذہ نہیں مگر واقعہ میں کافر نہ کہو۔ سمعنا من سید عالم حکیم ائمۃ قدس سرہ۔

(۲۴) دعویٰ کرنا بُرا ہے گو سچا ہی کیوں نہ ہو مسئلہ کی دلیل ہے کہ وہ دعوے کو بُرا سمجھتے ہیں گو سچا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ اندیشہ (بروقت) ہے کہ عدل کے اندر کچھ نقص ہو جس کی اُسے خبر نہ ہو تو دعوے اُس کی عکس کا سبب ہو گا۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تصویر بنانے والوں سے کہا جائیگا اس میں روح پھونکو اور وہ کہیں روح نہ پھونک سکیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اُن سے کہا جائے گا تم نے جو صورت بنائی تھی اس کو زندہ کر دینی اُن سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اپنے دعوے کو پُورا کرو۔ وہ اس کو پُورا نہ کر سکیں گے تو جوئے دعوے پر عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ جب اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیداکر ہونے مخلوق کی تصویر بنائی تو زبانِ حال سے اپنے خالق ہونے کا دعوے کیا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ پُورا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس تصویر میں جان بھی بڑال دو ورنہ تم اپنے دعوے میں جوئے ہو جس کی سزا دردناک ہے۔

حدیث سے صدرِ اقول (صحابہ اور تابعین) کے طریق کی بھی تائید ہو رہی ہے

اور وہ جانتی ہے کہ وہ حضرات اہل بیت کے حال کو دیکھتے تھے اقوال کو نہ دیکھتے تھے۔ دیکھو تصویر بنانے والا زبان سے تو اپنے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا مگر اُس کا عمل زبان حال سے) اس دعویٰ کو بتلا رہا ہے تو اُس کی بات کا لفظ نہیں کیا گیا اگرچہ وہ عمر بھر یہ کہتا رہے کہ یہ حقیقی تصویر نہیں ہے (معنی دیکھنے کی تصویر ہے) اس بات سے اُس کو کچھ فطیح نہ ہو گا بلکہ زبان حال سے جو دعویٰ نے ظاہر ہوا تھا اُس پر منہ خدہ کیا جائے گا۔ اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو ائمہ والوں سے ملنا چاہے وہ اُن کا اتباع کرتا رہے اپنی طرف سے (دراستہ) ایسا نہ کرے وہیں پہنچ جائے گا، جہاں وہ پہنچے ہیں اگرچہ دعویٰ نہ کرے اور اگر دعویٰ کرتا رہا اور اتباع نہ کیا اس کو خلدہ اور دھکی نصیب ہوگی۔ بابا توفیق نے فرمایا ہے کہ جو اُس چیز کا دعویٰ کرے جو اُس میں نہیں ہے (متن کے وقت دہرایا ہو جائے کسی نے خوب) کہا ہے ۔

نقد علی المدعی فیما سبھا      ولا تدع فالک فتضیعھا

جب تو اراغی کوئی دعویٰ کرے اُس کا محاسبہ کرو اور دعویٰ کر کے اپنے کو برباد نہ کرو۔ قولہ فیہ دلیل لطیف اہل الصوفیہ علی مہمد المدعی الخانی قولہ فتضیعھا ۔

## حدیث

## جواز اخذ الاجر علی کتاب اللہ عز وجل

حضرت (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچن چیزوں پر تم معاوضہ دیتے ہو ان میں سے زیادہ اس کی سختی کتاب اللہ ہے۔  
 شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ (کی تعلیم) پر اجرت لینا جائز ہے اور شریعت وہ سب سے زیادہ حلال ہے۔ اس کے بعد رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ قرآن پڑھایا اُس نے اس کو ایک کمان بدیہ میں دی کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنا۔ اس شخص نے جس کو یہ بدیہ دیا لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ لذت کا ایک ٹکڑا ہے یا فرمایا دو ٹکڑے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر کہ کتاب اللہ کی تعلیم پر معاوضہ لینے کی (مانعت معلوم ہوتی ہے اسی لیے علماء میں اختلاف ہو گیا۔ بعض تو اس حدیث کی وجہ سے جس کی ہم تشریح کر رہے ہیں مطلقاً جواز کے قائل ہو گئے اور بعض علماء دوسری حدیث کی وجہ سے مطلقاً مانعت کے قائل ہو گئے اور بعض نے دونوں کو چھین کر دیا کہ بعض حالات میں جواز کے اور بعض حالات میں مانعت کے قائل ہو گئے ہیں) یا امام مالک کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو عمل فرض ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں اور جو فرض نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے مثلاً کوئی شخص صدقہ فاقہ کیلئے چاہے تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں جبکہ مالغہ جو بیک وقت صدقہ فاقہ کا سیکھتا ہے کہ اس کے بغیر نافرمانی نہیں (تو اس کا سکھانا

بھی فرض کفایہ ہے، اور فاسخہ کے سوا کچھ اور بھی پڑھنا چاہیے تو اس سے اجرت لینا جائز ہے۔ اسی پر تمام احکام دین کو سمجھ لو کہ جو عمل اس وقت طالب کے فطر فرض ہو، اس پر مطلوب کو اجرت لینا جائز نہیں اور جو (اس وقت) فرض نہیں اس میں انعید ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے حجاز میں دین کا شرائط کا ہے جس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں یا وہ (علماء و فقہاء) جن پر اس حقیقت کا کچھ عقہہ مشکف ہو گیا ہے کیونکہ اجرت تعلیم قرآن کے حجاز سے قرآن کی تعلیم مسلمانوں میں پھیل جانے کی۔ اگر یہ اجرت جائز نہ ہوتی تو کوئی شاذ و نادر ہی پڑھاتا کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بچوں کی تعلیم کی مشقت (اعدان کی تربیت کی معیبت) کو بلا سداوند برداشت کر سکیں۔ پھر اس کو بھی تو انسانی ضرورتیں مدد پیش ہیں ان سب کو پا لانے طاق رکھ کر تعلیم قرآن کی پابندی ہر شخص سے نہیں ہو سکتی۔ دیکھو باوجود اجرت لینے اور اس کے علاوہ مزید احسان کے بھی تم کسی کو تعلیم کا حق ادا کرتا ہو تو نہ پاؤ گے سوا ان کے جو اہل توفیق (اور صاحبِ دل) ہیں (اب اگر تعلیم قرآن پر سداوند لینے کو حرام کر دیا جاتا تو کون تعلیم دیتا اور اس طرح یقیناً قرآن کی اشاعت بلاد اسلام میں بند ہو جاتی)۔

غرض شریعت میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو اصول و قواعد کی رو سے منوع ہیں مگر کسی منفعت کی وجہ سے ان کو جائز کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ منفعت اس سے بدرجاء کم درجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور وسعت ہے ماحصل علیکم فہم الدین من حرج۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں ذرا تنگی نہیں کی۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحمت کے غیر خواہ ہیں کیونکہ حضورؐ نے یہ حکم اور اس جیسے بہت سے احکام از خود بیان فرمائے ہیں۔ کسی کے پوچھنے پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تعریف بھی فرمائی ہے لفظ جاء کہ رسول من انفسکم حز بن علیہما اھتمم علیکم بالؤمنین

دفعہ رحیم۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول آئے ہیں جن پر تمہاری پریشانی شاق ہے اور وہ تم پر (یعنی تمہاری راحت) پر حریص ہیں، مسلمانوں پر بہت مہربان، ہمدردی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نعمتِ عظیمہ کے شکر کی ہم کو قویٰ دے اور اس کو ہم پر کامل کر دیں۔ آمین۔

ف۔ اس حدیث میں بظاہر تصوف کا کوئی مسئلہ نہیں مگر بہت سے اہل اللہ قرآن کی تعلیم اور بچوں کی تربیت و تادیب میں مشغول تھے اور بچوں کے والدین اُن کی خدمت کرتے تھے، یہی اُن کا درمیزِ معاش تھا تو غائبانہ شارع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی طالبِ طریق کو ترکِ اسباب دشوار ہو تو وہ قرآن اور حدیث اور علمِ دین پڑھنے کا شغل اختیار کر لے کہ اس کی آمدنی سب سے زیادہ حلال ہے واللہ اعلم۔ اور اہلِ علم کے لیے تو اس سے بہتر کوئی شغل ہے ہی نہیں، خصوصاً اس زمانے میں کہ لوگوں کو علمِ دین کی طرف توجہ بہت کم ہے اگر علماء و طلباء دوسرے مشاغل اختیار کریں گے تو دین کے مت چلنے کا اندیشہ ہے اُن کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سلسلہ تعلیم و درس براہِ جاری رہے کہ اسی سے دین کی بقا ہے۔ والسلام



## حدیث

## جواز الرقی والاجر علیہا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طبع و سلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کسی سفر میں گئی اور عرب کے ایک قبیلہ کی بستی میں ٹھہری کُن سے مہمانی کا حق طلب کیا۔ انہوں نے مہمانی سے انکار کیا تو اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس دیا۔ انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی تاکہ وہ اچھا ہو جائے (کسی تدبیر سے نفع نہ ہوا تو ایک نے کہا) اے ان لوگوں کے پاس بھی تو جاذبہ ہمارے بستی میں اُترے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو (جس سے سانپ کا زہر اُتر جائے) چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا اے صاحبو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس دیا ہے، ہم نے ہر قسم کی تدبیر کر لی مگر اُسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک مہمان نے کہا ہاں بھئی میں جھاڑ بھانتا ہوں، لیکن بھڑا تم سے، ہم نے مہمانی کا حق طلب کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا اب جب تک تم کچھ معاوضہ نہ دو میں نہیں جھاڑوں گا تو انہوں نے بکریوں کے ایک گلو پر صلح کی (کہ تم کو یہ گلو بکریوں کا دیا جائے گا) وہ مہمانی گئے اور اس پر دم کرنے اور شکا کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین (سودہ فاطمہ اخیر تک) پڑھنے لگے۔ وہ تو ایسا ہو گیا جیسے ہونٹ کو رستی سے کھول دیا جائے۔ بے تکلف چلتے پھرتے لگا۔ بیماری کا فدا بھی اُتر رہا۔ بستی والوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جو مہمان اُن کے حوالہ کیا، معاملہ میں



سے بعض نے کہا کہ اس کو تقسیم کرلو۔ جہاد بھونک کر سننے والے نے کہا ابھی ایسا ذکر پہلے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کریں پھر دیکھیں آپ کیا  
 فرماتے ہیں راہ اس کو جائز قرار دیا تقسیم کر دیں گے ناجائز قرار دیا تو آپس کر دیں گے؟  
 چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے واقعہ بیان کیا۔ حضور  
 نے فرمایا تمہیں کس نے بتلایا کہ سورۃ فاتحہ سے جہاد بھونک لیا ہو سکتی ہے۔ پھر  
 فرمایا تم نے ٹھیک کیا اس سادۃ کو تقسیم کر لو اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لالو پھر دوسرا اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے گئے۔

شرح تلمیح سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد بھونک پر سادۃ لینا جائز ہے بشرطیکہ  
 اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جہاد بھونک کی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کلام اللہ  
 کے جو اہم حصے ہیں جہاد بھونک جائز ہے؟ اس حدیث نے تو اس پر دلائل  
 نہیں مگر دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ اور بھی پاکیزہ  
 کلام دم کیا کرتے تھے جیسے اے اللہ! شہداء کا شہادۃت پاسبان! یا اللہ! اللہ!  
 اللہ! شہداء! لاینا۔ درستی ۲۰ اور میں جیسی اور بھی دعائیں ہیں۔ کتاب اللہ اور اسلام اللہ  
 اور پاکیزہ کلام کے جو دیگر کلمات سے جہاد بھونک کی ممانعت نہیں آتی ہے نیز اہل کتاب  
 کی جہاد بھونک سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے علماء نے تعزیراً اُن انگریزوں سے منع  
 کیا ہے جن میں عبرانی الفاظ منقوش ہوتے ہیں جن کے معنی معلوم نہیں۔ ایسے ہی ہر  
 وہ زبان جس کے معنی معلوم نہ ہوں اس کا توبیخ نہیں مقرر کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس  
 کے معنی میں شرمناک کوئی خرابی ہو تو توبیخ پہنچنے والا لگہ میں نہ نہ ہو گا۔ (جہاد بھونک  
 اور تعزیرات پر سادۃ لین چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ ایک یہ کہ اس شخص  
 نے باقاعدہ اس فن کو حاصل کیا ہو اور معنی کتابیں دیکھ کر توبیخ نہ لکھا ہو۔ دوسرے  
 اس کو تجربہ بھی ہو کہ اس سے نفع ہوتا ہے۔ تیسرے سادۃ صاف طور سے  
 ملے کیا جائے۔ زکوٰۃ کہہ کر نہ لیا جائے جیسا عام طور سے روایہ ہے بقیہ شرائط  
 کے کلام میں مذکور ہیں۔ ۱۲ مترجم)۔

(۲۳۸) رزقِ مقدر کو کوئی نہیں روک سکتا کہ جو مدقِ تہدے واسطے مقدر ہو چکا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ تم کو مل کر رہے گا خواہ روکنے والا چاہے یا نہ چاہے۔ دیکھو صحابہ نے جس بستی والوں سے عیانت طلب کی اور انہوں نے انکار کیا تو سانپ نے زردار کو (وہ لیا اور اس طرح وہ رزق جو مقدر تھا صحابہ کے پاس پہنچ کر رہا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد کمزور کو جلد پہنچتی ہے۔ دیکھو جب بستی والوں نے اپنی قوت کی بنا پر اس جماعت کو قلیل اور کمزور سمجھ کر عیانت سے انکار کیا تو اللہ کی مدد (سانپ کے ڈسنے کی صحت میں) بہت جلد پہنچ گئی۔ حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ عادتِ دانی کا بدلہ بھی عذاب ہے۔ دیکھو بستی والوں نے صحابہ کی عیانت سے انکار کیا جو ان کا حق تھا تو ان کی وہ تمام تدابیر ناکام ہو گئیں جن سے سانپ کے ڈسنے کا علاج کیا کرتے اور اچھے ہو جاتے تھے (ان تدابیر کے متعلق عادتِ الدنیا جواب تک تھی وہ اس نازیبا حرکت کی وجہ سے بدل گئی) یہاں تک کہ انہوں نے وہ حق ادا کیا جس کو روک لیا تھا (تو پھر خدا نے مر یعنی کو شفاء دے دی) ایک حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے **اذا افاض الله قوماً اعطى صيغهم واصحى شأؤهم**۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کوئے ہیں گرمی کے زمانے میں ان پر بارشیں نازل کرتے ہیں اور سردی میں آسمان کو مان کر دیتے ہیں رک بارش کا ایک قطرہ نازل نہیں ہوتا۔ یہ تو ان ممالک کے واسطے ہے جن کو سردی میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور جن کو گرمی اور برسات میں ضرورت ہوتی ہے ان پر جب اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے گرمی اور برسات میں بارشیں بند کر کے جائروں میں برسات کر دیتے ہیں (غرض عاودۃ اللہ کا بدلہ غضب کی نشانی ہے۔ اسی لیے اہل سلوک جب اپنی کسی حالت محمودہ میں تغیر پاتے ہیں جس کے عادی تھے فوراً گرمی و زاری اور انتہا میں مشغول ہو جاتے اور غصہ کی پشیدہ شرارتوں میں غور کرتے۔ یہاں تک کہ اس کوتاہی کا پتہ لگ لیتے جہاں سے یہ تغیر

آیا ہے تو اس کی تلافی کرتے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے  
 ان الله لا يهدي القوم الضالين یعنی وہاں بالظہر اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو  
 نہیں بدلتا جب تک خود وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حکمت پر بھی اشارہ ہے کہ بستی والوں  
 میں سے خطاب کسی پر آیا جس کا خیم سنگین تھا کیونکہ حیاض سے بچھڑا کرنے میں  
 مرد و قبیہاں مل تھا عرب کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے مردار کے اشدہ پر چلتے ہیں جب  
 وہ اس حرکت میں اصل تھا تو عذاب بھی کسی پر آیا کہ سانپ نے اسی کو ڈسا ہنزا  
 جرم کے موافق دی گئی۔ قول فیہ اشدۃ الی انہما قدر ملک من النورق لا یمنعہ عنہ  
 مانع الی قولہ جزاؤہما فاقا۔

ف۔ ان سب فوائد پر موصیاء کرام کا عمل سب سے زیادہ ہے اُن میں جو معتدا اور  
 مشائخ ہیں وہ دوسروں سے زیادہ ٹھستے اور طوائف نفس پر نظر رکھتے ہیں کیونکہ  
 اُن کی کوتاہیوں کا دوسروں پر اثر پڑتا ہے اور غیب سے اُن کو زیادہ تنبیہ ہوتی ہے  
 اسی طرح تقدیر پر اور نعرۃ الہی کے جلد کسے پر اُن کو زیادہ بھروسہ ہوتا ہے کہ یہی  
 حضرات ہر زمانہ میں صحابہ کے نمونے ہیں۔

(۲۴۹) بزرگوں کو جب حق بات بتلائی جاتی ہے فوراً قبول کر لیتے ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل فضل و خیراتوں کو جب حق کی ہدایت کی جاتی ہے  
 (فوز) اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ عزت نفس (الذات) پر غلبہ نہیں کرتی۔ دیکھو  
 مجاز چوبک کرنے والے نے جب صحابہ سے کہا کہ ابھی تقسیم نہ کرو جب تک رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤ۔ سب نے اس کی بات مان لی اور بحث  
 نہیں کی۔ قول فیہ دلیل علی ان اہل اللہ من الفضل اذا اشدہا الی الحق قبلوا  
 الحق قولہ ولہم بھاجوا۔

ف۔ حق بات کو فوراً مان لینا تعفون کے مقام میں داخل ہے۔ موصیاء کو سب سے

زیلہ اس کا اہتمام ہے وہ علماء کا ہر کی طرح بحث و مکرر نہیں کرتے ۔

(۲۵۰) محبوب کی توجہ اور نظر لطف کے جذبات میں یہ جان پیدا ہو جاتا ہے

یہاں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ محبوب کی توجہ عاشق کے جذباتِ محبت کو بھڑکاتے اور اُس کے دل میں مسرت کی لہریں دوڑا دیتی ہے۔ دیکھو یوسف اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے صحابہ کی مدد کی (اُن کے حال پر توجہ فرمائی) تو حضورؐ کو ہنسی آگئی اور فرمایا اس مال میں میرا بھی حصہ لگا لو (حالانکہ آپؐ جانتے تھے کہ صحابہ خود ہی ایسے سرفراز ہیں کہ آپؐ کو ہدیہ پیش کرتے ہیں مگر انھیں یہ مزا دینی پر اپنی مسرت و فرحت ظاہر کرنے کے لیے آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرا بھی حصہ لگاؤ تاکہ وہ بھی خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ہند و مسرت و طرب کا اظہار کریں۔

قوله: «وَمَا أَشَارَ عَنَّا» وهي عطف الحبيب بهييم قلب الحب ويفرجه ويطلبه ويضعه له  
قوله: «أَتَمَّ اللَّهُ لَكُمْ» أي ما يزلهم ويسرهم برفق تقديمه وتأخير -

(۲۵۱) دُنیا سے زیادہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہیے غلوں کے لیے

ایک خاص اشارہ ہے کہ بستی والوں نے اپنے مردار کے لیے ہر ممکن کوشش کی مرنے والے کو اس کے بدن کو رات مل جلنے جو خور بھی نہ ہونے والا ہے اور یہ جہان بھی فنا ہونے والا ہے (جس کی یہ بدن پیداوار ہے) تو اس شخص کی ہمت کا کیا حان ہونا چاہیئے جو غیر فانی علم کے لیے کوشش کر رہا ہو جس کی نعمتیں فنا نہ ہوں گی اور اس میں رہنے والا بھی نہ کمزور ہو گا نہ پُرانا ہو گا (ہمیشہ جوان ہی رہے گا) تو جہاں زیادہ چستی اور رغبت کی ضرورت ہے وہی بستی اور کمزوری ہو (بڑے تقب کی بات ہے اہل قلوب کو آخرت کے لیے دُنیا داروں سے زیادہ کام کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ دُنیا نے فانی مردار کے لیے ہر وقت مرتے کھتے رہتے ہیں۔ طالبان آخرت کو اُن سے کم نہ رہنا چاہیئے اور جس عرق اہل

دُنیا اپنے سرداروں کی خدمت دل و جان سے کرتے اور اُن کی راحت کا اہتمام کرتے  
 ہیں طالبانِ آخرت کو اپنے مشائخ کے لیے اُن سے زیادہ کرنا چاہئے۔  
 ایک مشہور بزرگ کولونگوں نے کثرتِ مجاہدہ (وریاضت) پر سلامتی کی توفریا  
 مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو۔ کیونکہ میرے سامنے ایک سخت گھاٹی ہے جس سے  
 وہی ٹھوٹے پار ہو سکتے ہیں جو دہلی چلی کر والے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے :  
 بالجد خذ لا بالکسل قلہ لہما ملح عقابک داعی عقاب - ہمت اور کوشش  
 سے کام کرو سستی سے نہیں کیونکہ تمہارے سامنے عذاب بھی ہے اور کیا عذاب؟  
 (جس سے بچنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سستی اور غفلت کے ساتھ  
 اُس سے نہیں بچ سکتے)۔

قولہ ولف الحدیث اشہدہ لاهل للقلب ان قولہ داعی عقاب -

ف - اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تو تعقوت و سلوک کا پہلا قدم ہے کہ  
 آخرت کو دُنیا سے منظم و منظم سمجھو۔ والسلام۔



## حدیث

## لاحول الا الله والرسوله

صعب بن جہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طبع و سلم نے فرمایا گئی کسی کے لیے نہیں بجز اللہ کے اور اُس کے رسول کے ۔

**شرح** ظاہر حدیث بتلاہ ہے کہ گئی سب کی سب اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ اب دہایہ کہ گئی سے کیا مراد ہے ؟ اور وہ بطریقِ وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے ؟ اور کون اس کا ذمہ دار ہے ؟ اس کی شرطیں کیا ہیں ؟ سو اس کو معلوم کر نہا پیٹے۔ یہی نو ! کہ گئی کے پانچ معنی (لغت میں) ہیں۔ ایک تو روک ٹوک کرنا۔ بعض امور سے روک اور بعض کی اجازت دینا یہ تو احکام کا مقرر کرنا ہے۔ تو جسے اللہ نے روکنے کا حق دیا ہے وہ روک سکتا ہے اور جس کو حق نہیں دیا وہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الحکم الا الله حکم راور حکومت صرف اللہ کے لیے ہے ۔ دوسرے معنی عزت اور شوکت ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے والله العزۃ والرسولہ وعلوین عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اُس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بالایمان اعتزنا ہم مرت ایمان کی وجہ سے معزز ٹوٹے ہیں۔ گئی کے ایک معنی حفاظت اور بچاؤ کے ہیں تو جو شخص اپنی حفاظت اور بچاؤ کا طالب ہو اس کو حقیقی حفاظت اور بچاؤ اللہ اور رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے اتباع اور تعمیل احکام

سے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان تعوذ اللہ بنصرک۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور اللہ کی مدد سے مراد اُس کے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب ہے اور سنتِ رسول کی پیروی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں من ینصطع الرسل فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز ارشاد ہے یا ایہا الذہبی حبک اللہ ومن احبک من المؤمنین اے نبی تم کو اللہ کافی ہے اور وہ مؤمنین جو آپ کے پیچھے ہیں۔

محنتی کے ایک معنی تعصب (اور محبت) اور مخالفت بھی ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ وسلم سے جہاد کے بارے میں دریافت کیا کہ بعض لوگ محنت کی بنا پر قتال کرتے ہیں۔ یہاں عرب کی عادت تھی کہ اپنے قبیلہ کی طرف داری میں دوسرے قبائل سے لڑتے تھے جس کا مشابہہ جزوقری تعصب اور محبت کے کچھ نہ تمام۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ محبت اور تعصب مرنے والے اللہ اور رسول کے لیے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہے کو فوالنصار اللہ۔ تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں۔ اگر شریعت کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کریں وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اللہ عزوجل ظالما و مظلوما۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم کی مدد تو ظالم سے کہ اللہ ہی کے لیے ہے اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اللہ کے لیے ظلم سے روک دو۔ یہ بھی اللہ کی مدد ہے (کچھ نگہ اس میں حکیم شری کی تعمیل ہے اور اللہ کی مدد سے مراد ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو)۔

محنتی کہ ایک معنی تقدیر اور قسمت کے ہیں تو حقیقت میں صاحبِ نصیب وہی ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول اپنی پناہ میں لے لے۔ چنانچہ ارشاد ہے قل لمن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی بجز اللہ کے جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کر دی ہے تو جس کو اللہ اور رسول نے اپنی پناہ میں





فی الاسلام سنة الجاهلیة۔ میں شخصوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ رائج کرے۔ اور یہ حکم خاص و عام قریب و بعید سب کے لیے عام ہے جس کی تائید حق تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے قل ان کان اباؤکم و ابناءؤکم و اخواؤکم و ازواجکم و عشیئکم۔ فرمادے بیٹے اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی اور بیبیاں اور خاندان اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ بھارت جس کے مندا ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر بار جو تم کو پسند ہیں۔ اللہ سے اور رسول سے اور اللہ تعالیٰ کے ماستر میں جملہ کرنے سے لپٹا یہ محبوب ہوں تو اللہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (مقدس) حکم بھیجیں۔ اس میں غلام اور غلامی با مشرب ہیں (سب کو حکم الہی کا اپنی تجویز پر مقدم کرنا واجب ہے)۔

(۲۵۲) خواطر میں صرف ربانی اور ملکوئی کی حمایت کی جانے لگی لاں حدیث میں) ایک خاص بات ہے اور وہ خواطر (کی نگہداشت) ہے کیونکہ خواطر نفس کی چار قسمیں ہیں۔ ربانی، ملکوئی، انسانی، شیطانی۔ ان میں دو کی تو حمایت کی جائے گی یعنی خاطر ربانی اور ملکوئی کی اور دوسرے جنگ کی جائے گی یعنی انسانی اور شیطانی سے (اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دل میں جو باتیں تقاضے کے ساتھ آتی ہیں اور ان کو اصطلاح میں خاطر کہا جاتا ہے۔ اُن میں سے حمایت صرف اُن کی ہوگی جو اللہ و رسول کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں اور جن خواطر کو اللہ و رسول سے علاقت ہو بلکہ معنی انسانی تقاضا یا شیطانی دھوکہ ہو ان کی حمایت نہیں کی جاسکتی بلکہ اُن کو روکنا چاہیے) اس طرح یہ شخص اس جماعت میں شامل ہوگا جس کے متعلق ارشاد ہے والذین جاهدوا فینا لنھدینھم۔ سب سے پہلے جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اُن کو ہم اپنے ماستوں پر قائل دیتے (اور مقصود ایک پہنچا دیتے) ہیں یہ تو مفتی کے لیے ہے جو نعر میں تمیز کر سکتا ہے اور مبتدع پر عیب کوئی خاص وارد ہو اُسے چاہئے کہ قرآن و حدیث پر اُسے ہمیشہ کرے، اُس وقت اسے معلوم

ہو جانے لاکہ یہ غادر کس قسم میں داخل ہے تو کتاب و سنت کے موافق حل کرے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کی عظیم الشان نعامت (رجل فست) پر بھی دولت ہے کہ ایک لفظ میں آپؐ نے شریعت و حقیقت کے تمام احکام کو جمع کر دیا۔

قوله ويختص اهل الخصوم۔ بالاحرار وهو الحق الطرائق لہ جمع احکام الشریعة والحقیقة تمہا بعد ذلک بعض المسائل المتعلقة بالفتنہ۔

فت۔ علامہ ابن الی عمرہ نے اس مقام پر مکی کے سب مہنی بیان فرمائے مگر جو مہنی فتنہ کے یہاں مشہور ہیں اُس کو چھوڑ دیا۔ فقہاء نے مکی کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ کسی زمین کی خود رو گھاہیں کو روک دیا جائے کہ اس میں دوسروں کے جانور نہ چریں۔ مرن سوار اور زمینداری کے جانور چرا کریں۔ حدیث نے اس رواج کو باطل کیا ہے کہ زمین کی خود رو گھاہیں سب کے لیے مباح ہے کسی کو اُس کو روکنے کا حق نہیں۔ مرن اللہ اور رسول کو حق ہے۔ غلیفہ کو بھی اپنے ذاتی جانوروں کے لیے کسی زمین کی گھاہیں روکنے کا حق نہیں مرن بیت المال کے جانوروں کے لیے روکنے کا حق ہے کہ اس میں دراصل سب مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ جیسا حضرت عمرؓ نے بیت المال کے اونٹ گھوڑوں کے لیے بعض دیہات کی زمین انھیں کر دی تھی کہ اُس میں بیت المال کے جانوروں کے جواہر دوسروں کے جانور نہ چریں۔ پس لاکھی اکیلا اللہ و رسولہ کا مطلب یہ تھا کہ جو چیزیں سب کے لیے مباح ہیں اُن کو اپنے لیے کوئی نہیں روک سکتا۔ ہاں غلیفہ اسلام بیت المال کے لیے روک سکتا ہے کیونکہ بیت المال کو اللہ اور رسول سے تعلق ہے۔ اس کی منفعت عام مسلمانوں کی منفعت ہے کسی خاص کی منفعت نہیں۔ اُم بیت المال کے لیے کسی زمین کی گھاہیں وغیرہ کو نہ روکا جائے تو جہاد کے اونٹ گھوڑے پرورش نہیں پاسکتے اور جہاد کا موقوف ہو جاتا مسلمانوں کے حق میں سخت مظہر ہے۔ گنہگاروں کی قوم زندقہ نہ سکتی ہے جبکہ پاس اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو کسی قوم کا کمزور ہونا دوسروں کو اپنے ہمعلم کر نیکی و محبت دینا ہے۔ جیسے بکری کی کمزوری بیڑیٹے کو اُس پر حملہ کر لے کہ دھت دیتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

## حدیث

## من لم یثک باللہ دخل الجنة

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے جبل احد کو دیکھا فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس جگہ سے ایک دینار بھی بچے ہوئے اُس دینار کے جسے قرمن (ہوا کرنے) کے واسطے مکہ چھوڑ دوں پھر فرمایا زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں مگر وہ جو مال کو اس طرف اور اُس طرف (خرچ) کرتا رہے ابو شہاب (دعویٰ حدیث) نے (اس وقت) اپنے سامنے اور دائیں بائیں اشارہ کیا (مختصر نے فرمایا: اور یہ لوگ کم ہیں زیادہ وہی ہیں جو مریض ہیں بن کر مال پر سانپ کی طرح جم جاتے ہیں غریبوں کو نہیں دیتے) پھر فرمایا (اے ابو ذر!) جب تک میں نہ آؤں تم اسی جگہ رہنا اور (یہ فرما کر) آپ کچھ فوراً اگے بڑھ گئے میں نے ایک (اجنبی) کو اشارہ سنی تو مختصر کے پاس پہنچنے کا اہلہ کیا پھر مجھے آپ کی بات یاد آگئی کہ تم اسی جگہ رہنا (اس لیے میں اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا) جب آپ واپس تشریف لے گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (کیا چیز تھی یہ؟) جو میں نے سنی یا کسی آواز تھی جو میں نے سنی (دعویٰ کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا غلط سمجھائی ہے) لکھا ہے (فرمایا کیا تم نے بھی (آواز) سنی؟) میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا میرے پاس جوڑیل (عید السلام) آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس

حالت میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک (خدائی) نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔  
 میں نے کہا اگرچہ اُس نے ایسے ویسے (گتے و گتے) کلام کئے ہوں۔ فرمایا ہاں واگرچہ اُس  
 نے کیسے ہی کلام کئے ہوں۔

طحاوی کا ہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص اسلام پر مرے گا جنت میں پہنچ  
 شرح جانے کا اثر ہے اُس نے کیسے ہی کلام کئے ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ جنت میں پہنچ  
 جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو املا عذاب نہ ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ کسی نہ کسی وقت  
 جنت میں مزید جانے کا اگرچہ عذاب مکی دیا جائے تو حجاب یہ ہے کہ ایک حدیث نے  
 اُس کو صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان دو طرح کا ہے  
 ایک وہ جس کا صاحب جہنم میں داخل ہوتا ہے نہ جانے گا۔ دوسرا وہ جس کا صاحب جہنم میں ہمیشہ  
 نہیں رہے گا۔

یہ دوسرا ایمان وہ ہے جس کے ساتھ گناہ بھی ہوں اور پہلا ایمان وہ ہے جو احکام  
 کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کے ساتھ ہو۔ حدیثیں اس معنی میں بہت ہیں اور اہل  
 قوفی گناہوں سے صرف اسی لیے ڈرتے ہیں کہ گناہ بگڑا کر محنت نہ جانے کا اندیشہ  
 رہتا ہے دیکھیں یہاں نہ ہو کہ ایمان سلب ہو جائے کیونکہ گناہ و کفر کے قاصد ہیں (جیسے  
 نیک اعمال ایمان کے قاصد ہیں یعنی نیکیوں کا سلسلہ ایمان سے وابستہ ہے اور گناہوں کا  
 کارشتہ کفر سے ملتا ہوا ہے)۔

(۲۵۳) مباح چیزوں پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چلتے  
 چمکتے ہرچیز میں عبادت میں منکر کو ناجائز  
 ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے جبل احد کو دیکھا۔ اگر آپ چلتے ہوئے زمین کی  
 عبادت پر نظر نہ ڈالتے بلکہ نگاہ نیچی کر کے چلا کرتے تو اہل احد پہاڑ کو مذموم دیکھتے۔  
 ہاں یہ مزید ہے کہ حضرت علیہ وسلم کی نظر دوسروں کی طرح نہیں تھی۔ آپ کی ہر نظر  
 عبادت تھی۔ کیونکہ وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی اور جب اس نیت سے  
 نظر ڈالی جاتے تو کتب و سنت کے بیان سے وہ اپنی دہر کی مہلوت ہے۔ کتاب و سنت

میں ہے اور نہ بنظرِ وحی ملکوت السموات والارض کیا ان لوگوں نے آسمانِ عزمین کے عجائبات (قدرت) میں نظر نہیں کیا (جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ان پر شکست ہو جاتی یا اس سے معلوم ہو) اگر اس تبت سے زمین و آسمان کی طرف نظر کرنا ضرور مطلوب ہے (نیز ارشاد ہے) ویتفکرون فی خلق السموات والارض وینبغی ان یفکروا بالما بعینہ اور (مفسرین لوگ) زمین و آسمان کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں، اے پروردگار! تو نے اس کو بیکار نہیں بنایا تو اس سے پاک ہے اور حدیث میں ہے اللہ اجمل نظر رکھتا ہے۔ اے اللہ! میری نظر کو (مغیر) حیرت بنا۔

ابھی یہ بات کہ حضورؐ کی نظر حیرت حاصل کرنے کے لیے تھی اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے جبلِ احد کو دیکھ کر ایک قصہ شرمیہ بیان فرمایا (بلکہ چند قواعد) اگر یہ نظر حیرت کے لیے نہ ہوتی تو کلامِ کارنگ دوسرا ہوتا۔ کیونکہ ہر کلامِ فکر کا نتیجہ ہے فکرِ کلام کا مقتدر ہے اور مقتدر کے موافق ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے (جب یہاں نیز فکرِ اعلیٰ درجہ کا ہے تو یقیناً آپؐ کی نظر بھی اعلیٰ درجہ کی تھی) حضورؐ نے اس مقام پر جو مقام شرمیہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ غیر کی (یعنی مال کی) تمنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اشیاء میں انقلاب ہو سکتا ہے (بہارِ سونابن سکتا ہے) فرسونا چاندی پہاڑ ہی میں تو پیدا ہوتا ہے۔ یہی ٹھکانا کسی جگہ سونابن جاتی ہے کسی جگہ چاندی کسی جگہ یا قوت و زبرد و خیر و تیسرے یہ کہ قرص لین جائز ہے اور تین دن یا اس سے کم مدت تک دنیا کا پاس رہنا دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں اور جو رقم قرص ادا کرنے کے لیے دیکھی جائے وہ بھی دنیا میں کرنے میں داخل نہیں چاہے تین دن سے زیادہ عرصہ تک رہے اور دنیا کو اس لیے حاصل کرنا کہ اکثر کے کاموں میں صرف کی جائے دنیا (داری) نہیں بخیر حدیث میں نہ ہر کچھ ثابت ہے یہ سب فوائد حضورؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوئے نہیں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونابن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس میں سے ایک دنیا بھی رہے سوا اُس دنیا کے جسے قرص کے واسطے رکھ چھوڑوں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضورؐ نے مال کی تمنا تو نہیں کی بلکہ اُس کی نفی کی ہے

تو کہاجئے گا کہ حضورؐ نے تین دن سے زیادہ رکھنے کی نفی کی ہے تنہا کی نفی نہیں کی جو لوگ معافی کا نام کو سمجھتے ہیں وہ اس سے مطلقاً تنہا کی نفی نہیں سمجھ سکتے۔ دیکھو کہ جب کلام میں کوئی قید ہو حکم قیود کی طرف مابح ہو تا ہے نہ مقید کی طرف۔ علماء بلاغت نے اس کی تصریح کی ہے (حدیث سے اشارہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ قرض کم کرنا چاہیئے (زیادہ نہ چاہیئے) کیونکہ حضورؐ نے قرض ادا کرنے کے لیے ایک دینار رکھ چھوڑنے کا ذکر فرمایا۔ ایسا لفظ نہیں فرمایا جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہو۔ جب آپؐ نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جو قلیل ہی کو شامل ہے اور لفظ عام عقیدہ میں کیا تو معلوم ہوگا کہ آپؐ کا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا (کہ قرض زیادہ نہ کرنا چاہیئے) کسی نے کہا ہے اقتل من الدین تقش حراً (اپنے ذمہ) قرض کم کرو آزاد ہو گے (زیادہ قرض کرو گے تو آزاد ہوئی میں غفل پڑے گا) اور یہ جواب نے فرمایا کہ زیادہ مال والے ہی زیادہ کئی مانے ہیں اس میں چند احتمالات ہیں، ایک یہ کہ پیسے لوگ (حساب و کتاب و عذاب سے) غلامی پانے والے کم ہیں کیونکہ ان کے ذمہ حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور (حقوق کی وجہ سے) منکثات (دراز پرس و غیرہ) زیادہ ہوں گے اسکا لیے کیا گیا ہے حالانکہ حساب و عذاب عذاب دنیا کا مطلق حصہ حساب (میں مبتلا کرتا) ہے اور حرام عذاب (میں گرفتار کرتا) ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نیکیاں کم ہوں گی اگرچہ وہ نیک کام زیادہ بھی کریں۔ مطالبات کی کثرت سے نیکیاں کم ہو جائیں گی کیونکہ سبیل جول اور پس دین میں ناجائز باتوں اور منومات کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے جن کی اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو (نیک اعمال کی) توفیق کم ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو مال مہارت سے اور نبات کے راستہ پر چلنے سے مانع ہو جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب معافی مراد ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کے بعد فرمایا مگر وہ جو مال کو جس طرف اور اس طرف خرچ کرتا رہے (یعنی ہر طرف جہاں مناج نظر آئیں یا عزت معلوم ہو خرچ کرنے میں دریغ نہ کرے۔ ایسا شخص مبتدئ حساب و کتاب اور طلب سے غلامی پانے گا اس کی نیکیاں بھی کم نہ ہوں گی اس کو نیک اعمال کی توفیق

بھی زیادہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا دل جب مال سے پاک ہوگا اور اعمال خیر سے مال مانع نہیں ہوتا بلکہ اس کی محبت مانع ہوتی ہے۔

قوله فيه دليل على جواز النظر في المباحات الى قوله ومن اجل هذا اعتبه بقوله عليه السلام انما من قال بالمال حكدا وحكدا -

(۲۵۴) صحبت کا ادب یہ ہے کہ ساتھی کو اطلاع کئے بغیر جدا نہ ہو۔ حدیث معلوم ہوا کہ محبت کا ادب یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے بغیر اطلاع کے جدا نہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوندر رمضان سے یہ کہہ کر جدا ہوئے کہ میرے آنے تک اسی جگہ پر رہنا (بغیر اطلاع کے جدا نہیں ہونے)۔

قوله فيه دليل على من ادب الصفة ان لا يخلو الصاحب الى قوله مكافئ حتى كملت -

ف - مویا نے آداب محبت میں اس کی تعریف کی ہے اور یہ مسئلہ آداب معاشرت میں سے ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے ساتھی سے الگ ہو جانا اس کو پریشانی میں ڈالتا ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

(۲۵۵) عاشق بدگمان ہوتا ہے اور محکم کی بجائے بڑی اطاعت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاشق بدگمان ہوتا ہے (مثنیٰ است و ہزار بدگمانی) دیکھو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے کہہ دوڑ آگے بڑھ گئے اور انھوں نے (انجمن) آواز سنی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (خطر و کام) اندیشہ ہوا اور چاہا کہ فوراً آپ سے پاس پہنچیں مگر آپ کا حکم یاد کر کے رک گئے اور اس سے معلوم ہوا کہ احکام کی بجا آوری سب سے بڑی طاعت ہے کیونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ یہی سمجھ کر اپنی جگہ پر جمے رہے کہ حکم کی تعمیل سب سے زیادہ مقدم ہے۔ انھوں نے تعمیل حکم کو اپنے پاس جذبہ پر ترجیح دی جو محبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ اجنبی آواز سنتے ہی حضور کے پاس

ہمیں، یہ عارضین کا مقام ہے کہ ان کی طاعت بجا آوری حکم کے لیے ہے اپنی خواہش سے نہیں اور جاہل کی حالت اُس کے برعکس ہے کہ وہ اپنی خواہش کے موافق طاعت بجا لگا ہے اتباع حکم کی پابندی نہیں کرتا)۔

قوله فيه دليل على ان المحب بسوء الظن مولع الله قوله والمجاهل بهنداءك

(۲۵۶) بدوں تحقیق حال کے احکام نہ بیان کئے جائیں کہ جہاں شخص کی ضرورت ہو وہاں بغیر تحقیق حال کے احکام (شرعیہ) بیان نہ کئے جائیں اگرچہ واقعہ معلوم بھی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے اُن کے اس کہنے کے بعد کہ یہ کیا آواز تھی جن میں نے سُنی پھر دریافت فرمایا کہ تم نے یہ آواز سنی؟ انھوں نے کہا ہاں اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ یہ آواز میری ہی کی تھی وہ مجھ سے یہ کہہ گئے ہیں۔ آپ کا دوبارہ پوچھنا ملا کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابوذر نے آواز سُنی ہے اس بات کو بتلایا ہے کہ احکام اللہ کو اہتمام کرنا چاہیے اور قریر احکام کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اس وقت جبریل نے جو کچھ کہا تھا وہ احکام اللہ میں سے ایک (عظیم الشان) حکم تھا تو حضور نے اُس کو سرسری طور سے بیان نہیں کیا بلکہ اہتمام اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا۔

قوله فيه دليل على ان الاحكام لا تذکر الا بعد التثبت الی قولہ ارشاد

الی الا تدر بلعمر الاحکام -

(۲۵۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی

ہے وہ جس کو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں (فرشتوں کی آواز وغیرہ) سُنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سُنانے سے روک دیتے ہیں۔ دیکھو بہت احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے درمیان (بٹھے ہوئے) دومی نازل ہوتی تھی پھر فرشتہ چلا جاتا اور صحابہ میں سے کوئی بھی کچھ نہ سُنتا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو



قدسے آواز سنا دی گئی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔  
 قوله فيه دليل على عظيم قدرته القادر على قوله ليعلم ان الله على كل  
 شيء قدير

فت۔ یہ بھی تختہ کا بڑا مسئلہ ہے اگرچہ محکمہ بھی اس کو بیاہی کرتے ہیں اور یہ مسئلہ  
 عقائد میں داخل ہے۔ مگر اس کا پھر ایک نیا سو فیاد کرام ہی کو نصیب ہے اسی لیے وہ انھوں میں  
 تبادلہ کم کرتے ہیں اگرچہ بظاہر عقل سے بعید ہوں کیونکہ وہ تقدس خلودی سے کسی چیز کو  
 بعید نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو یہی درس دے گا کہ اس دولت سے حق تعالیٰ فرمائیں۔ آمین۔

الحمد لله: تمہارے روز شنبہ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ کو رحمت اللہ علیہ ترقی بہتہ انفس  
 کا دوسرا مقصد التزامت کے ساتھ جو دیا چڑھتا ہے اس میں مذکور ہیں تمام ہوا۔ ملاحظہ اس  
 وقت اس کی کچھ امید نہ تھی کیونکہ ۹ ماہ کی مسلسل طالت نے مجھے نصیحت و تہنیت سے رنگ  
 دیا تھا۔ رمضان سے پہلے صفت زیادہ تھا اور یہ ہمیشہ تھا کہ رمضان میں روزہ و قراویہ کیوم  
 سے صفت بڑھ جاتے گا مگر الحمد للہ کہ رمضان و اہمال و رمضان کی برکت سے صحت پہلے  
 سے اچھی ہو گئی اور شوال میں اس قابل ہو گیا کہ تریجہ دوم پورا کر دوں۔

بہتہ انفس کے حق تعالیٰ دوم میں کل سوسہ تیس ہیں اور دیا چڑھتا ہے معلوم  
 ہوا ہے کہ انھوں نے بخاری کی تین سوسہ تیس کی شرح کی ہے۔ عزیز خاں مولوی محمد اور بیس  
 صاحب کا مذہبی سلمہ اللہ تعالیٰ صحت و مفسر دارالعلوم دیوبند سے معلوم ہوا کہ بہتہ انفس  
 کے دو حصے اور بھی ہیں جو گئے ہیں جو ان کے پاس پہنچ گئے ہیں مگر میرے پاس اب تک نہیں  
 پہنچے۔ اگر وہ دو حصے بھی مل گئے اور صحت و طاقت اور توفیق لے یاوری کی توفیق دے اللہ  
 ان کا ترجمہ بھی اسی طرز پر پڑھنا کہ خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ورنہ اسی قدر پر  
 کفایت ہے اور کیا جب یہ کہ آ، اور صاحب دل بقیہ جلدوں کا ترجمہ اسی طرز پر مجھ سے  
 اچھا کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیدنا نبیاء و الرسل و الصالحین و اہل بیت کرام کے  
 فضل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے انکس قدسیہ کی  
 برکت سے اس خدمت کو قبول فرمائیں اور میرے اور جملہ احباب و اصحاب و برادران

اسلام کے لیے اس کو نافع بنائیں اور میرے لیے یہ کتاب ذخیرۂ اور لذتِ بہنات  
بن جائے۔ دعاؤں کا صلہ اللہ بعزیز۔

ہاشم کی جوگی اگر برادرِ مرزاں مولوی بشیر علی صاحب خانوی سلا کا شکر یہ ادا نہ  
کروں گا انھوں نے بہت محنت و اہتمام اور محنت و کوشش سے اس کتاب کو طبع کرایا۔  
اللہ تعالیٰ تمام دُعاؤں کو ان کے ہی حق میں قبول فرمائیں اور ان کو جو سب خیر عطا فرمائیں۔  
ۛ بہ نقشِ بستہ مشوشم بہ بحرنِ ساخنہ مرغوشم  
نقشے بیا تو می کشم پر عدلت و چہ مایتم

— قیمت پانچ روپے —

والحمد لله الذی بعزیزہ و جلالتہ نشر ہما لجات و صل اللہ علیہ وسلم  
علی سید الکائنات و اشرف المخلوقات سیدنا محمد و علی و آلہ  
اصحابہ و غدیہ و اہل بیتہ و ازواجہ مطہرات الطہرات و سلمہ  
تسلیم اکثیرا کثیرا ۛ

احقر ظفر احمد عثمانی تدارع علیہ السلام  
بدشوال الحکم ۱۳۶۶ مطابق ۶ اگست ۱۹۴۶ عیسوی  
بستام شعاکہ مشرقِ پاکستان۔